سلسلۂ مطبوعاتِ انجمنِ ترقی اُردو (ہند) نمبر ۱۰۰

مشاہیرِ یونان و روما

حکیم پلوٹارک یونانی کی کتاب السیر کا اُردو ترجمہ

جلد اوّل

ترجمہ

مولوی سیّد ہاشمی صاحب فرید آبادی

مع دیباچہ

جناب ڈاکٹر مولوی عبد الحق صاحب

اصلاح و ترمیم ترجمہ کے بعد مجدداً شائع کی گئی

شائع کردہ

انجمنِ ترقی اُردو (ہند) - دہلی

سنہ ۱۹۴۳ء

قیمت مجلد للعہ غیر مجلد عہ

MASHAHIR UNAN WA ROME

سفید عام پریس لاہور میں باہتمام لالہ موتی رام منیجر چھپی
اور سید صلاح الدین جمالی منیجر انجمن ترقی اُردو (ہند) نے دہلی سے شائع کی۔

سلسلۂ مطبوعاتِ انجمنِ ترقی اُردو (ہند) نمبر ۱۰۰

مشاہیر یونان و رومہ

حکیم پلوتارک یونانی کی کتاب السیر کا اُردو ترجمہ

جلد اوّل

ترجمہ

مولوی سیّد ہاشمی صاحب فرید آبادی

مع دیباچہ

جناب ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب

اصلاح و ترمیمِ مترجم کے بعد مجدداً شایع کی گئی

شایع کردہ

انجمنِ ترقیٔ اُردو (ہند)۔ دہلی

سنہ ۱۹۴۳ء

قیمت مجلد ۸ ؎ غیر مجلد ۸ ؎
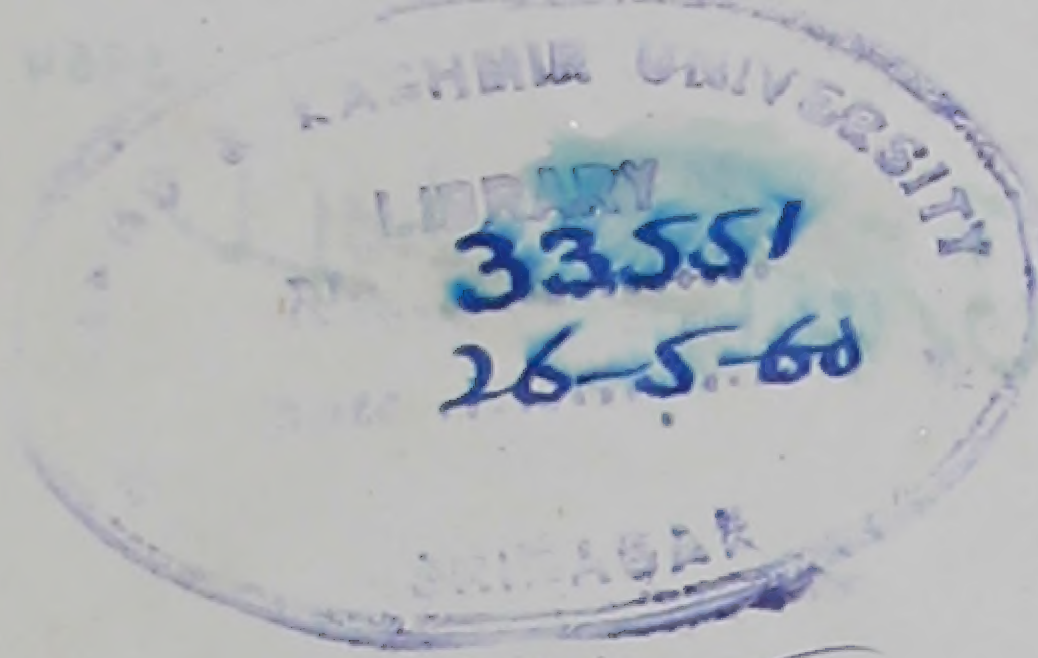
مفید عام پریس لاہور میں باہتمام لالہ موتی رام مینیجر چھپی
اور سید صلاح الدین جمالی مینیجر انجمن ترقی اُردو (ہند) نے دہلی سے شائع کی

سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اُردو ۱۸۰

مشاہیر یونان و روم

جلد اول

ترجمہ از مولوی سیّد ہاشمی صاحب فرید آبادی

فہرست

تمّت

مُصنّف اَور اُس کی کِتابُ السّیر

وسطی یونان کا ایک مغربی ضلع بیوشیہ ہے، جس میں شیرونیہ مشہور قصبہ تھا۔ یہیں پہلی صدی عیسوی میں اس کتاب کا مصنّف پلوٹارک پیدا ہؤا۔ ولادت اور وفات کا ٹھیک سال معلوم نہیں مگر قرائن سے ثابت ہے کہ ولادت ۴۵ء تا ۵۰ء کے درمیان اور وفات ۱۲۰ء کے قریب ہوئی۔ اپنے وطن کے قدیم اور معزز خاندان سے تھا اور خود بھی بہت دن تک صدر بلدیہ رہا۔ یہ زمانہ سلطنت رومہ کے عین عروج کا زمانہ تھا۔ نروا نراجن، ہادرئین جیسے ہوش مند بادشاہ امن و انتظام کے کفیل اور علم و فن کے مربّی تھے۔ تاسی طوس اور پلینی (خورد) مؤرخ اور ماریتال و جووی نال شاعر اُس کے ہم عصر تھے۔ حکیم اِپیک تی تس اخلاق اور فلسفے کا درس دے رہا تھا اور خود اس کے استاد امونیوس نے ایتھنز میں افلاطون کی یاد تازہ کردی تھی۔ وہ خود بھی کچھ مدت تک پایۂ تخت رومہ میں درس دیتا رہا اور مشہور ہے کہ ہادرئین بادشاہ نے اس کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ہم عصر تحریری شہادت موجود نہ ہونے سے

ان روایتوں کی تصدیق مشکل ہے مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ پلوٹارک اور اس کے وطن یونان کے ساتھ رومی شہنشاہی کا برتاؤ اتنا اچھا تھا کہ وہ اپنے وطنی اسلاف کے ساتھ رومی مشاہیر کی سیرتیں لکھنے پہ آمادہ ہوگیا اور اسی محنت و تحقیق سے بزرگانِ رومہ کے حالات جمع کیے جس جگر کاوی سے یونانی رجال کے تذکرے مرتب کیے تھے۔ ہر یونانی نام ور کے مقابلے میں ایک رومی کا انتخاب کیا جو مرتبے یا شہرت اور کارناموں میں یونانی پیش رو سے مماثلت رکھتا تھا، اور ایسے ہر جوڑ کے آخر میں عموماً ان کی سیرت اور کردار کا تقابل بھی دکھا دیا۔ اس طرح کی بیالیس ۴۲ "جوابی" اور چار ۴ منفرد (کل چھیالیس ۴۶) سیرتیں محفوظ رہیں۔ کتاب میں جو حوالے آتے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ چند سوانح عمریاں اور بھی جمع کی تھیں جو یا ناتمام رہیں یا بعد میں تلف ہوگئیں

پلوٹارک کی اس ضخیم کتاب میں کہیں کہیں تاریخی خامیاں پائی گئی ہیں لیکن اسے اعتراف ہے کہ وہ کسی ملک و قوم کی تاریخ نہیں، بلکہ ایسے افراد کی سیرتیں لکھ رہا ہے جو آیندہ نسلوں کے لیے عمدہ اوصاف و اخلاق کا نمونہ مانے جائیں۔ اسی لیے ان کے متعلق ضعیف روایتوں کو بھی وہ پیش کر دینے میں مضائقہ نہیں کرتا اگرچہ کمال دیانت سے ان کی تاریخی یا عقلی کمزوری بھی خود جتا دیتا ہے

پلوٹارک کی یہ ضخیم و معرکہ آرا کتاب سالہا سال کی

تحقیقات و محنت اور غالباً اس کی آخری عمر کی تصنیف ہی۔ اس کے مقالات و رسائل کا ایک اور مجموعہ بھی محفوظ ہی جن میں فلسفہ و اخلاق کے مختلف مسائل پر حکیمانہ انداز میں بحث کی گئی ہی ۔ بعض مکالمات میں افلاطون کا طرزِ بیان اختیار کیا ہی ۔ حکمت و فلسفہ میں بھی وہ بہت کچھ اسی غیر فانی حکیم کا مقلد تھا

اصل یونانی کتاب پہلی دفعہ ۱۵۱۷ء میں اطالیہ میں طبع ہوئی اور پھر بار بار چھپتی رہی ۔ یورپ کی ہر بڑی زبان میں اس کے کئی کئی ترجمے ہوئے اور آج تک دنیا کی مقبول ترین مطبوعات میں شمار ہوتی ہی ۔ انگریزی میں بھی اس کے کئی ترجمے ہیں لیکن سب سے محتاط اور قابلِ اعتماد آرتھر ہیو کلو کا ترجمہ سمجھا جاتا ہی اور اُردو ترجمے کے واسطے اسی کو انتخاب کیا گیا ۔ اس اُردو ترجمے کی دو جلدیں انجمن ترقیٔ اُردو نے قریب قریب پچیس سال پہلے شائع کی تھیں اور ترجمے کی خامیوں اور کتابت و طباعت کی بہت سی خرابیوں کے باوصف خاصی مقبول ہوئیں ۔ بایں ہمہ پوری کتاب کے ترجمے اور اشاعت کی نوبت نہ آئی اگرچہ مجھے اور جناب مولوی عبدالحق صاحب کو برابر یہ خیال رہا کہ یورپ کے ادبیات عالیہ کے اس شاہکار کو زبان اُردو میں مکمل اور بہتر سے بہتر صورت میں شائع کیا جائے ۔ چنانچہ سابقہ ترجمے پر احتیاط سے نظر ثانی کے بعد اب یہ کتاب از سرِ نو طبع کرائی جا رہی ہی

اور خدا نے چاہا تو آیندہ دو تین سال میں مکمل ترجمہ، چھ یا سات جلدوں میں شائع کردیا جائے گا۔

وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَان

۱۴۔ ستمبر سنہ ۱۹۴۱ء سید ہاشمی (فرید آبادی)

دیباچہ (طبع اوّل)

از جناب ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب، بی۔ اے
سکرٹری انجمن ترقّئ اُردو

پڑھنے کی عادت بہت اچھی ہی۔ مطالعہ ایک شریفانہ فعل ہی نہیں حکیمانہ فعل ہی۔ لیکن، پڑھنے پڑھنے میں فرق ہی اور کتاب کتاب میں فرق ہی

میں ایک بدمعاش اور پاجی آدمی سے باتیں یا بےتکلفی کرتے ہوئے جھجکتا ہوں اور آپ بھی میرے اس فعل کو بُری نظر سے دیکھتے ہیں۔ لیکن میں اس سے زیادہ بدمعاش اور پاجی کتاب پڑھتا ہوں نہ آپ کو ناگوار گزرتا ہی اور نہ مجھے ہی کچھ ایسی شرم آتی ہی بلکہ اُس کی ہر بات شربت کے گھونٹ کی طرح حلق سے اُترتی چلی جاتی ہی۔ پاجی آدمی کی تو شاید کوئی حرکت ناگوار ہوتی اور میں اُس سے بیزار ہوجاتا مگر یہ چپکے چپکے دل میں گھر کررہی ہی اور اس کی ہر بات دل رُبا معلوم ہوتی ہی

اگر میں کسی روز بازار جاؤں اور چوک میں سے کسی محض اجنبی شخص کو ساتھ لے آؤں اور اس سے بےتکلفی اور دوستی کی باتیں شروع کردوں اور پہلے ہی روز اس طرح سے اعتبار

کرنے لگوں جیسے کسی پُرانے دوست پہ، تو آپ کیا کہیں گے؟
لیکن اگر ریل کسی اسٹیشن پر ٹھیرے اور میں اپنی گاڑی سے
اُتر کر سیدھا بُک اسٹال (کتب فروش کی الماری) پر پہنچوں اور
پہلی کتاب جو میرے ہاتھ لگے خرید لاؤں اور کھول کے شوق
سے پڑھنے لگوں، تو شاید آپ کچھ نہ کہیں گے۔ حالانکہ یہ فعل
پہلے فعل سے زیادہ مجنونانہ ہے اُس کے لیے تو کوئی عذر ہو بھی سکتا
ہے مگر اس کے لیے کوئی عذر ممکن نہیں

میں ایک بڑے آباد شہر یا مجمع میں جاتا ہوں کبھی ایک طرف
نکل جاتا ہوں کبھی دوسری طرف جا پہنچتا ہوں اور بغیر کسی مقصد کے
اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا ہوں۔ افسوس کہ باوجود آدمیوں کی کثرت
کے میں وہاں اپنے تئیں اکیلا اور تنہا پاتا ہوں اور اس ہجوم میں
تنہائی کا بار اور بھی گراں معلوم ہوتا ہے۔ میرے کتب خانے میں
بیسوں الماریاں کتابوں کی ہیں۔ میں کبھی ایک الماری کے پاس
جا کھڑا ہوتا ہوں اور کوئی کتاب نکال کے پڑھنے لگتا ہوں اور
کبھی دوسری الماری میں سے کوئی کتاب اٹھاکر دیکھنے لگتا ہوں۔
میں اس طرح سینکڑوں کتابیں پڑھ جاتا ہوں لیکن اگر میں غور
کروں تو میں دیکھوں گا کہ میں نے کچھ بھی نہیں پڑھا۔ اس وقت
میری آوارہ خوانی مجھے ستائے گی اور جس طرح ایک بھرے پُرے
شہر میں میری تنہائی میرے لیے وبال تھی اسی طرح اس مجمع شرفا
و علما و ادبا و شعرا میں میں یکہ و تنہا اور حیران ہوں گا

بغیر کسی مقصد کے پڑھنا فضول ہی نہیں مضر بھی ہے۔ جس

قدر ہم بغیر کسی مقصد کے پڑھتے ہیں اُسی قدر ہم ایک بامعنی مطالعہ سے دُور ہوتے جاتے ہیں
ملٹن نے ایک جگہ کہا ہے کہ "اچھی کتاب کا گلا گھونٹنا ایسا ہی ہے جیسے کسی انسان کا گلا گھونٹنا" جس سے اس کی مراد یہ ہے کہ فضول اور معمولی کتابوں کے پڑھنے میں عزیز وقت ضائع کرنا اچھی کتاب کا گلا گھونٹنا ہے۔ کیوں کہ ایسی صورت میں وہ ہمارے لیے مُردہ ہے
لوگ کیوں فضول، معمولی اور ادنیٰ درجے کی کتابیں پڑھتے ہیں؟ کچھ تو اس لیے کہ ان میں نیاپن ہے کچھ اس خیال سے کہ ایسا کرنا داخل فیشن ہے اور کچھ اس غرض سے کہ اس سے معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ پہلی دو وجہیں تو طفلانہ ہیں۔ تیسری وجہ البتہ بظاہر معقول ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم معمولی، ذلیل اور ادنیٰ معلومات کو اپنے دماغ میں بھرتے ہیں تاکہ اعلیٰ معلومات کی گنجائش باقی نہ رہے
اگر ہم اپنے مطالعے کا ایک سیاہہ تیار کریں اور اُس میں صبح سے شام تک جو کچھ پڑھتے ہیں لکھ لیا کریں اور ایک مُدت کے بعد اُسے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ہم کیا کیا کر گزرے۔ اُس میں ہم بہت سی تحریریں پائیں گے جن کا ہمیں مطلق خیال نہیں۔ بہت ایسے ناول ہوں گے جن کے ہیروؤں تک کے نام یاد نہیں۔ بہت ایسی کتابیں کہ جن کی نسبت اگر ہم سے کوئی یہ کہتا کہ یہ ہم پڑھ چکے ہیں تو ہمیں کبھی یقین نہ آتا۔ بہت سی ایسی تاریخیں، سفرنامے،

رسالے وغیرہ ہوں گے جنھیں پڑھ کر خوش تو کیا، پچھتاتے ہی ہونگے؛
اگر ہم علی گڑھ کالج کے طالب علموں کے نام، اُن کے حلیے، اُن کے
وطن، اُن کے محلّے، اُن کی کتب نصاب تعلیم اور اُن کے شجرے
یاد کرنے شروع کردیں اور اُسے "معلومات" کے نام سے موسوم
کریں تو لوگ کیا کہیں گے؟ غرض ایسا ہی کچھ حال اُس سیاہے کا ہوگا۔
اُس کا اکثر حصہ خرافات کی ایک عجیب فہرست، اور ہماری ورق گردانی
اور تضیعِ وقت و دماغ کی ایک عمدہ یادگار ہوگی

ہلٹن نے کیا خوب کہا ہے "عمدہ کتاب حیات ہی نہیں، بلکہ
ایک لافانی چیز ہے" اس قول میں مطلق مبالغہ نہیں۔ عمدہ کتاب خود
ہی لافانی نہیں بلکہ اپنے لکھنے والے کو، اُن کو جن کا اس میں ذکر ہے
اور بعض اوقات پڑھنے والوں کو بھی لافانی بنادیتی ہے۔ عمدہ کتابوں نے
انسانوں کے اخلاق وطبائع اور آرار، پر بہت بڑا اثر ڈالا ہے۔ خیالات
میں عظیم الشان تغیر پیدا کیا ہے۔ قوموں میں ہل چل اور انقلابات
بپا کیے ہیں اور ملکوں کی کایا پلٹ میں حیرت انگیز مدد دی ہے۔ اور
یہی عمدہ کتاب کی نشانی ہے۔ میں آج آپ کو ایک ایسی کتاب کا
حال سناتا ہوں۔ یہ آج کل کی نہیں، صدی دو صدی کی نہیں،
بلکہ سنہ عیسوی کی پہلی صدی کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ اب تک زندہ ہے
یہ لافانی ہے۔ اس نے بہت سے مردہ دلوں کو زندہ دل بنا دیا۔
بہت سے سوتے ہوؤں کو بیدار اور غافلوں کو ہشیار کردیا۔ بہت سی
قوموں میں قومیت و انسانیت کی روح پھونک دی۔ اور اس میں
اب بھی اسی سحر کاری کی قوت موجود ہے بشرطیکہ ہمیں اپنی آوارہ خوانی

سے فرصت ہو

جب روما کی قدیم سلطنت خانہ جنگیوں کی بدولت پارہ پارہ ہوگئی نیز مذہب عیسوی کے تازہ فروغ نے یونان قدیم کی تہذیب و حکمت کو برباد کر دیا تو چوتھی صدی سے تیرھویں صدی عیسوی تک براعظم یورپ میں سخت جمود کی کیفیت طاری رہی۔ علمائے مذہبی کی تلقین اور حاکمانہ تعلیم نے لوگوں کو دنیا اور معاملات دنیا کی جانب سے بالکل بے پروا کر دیا تھا۔ ہر دل پر آنے والی زندگی کا ہول اور قیامت کا خوف ایسا بیٹھ گیا تھا کہ جو لوگ تارک الدنیا نہ تھے، حیات ظاہری کے مسائل پر غور کرنا انھیں بھی ناگوار اور تضیع اوقات معلوم ہوتا تھا۔ دماغوں میں اوہام پرستی اور متعصبانہ تنگ دلی اور قومی عزّت و غیرت کے تمام اصولوں سے بے خبری کے سوائے کسی چیز کے سمانے کی گنجایش نہ تھی اور شخصی بادشاہوں کے طفلانہ فرمان اور خود غرض پادریوں کے خلاف عدل و انسانیت احکام کی تابعداری زندگی کا فریضۂ مسلّمہ بن گئی تھی

صدیوں تک اسی حالت خراب میں پڑے رہنے کے بعد آخر کار اہلِ مغرب میں حرکت پیدا ہوئی اور اندلس کی اسلامی درسگاہوں کے طفیل سے اور اُن یونانی پناہ گزینوں کے اثر سے جو ترکی سے فتح قسطنطنیہ کے بعد جنوبی یورپ میں بھاگ آئے تھے۔ یونان قدیم کے فلسفہ و حکمت اور رومی قوانین و نظام سلطنت کا علم ان ممالک میں پھیلا اور محض اس کی بدولت ذہنی ترقیوں کا وہ دور یورپ میں شروع ہوا جسے بجا طور پر اہلِ یورپ 'عہد بیداری' (یا نشاۃ الثانیہ) سے

تعبیر کرتے ہیں۔ شوق علم و مطالعہ کے اس احیا نے ایک طرف تو اُس زبردست اصلاح مذہبی کی تخم پاشی کی جو عیسائیوں کے نئے فرقے پراٹسٹنٹوں کی تحریک کی سنگ بنیاد تھی اور دوسری طرف عدل و مساوات رواداری اور معقولیت، آزاد خیالی اور جمہوریت، اور ایثار و حب وطن کا دلوں میں گہرا نقش بٹھا دیا اور درحقیقت محض قدیم علم ادب کا طفیل تھا کہ استبداد و مطلق العنانی کا زور ٹوٹا اور لوگوں کے خیالات میں وہ غیر معمولی تلاطم ہوا جس کا سب سے خوفناک مظاہرہ انقلاب فرانس تھا

اس طرح تقریباً پانسو برس کی محنت و مطالعہ کا جو کچھ نتیجہ ہوا وہ گویا اسی درخت کا پھل تھا جسے دو ہزار برس پہلے اہل یونان کے ہاتھوں نے بویا تھا

لیکن ان یونانی کتابوں میں جو یورپ کے ایسے ذہنی انقلابات کا سبب ہیں اگر ہم بغور تلاش و امتیاز کرنا چاہیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ پلوٹارک متوطن شیرونیہ (علاقہ بیوشیہ، یونان) کی کتاب "مشاہیر یونان و روما" بھی من جملہ ان چند کتابوں کے ہے جنھوں نے مغرب کو قعر مذلت سے نکال کر اوج کمال پر پہنچا دیا اور اعلیٰ انسانی خصائل کا ایسا سبق دیا جو کبھی فراموش نہ ہو

مذہب ہو یا دنیاوی معاشرت، سیاسیات ہو یا دینیات بغیر اخلاق کے چارہ نہیں۔ جب تک ان کی تہ میں اخلاق نہ ہو کامیابی ممکن نہیں۔ لیکن قابل غور اور اہم سوال یہ ہے کہ اعلیٰ اخلاق کی تعلیم کیونکر دی جائے کہ نوجوانوں کے دلوں میں اعلیٰ اور پاکیزہ خیالات اس طرح متمکن ہو جائیں کہ دنیوی لالچ، خود غرضانہ خواہشات دوستی اور مروت

انھیں ڈانواں ڈول نہ کر سکے؟ بعض کا خیال ہو کہ صرف مذہبی تعلیم ہی سے اخلاق درست ہو سکتے ہیں۔ بعض کی رائے ہو کہ اخلاق کی کتابیں پڑھانے اور وعظ و پند کے ذریعے سے اخلاق سکھا سکتے ہیں لیکن مشکل یہ ہو کہ پہلا طریقہ حکم و فرمان پر مبنی ہو اور بہت طبائع اُسے قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں اور اس سبب اکثر محروم رہ جاتی ہیں۔ اور دوسرا طریقہ بے مزہ اور روکھا پھیکا ہو۔ خصوصاً نوجوان طبیعتیں اُس سے بھاگتی ہیں اور واعظوں کے وعظ اور ناصحوں کی نصیحتیں رائیگاں جاتی ہیں۔ ایک تیسری تدبیر اصلاح اخلاق کی، صحبت ہو۔ بے شک یہ ایک کارگر اور مؤثر تدبیر ہو لیکن ہر کہیں اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ سیرت کے کامل نمونے کہاں نصیب ہوتے ہیں علاوہ اس کے کہ ان طریقوں میں دل کشی نہیں جو نصیحت کی تلخی کو کم کرنے کے لیے نہایت ضروری ہو، ایک اور کمی بھی ہو یعنی ان سے بڑائی حاصل کرنے کا دلوں میں ولولہ اور جوش پیدا نہیں ہوتا۔ اب صرف ایک ہی طریقہ باقی ہو جو مؤثر بھی ہو، دل کش بھی ہو اور طبیعتوں میں ولولہ اور جوش بھی پیدا کرتا ہو اور وہ یہ کہ اُن لوگوں کے حالات پڑھنے کے لیے دیے جائیں، جنھوں نے دنیا میں ایسے بڑے بڑے کام کیے جو کبھی مٹنے والے نہیں۔ بشرطیکہ اُن کا لکھنے والا اس گُر سے واقف ہو

پلوٹارک اس گُر کو خوب سمجھتا تھا۔ اس نے یونان و روما کے سپوتوں کے حالات لکھنے میں ایسے دلاویز طریقے سے کام لیا ہو کہ خود بخود پڑھنے کی رغبت ہوتی ہو۔ اور دوسری بات جو پلوٹارک کی سبق آموز اور زندۂ جاوید کتاب کی وقعت کو بڑھانے والی ہو وہ اس کی تاریخی

حیثیت اور صاحب کتاب کی غیر معمولی وسعتِ نگاہ ہی۔ اس کی مساعی تحقیق و جستجو کو سیر کرنے کے لیے اول تو کتابوں کا ایک ذخیرۂ کثیر اُس کے سامنے تھا جو اب ناپید ہی اور دوسرے وہ پہلی صدی عیسوی کا آدمی ہی اور اس لیے یونان و رومہ کی تہذیب و معاشرت کا جیسا صحیح اندازہ وہ کرسکتا ہی اس زمانے میں ممکن نہیں۔ پس تاریخی اعتبار سے ان ملکوں کی کوئی قدیم تاریخ مکمل بلکہ معتبر نہیں سمجھی جاتی جب تک کہ مؤلف اس بات کا ثبوت نہ دے کہ اس نے پلوٹارک کی لکھی ہوئی سوانح عمریوں کو طالب علمانہ شوق و جاں کاہی سے پڑھا ہی

آپ اس کتاب میں حب وطن، کامل ایثار، بے نفسی وجاں نثاری اور اولوالعزمی کی ایسی زندہ اور سچی تصویریں دیکھیں گے کہ اُن کو پڑھ کر انسان بے خود ہوجاتا ہی اور اس کا دل بے اختیار سچے جذبات سے اُبلنے لگتا ہی اور خواہ کیسا ہی آدمی ہو یہ ممکن نہیں کہ اس کے پڑھنے کے بعد وہ متاثر نہ ہو اور اُن انسانی اعلیٰ خوبیوں کا دائمی اثر اس کے دل پر باقی نہ رہے۔ دنیا میں سینکڑوں آدمی ایسے گزرے ہیں کہ اس کتاب نے اُن پر جادو کا سا اثر کیا ہی اور اس کی بدولت انھیں حیات جاوید حاصل ہوئی ہی

راسیو جو فرانس کا ایک بڑا حکیم گزرا ہی اور جو اُن چند برگزیدہ لوگوں میں سے تھا جو انقلاب فرانس کا پیش خیمہ تھے اس کتاب کو پڑھ پڑھ کر آپے سے باہر ہو ہوجاتا اور لڑکپن کے زمانے میں بھی اُس سے اُن بے نفس اولوالعزم لوگوں کی تقلید میں عجیب و غریب حرکتیں سرزد ہوجاتی تھیں۔ وہ اس کتاب کو بہت عزیز

رکھتا تھا اور ہمیشہ اس کے پڑھنے سے اس پر نئی کیفیت طاری ہوتی تھی
فرانس کے عہد بیداری کے ایک دوسرے نام ور مصنف مونٹین کی نسبت لکھا ہو کہ وہ پلوٹارک کے مطالعے سے بے انتہا متاثر ہوا تھا اور اپنی کامیابی کے لیے علاوہ دیگر یونانی فلسفیوں کے پلوٹارک کا بھی رہین منت تھا

پلوٹارک کو انسانی سیرت اور باطن کی تصویر کھینچنے میں کمال حاصل ہو یہ معلوم ہوتا ہو کہ گویا زندہ تصویریں ہمارے سامنے موجود ہیں اور تھوڑی دیر کے لیے ہم خود اپنے ارد گرد کے حالات سے بالکل بے خبر ہو جاتے ہیں - شکسپیر کے کلام کا مشہور نقّاد ربلے لکھتا ہو کہ شکسپیر جو پلوٹارک کا بہت کچھ زیر بار احسان ہو بعض اوقات کیرکٹر (سیرت) کی تصویر اتارنے میں پلوٹارک کے حیرت انگیز بیان کو نہیں پہنچتا

فردوسی بھی اس بارے میں کمال رکھتا ہو اور شاہ نامے کے پڑھنے کے بعد ہم رستم و افراسیاب، سیاوش و سہراب وغیرہ کو نہیں بھول سکتے۔ لیکن حبِّ وطن، کامل ایثار اور انسان کے اخلاقی کمالات کی وہ تصویریں جو دل میں گھر کر لیتی ہیں اور جو تزکیۂ نفس اور اصلاح اخلاق کا زبردست آلہ ہیں اس میں نہیں پائی جاتیں - پلوٹارک کو اس خصوصیت میں سب پر تفوق حاصل ہو اور جسے یقین نہ ہو وہ بروٹس، لگرگس اور کیٹو (خرد) وغیرہ کے حالات پڑھ کر دیکھ لے اور سوچے کہ ان حالات کی حامل کوئی اور کتاب بھی ہو

اگر اس کتاب کے پڑھنے کے بعد کوئی اس سے متاثر نہ ہو اور اس کے دل میں اخلاقی کمالات کا جوش اور ولولہ پیدا نہ ہو تو اُسے چاہیے کہ وہ

خدا سے خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگے کہ خدا اُس کے حال پر رحم کرے!

مجھے سچی اور قلبی مسرت ہو کہ آخر یہ دلچسپ اور وقیع المنزلت کتاب، جو دنیا کی امہات کتب میں سے ہو انگریزی سے اُردو میں ترجمہ ہوئی اور ہمارے اہل ملک کے سامنے (من جملہ سات جلدوں کے) اس کی پہلی جلد آج پیش کی جارہی ہو۔ خدا کرے اُسے یہاں بھی وہی تاثیر اور قبولیت نصیب ہو، جس کی وہ مستحق ہو

میں اس امر پر خاص مسرت کا اظہار کرتا ہوں کہ انجمن ترقی اُردو کی خوش نصیبی سے اُسے مترجم بھی ایسا ہی قابل اور محقق ملا ہو۔ سید ہاشمی صاحب نے اس کتاب کا ترجمہ جس جاں کاہی، شوق اور محنت سے کیا ہو وہ بہت قابل تعریف ہو اور میری رائے میں یہ اُردو ترجمہ بہ لحاظ طرز بیان، اور اظہار مطالب، انگریزی ترجمے پر فوقیت رکھتا ہو۔ علاوہ اس کے لائق مترجم نے ایک بڑا کام یہ کیا ہو کہ کتاب کے شروع میں ایک تاریخی مقدمہ (جو گویا یونان اور روما کی قدیم تاریخ کا ایک خلاصہ ہو) اضافہ کر دیا ہو جس سے اُردو ترجمے کی وقعت اور بڑھ گئی ہو۔ یہ بہت ضروری تھا۔ اس لیے کہ ان سوانح عمریوں میں خاص تاریخی سلسلہ نہیں ہو، اور بہت سی باتیں اُس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتیں، نہ کتاب کا پورا لطف آسکتا ہو، جب تک کہ یونان و روما کی تاریخ سے واقفیت نہ ہو۔ پس یقین ہو کہ اُردو خواں پبلک کے لیے یہ نہایت مفید اور کار آمد ثابت ہوگا

اورنگ آباد دکن، ۲۹۔ جولائی ۱۹۱۶ء

مقدمۂ مترجم

۱۔ یونان

تمہید | یونان کی قدیم تاریخ موجودہ یورپ کی تمدنی اور ذہنی ترقیوں کا پہلا باب ہے۔ جس وقت اور قومیں خانہ بدوش قبائل کی صورت میں زندگی بسر کر رہی تھیں، یونان میں منتظم شہر

لہ جغرافی یادداشت | عہد قدیم میں لفظ یونان کسی خاص ملک پر اطلاق نہ پاتا تھا بلکہ ان تمام علاقوں کو یونان کہ دیتے تھے جہاں یونانی زبان و معاشرت رائج اور یونانی نسل کے لوگ آباد ہوں۔ چنانچہ جزائر اسے جین، ایشیائے کوچک، صقلیہ اور اطالیہ کی ساحلی نوآبادیاں بھی قریب قریب اسی حق کے ساتھ اپنے علاقوں کو 'ہیلاس' (یونان) کہ سکتی تھیں جو یونان خاص کی بستیوں کو حاصل تھا۔ اصل یہ ہے کہ تمام یونانیوں پر کبھی کوئی واحد قومی سلطنت نہ قائم ہو سکی اور ملک کے پہاڑی اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے اُن کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں جہاں تہاں بس گئیں اور انھوں نے اپنے اپنے علاقے اور ضلعوں میں علٰحدہ خود مختار ریاستیں بنالیں۔ پھر شہری آزادی کی لذتوں نے، جو شاید بنی انسان میں من حیث القوم سب سے پہلے یونانیوں ہی نے چکھی تھیں، انھیں ہمیشہ ایک وسیع تر اشتراک اور واحد قومی حکومت کے شیرازے میں منسلک ہونے سے باز رکھا۔ چنانچہ حکیم ارسطو نے جب تمام یونانیوں کی تاریخ مرتب کی، جو بدنصیبی سے اب ناپید ہے، تو ڈیڑھ سَو سے زیادہ (باقی ص۱۸ پر)

آباد تھے اور جب کہ اوہام پرست ایشیائی شخصی بادشاہوں کی ذلیل غلامی کو فخر انسانیت جانتے تھے، اہل یونان اس وقت پوری طرح اس اصول کو سمجھ چکے تھے کہ کوئی حکومت مطلق العنان نہ ہونی چاہیے۔ لیکن اس خارجی فرق کے علاوہ اُن کی بڑی وجہ فضیلت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اولادِ آدم میں شاید سب سے

(بقیہ حدا) خود مختار یونانی ریاستوں کے حالات جمع کرنے پڑے، جن میں ہمیشہ تغیر اور انقلابات ہوتے رہتے تھے۔ پس ایسے تغیر پزیر مجموعے کا جغرافیائی تعین کرنا یقیناً نہ اس وقت آسان تھا نہ اب کچھ آسان ہو

بہرحال، ایشیائی نوآبادیوں کے علاوہ، خاص یونان اس زمانے میں بھی قریب قریب اسی علاقے پر مشتمل تھا جو موجودہ یونان کا مُلک کہلاتا ہے۔ اس میں سے اگر ہم مقدونیہ اور اپیرس کو خارج کردیں جو کبھی صحیح معنوں میں یونان نہیں سمجھے گئے تو یونان قدیم کا رقبہ بیس۲ ہزار مربع میل سے کچھ زیادہ تھا اور اس کے بڑے بڑے سترہ۳ ضلعے حسب ذیل تھے (جن میں متعدد خود مختار ریاستیں شامل تھیں):-

(۱) شمالی یونان:- اس میں صرف ایک ضلع تھا: تھسلی۱

(۲) وسطی یونان:- اکرنانیہ۲، اطولیہ۳، لوکرس۴، ڈورس۵، مگارس، (یا مگارا)، فوکیس۶ (یا فوشیہ) اٹی کا۸ اور بیوشیہ۹ ::

(۳) جنوبی یونان:- (جسے پی لوپونی سس یا پیلوپیہ کہتے تھے اور جو اب جزیرہ نمائے موریہ کے نام سے موسوم ہے) کورنتھیا۱۰، سکیانیہ۱۱، اکائیہ۱۲، اسے لِس۱۳، آرگولس۱۴، ارکیڈیا۱۵، مسینیہ۱۶ اور لقونیہ۱۷ ::

پہلے انھوں نے مدنی الطبع انسان کی زندگی اور تعلقات زندگی پر غور کیا اور ہمیشہ عقل و تدبر کو دلیل راہ بنایا۔ یہی باعث ہو کہ تاریخ یونان کی دل چسپیاں کچھ اسی وقت سے نہیں، جب سے کہ شہور و سنین کا تعین یا واقعات کا مفصل احوال ہمیں ملتا ہو بلکہ اس وقت سے شروع ہوتی ہیں جب سے کہ اس متمدن اور با اصول زندگی کی جھلک ہمیں نظر آتی ہو جس کی وسعت یافتہ صورت کا نام یورپ کی جدید تہذیب ہی

قدیم یونان کی یہ تاریخ مسیح سے تین صدی قبل تک تقریباً ایک ہزار سال کے حالات پر مشتمل ہو اور ظاہر ہو کہ اس پر مبسوط بحث کرنے کی اس مختصر مضمون میں گنجایش نہیں البتہ یہ ہوسکتا ہو کہ اس کا ایک سرسری خاکہ، پلوٹارکس لایوز کا اُردو ترجمہ پڑھنے والوں کے سامنے پیش کردیا جائے کہ انھیں کتاب کے مطالب سمجھنے میں مدد ملے اور وہ ایک تصور وہاں کی عام حالت کا اپنے ذہن میں قائم کرلیں

پہلا دور — یونانی قوموں کے گروہ اور ریاستیں

عام خیال کے بموجب اہل یورپ کی نکاس وسط ایشیا سے ہو اور وہیں کی پہلی رَو تھی جس میں ٹیوٹانی، لتھوآنی اور اسلافی قوموں کے اجداد ادھر آئے ۔ اس کے بعد ایک دوسرا گروہ آیا اور (یونانی، اطالوی اور قلطی) تین شاخوں میں بٹ کر جنوبی یورپ میں پھیل گیا۔ لیکن جہاں تک ھیلاسی ("ہلِ نیز"

یعنی یونانی) قوم کا تعلق ہو وہ ایک ہی وقت میں ملک یونان میں نہیں آئی بلکہ ایشیاے کوچک کے علاقوں (فساغیہ ، لڈیہ وغیرہ) سے بتدریج اٹھ اٹھ کر مقدونیہ ، تھسلی اور پھر یونان خاص میں پہنچی اور قدیم باشندوں پر غالب آکر مستقلاً یہیں آباد ہوگئی۔ ان کے گروہ تعداد میں تین اور کم سے کم دو تھے : آئی اونین ، ڈودین (اور آئی اولین (یولین) اِن قوموں کی یہ نقل مکانی دوسری ہزاری قبل مسیح میں ہوتی رہی

لیکن قبل اس کے کہ ڈودین لوگوں میں کسی تمدن کی صلاحیت پیدا ہو ، آئی اونی گروہ تمدن کے کئی درجے طے کرچکا تھا ۔ ایشیائے کوچک میں زیادہ عرصے رہنے کی وجہ سے وہی سب سے زیادہ سامی قوموں کے اثر میں آیا ، جن میں کنعانی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں - یہ چھوٹی سی اولوالعزم قوم حضرت مسیح سے دو ہزار برس پہلے ان علاقوں میں آباد تھی جو اب فلسطین اور لبنان کے نام سے مشہور ہیں - جہاں تک تاریخ گواہی دیتی ہے یہ لوگ عصر قدیم کے نہایت بلند حوصلہ تاجر اور بڑے جہاز راں تھے اور ان کی نوآبادیاں ایک طرف ساحلِ افریقہ پر ٹیونس (قرطاجنہ) سے پرے تک اور دوسری طرف جزائر یونان قبرص اور غالباً خاص یونان کے مشرقی ساحلوں پر پڑی ہوئی تھیں ۔ اُنھیں سے آئی اونیوں نے تہذیب کی الف بے تے پڑھی اور اُنھیں کی تعلیم سے فن تحریر ، بعض قدیم صناعیاں اور ایشیائی دیوتاؤں کی پرستش یونان میں رائج ہوئی ۔ لیکن

کنعانیوں کا اثر (جنھیں یونانی، فنیشی یا فنیقی کہتے تھے) ساحلی علاقوں سے آگے نہیں بڑھا۔ فرغیہ اور لڈیہ کے اندرونی علاقوں میں دوسری سامی قومیں تھیں اور لڈیہ میں آنے والے، جو سامیوں کو مغلوب نہ کرسکے تھے اُنھیں میں گھُل مل گئے اور پھر غالباً اسی مرکب قوم کی ایک شاخ آبنائے دردانیال کے ایشیائی کناروں تک پھیلی اور وہاں ٹروامے کی سلطنت بنائی، جس کے پائے تخت ایلیم اور ٹروامے کے کھنڈر تھوڑے دن ہوئے ترکی ضلع "قوم قلعہ" کے قریب جنوب مشرق میں نکلے ہیں

آرگس | ڈورین مہاجرین کے ٹڈی دَل نے معلوم ہوتا ہو، خاکنائے کورنتھہ سے گزر کر سیدھا جنوب کا رُخ کیا اور سمندر تک پہنچ کر ملک کے جنوب مشرقی علاقوں میں آباد ہو گئے۔ چنانچہ ارکیڈیا، ایلیس اور اکائیہ کے ضلعے عرصے تک ڈوری اثرات سے خالی رہے اور سب سے زیادہ آرگولس کا علاقہ اُن کے تسلط میں آیا اور اس کے مرکزی شہر آرگس میں اُن کی ایک مقتدر ریاست قائم ہوئی

آرگس کا یہ تفوق جزیرہ نمائے پی لوپونی سس پر بہت دن قائم رہا حتےٰ کہ ضلع لقونیہ سے ایک نیا حریف اٹھا جس کے زور و اقتدار کے آگے نہ صرف آرگس بلکہ تمام یونان کی ریاستیں ماند پڑگئیں۔ یہ اسپارٹہ تھا جو کوہ ٹے گی ٹس کے دامن میں یوری ٹا (یورو ٹاس) ندی کے کنارے آباد ہوا ہے

اسپارٹہ | اس علاقے میں جب ڈوریَن مہاجر آئے تو اس وقت یہاں کئی قدیم قومیں آباد تھیں ۔ ابتدا میں اسپارٹہ ایک معمولی گانو تھا اور اُسے ایک مرکزی اور صدر مقام کی حیثیت بہت دن میں اور رفتہ رفتہ حاصل ہوئی ۔ اور کچھ عجب نہیں کہ وہاں وقت واحد میں دو بادشاہ ہونے کا دستور بھی اسی عہد ارتقائی کی یادگار ہو اور اصلی آبادی کو ملانے کی غرض سے اس کا بھی ایک بادشاہ لیا جانا ضروری سمجھا گیا ہو ۔ کیوں کہ ایک طرف تو ایسی تثلیثیہ حکومت کی کوئی نظیر کسی ڈوریَن ریاست میں نہیں نظر آتی اور دوسری طرف ایک نامور اسپارٹی بادشاہ کلیومن (کلیومینیز) کو بہت دن بعد ہم اکائی النسل ہونے کا مدعی پاتے ہیں ۔ پس یہ بالکل ممکن ہے کہ اسپارٹی بادشاہوں کے یہ دو سلسلے ڈوریَن اور قدیم اکائین خاندانوں کی آمیزش کا نتیجہ ہوں اگرچہ اہل اسپارٹہ بالعموم اس سے انکار کرتے تھے

اس قوت کا عروج بظاہر اُس امیرانہ نظام حکومت کا نتیجہ تھا ، جس نے اسپارٹہ کے شہریوں کو فن سپاہ گری کے لیے وقف کرا دیا تھا ، اور جسے قدیم یونانی لِکرگس مقنن کا نتیجۂ فکر بتاتے ہیں ۔ لیکن جدید تحقیقاتیں اسے تسلیم کرنے میں متامّل ہیں اور تمام اسپارٹی آئین و قوانین کا بانی ایک ہی شخص کی ذات کو

سلہ اسپارٹہ (یا اِس پارٹ) کے معنی کھنچی زمین کے ہیں اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یونانی دستور کے خلاف یہ بستی پہاڑی یا اُنچان کے بجائے معمولی کاشت کی زمین پر بسائی گئی تھی ۔م

نہیں مانتیں - بہرحال اس نام نہاد مقنن اور اس کے نظام حکومت کا مشرح بیان لکرگس کی سوانح عمری میں موجود ہے جسے ہمارے ناظرین اصل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے - لکرگس کا زمانہ تخمیناً آٹھویں صدی ق م قرار دیا گیا ہے

واضح رہے کہ خانہ بدوش قوموں کو نظر انداز کرنے کے بعد بھی عہد گزشتہ میں لوگوں کا مصروف جنگ و جدال رہنا ایک عام بات تھی، بایں ہمہ کسی قوم کے ہر فرد کا اس طرح بلا استثنار جنگ آزما ہونا، ایسا واقعہ ہے جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی - اور یہی باعث تھا کہ اس عجیب طرز معاشرت کو اختیار کرنے کے بعد جب اہل اسپارٹہ کو دوسری یونانی ریاستوں سے مقابلے پیش آئے تو اُن میں باہم اسی قدر فرق تھا جس قدر کہ ایک پیشہ ور سپاہی اور معمولی شہری میں ہوا کرتا ہے - مگر جس وقت پان سو برس بعد اور یونانیوں کو بھی ضرورت اور تجربے نے ایسا ہی جنگ جو بنادیا تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ پہلا سا فرق اُن میں نہ رہا اور اسپارٹہ کی فوقیت کا طلسم بھی ٹوٹ گیا۔

اٹی کا | اب ہم یونان کے سب سے معروف حصۂ ملک پر ایک نظر ڈالتے ہیں جو بظاہر تاریخ کی روشنی میں آنے سے پہلے ایک منتظم ریاست بن چکا تھا اور ایتھنز جس کا پایۂ تخت تھا۔ یہ علاقہ بحر ایجین کا ایک چھوٹا سا جزیرہ نما ہے جس کے شمال میں خلیج یٹالی اور رودبار اگری پو ہیں، جنوب میں خلیج ایجی نا (یا سارونی) اور مشرق میں بحر ایجین -- اس کی ساحلی زمین

بہت شاداب، ہموار، بلند اور تاجرانہ نوآبادیوں کے لیے نہایت موقع کی مرکزی سرزمین ہو اور اسی واسطے اگر ہم ماقبل تاریخ افسانوں کو درایت کی خراد پر چڑھائیں اور بعض مذہبی مراسم کو پیش نظر رکھیں تو پتہ چل سکتا ہو کہ ضرور یہاں قدیم سے ایشیائی مہاجر آکر بستے رہے ہیں۔ مگر ان میں سب سے زیادہ جس قوم کا اثر پڑنا چاہیے وہ کنعانی تاجر ہیں جن کی سلامیس میں نوآبادی تھی۔ یہ لفظ سلامہ (بہ معنی سلامتی) سے نکلا ہو اور غالباً ہمارا "سلام" بھی اسی کنعانی بزرگ کی اولاد ہو

یہاں یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہو کہ اٹیکا کی آبادی میں اس قسم کی بڑی بڑی تبدیلیاں اور اُلٹ پلٹ کبھی نہیں ہوئی، جیسی کہ پی لوپونی سس وغیرہ کے علاقوں میں، جہاں ڈوریئن گروہوں نے اپنی کثرت تعداد کی وجہ سے بار بار اصلی باشندوں کو ملک سے نکال دیا تھا۔ اور اسی لیے اُن کے مقابلے میں اہلِ اٹیکا دعوے کرتے تھے کہ ہم اس وطن کے اصلی باشندے ہیں۔ لیکن وہاں کے دیرینہ آئین و مراسم اور مختلف ذاتوں (یا فرقوں) کا سراغ شاہ تھی سی اس کے عہد تک چلایا جا سکتا ہو۔ جس کا تفصیلی حال ہماری کتاب کی پہلی سوانح عمری ہو۔ البتہ نظام ملک داری کی یہ تبدیلی یہاں بالاجمال بیان کرنی ضروری ہو کہ ایتھنز میں پہلے جو بادشاہی تھی شروع میں اس کے مذہبی اختیارات سلب ہوئے۔ اگرچہ ابھی تک یہ نہ صرف دوامی بلکہ موروثی منصب تھا۔ لیکن تھوڑے ہی دن بعد ان حقوق کے خلاف بھی جدوجہد ہوئی اور آرکن (دس

سال کے لیے) محض ایک میعادی حاکم رہ گیا۔ آخر میں یہ دس سال کی شرط بھی باقی نہیں رہتی اور بادشاہی ایک کے بجائے نو آرکنوں کے ہاتھوں میں منقسم نظر آتی ہے جو ہر سال معمولی عہدہ داروں کے مثل مقرر کر لیے جاتے ہیں (۶۸۳ قم)

اس اصلاح کے بعد اور قوانین سولن سے پہلے ایتھنز کی تاریخ کے دو واقعے ـــــ قانون ڈریکو اور فتنۂ کیلن اور یادگار ہیں۔ خیال رہے کہ اب تک قانون بنانے اور سمجھنے کا صرف امرا کو حق تھا جو بلا تحریر انھیں سینہ بسینہ ورثے میں پہنچ جاتے تھے اس ناقص طریقے میں عوام کی بڑی بڑی حق تلفیاں کی جاتی تھیں اور اسی بنا پر ان میں شورش پیدا ہوئی اور ڈریکو وہ شخص ہے جو آخرکار ان زبانی اور روایتی قوانین کی تحریر پر مامور ہوا، اور ان تہدید سزاؤں کی وجہ سے جو اس کے مرتبہ مجموعے میں تھیں آج تک بدنام ہے۔ حالانکہ وہ قوانین اس غریب کے وضع کردہ نہ تھے (۶۲۰ قم)

اس مجموعے کا جو اثر ہوا قطعی طور پہ بتانا مشکل ہے مگر اس میں شبہہ نہیں معلوم ہوتا کہ لوگوں میں انھیں دنوں سخت بے چینی پیدا ہوئی جس کا ثبوت کیلن کی کوشش انقلاب ہے، (۶۱۲ قم)

کیلن نے بہت سی امیدیں دلاکر عوام کو اپنے ساتھ ملا لیا اور حکومت کے علی الرغم قلعۂ شہر پر قابض ہوگیا۔ لیکن اس وقت لوگوں نے اسے کچھ مدد نہ دی اور اسے جان بچاکر بھاگنے کے سوائے کوئی چارۂ کار نہ نظر آیا۔ اس کے طرف دار جو شہر سے نہ بھاگ سکے ایک مندر میں پناہ گزیں ہوگئے اور وہیں میگاکلیس،

آرگن کے حکم سے مارے گئے۔ اس فعل میں مذہب کی صریح توہین تھی اور اسی کی بنا پر ایتھنز میں وہ فساد برپا ہوا جسے سولن نے مٹانے کی کوشش کی تھی اور جس کا حال اس کی سوانح عمری میں تحریر ہے۔

سولن کا مجموعۂ قوانین تاریخ میں ایک مشہور و معروف چیز ہے اور اسی نے اٹیکا کے دولت مند سود خواروں کا زور توڑ کر ایک حد تک جمہوریت کا راستہ صاف کیا۔ تاہم اس میں امارت پسندی کے عناصر موجود تھے اور دوسری طرف اُس کا پورا فائدہ اس وجہ سے نہ ظاہر ہو سکا کہ تھوڑے ہی دن بعد پی سس ٹراٹس نے حکومت غصب کر لی اور ۵۴۷ سے ۵۱۰ ق م تک اٹیکا میں جبر و شخصیت کا دور دورہ رہا۔ پھر جب اُسے اسپارٹہ کی فوجی امداد نے اس جابرانہ حکومت سے نجات دلائی تو اس وقت بھی قوانین سولن اُس آزاد خیالی کے مناسب حال نہ ثابت ہوئے جو اب لوگوں میں پیدا ہو گئی تھی چنانچہ ان میں بہت کچھ ردّ و بدل کرنا پڑا اور اصلاحات کلیس تن (کلیس تھینز) وجود میں آئیں۔

کلیس تن یوں تو کیلن کے طرف داروں کا سرگروہ اور اپنے ہم نام سکیان کے جابر بادشاہ کا نواسہ تھا، لیکن درحقیقت ایتھنز کی جمہوریت کی بنیاد اسی نے ڈالی اور دولت کی تفریق (جس کی بنا پر سولن نے چار طبقوں میں قوم کو تقسیم کر دیا تھا) اُسی نے توڑی اور عوام و خواص سب کو ملا کر دس قبیلے بنائے جو انتظام سلطنت میں برابر کے حصہ دار ہوتے اور مجلس عوام کے لیے پچاس پچاس ارکان

منتخب کرتے تھے ۔ حاکمانِ عدالت کی امداد کے واسطے عام شہریوں کی جوریاں ترتیب دی گئی تھیں ، حالانکہ پہلے یہ حق یا آرکنوں کو حاصل تھا یا اُس قدیم مجلس بزرگان کو جسے "ایریوپےگس" کہتے تھے

لیکن سب سے انوکھا قانون 'فتوائے عام' (اوس ٹرے سزم) کا تھا جو خانہ جنگی اور ملکی فتنہ و فساد کو روکنے کی غرض سے وضع کیا گیا تھا ۔ اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ مجلس عوام سلطنت کو خطرے میں دیکھ کر بذریعۂ اعلان تمام اہل ملک کو مدعو کرتی اور ایک خاص مقام میں جمع ہوکر ہر شہری کو اختیار تھا کہ ٹھیکرے پر کسی ایک شخص کا نام ، جسے وہ سلطنت کے واسطے خطرناک سمجھتا ہو، تحریر کردے ۔ پھر اگر ایک ہی نام چھ ہزار ٹھیکروں پہ لکھا ملتا تو اُس شخص کو جلا وطن کردیتے تھے مگرچہ یہ جلاوطنی صرف دس سال کے واسطے ہوتی اور شخص فتوے زدہ کے مال و املاک پہ اس کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا ۔

کلیس تن کے نظام مُلکی کی حکومت خواص کے طرف داروں نے سخت مخالفت کی اور ایساغورث کو اپنا سردار بناکر پھر اہل اسپارٹہ کو مدد کے لیے بلایا ، اور کلیس تن پہ جابرانہ حکومت کی تیاریاں کرنے کا الزام لگایا ۔ اسپارٹی بادشاہ بھی دو مرتبہ فوجیں لے لےکر اٹیکا میں آئے اور کلیس تن کو فرار ہونا پڑا لیکن ہر مرتبہ دشمنانِ مساوات کو شکست ہوئی اور آخر پانچ سال کی جدوجہد کے بعد ایتھنز مفاسد سے پاک ہوا اور اس اصول کے لیے لڑا جس کے ثمرات نہ صرف اُسے بلکہ تمام یونان کو عنقریب میسّر آنے والے تھے (۵۰۵ق م)

کیوں کہ اب ہم اس زمانے کے قریب آپہنچے ہیں جس میں یونان کو سب سے پہلی اور سب سے بڑی تاریخی لڑائیاں غیر ملکیوں سے لڑنی پڑیں۔ بے شبہ یونانیوں کو اس عہد تک "قوم" کہنا (جدید معنوں میں) صحیح نہیں ہوسکتا، لیکن تمام اختلافات کے باوجود ہم ان میں مذہب و معاشرت، آداب و تربیت کی ایسی یکسانی پاتے ہیں جو ایک مشترک یونانی تہذیب اور یونانی اخلاق کی بنیادیں ہیں۔ ڈیلفی کا مندر (جس کی مذہبی انجمن کا اثر پہلے چند ریاستوں پر محدود تھا) اب تمام ھیلاس کا دینی مرکز ہے اور اسی خصوصیت کی وجہ سے غیر ملکی بادشاہوں تک سے خراج عقیدت وصول کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ملکی معاملات میں بھی اس کی رائے ایک وزن رکھتی ہے، یونانی ریاستوں کے باہمی جھگڑے فیصلے کے لیے اس کے آگے پیش ہوتے ہیں اور ریاستوں کے نئے نظام اس کی پسندیدگی حاصل کیے بغیر ناقص سمجھے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ، بین الیونان اتحاد کو وہ میلے اور تہوار بھی تقویت پہنچاتے ہیں جو اولمپیہ کے علاوہ اور کئی مقامات پر منائے جانے لگے ہیں، لیکن سب سے بڑھ کر یونانی قومیت کا خیال تازہ کرنے والی چیز، ہومر کی شاعری ہے۔ وہ یونانی اور غیر یونانی قوم میں ایک مابہ الامتیاز فرق دکھلاتی ہے اور اُن بزرگوں کا کارنامہ سناتی ہے جو یونانی نسل کی ہر شاخ کے اجداد تھے۔ مگر متحدہ یونانیوں کے غیرملکیوں سے لڑنے کا یہ منظوم افسانہ پھر افسانہ ہے۔ ہاں البتہ اب وہ تاریخی وقت آتا ہے جس میں نسل یونانی کے اتحاد کی آزمائش ہوگی اور معلوم کیا جائے گا کہ ان میں مل کر کام کرنے کی کس قدر قابلیت ہے

دوسرا دور — ایرانی لڑائیاں

ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل پر خالص آئے اونی باشندوں کے بارہ شہر تھے۔ لیکن سیاسی لحاظ سے یہ آپس میں علحدہ، اور خود مختار ریاستیں تھیں اور ان میں کوئی رشتۂ اتحاد نہ تھا، چنانچہ ایک ایک کرکے انھیں لڈیہ کے بادشاہوں نے فتح کرلیا تھا (تخمیناً ۵۵۰ ق م) تاہم یہ فاتحین، خصوصاً آخری شاہ لڈیہ (کریسس) اُن پہ ہمیشہ مہربان رہے اور اُنھیں ہر طرح کی دینی اور دنیاوی آزادی حاصل رہی یہاں تک کہ ایرانیوں کے زبردست ہاتھوں نے لڈیہ کا تختہ اُلٹ دیا، کریسس گرفتار ہوا اور اس کی سلطنت ایک ایرانی صوبہ بن گئی۔ اُسی وقت آئی اونی شہروں پہ بھی آفت نازل ہوئی، اور نئے حملہ آوروں نے یزداں پرستی کے جوش میں تمام یونانی مندر جلا کے خاک کردیئے اور یونان و ایران میں پہلی بنائے منافرت قائم کی بایں ہمہ، دارائے اوّل کے عہد میں یہ آئی اونی شہر نہ صرف اس کے مطیع و باج گزار ہی رہے بلکہ اُس کی یورپی کشور کشائیوں میں نہایت مفید ثابت ہوئے۔ خصوصاً شہر ملطہ کا حاکم جابر ہسٹائیس بڑے نازک وقت اس کے کام آیا تھا اور بعد میں دارا نے اسی کے داماد ارسٹاغورث کو ملطہ کا حاکم مقرر کیا۔ آگے چل کر اسی نے ایران سے بغاوت کی اور اس کی صدائے استعانت پر اری ٹیریا اور ایتھنز تک نے کچھ جہاز بھیجے۔ پھر ان متحدہ یونانی فوجوں نے لڈیہ کے صدر مقام سارڈس (سردیش موجودہ سَرت) پر

اچانک حملہ کیا اور اُسے آگ لگا دی - لیکن بہت جلد ساحل کی طرف پسپا کردیے گئے

یونان پر فوج کشی -۱ | جب یہ خبریں دارا کو پہنچیں تو نہایت غضب ناک ہوا اور چند سال میں آئی اونیہ کو قرار واقعی سزا دینے کے بعد اُس نے ایتھنز اور اِری ٹے ریا کی سرکوبی کرنے کا ارادہ کیا اس مقصد کے واسطے ایک طاقت ور بیڑا اور بری فوج تیار کی گئی اور سپہ سالار مردانوش کی ماتحتی میں آبنائے دردانیال اُترکر اُس علاقے میں بڑھی جسے اب تراقیہ (یا تھریس) کہتے ہیں - مگر جس وقت ایرانی جہاز چالسی ڈیس کے سہ شاخہ جزیرہ نما میں بڑھ رہے تھے ایک سخت سمندری طوفان نے اُنھیں پہاڑوں سے ٹکرا کے تباہ کر دیا اور یہ مہم ناکام واپس آئی (۴۹۳ قم)

دوسری مہم | ۴۹۰ ق م میں دوسری مہم روانہ کی گئی اور اب کی یونانی غداروں کی مدد سے اس نے اِری ٹیریا کو بہ آسانی فتح کرلیا اس کے بعد حملہ آوروں نے ایتھنز کا رخ کیا - ایرانی جہاز خلیج میراتھان میں لنگر انداز ہوئے کہ ایتھنز سے تقریباً پچیس میل شمال میں لڑائی اور پیش قدمی کے لیے یہی سب سے بہتر میدان ہو

جنگ میراتھان | ایتھنزی سپاہ کی تعداد نو ہزار تھی اور اُن میں ایک ہزار جاں باز پلاٹیہ کے آملے تھے۔ مقابلے میں اول ہی اول یونانی قلب بہت دب گیا تھا مگر جب اُن کے بازووں نے دونو طرف سے یورش کی تو ایرانی گویا نرغے میں آگئے اور آخر سخت نقصان اٹھاکر بھاگ کھڑے ہوئے - میدان کامل طور پر ایتھنزیوں کے

ہاتھ آیا اور فتح کا سہرا رل ٹیاڈس کے سر بندھا جو اس دن فوج کا سپہ سالار تھا

تیسری مہم | اب کے دارا نے جس پیمانے پر حملے کی تیاریاں کیں اُن کے آگے پہلی دونو مہموں کی کچھ حقیقت نہ تھی ۔ زیادہ تر اس لیے کہ اب کے صرف چند گستاخ ریاستوں کی تنبیہ مقصود نہ تھی بلکہ تمام ملک کی تسخیر کا ارادہ تھا ۔ مگر خود دارا اسی زمانے میں مرگیا اور زرکسیز[1] اس کا جانشین ہوا جو قابلیت حکم رانی یا جنگ جوئی میں اپنے باپ کا ہم پلہ نہ تھا ۔ لیکن "کامل یقین رکھتا تھا کہ تمام بنی انسان ایرانی بادشاہوں کے غلام پیدا کیے گئے ہیں"

آخر چار برس کی مسلسل کوشش نے جو سپاہ عظیم تیار کی ، وہ یونانی روایت کے بہ موجب دس لاکھ لڑنے والوں پر مشتمل تھی اور خود زرکسیز اس ٹڈی دل کا سپہ سالار تھا ۔ سارڈس میں جاڑا گزارنے کے بعد یہ لوگ ۴۸۰ ق م کے موسم بہار میں آبنائے دردانیال پر آپہنچے ، جہاں بارہ سو جہاز کا زبردست بیڑا اُن کی امداد پر پہلے سے تیار تھا

تھرموپلی اور سلامیس | حملہ آوروں کے جم غفیر کو پہلے درہ ٹیمپ پر ، اور اس میں کامیابی نہ ہوئی تو پھر تھرموپلی پر

---

[1] اس کا فارسی تلفظ زرسیہ ہے لیکن ایرانی تاریخوں میں اس کی بادشاہی کا تذکرہ نہیں ملتا ۔ ایرانی مہمات کے متعلق بھی اتنا لکھنا ضروری ہے کہ قدیم یونان (اور اب موجودہ یورپ بھی) جن فتوحات پر اس قدر نازاں ہے اُن کے حالات میں درایتاً بہت کچھ مبالغہ معلوم ہوتا ہے مگر جہاں تک روایت کا تعلق ہے ان پر حرف گیری کی اس لیے گنجائش نہیں کہ خود ایرانیوں نے اپنی کوئی مستند تاریخ نہیں چھوڑی اور ان کی مذہبی کتابیں تک ضعیف روایتوں سے مملو ہیں ۔ م

روکنا قرار پایا تھا کہ اتنی قلیل تعداد قدرتی موقعوں ہی سے کچھ فائدہ اٹھا سکے۔ لیکن تین سو اسپارٹی اور سات سو تھسپی سپاہیوں نے لیونی ڈس کے ماتحت وہاں شیرانہ لڑ کر جان دی تو اٹیکا تک کا راستہ کھل گیا اور اب پی لوپونی سس کو بچانے کی غرض سے صرف خاکنائے کورنتھ ایسا تنگ مقام نظر آیا جہاں اتحادی فوجیں ایرانیوں کے مقابلے میں تھم کر لڑ سکتی تھیں۔ لیکن اس میں ایتھنز پر جو مصیبت پڑنی تھی وہ پڑی، اور جب اُسے مجبوراً خالی کر دیا گیا تو زرک سیز کی بڑی فوجوں نے بڑھ کر اس پر قبضہ کر لیا اور اس میں آگ لگا کر سارڈس کی آتش زنی کا انتقام لیا

اس اثنا میں یونانیوں کا بیڑا تھرموپلی کی شکست کے بعد ہٹ کر خلیج سلامیس کی تنگ کھاڑیوں میں آگیا تھا اور یہاں ایرانی بیڑے کو ایسی سخت شکست ہوئی کہ زرک سیز کی ہمت ٹوٹ گئی، اور وہ مردانوش کو تین لاکھ فوج دے کے خود ایشیا کو لوٹ گیا

پلاٹیہ اور مائی کیل

اس بحری لڑائی میں اہل ایتھنز نے جن کے دو سو جہاز تھے بڑی داد شجاعت دی تھی اور حقیقت میں اسی فتح کی بدولت یونانیوں کو یہ جراًت ہوئی کہ وہ خاکنائے کورنتھ سے بڑھ کر پلاٹیہ کے میدان میں قسمت آزمائی کے لیے نکلے اور اسی جگہ مردانوش شکست کھا کے مارا گیا اور مقدس ہیلاس ایرانی ملیچھوں سے پاک ہو گیا۔ (۴۷۹ قم)

تیسرا دور — ایتھنز کا تفوق (۴۷۸ تا ۴۳۱ ق م)

ایرانیوں کو دفع کرنے کے بعد ایتھنز کے سردار تمس طاکلس

کا پہلا کام آتش زدہ ایتھنز کو از سر نو بنانا اور مستحکم کرنا تھا۔ اسپارٹہ کی حاسدانہ دراندازی اس ارادے میں بار بار مانع آئی، لیکن آخر وہ مضبوط حصار تیار ہوگیا جو ایتھنز کو بندرگاہ پیروز (پائی رئیس) سے ملاتا تھا۔ اسی زمانے میں اکثر بحری ریاستیں اسپارٹی حاکموں کے سلوک سے بیزار ہوکر ایتھنز پاس التجا لائیں کہ وہ بحرِ ایجین کی حفاظت کے واسطے اپنی صدارت میں ایک انجمن قائم کرے جو مغرور اسپارٹہ کی سیادت سے آزاد اور مستغنی ہو (۴۷۷ ق م) اسی صدارت نے آگے چل کر بحری حکومت اور پھر اتھنز میں شہنشاہی کی صورت اختیار کرلی جسے تقریباً چالیس برس تک بہت فروغ رہا۔ ایرانی جنگ اور ایتھنزی شہنشاہی کے عروج کے حالات پلوٹارک نے تمس طاکلس، ارس طِدِیس، پری کلاہس اور کائمن کے سوانح میں اپنے طرزِ خاص میں بیان کیے ہیں

چوتھا دور۔ جنگ پی لوپونیسس۔ اسپارٹہ اور پھر تھیبہ کا تفوق

(۴۳۱ تا ۳۶۲ ق م)

یونان کی ریاستوں میں جنگ چھڑنے کا اصلی سبب وہ حسد تھا جو اہلِ اسپارٹہ کو ایتھنز کی روز افزوں قوت سے پیدا ہوگیا تھا۔ ایرانی لڑائیوں کے بعد سے وہ اس نئے حریف کی تاک میں لگے ہوئے تھے اور اپنے قدیم طرزِ حکومت کے مقابلے میں اس آئین جمہوریت کو پامال کردینا چاہتے تھے جس کا حامی اور وکیل ایتھنز تھا۔ اس طرح گویا یہ طویل و شدید کش مکش جس کا نام جنگ

پی لوپونی سس ہی، انھیں دو متضاد اصولوں کا تصادم تھا۔ ہم مختصر طور پر اس بست و ہفت سالہ جنگ کے بعض ضروری واقعات لکھیں گے کہ ناظرین اس تباہی کے مدارج کا کچھ اندازہ کرسکیں جو یونانیوں نے آپ اپنے ملک پر بلائی تھی

ان لڑائیوں کا پہلا حصّہ یا زمانہ معاہدۂ نکیاس تک دس سال کے حالات پر مشتمل ہی اور اسی لیے کبھی کبھی جنگ دہ سالہ کے علٰحدہ نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہی۔ اُس کی تمام لڑائیوں کا عام نمونہ یہ ہی کہ اہل اسپارٹہ اور ان کے حلیف اٹی کا پر ہر سال فوجیں لے کر آتے ہیں اور وہاں کے باشندے ایتھنز کی فصیلوں میں جا چھپتے ہیں۔ اس کے برخلاف ایتھنز اپنے بیڑے سے جا بجا دشمن کی ریاستوں کو نقصان پہنچاتا ہی اور آخر میں امن نامۂ نکیاس (۴۲۱ سنہ ق م) کی رُو سے بھی فائدے میں رہتا ہی کیونکہ اس نے زیادہ مقامات فتح کیے جو اُسی کے قبضے میں رہے اور خود اس کا ایک شہر امفی پولس ہاتھ سے گیا

اندرونی طور پر بھی اگرچہ ایتھنزی آبادی کو محصور ہونے کے زمانے میں وبائے طاعون سے نہایت نقصان پہنچا تاہم ریاست پر اس کا کوئی نمایاں اثر نہیں پڑا حالانکہ امن نامۂ نکیاس نے اسپارٹہ کے کئی حلیفوں کو اس سے بیزار کردیا اور کم سے کم تھوڑے عرصے کے لیے اُس کی قوت متزلزل ہوگئی

لڑائی کے دوسرے دَور میں بھی (۴۲۱ سنہ تا ۴۱۳ سنہ ق م) اہل پی لوپونی سس کے باہمی اختلافات نے اوّل اوّل ایتھنز کو

جیت میں رکھا۔ لیکن ان قدامت پسند ریاستوں کا اختلاف تو دور ہوگیا، مگر ایتھنز کے جمہوریت پرست ایک دو شکستوں کے بعد ہی متفق نہ رہ سکے اور اپنے سپہ سالاروں کی مخالفت میں مصروف ہوگئے نتیجہ ان تمام کج رائیوں کا یہ نکلا کہ سائراکیوز (صقلیہ) کی دیواروں کے سامنے ساری اٹیکائی فوج (بلکہ کہنا چاہیے کہ اصلی قوت) برباد ہوگئی (۴۱۳ء) اور پھر وہ اس قابل نہ رہی کہ آیندہ اسپارٹہ کی کوئی مزاحمت کرسکتی، جس نے خاص اٹیکا کے قصبے ڈسیلیہ کو تسخیر کرکے اپنا فوجی مرکز بنا لیا

اس تسخیر کو مؤرخوں نے جنگ پی لوپونی سس کے تیسرے اور آخری دور میں شمار کیا ہے جس کے بعد ایتھنز کی بری سپاہ ہر جگہ مغلوب و منہزم ہوتی رہی اور اس پر ایک نزع کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ نہ صرف یونان بلکہ ایشیائے کوچک میں بھی قسمت نے اس کے ساتھ دشمنی کی اور آخر میں جنگ اگس پٹاحی کے چند مہینے بعد اسپارٹی امیرالبحر لائی سنڈر نے خاص ایتھنز پر قبضہ کرلیا اور اس کی وہ فصیلیں، جو بعض مورخوں کے نزدیک اصلی اور پہلی بنائے مخاصمت تھیں، تڑوا کر زمین کے برابر کردیں (۴۰۴ء ق م)

اسپارٹہ کا تفوق یہی واقعہ گویا سلطنت ایتھنز کی ذلت و ہزیمت کی انتہا اور اسپارٹہ کے ازسرنو اقتدار کا آغاز ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ یہ نتیجہ جن اسباب پر مبنی تھا وہ نہ صرف اسپارٹہ بلکہ ایک حد تک تمام یونان کے واسطے آگے چل کر مہلک ثابت ہوئے

کیونکہ جس شے نے ایتھنز کو نقصان اور اس کے مخالفوں کو فائدہ پہنچایا وہ خود اس کے شہریوں کی غداریاں اور باہمی رقابتیں تھیں، جنھوں نے مجموعی طور پر سارے یونانیوں کو ذلیل و رسوا کرایا۔ دوسرے اسپارٹہ کو جو فتوحات حاصل ہوئیں اُن میں بڑی امداد ایرانی رُپے کی تھی اور یہ روپیہ محض یونانیوں کو باہم لڑانے اور ان کی جڑ کھوکھلی کرنے کی غرض سے دیا جاتا تھا اور گو ایران اُن کی خانہ جنگیوں کے باوجود بھی اہلِ یونان کو مفتوح نہ کرسکا، تاہم وہ یکے بعد دیگرے اس کے دست نگر اور لڑلڑ کے آخر میں ایسے کم زور ہوگئے کہ، دارائے ایران کے نہ سہی فیلقوس و سکندر کے مقابلے میں، اپنی آزادی کی کوئی حفاظت نہ کرسکے اور ایک نیم آزاد زندگی پر قانع ہونے کے بعد آخر میں اُس محکومی سے مانوس ہو گئے جس نے انھیں صدیوں تک رومیوں کا اور پھر اُن کے جانشین ترکوں کا غلام بنائے رکھا

لیکن ایتھنز پر اسپارٹہ کا اقتدار کچھ زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکا اور اگرچہ اس عرصے میں کہ تھراسی بولس اپنے بدنصیب وطن کو نجات دلائے، اسپارٹہ کے آوردہ تیس[۳] جابر شہر میں نہایت ناروا زیادتیاں کرتے رہے، تاہم یہ زور شور اور ظلم وستم آٹھ مہینے میں ختم ہوگیا اور ستمبر ۴۰۳ء ق م میں نہ صرف اسپارٹہ کی فوج اور تیس[۳] جابر شکست کھا کے بھاگے بلکہ ایتھنزی جمہوریت از سرِ نو قائم ہوئی اور ایرانی امداد کے بھروسے پر پھر اپنے دشمنوں سے بدلا لینے کی تیاریاں کرنے لگی

اس زمانے کا شاید سب سے عجیب واقعہ "دس ہزار یونانیوں کی پسپائی" ہے جسے حکیم زنیوفن کے دلکش بیان (اناباسی) نے دنیا کا ایک مشہور واقعہ بنا دیا ہے۔ یہ یونانی ایک ایرانی شہزادے (کورش) کی فوج میں تھے۔ جس نے دعوے دار سلطنت بن کر ایشیائے کوچک کے صوبے سے خروج کیا تھا اور (اپنے بھائی) دارائے عجم سے لڑنے دریائے فرات کے پار اُتر گیا تھا۔ مگر شاہی فوجوں سے یہاں جو لڑائی ہوئی اس میں وہ مارا گیا اور اب اس کے یونانی سپاہیوں کو واپسی کے سوائے کوئی چارۂ کار نہ رہا۔ دشمن کے ملک میں سے ان کا تقریباً دو ہزار میل کی مسافت طے کرنا اور مرتے گرتے اپنے ملک میں واپس پہنچنا "دس ہزار کی پسپائی" کہلاتا ہے اور اہل یورپ کا خیال ہے کہ اسی واقعے نے عظیم الشان ایرانی سلطنت کی کمزوریاں فاش کیں اور یونانی خود اس پر فوج کشی کرنے کے منصوبے باندھنے لگے حالانکہ اس سے پہلے یہ بات اُن کے خواب میں بھی نہ آسکتی تھی

اسپارٹی زمانۂ اقتدار کا دوسرا اہم واقعہ کورنتھ کی جنگ ہے جس میں تھیبیہ، آرگس، ایتھنز اور کورنتھ متحد ہوکر چھ برس تک اسپارٹہ سے لڑتے رہے اور امن صرف ایران کی دست اندازی سے ہوا، جس نے بغیر کوئی لڑائی لڑے سب سے زیادہ فائدہ اٹھایا اور قبرس، اور ایشیا کے تمام یونانی شہر حاصل کر لیے (۳۸۷ ق م) اس طرح وہ لڑائی جس کا آغاز یونانیوں کے قومی دشمن کی ریشہ دوانیوں سے ہوا تھا اسی کے حسب منشا اختتام

کو پہنچی ۔ خود غرض اسپارٹہ کو آیندہ اس بات کا موقع ضرور مل گیا کہ وہ ایرانی سرپرستی کے سہارے اپنی ہوس ملک گیری پوری کرے

تھیبہ کا عروج | مگر چند ہی سال بعد اُس کی غاصبانہ کوششوں کو سخت صدمہ پہنچا ۔ یعنی ریاست تھیبہ نے پہلے اس کے پنجے سے رستگاری حاصل کی اور پھر لیوک ترا کے میدان میں سخت شکست دی اور تھیبی سپہ سالار اپامننڈس نے خود اسپارٹہ پر چڑھائی کی ۔ اس کا مقصود یہ تھا کہ خاص پی لوپونی سس میں اسپارٹہ کے حریف پیدا کر دے اور اسی غرض سے اُس نے ارکیڈیا میں ایک نئے اتحاد کی بنیاد ڈالی اور بدنصیب میسینیہ کو آزادی دلائی جو تین صدی سے اہل اسپارٹہ کی قید میں تھا

ان واقعات نے اسپارٹہ کی وقعت بہت کم کر دی تھی اور جب نو برس بعد پھر اُس نے اپنی پوری قوت سے مقابلہ کیا تو بھی تھیبہ کے آگے اُس کی کچھ پیش نہ گئی اور ۳۶۲ق م میں پھر مان ٹی نیہ کے میدان میں شکست کھائی ۔ بدنصیبی سے اس لڑائی میں اپامننڈس بھی مارا گیا اور اُسی کے ساتھ تھیبہ کا عارضی تفوق بھی کہنا چاہیے کہ رخصت ہو گیا ۔ وطن کا یہ فدائی تاریخ تھیبہ میں ایک حد تک وہی مرتبہ رکھتا ہو جو ایتھنز میں پیری کلس کا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اپامننڈس نے جس قوت کی بنیاد ڈالی تھی وہ ناپائدار ثابت ہوئی ، تاہم وسیع معنی میں جس حب قومی کا جوش اُس نے پیدا کیا تھا وہ اس کے بعد بھی زائل نہ ہوا اور

یونانی آزادی کی آخری جد و جہد میں صرف تھیبہ تھا جو ایتھنز کے دوش بدوش ہوکر مقدونیہ سے لڑا اور یونان پر سے نثار ہوگیا

آخری دور۔ فیلقوس، سکندر اور رومی فتح تک

(از ۳۶۲ تا ۱۴۶ قم)

اپامنن ڈس کے تین سال بعد فیلقوس (فلپ) نے مقدونیہ کے تخت پر جلوس کیا؛ یونان کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی بدشگونی نہ ہوسکتی تھی کہ اس ہمسایہ جنگ جو قوم کو ایسا چالاک اور دور اندیش بادشاہ ملا جسے نہ صرف اپنی قوت سے بلکہ دوسروں کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے میں کمال حاصل تھا۔ اور جس نے ایک ہی نظر میں سمجھ لیا تھا کہ یونانی ریاستوں کا موجودہ نفاق محض سطحی شئ نہیں بلکہ اس کی تہ میں زیادہ گہرے اسباب زوال پنہاں ہیں۔ اسی لیے جب وہ یونان کے کسی ایک یا متعدد شہروں پر دست تعدی بڑھاتا تو ہمیشہ کوشش کرتا کہ انھیں کی دو چار ہمسایہ ریاستوں کو اپنے سے ملائے رکھے۔ حتیٰ کہ یکے بعد دیگرے ساری ریاستیں اس کے زیر اقتدار آگئیں اور شیرونیہ کی جنگ عظیم میں یونان کی قسمت کا فیصلہ ہوگیا (۳۳۸ قم)؛ مقدونیہ کی اسی فتح کے بعد، جس میں ڈموس تھینز کی سعی نے ایتھنز، تھیبہ اور کئی متحد ریاستوں کو اس کے مقابل صف آرا کر دیا تھا۔ خاکنائے کورنتھہ میں تمام یونانیوں کی ایک مجلس منعقد

ہوئی اور اُس میں فیلقوس کو بالاتفاق یونان کا صدر نشین تسلیم کیا گیا۔ یہ مرتبہ بہ ظاہر اُسی قسم کا تھا جیسا کہ پہلے اسپارٹہ یا ایتھنز کو حاصل تھا، لیکن درحقیقت وہ ایک چھپی ڈھکی بادشاہی تھی جس میں تمام یونانی ریاستیں ایک مقدونوی مطلق العنان کی ماتحتی میں آگئیں۔ بایں ہمہ ڈموس تھنیز کی دیوانہ وار کوششیں اس حد تک ضرور کامیاب ہوئیں کہ جن یونانی ریاستوں نے فیلقوس کو زیادہ آزار پہنچایا تھا وہ اُسی نسبت سے زیادہ اچھی رہیں۔ چنانچہ تھسلی کا علاقہ جس نے فیلقوس کی بڑی اعانت کی تھی ذلت کے ساتھ الٹا مقدونیہ میں الحاق کرلیا گیا۔ پی لوپونی سس کی ریاستیں جنھوں نے اعانت کی تھی نہ مزاحمت، نیم آزاد رہیں، مگر ایتھنز جس نے سب سے زیادہ مخالفت کی تھی بڑی حد تک خود مختار رہا اور سب سے زیادہ فیلقوس نے اُسی کا اکرام کیا

صقلیہ۔ ٹِمولین | لیکن جس وقت یونان خاص کی آزادی شیرونیہ کے میدان میں مجروح تڑپ رہی تھی۔ ہیلاس کے ایک بعید ٹکڑے میں وہ بڑی آن بان کے ساتھ سربلند ہوئی جہاں مقدونیہ کی بجائے قرطاجنہ اُس کے مٹانے کے درپے تھی۔ ۴۱۳ ق م کی ایتھنزی تباہی کے بعد صقلیہ پر اہلِ قرطاجنہ نے دو حملے کیے تھے اور اس کے تمام بڑے بڑے شہر فتح کرلیے تھے۔ صرف سایراکیوز محفوظ تھا، جو غیروں کی بجائے خود اپنوں کے ہاتھوں سے نالاں تھا اور جہاں کی جمہوریت کو ڈیونی سس نے پامال کرکے حکومت جابرانہ کی بنیاد جمادی تھی۔ اس کے بیٹے

ڈیونی سیس دوم کے عہد حکومت میں اس شہر کی حالت اور بھی ردی ہوگئی اور وہاں کی ایک جماعت نے کورنتھ کی ایک جماعت سے امداد کی درخواست کی۔ یہیں کا ایک نامور شہری ٹمولین تھا جو صقلیہ کو نجات دلانے بارہ سو سپاہیوں کے ساتھ سایراکیوز بھیجا گیا (۳۴۴ ق م) ٹمولین نے نہ صرف سایراکیوز کی حکومت جابرانہ کا تختہ الٹا بلکہ تمام صقلیہ کو ایک اور دشمن قوی کے پنجے سے چھڑایا اور دریاے کری می سس کے کنارے اہل قرطاجنہ کو ایسی زبردست شکست دی کہ پھر اُن کے پانو یہاں نہ جم سکے اور ساری یونانی نوآبادیاں آزاد ہوگئیں۔

سکندر | مگر اب اس اولوالعزمانہ مہم کا وقت بھی قریب آگیا ہے جس کا "دس ہزار کی پسپائی" کے بعد سے اکثر یونانی خواب دیکھ رہے تھے مگر جس میں ابھی تک ہاتھ ڈالنے کی کسی کو جرأت نہ ہوسکی تھی سینتالیس برس کی عمر میں فیلقوس نے ایران کے خلاف اشتہار جنگ دے دیا تھا اور اُس کے لیے بڑے پیمانے پر تیاریاں بھی کر رہا تھا کہ اُسے ایک دشمن نے مار ڈالا (۳۶۱ ق م) لیکن مقدونیہ کی خوش نصیبی، کہ مقتول بادشاہ کا نوعمر جانشین اپنے باپ سے بدرجہا زیادہ عالی حوصلہ فرماں روا تھا۔ جس نے تینتیس برس کی عمر تک پہنچنے سے پہلے قدیم دنیا کے تقریباً آدھے آباد حصے کو فتح کیا اور یونانی عظمت کے دامن کو دامن قیامت سے باندھ دیا اُس کے تفصیلی حالات سے ہم یہاں قطع نظر کرتے ہیں اور ناظرین کو سکندر کی سوانح عمری کا حوالہ دیتے ہیں جو پلوٹارک نے بڑی خوبی کے ساتھ تحریر کی ہے

سکندر کے بعد ـــــ رومی فتح تک ۳۲۳ تا ۱۴۶

سکندر کی آنکھیں بند ہوتے ہی اس کی وسیع سلطنت ایشیائے کوچک، شام، مصر، اور مقدونیہ کی خود مختار سلطنتوں میں بٹ گئی اور گو ان میں سب سے زیادہ یونان کا سابقہ مقدونیہ سے رہا، تاہم جب کبھی کوئی دوسری سلطنت زور پکڑ جاتی، تو یونان بھی اس کی دست برد سے نہ بچتا۔ آخر اسی اینچا تانی نے اس میں ایک مرتبہ پھر اپنی مشترک مدافعت کا جوش پیدا کیا اور اس مشہور انجمن اکائیہ کی بنیاد پڑی جس نے تھوڑے عرصے کے واسطے پھر یونان قدیم کی حب الوطنی کو تازہ کر دیا (۲۸۱ق م) اس انجمن نے نہ صرف بعض اندرونی خرابیوں کا انسداد کیا بلکہ مقدونیہ سے بھی کامیاب لڑائیاں لڑیں اور کورنتھہ کو اس کے پنجے سے نکال لیا۔

بدنصیبی سے اسپارٹہ اس وقت بھی اکائی اتحاد میں شریک نہ ہوا تھا اور اسی کے ساتھ نصف صدی بعد لڑائی کی نوبت پہنچی، جس میں اگر ایک طرف اراطوس جیسا ہنرمند اکائی جرنیل تھا تو دوسری طرف کلیومین جیسا نامور بادشاہ۔ لیکن جب اراطوس بہت دبا تو یونانی نفاق پھر اپنی بدترین صورت میں نمایاں ہوا۔ اور اکائیوں نے اپنے قومی دشمن مقدونیہ ہی سے امداد کی درخواست کی۔ جہاں سے انتی جن ڈوسن (انٹی گونس) فوج لے کر آیا اور سلاشیہ کے میدان میں اسپارٹہ کے ایسی سخت ضرب لگائی کہ اس کا ہمیشہ کے لیے زور ٹوٹ گیا اور پھر اس کا نام ہم صفحات تاریخ پر کہیں نہیں پاتے (۲۲۱ق م)

اسی زمانے میں ایک اور اتحاد انجمن اطولیہ کے نام سے شمالی یونان میں قائم ہوا تھا لیکن اس کی بین الیونان آویزشوں میں بھی برابر مقدونیہ کو دخل اندازی کا موقع ملتا رہا اور اہلِ یونان کبھی پہلی سی آزادانہ زندگی کا لطف نہ اٹھا سکے۔ یہاں تک کہ آخر مقدونیہ کا بھی ایک سرکوب خدا نے پیدا کیا اور روما کی نوخیز قوت نے اس کو شکستیں دے دے کے تمام شمالی یونان کا علاقہ اپنے قبضے میں لے لیا (۱۶۸ءسنہ ق م)

آخری زمانے میں انجمن اکائیہ کی سرداری نے فیلوپمن سے رونق پائی جسے پلوٹارک نے آخری یونانی کا معزز لقب دیا ہی۔ لیکن ظاہر ہی کہ رومی سیلاب کے مقابلے میں ایک چھوٹی قوت کے عرصے تک پانو نہ جم سکتے تھے چنانچہ جب شمالی یونان میں کچھ فساد پیدا ہوا اور اس میں اکائیوں کی شرکت کا بھی پتہ چلا تو رومیوں کو فوج کشی کا حیلہ مل گیا اور ان کے قنصل ممِّس نے اکائیہ کی سربرآوردہ ریاست کورنتھ کو تسخیر کرکے آگ لگادی (۱۴۶ءسنہ ق م) اور تھوڑے ہی دن بعد یونان کا یہ جنوبی علاقہ بھی ایک رومی صوبہ بن گیا۔

ان انجمنوں کی جدوجہد دیکھنے سے یہ خیال ہوتا ہی کہ شاید اس آخری زمانے میں پھر اہل یونان کے دلوں میں حب الوطنی کی آگ بھڑکنے لگی تھی اور اس لیے ان کا پامال ہونا ایک افسوسناک تاریخی واقعہ ہی۔ لیکن حقیقت یہ ہی کہ جمہور یونانیوں کے اس وقت ایسے خیالات نہ تھے۔ اور وہ اپنے عیش پرست امرا کی وحشیانہ

تعدّیوں سے اس قدر عاجز آگئے تھے کہ غلامی کی اُن زنجیروں کو انھوں نے خوشی سے قبول کرلیا جو اُنیس سو برس تک اُن کے پانو میں پڑی رہیں اور پھر محض یورپ کی زبردستی سے اُتریں نہ کہ خود وہاں والوں کی کوششوں سے

۲ — رومہ

تمہید | طولاً موجودہ اطالیہ کے تقریباً وسط میں شہر رومہ دریائے ٹیبر پر آباد ہو جو تھوڑی دُور آگے چل کر بحر روم میں گرتا ہو۔ اس شہر کا سال بنیاد جدید تحقیقاتوں نے ۷۵۴ء قبل مسیح ثابت کیا ہو اور اس وقت کی جغرافی اور اقوامی حالت کا بھی پتہ چلایا ہو کہ یہ وسطی اور جنوبی اطالیہ کا علاقہ ہ عہد قدیم میں اٹالی‌سی نسل سے آباد تھا، جس کی پانچ بڑی بڑی شاخیں تھیں: (لاطیمئی یا) لاطینی، سبائنی، آس کانی، امبری اور سیبلی؛ ان پانچوں کی حکومتیں اور بولیاں علحدہ تھیں لیکن جب اس لاطینی شہر (رومہ) نے عروج پایا اور ساری اطالیہ اُس کے زیر نگیں آگئی تو یہ قومیں رومی سلطنت میں شامل اور اُن کی بولیاں بھی رفتہ رفتہ لاطینی زبان میں جذب ہوگئیں

ان ہم نسل قوموں کے علاوہ کم سے کم چار بڑی قومیں شمالی اطالیہ میں اور آباد تھیں جن کی تہذیب اور ابتدائی قومیت کے متعلق ابھی تک مورخوں میں اختلاف ہو یہ اٹرسکن، غال،

لگوری، اور وے نے ٹی لوگ تھے
مگر اطالیہ کی تاریخ و شائستگی پر اصلی باشندوں سے کہیں زیادہ کنعانی اور یونانی آباد کاروں کا اثر پڑا ہو۔ کنعانی یا فنیقی قوم کے لوگ جن کی قرطاجنہ[1] میں عظیم الشان سلطنت قائم تھی، کبھی اطالیہ میں باقاعدہ آن کر نہیں بسے تاہم کورسکا اور صقلیہ کے جزیرے اُن کی مستقل تجارت گاہیں تھیں جہاں سے ان کی مصنوعات اور تجارتی سامان تمام ملک میں پھیلتا تھا۔ لیکن ان سے بھی بڑھ کر اہل اطالیہ کو یونانیوں سے واسطہ پڑا جن کی اس قدر نوآبادیاں صقلیہ اور جنوبی اطالیہ میں بنی ہوئی تھیں کہ یہ علاقے کا علاقہ "مہایونان" کہلاتا تھا۔ انھیں لوگوں سے اطالیہ والوں نے انسانی تہذیب کا پہلا سبق یعنی فن کتابت سیکھا اور اسی کے ذریعے یونانی شاعری، اخلاق اور فلسفہ کوہ اپی ناین کے دامنوں تک پہنچے

پہلی فصل —— ملکِ اطالیہ کی فتح تک

(از ۷۵۴ تا ۲۶۶ قبل م)

شہر روصہ کا بانی اور پہلا بادشاہ رومیولس تھا اور اس کا جانشین نیوماپمپی لیئس ہوا جن کے حالات پلوٹارک کی ابتدائی سوانح عمریوں میں تحریر ہیں۔ لیکن یہ دونو اور بعد کے پانچ اور بادشاہ درحقیقت "زمانۂ ماقبل تاریخ" سے تعلق رکھتے ہیں اور اُن کی نسبت جو کچھ بیان کیا جائے وہ مستند اور قابل یقین نہیں ہو۔ البتہ ساتویں

[1] یہ شہر موجودہ ٹیونس کے قریب ساحل سمندر پر آباد تھا - ۱۲

یعنی آخری بادشاہ ٹارکوان کی نالائقی ، سفاکی اور عیش پرستیوں کی داستان میں ضرور کچھ نہ کچھ واقعیت ہوگی کہ ایسے اسباب خاص کے بغیر اتنا بڑا انقلاب ، یعنی بادشاہی ٹوٹ کر جمہوریت کا قیامؒ ، کسی طرح قرین قیاس نہیں ہے - یہ عام طور پر ۵۰۹ قبل مسیح کا واقعہ مانا جاتا ہے جس کے بعد روما میں اعلیٰ انتظامی اختیارات دو عہدہ داروں کو تفویض ہوگئے جو قنصل (اور اس سے بھی پہلے پریٹر یا قاضی) کہلاتے تھے اور ہر سال اُن کا نیا انتخاب عمل میں آتا تھا - اور بادشاہ کے مذہبی فرائض کے لیے ایک تیسرے عہدہ دار کا علحدہ تقرر ہوتا تھا۔

لیکن گو شاہ ٹارکوان کو نکالنے میں عوام الناس کا حصہ اتنا ہی تھا جتنا کہ شہر کے اشراف (پیٹ ری شین) یا اعلیٰ طبقے کا ، اور نیز اُس کے بعد سے ریاست کا نام بھی جمہوریۂ روما قرار پا گیا تھا ، تاہم صحیح معنوں میں اور عملاً وہ زیادہ تر حکومتِ شرفا تھی ، جس میں تمام بڑے بڑے حقوق اور امتیاز طبقۂ اعلیٰ کو حاصل تھے اور عوام کو اپنے نائب (ٹری بیون) منتخب کرنے کا حق بھی بڑی جدوجہد کے بعد ۴۷۱ ق م میں مل سکا تھا

لیکن رفتہ رفتہ سرکاری عہدوں کا دروازہ عوام پر کھلنے لگا اور بالآخر مالی انتظامی ، عدالتی ، اور مذہبی سب عہدوں پر اُن کا تقرر جائز ہوگیا - حتّٰے کہ مختاریٔ سلطنت یا آمریت کا عہدہ پانا بھی اُن کے لیے ناممکن نہ رہا (۳۵۶ ق م) اور اس طرح دوسو برس کی کشمکش کے بعد

ؒ زمانۂ حال کے بعض محققین کا خیال ہے کہ بادشاہت کے بعد ایک غیر موروثی شخصی سلطنت روما میں قائم ہوئی تھی اور پھر بتدریج جمہوریت بنی - م

ناواجب امتیازات مٹ کر قومیت کا ستون زیادہ استوار بنیادوں پر قائم ہوا اور پھر بتدریج امارت خاندانی کی جگہ ایک نئی "شرافت منصبی" (نوبلی ٹاس) نے لے لی جو نہ حسب نسب بلکہ سرکاری عہدوں اور ذاتی جاہ و تمول پر مبنی تھی اور جس کے حصول میں بیشتر اپنی قابلیت اور وطن پرستی کو دخل ہوتا تھا - اس میں شبہہ نہیں کہ اُمرا کا گروہ اب بھی موجود رہا لیکن اب اس کی حیثیت ایک قبیلے یا برادری کی سی ہوگئی جس کا ملکی معاملات میں کوئی خاص اثر و نفوذ نہ تھا .

لڑائیاں اور خارجی حالات لیکن اب ہم بیرونی واقعات کا شروع سے ذکر کریں گے کہ کس طرح رومی مقبوضات وسیع ہوئے جس کا اس کے اندرونی معاملات پر بھی گہرا اثر پڑتا رہا ان میں سب سے اوّل پورسینا شاہ کلوسیئم سے جنگ آزمائیاں اور پھر زیادہ اہم شہر وی آئی کا ایک طویل محاصرے کے بعد فتح ہونا ہے (۳۹۶ ق م) جس کا پلوٹارک اپنی ابتدائی سوانح عمریوں میں بار بار ذکر کرتا ہے لیکن نہ صرف یہ بلکہ اس صدی کی تقریباً تمام لڑائیاں تاریخی شہادتوں سے محروم ہیں اگرچہ اس میں شبہہ نہیں کہ عام روایات اور دیگر قرائن سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ روما جمہوریت کے قائم ہوتے ہی وسطی اطالیہ میں ایک معزز اور سربرآوردہ شہری حکومت بن گیا تھا اور چوتھی صدی قبل مسیح کے آغاز میں اس کا حلقۂ اثر لاطیئم کے علاقے سے نکل کر شمال مشرق کی طرف پھیلتا جاتا تھا - ان علاقوں میں

جیساکہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں وے نیٹی اور لگوری اقوام کے علاوہ ایک بڑا گروہ قلطی نسل کا آباد تھا جنھیں اہل رومہ "گیلی" (غال) اور اہل یونان "گلیتئی" کے نام سے موسوم کرتے تھے

یہ لوگ موجودہ فرانس کے میدانوں سے اُٹھ کر شمالی اطالیہ میں آئے تھے اور کوہ آلفس (قدیم لاطینی : ال پس - جدید انگریزی نام : آیلپش) کی سرسبز وادیوں نے اُنھیں ایسا رجھایا تھا کہ یہاں کی دل چسپیاں چھوڑ کر جانا ، اُنھیں کسی طرح گوارا نہ تھا - انھی کے مقابلے میں کلوسیم کے محصورین نے رومہ سے امداد کی التجا کی اور یہاں کے سفرا کی بات کو محاصرین غالوں نے ہنسی میں اُڑا دیا تو رومی سفیر واپس چلے آنے کے بجائے محصورین میں جا کے شامل ہو گئے اور نہ صرف انھیں لڑائی کا اشتعال دلایا بلکہ خود بھی غالوں سے لڑنے نکلے یہ قانون اقوام کی ایسی خلاف ورزی تھی کہ غالوں نے کلوسیم کا اُسی وقت محاصرہ اٹھالیا اور سیدھے رومہ سے لڑنے چل کھڑے ہوئے اور مطالبہ کیا کہ اُن سفرا کو ہمارے حوالے کر دیا جائے -
رومیوں نے انکار کیا اور اب دریائے ٹیبر کے کنارے وہ خوں ریز معرکہ ہوا جس میں رومہ کی تقریباً ساری فوج برباد ہو گئی اور نسل ہا نسل تک یہ لڑائی ایک مصیبت قومی کے طور پر (یوم اللیہ کے نام سے) اُن میں یادگار رہی- (۳۸۷ ق م) مگر ہم ان نیم معتبر ہفت ماہہ حالات کو، جن میں غالوی فاتح خاص رومہ کے اندر مقیم رہے اگو قلعہ شہر

کو پھر بھی فتح نہ کرسکے) یہاں دُہرانا بیکار جانتے ہیں کہ اُنھیں پلوٹارک نے کامی لس کی سوانح عمری میں نہایت خوبی سے تحریر کردیا ہو

آیندہ ساٹھ برس تک روما اپنی ہم نسل قوم سم نائٹی سے کش مکش کرتا رہا۔ رومی حکومت کی بنیاد جن اشتراکی اور جمہوری اصول پر قائم تھی وہ سم نایٹی جنگ جوئی کی نسبت زیادہ مستقیم و مستحکم تھے اور اسی لیے متعدد شکستوں کے باوجود آخر میں کمپانیہ ، سم نیم اور جنوبی اطالیہ کا تقریباً تمام سرسبز علاقہ روما کے احاطۂ اقتدار میں آگیا اور اُس کے ڈانڈے " مہا یونان " کے اس خطّے سے جا ملے جس میں یونانی مہاجرین نے اپنی شہری ریاستیں قائم کر رکھی تھیں

یونانیوں سے لڑائیاں | ساحل اطالیہ کی اِن یونانی مستعمرات میں سب سے بڑی اور قومی ٹارنٹم کی تجارتی جمہوریت تھی اور اس سے لڑائی کے سلسلے میں رومیوں کو اپی رس کے بادشاہ پرّھوس سے سابقہ پڑا ۔

پرّھوس | یہ شخص تاریخ میں محض اس وجہ سے نامور نہیں ہو کہ بڑا تجربہ کار سپاہی اور نہایت منتظم بادشاہ تھا ، بلکہ س لیے کہ ابتدا سے بڑے بڑے منصوبے باندھتا تھا اور ، سکندر اعظم کی طرح ، مغرب میں ایک عالم گیر سلطنت قائم کرنے کا آرزو مند تھا ۔ ٹارنٹم کی روما سے لڑائی میں اُس کا " یونانی مظلوموں کی خدمت و حمایت " میں کمر بستہ ہونا اسی ہوس ملک گیری کا

ایک حیلہ تھا جس کے لیے وہ پچیس ہزار کا لشکر جرار اور بیس جنگی ہاتھی لے کر ساحل اطالیہ پر اترا اس آخرالذکر کالی بلا سے رومیوں کو کبھی سابقہ نہ پڑا تھا لہذا وہ ہراک لیئہ کی جنگ میں بری طرح شکست کھاکے بھاگے اور لوکانیہ کا ضلع ان کے ہاتھ سے نکل گیا (۲۸۰ق م) دوسرے سال بھی پرھوس ہی کو فتح حاصل ہوئی لیکن وہ ایسی مہنگی تھی کہ اُسکے اس کے حوصلے پست ہوگئے اور وہ چلّا اٹھا کہ اگر ایسی ایک اور فتح پائی تو بخدا میں تباہ ہوجاؤں گا!" چنانچہ اس کے بعد وہ صقلیہ چلا گیا اور وہاں چار سال تک اہل قرطاجنہ سے کش مکش کرنے کے بعد پھر اطالیہ میں آیا۔ لیکن اب کے سیم نیئم کے پایۂ تخت بے نی ونٹم کے سامنے رومیوں نے اُسے کامل شکست دی جس کے بعد وہ کچھ فوج ٹارنٹم میں چھوڑ کر اپنے وطن کو لوٹ گیا اور وہیں کی لڑائیوں میں چند سال بعد لڑتا ہوا مارا گیا (۲۷۲ق م) اسی کے بعد جنوبی اطالیہ، رومیوں کے تسلط میں آگئی

فصلِ دوم — رومہ کا اقتدار بحر روم کے ممالک پر

(از ۲۶۶ تا ۱۳۳ ق م)

پہلی جنگ فنیقی | کنعانیوں کی افریقی آبادی، قرطاجنہ پانچویں صدی قبل مسیح سے ایک آزاد اور مستقل سلطنت بن گئی تھی اور یورپ کے تمام جنوبی ساحلوں پر تجارت گاہیں ہونے کے باعث اس کی بحری قوت بھی لازمی طور پہ زبردست تھی

رومیوں کے ساتھ ابتدا سے اس کے دوستانہ تعلقات رہے لیکن جب رومہ نے صقلیہ میں دخل دینا شروع کیا تو قرطاجنہ سے بھی مخالفت پیدا ہوگئی اور ۲۶۴ ق م میں پہلی جنگ فنیقی چھڑ گئی جس میں قرطاجنی بیڑے سے اکثر نقصان اٹھانے کے باوجود بری مقابلوں میں بالعموم رومی کامیاب رہے اور آخر تیئیس برس کی جدو جہد کے بعد صقلیہ کا تمام جزیرہ اُن کے ماتحت آگیا اور سات لاکھ رُپے تاوان جنگ لے کر انھوں نے قرطاجنہ سے صلح کر لی۔ (۲۴۱ ق م)

لیکن اسی جنگ کی بدولت آیندہ قرطاجنہ اور رومہ کی جمہوری سلطنتوں میں مستقل عداوت پیدا ہوگئی اور وہ اپنی اپنی جگہ ایک دوسری اور زیادہ خوں ریز جنگ کی تیاریاں کرنے لگیں اور دوسرے صقلیہ کے الحاق سے رومی نظام حکومت میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ جس کی تشریح یہ ہی کہ اب تک رومیوں نے جس قدر اطالوی علاقے فتح کیے تھے وہ اُن کی سلطنت میں حلیف کی حیثیت سے برابر کے حقوق رکھتے تھے اور وہاں کے باشندوں کو مقامی معاملات میں بالکل خود مختار مانا جاتا تھا اور اسی مفید اتحاد کی بنیاد پر سلطنت رومہ وسعت کے ساتھ ساتھ زیادہ مستحکم اور قوی ہوتی جاتی تھی۔ مگر اب صقلیہ کے الحاق سے، ہم رومہ کی حکمت ملکی میں نمایاں تغیّر ہوتا دیکھتے ہیں۔ یعنی اطالوی حلیفوں کی طرح اس کو اتحاد قومی میں شریک نہیں کیا جاتا بلکہ ایک علٰحدہ مفتوحہ صوبہ (پراونشیہ)

بناکر اس پر حکومت کی جاتی ہو - گویا فنیقی جنگ کے بعد پہلی مرتبہ رومہ قومی کے بجائے ایک فاتح سلطنت بن کر دنیا میں نمودار ہوتا ہو - ساتھ ہی اُس کو شہنشاہی اور نئے مقبوضات کی وہ چاٹ پڑتی ہو جس کا اخلاقی نتیجہ ، خواہ کتنی ہی دیر میں سہی، ہمیشہ نخوت و تکبر ، استبداد و شخصیت اور پھر قومی حکومت و آزادی کا خاتمہ ہوا ہو

دوسری جنگِ فنیقی | پہلی شکست کے بعد سے قرطاجنہ کی جمہوری سلطنت میں ایک گروہ ایسے اہل الرائے کا پیدا ہوگیا تھا جو اپنا فریضۂ مدافعت ہی اس کو سمجھتے تھے کہ رومیوں کے ساتھ لڑائی کی تیاریاں کی جائیں اور سردار اس گروہ کا بارقس تھا - اس غرض سے کہ ایک بڑی فوج تیار کی جائے جس کے مصارف کا بار قرطاجنی خزانے پر نہ ہو، بارقس سرزمین ہسپانیہ میں چلا آیا اور یہاں بہت بڑا علاقہ فتح کرکے، ایک مستقل سلطنت کی بنیاد ڈالی جو وطنی حکومت کے برائے نام ماتحت تھی، لیکن اس سے قبل کہ دلی ارمان نکلنے کا وقت آئے بارقس نے وفات پائی اور انتظام کی باگ اُس کے داماد ہس ڈروبال کے ہاتھ میں آئی جو ہر لحاظ سے اپنے نام ور خسر کا لایق جانشین تھا اور جب نو برس بعد ایک خونی کے خنجر سے ہلاک ہوا تو سلطنت پہلے سے کہیں زیادہ منتظم اور مستحکم حالت میں تھی۔

(سنہ ۲۲۱ ق م)

ہنی بال | لیکن ہس ڈروبال کے بعد جو شخص اُس کے

عہدے پر مامور ہوا وہ عزم و شجاعت میں سیزر و سکندر، چنگیز
و نپولین کا ہم رُتبہ اور دنیا کے ممتاز ترین سپہ سالاروں میں شمار ہوتا ہے
اس سے ہماری مراد بارقس کا بیٹا ہنی بال ہے، جس نے برسرِ حکومت
آتے ہی رومہ کے ساتھ لڑائی کا سامان شروع کردیا اور آٹھ مہینے کے
محاصرے کے بعد مشہور ساحلی شہر ساگنٹم پر قابض ہوگیا، ساتھ ہی
دونو طرف سے جنگ کا اشتہار دے دیا گیا۔ (۲۱۸ سنہ ق م)

تیاریاں اور واقعات جنگ

قرطاجنہ کی طرف سے اندلس میں
بڑے پیمانے پر سامان جنگ کیا گیا تھا کہ خاندان بارقس کی تمام
سرگرمیوں کا ماحصل یہی لڑائی تھی۔ مزید برآں خود ہنی بال نے جو
منصوبے سوچے تھے اگر اُن پہ خاطر خواہ عمل ہوتا تو رومہ کی قطعی
شکست میں بظاہر کوئی شبہہ نہ تھا۔ کیوں کہ اپنی کوششوں کے علاوہ
اس نے شمالی اطالیہ کے غال اور مقدونیہ کے بادشاہ فیلقوس
پنجم کو بھی پوری طرح آمادہ کرلیا تھا کہ وقت مقررہ پر قرطاجنہ کے
شریک ہوجائیں۔ خود اُس کا ارادہ موجودہ فرانس میں سے ہوتے
ہوئے کوہ الفس عبور کرکے خالص اطالیہ پر حملہ کرنے کا تھا
اور یہی وہ عدیم المثال یلغار ہے جس میں اُس کی نصف سے زیادہ فوج
الفس کے برفانی اور مہلک راستوں میں تباہ ہوگئی۔ بایں ہمہ ہنی بال
ان پہاڑوں پر سے ایک طوفانی سیلاب کی طرح شمالی اطالیہ میں
اُترا اور دریائے پو کے بالائی کنارے پر مزاحم رومیوں کو ریلتا ہوا
پو سے پار ہوگیا۔ اس مرتبہ اُس کا زیادہ اہتمام اور بڑی فوج کے
ساتھ رومیوں نے مقابلہ کیا لیکن ہنی بال نے پھر ایک زبردست

شکست دی جس کے بعد اس کا دُور تک سامنا کرنے والا کوئی نہ رہا۔
(جنگ ٹربیبیہ ۲۱۸ سنہ ق م)

اب ہنی بال نے وسطی اطالیہ کی طرف اپنی فوجیں بڑھائیں
اور رومی قنصلوں کو، جو دو شاہ راہوں پر الگ الگ اُس کی آمد
کا انتظار کر رہے تھے، جُل دے کر یکایک عقب میں نمودار ہوا، اور
ٹراسیمن جھیل کی لڑائی میں فتح کامل حاصل کی جس میں بیان کیا
جاتا ہے کہ رومیوں کے تیس ہزار یعنی نصف سے زیادہ سپاہی ہلاک
ہوئے اور خاص رومہ میں اُسی قسم کا انتشار و مایوسی پھیل گئی،
جیسی کہ غالوں کی فتح ایلیہ کے بعد پھیلی تھی۔ دو سال تک تیاریاں
کرنے کے بعد رومیوں نے پھر ایک بڑی فوج مرتب کر لی تھی لیکن
جب کنئی کے میدان میں ایک قیامت خیز رن پڑا تو ہنی بال کی
غیر معمولی قابلیت کے آگے کثرت فوج کی کچھ پیش نہ گئی اور ستر ہزار
سے زیادہ رومی اس معرکے میں کام آئے (۲۱۶ سنہ ق م)
ساتھ ہی وسطی اور جنوبی اطالیہ کے شہر ایک ایک کر کے قرطاجنہ
کے حلقۂ اطاعت میں آنے لگے اور مقدونیہ سے بھی امداد کی
امیدیں تازہ ہوگئیں۔ مگر یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ایسی
قطعی فتوحات کے باوجود ہنی بال کی فوجی تعداد میں زوال کے آثار
نمایاں تھے اور مالی اعانت کے بجز اُسے قابل اعتبار فوج میسّر آنے
کا کوئی معقول ذریعہ حاصل نہ ہوسکا تھا۔ بحالیکہ رومی جمہوریت
یہ پیہم اور مایوس کُن شکستیں کھا کر بھی قابل ہزار تحسین استقلال کے
ساتھ اپنی طاقت سنبھالنے کی جد و جہد کر رہی تھی اور ایک بڑا علاقہ

وفاداری کے ساتھ اسے مدد دینے کے لیے تیار تھا ۔ یہی اسباب تھے کہ جب آٹھ سال تک صقلیہ اور مقدونیہ کوئی عملی اعانت نہ کرسکے بلکہ رومیوں سے الجھ الجھ کر، اپنی کمزوری اور نفاق کی بدولت، مغلوب و منہزم ہو گئے اور نیز خاص قرطاجنہ سے بھی ایک گروہ مخالف کی ریشہ دوانیوں نے کوئی کمک اطالیہ کو نہ آنے دی تو ہنی بال کی حالت نہایت مخدوش ہو گئی ۔ مفتوحہ اطالیہ کے شہر بھی اس کے اثر سے نکلنے لگے اور اب اُسے صرف ایک آسرا رہ گیا کہ اگر ملے گی تو مدد اُس کے ہسپانوی جانشین اور بھائی ہسڈروبال سے ملے گی جو خشکی کے راستے ایک بڑی فوج اطالیہ میں لانے کی کوشش کر رہا تھا ۔ وہ لڑ بھڑ کر اطالیہ میں پہنچ گیا تھا مگر شمالی اطالیہ ہی کی لڑائی میں مارا گیا ۔ تب ہنی بال کی آخری امید ٹوٹ گئی اور وہ اطالیہ کے انتہائی جنوب یعنی بریٹم کے علاقے میں ہٹ آیا ۔ اگرچہ ابھی تک اُس شیر ببر کی طرح جو زخمی ہوکر زیادہ خوفناک ہو جاتا ہو، کسی رومی سردار کی یہ مجال نہ تھی کہ اُسے مغلوب یا جنگ کے لیے مجبور کرسکے

لڑائی اسی حالت میں رکی ہوئی تھی کہ رومی سپہ سالار اسکیپیو نے ایک بڑی فوج کے ساتھ افریقیہ پر چڑھائی کی، جس نے قرطاجنہ کے بزدل حکام کو بالکل مضطرب کر دیا اور ایک طرف تو وہ رومیوں سے صلح کے نامہ و پیام کرنے لگے اور دوسری طرف انھوں نے ہنی بال اور اس کے تیسرے بھائی ماگو (کو جو اُسی زمانے میں سمندری راستے سے اطالیہ میں دوبارہ فوج لے گیا تھا)

اپنے مسلسل احکام سے پریشان کر دیا کہ فوراً لوٹو اور پہلے گھر کی خبر لو۔
اس میں شک نہیں کہ ان خود غرض حکام کو ہنی بال سے کوئی حق مدد مانگنے کا نہ تھا کہ سولہ برس تک خود اُنھوں نے اس کی ایک غیر ملک میں کچھ دست گیری نہ کی تھی۔ لیکن ہنی بال کی حب وطن ایسے بدلے لینے نہ چاہتی تھی اور نیز وہ اپنی اطالوی کامیابی سے تقریباً مایوس ہوچکا تھا پس بہت جلد جہازوں میں سوار ہوکر افریقہ پہنچا اور جو بُری بھلی فوج میسر آ سکی اسے لے کر میدان میں آیا۔ کیونکہ سچ یہ ہو کہ قرطاجنی حکام نے اس نازک وقت میں بھی اُسے خاطر خواہ مدد نہ دی جس کا نتیجہ شکست زاما کی صورت میں نکلا اور یہ لوگ جو پہلے ہی ہمت ہارے بیٹھے تھے تیار ہو گئے کہ جن شرائط پر رومی چاہیں صلح ہو جائے۔

(۲۰۲ سنہ ق م)

دوسری جنگِ فنیقی کا یہ آخری مقابلہ تھا جس کے حالات لکھنے میں رومی مورخوں نے بڑی رنگ آمیزیاں کی ہیں اور اپنے کامیاب سپہ سالار کو ہنی بال سے فائق، یا ہم رتبہ ثابت کرنا چاہا ہو۔ بایں ہمہ کسی منصف مزاج مورخ کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ سپہ سالاری میں اُسے ہنی بال پر ترجیح دے۔ کیوں کہ اوّل تو ایک لڑائی کی ہار جیت فنِ جنگ کی مہارت کا قطعی امتحان نہیں اور دوسرے جب حالات و واقعات پر ہم زیادہ گہری نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہو کہ جنگ زاما میں ہنی بال کو جیتنے کی کوئی امید نہ ہوسکتی تھی جس کا سبب یہ ہو کہ تعداد میں بہت کم ہونے کے علاوہ قرطاجنی فوج میں شدید نفاق تھا اور رومی مورخوں ہی نے گواہی دی ہو کہ لڑائی شروع

ہونے کے بعد خاص میدانِ جنگ میں وہ باہم لڑنے لگی تھی!

لیکن یہ جنگ خواہ کسی حالات میں لڑی گئی ہو، نتائج کے اعتبار سے تاریخ عالم کی سب سے اہم لڑائیوں میں شمار ہونے کے لائق ہے۔ اسی کے بعد سے قرطاجنہ کا زور ٹوٹا، اس کے تمام یورپی مقبوضات چھن گئے، اُسے ایک کثیر تاوان ادا کرنا پڑا اور سب سے بدتر یہ کہ عہد کرنا پڑا کہ رومہ کی اجازت کے بغیر خاص افریقہ میں بھی وہ کوئی لڑائی نہ لڑ سکے گا ؛ دوسری طرف جب رومیوں کا سب سے طاقت ور حریف اس قدر کم زور ہوگیا تو پھر اُن کی فتوحات کو روکنے والا کوئی نہ رہا۔ وہ ادھر سے فراغت پاتے ہی مشرق کی طرف بڑھے اور پچیس تیس برس کی مسلسل لڑائیوں کے بعد مقدونیہ پر قابض ہوگئے۔ اور اسی کے ساتھ سکندری میراث کے بہانے یونان کی ریاستوں پر بھی اُن کا حق قائم ہوگیا

اس اثنا میں ہنی بال، جسے رومیوں کے شکوک اور اہل وطن کی مخالفت نے جلا وطنی پر مجبور کر دیا تھا، خاندان سلوقی کے بادشاہ انطیاخیس کے پاس چلا آیا تھا۔ لیکن اس بادشاہ نے بھی رومیوں سے بالآخر شکست کھائی اور دب کر صلح کر لی جس کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مہمان ہنی بال کو اہل رومہ کے حوالے کر دے گا[1]

تیسری جنگ فنیقی | اس نصف صدی میں، سیاسی لحاظ سے قرطاجنہ

---

[1] ہنی بال اس شرط کی خبر سن کر شام سے نکل گیا تھا اور قریطش ہوتا ہوا شاہ بتھنیہ کے پاس پناہ گزیں ہوا لیکن جب وہاں بھی رومیوں کے دباؤ سے اس کے میزبان نے اسے گرفتار کرانا چاہا تو اس نے خودکشی کر لی اور یہ گوارا نہ کیا کہ اپنے دشمن رومیوں کی قید میں جائے (۱۸۳ قبل مسیح)

کی حالت ایک نیم آزاد ریاست کی سی رہ گئی تھی لیکن تجارتی اولوالعزمی میں اُس نے بہت جلد اپنے پچھلے نقصان کی تلافی کر لی اور اب حاسد اہلِ رومہ کو پھر اسے شانے کی فکر دامن گیر ہوئی، اُن کی ناروا زیادتیوں نے آخر کار اہل قرطاجنہ کو لڑنے پر مجبور کر دیا اور وہ دو سال تک بڑی جاں بازی کے ساتھ جنگ کرتے رہے لیکن پھر کچھ جنگی کمزوری اور کچھ اپنے غداروں کی غداری کی بدولت اخیر میں بالکل مغلوب و مجبور ہو گئے اور پھر رومیوں نے اُن کی ساری آبادی کو حکماً وہاں سے اٹھا دیا، شہر کو تڑوا کر زمین کے برابر کر دیا، اور یہ تمام علاقہ افریقہ کے نام سے ایک رومی صوبہ بن گیا۔ (۱۴۶ء ق م)

اسی سال انجمن اکائیہ پر بھی رومیوں کو فتح حاصل ہوئی اور یونان کا علاقہ اُن کے تصرف میں آگیا۔ پھر سولہ سال کی ریشہ دوانیوں کے بعد بحر روم کے آخری ساحل ایشیائے کوچک نے بھی اسی کی پیروی کی اور دوسری صدی قبل مسیح کے ختم ہونے سے پہلے رومۃ الکبریٰ قدیم دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کا پائے تخت کہلانے لگا۔ (۱۲۹ء ق م)

تیسری فصل — زمانۂ انقلاب

(از ۱۳۳ء تا ۲۹ء قبل مسیح)

رومہ کی جمہوری سلطنت کے لیے پچھلی ڈیڑھ صدی شاندار فتوحات کا مسلسل باب ہے اور اس دل فریب و پُرشکوہ بیان کے آگے مؤرخ کو بہ مشکل مہلت ملتی ہے کہ وہاں کے اندرونی حالات پر

نظر ڈالے ۔ لیکن اب ہم جس عہد تک آگئے ہیں وہ رومہ کے سیاسی مطلع پر دو نئے تاروں کے طلوع کا زمانہ ہو جن کا ظہور گویا اس امر کا اعلان تھا کہ آیندہ سے رومہ کی تاریخ زیادہ تر اپنے داخلی واقعات پر مشتمل ہوگی، اور رفتہ رفتہ وہاں اس انقلاب عظیم کی پرورش کی جائے گی جو ایک صدی بعد شخصی بادشاہی کی شکل میں رؤنما ہوا یہی وہ حادثہ ہو جس کی بدولت یہ تمام زمانہ، دنیا کی "تاریخ میں، بڑا عبرت آموز اور نہایت اہم زمانہ سمجھا جاتا ہو اور اسی لیے ہمارے مصنّف نے بھی اپنی کتاب میں اس کے احوال سے جا بہ جا بحث کی ہو اور اس عہد کے تمام بڑے بڑے آدمیوں کی سوانح عمریاں اپنے اپنے موقع سے تحریر کی ہیں، جن سے بہتر اس کی تصویر کسی قلم نے نہیں کھینچی"۔ لیکن واقعات تاریخی کے اس مختصر بیان میں بھی ضروری معلوم ہوتا ہو کہ ان تبدیلیوں کا کچھ حال لکھا جائے جو اِس دَور فتوحات میں، رومی معاشرت اور نظام سلطنت میں پیدا ہوگئی تھیں

نوبلی ٹاس

سب سے اہم نئی بات جو اس عہد میں توجہ کو اپنی طرف کھینچتی ہو یہ ہو کہ ہرچند اب خاندانی امرا اور عوام الناس کا وہ فرق، جو دورِ قدیم میں اس قدر جدوجہد کا سبب ہوا تھا، مٹ چکا ہو تاہم اس کی جگہ ایک نئی فرقہ بندی نے لے لی ہو اور خاندانی امرا کے بجائے اب "خاندانی دولت مند" سلطنت کے جزو کل پر حاوی نظر آتے ہیں اور عہدہ داروں کا یہی اعلیٰ طبقہ اپنے ساتھ نوبلی ٹاس (شرافت منصبی) کا طرۂ امتیاز لگا کر طبقۂ عوام سے علیحدگی اختیار کرنا

جاتا ہے۔ حکومت کے تمام بڑے بڑے کام اس کے ہاتھ میں ہیں اور خصوصاً مجلس کی رکنیت پر وہ خاص اپنا حق سمجھ کر قابض ہے اور نئے یا غیر دولت مند اشخاص کو سرکاری معاملات میں حصہ لینے کا موقع کم ہوتا جاتا ہے

سلطنت کی وسعت کے ساتھ اعلیٰ عہدہ داروں کے اختیارات میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور قنصلی، قضا (پر ٹیر شپ) اور خصوصاً صوبہ داری حاصل کرنے کا لالچ اس قدر بڑھتا جاتا ہے کہ رومی اخلاق اور فرض شناسی اس کے مقابلے میں کمزور پڑ جاتے ہیں۔ رشوت ستانی اور جھوٹے وعدوں سے انتخاب کرنے والوں کو دھوکا دینا عام ہو جاتا ہے۔ رومیوں کے قومی شعایر میں بھی غیر قوموں کے میل جول سے تغیر ہوتا ہے اور نئی معلومات اور نئے خیالات کم سے کم اُن کے اعلیٰ طبقوں کو اپنی قدیم مراسم و عقاید سے بے پروا کر دیتے ہیں؛

اقتصادی تبدیلیاں اس حال میں اقتصادی تبدیلیوں سے بھی بعض اہم نتائج پیدا ہوئے اور جب باہر کے صوبوں (خصوصاً جزیرہ صقلیہ) سے غلّے کی مقدار کثیر بطور خراج آکر بالکل سستے داموں بکنے لگی تو وطن کی زرعی اجناس اُس کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ چھوٹے چھوٹے کاشت کار مجبور ہو ہو کر زراعت چھوڑ بیٹھے اور اس تبدیلی کی وجہ سے دولت مند طبقے کے ہاتھ بڑی بڑی جاگیریں آگئیں[1] اور یہ

[1] اس تبدیلی کو بڑی تقویت اس قانون سے پہنچی جس کی رُو سے کوئی رکن مجلس یا اعلےٰ عہدہ دار تجارت میں اپنا روپیہ نہ لگا سکتا تھا۔ لہٰذا مجبوراً بھی یہ لوگ زمینیں خریدتے تھے اور اگر ان میں کاشت یا باغبانی کراتے تھے تو زیادہ تر اپنے غلاموں سے، جن کی بیرونی لڑائیوں نے اطالیہ میں تعداد بہت بڑھا دی تھی؛ م

نئے مالک اپنی اراضی سے بیش تر چراگاہوں کا کام لینے لگے جس سے ایک طرف تو زمین قیمت و قوت میں گھٹی اور دوسری طرف کسان یا نہایت تنگ دست ہوگئے اور یا انھوں نے چرواہوں کا پیشہ اختیار کرلیا اور اس حالت نے نہ صرف اُنھیں ذلیل و پست اور آزادی سے دور کردیا[1]، بلکہ کل قوم کی مجموعی قوت پر اس کا بہت بُرا اثر پڑا

مزارعین کی اس خرابی کو جس شے نے زیادہ تیزی کے ساتھ بڑھایا وہ غلاموں کی بے روک افزائش تھی۔ یہ بےکس مخلوق ہزاروں کی تعداد میں باہر سے آتی اور اپنے مالکوں کو آزاد اہلِ حرفہ، مزارعین اور مزدوروں سے بھی مستغنی کردیتی تھی۔ جس سے وطنی صناع اور آزاد کسان پامال ہوئے جاتے تھے اور دوسری طرف خود سلطنت کے لیے ایک نیا خطرہ پیدا ہورہا تھا۔ چنانچہ جب صقلیہ میں جہاں رومی جاگیرداروں کی، اور اس لیے غلاموں کی، کثرت تھی، انھوں نے علم بغاوت بلند کیا اور اُن کا دلیر سردار یونس آٹھ سال تک مغلوب نہ ہوسکا (تا ۱۳۲ھ ق م) تو اُس وقت اِس

[1] یہاں یہ بات یاد دلانے کے لائق ہو کہ پہلے ہی آزاد مزارع جب فوجوں میں بھرتی ہوتے تو ان کی خودداری اور حب الوطنی اس بات کا موقع نہ دیتی تھی کہ کوئی فوجی سرداراُن سے فوائد قومی کے خلاف اور محض اپنے موافق مطلب کام لے۔ لیکن اس کے برخلاف آخری صدی قبل مسیح میں ہم اس گروہ کے سپاہیوں کو ان خیالات سے بالکل معرا پاتے ہیں اور صاف نظر آتا ہے کہ اب یہ اپنے فوجی حاکموں کے ہاتھ میں محض تنخواہ دار غلام ہیں جنھیں وطن اور فوائد وطن سے مطلق سروکار نہیں اور جو عمدہ اخلاق اور اپنے قدیم محسوسات سے بالکل بعید و بیگانہ ہوتے جاتے ہیں۔ م

خدشے کی واقعیت اور قوت کا بھی امتحان ہوگیا تھا ، بایں ہمہ جبر و تعدّی بڑھا دینے کے سوا دومی اس مسئلے کا کوئی قابل اطمینان حل نہ سوچ سکے اور وہ اقتصادی نقصان بھی جو غلاموں سے اُن کے ملک کو پہنچ رہا تھا برابر پہنچتا رہا

نظامِ حکومت

مگر ان سب باتوں سے زیادہ قابل توجہ دومہ کے جدید حالات اور قدیم نظام حکومت کی بحث ہو کہ اسی میں اصلاح کی کشمکش نے آخر جمہوریت کا خاتمہ کیا - واقعی بات یہ ہو کہ دومہ کا پُرانا نظام حکومت ، جس میں ایک مجلس شوریٰ اور چند انتظامی حاکم منتخب کرلیے جاتے تھے ، کسی شہری ریاست ہی کے واسطے موزوں تھا - کیوں کہ اول تو اس کی مجلس اعلیٰ (سی نیٹ) ایک مجلس شہری (یا میونسپل کمیٹی) سے زیادہ وقعت نہ رکھتی تھی اور اُسے قانوناً اتنا حق بھی حاصل نہ تھا کہ اعلیٰ عہدہ داروں کو کسی کام سے حکماً روک سکے ، دوسرے جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں ، خود یہ جماعت دولت مند شرفائے منصبی کی میراث ہوتی جاتی تھی اور اس لیے جمہور کو اس سے اپنی اصلاح کی کوئی امید نہ تھی - سلطنت میں دوسری بڑی جماعت مجلس عوام تھی جس میں ہر آزاد شہری کو رائے اور عہدہ داروں کے انتخاب کا حق حاصل تھا - لیکن جب سے شہر کی آبادی بڑھی یہ نہایت دشوار ہوگیا تھا کہ اس جماعت کے بار بار جلسے کیے جاسکیں - پھر ، خود اس کثیر گروہ کو بھی چند زوردار رہنمائی کرنے والوں کی ضرورت تھی - ان حالات میں اب ایک عہدہ داروں ہی کی جماعت ایسی رہ گئی جس سے مجلس اعلیٰ کے بجائے حکمرانی

اور اصلاح قوم کی توقع ہوسکتی تھی ، اور جب دور دوست صوبوں کے معاملات میں مجلسی حکومت کی اصولی کمزوری اچھی طرح ظاہر ہوگئی اور بارہا صوبہ داروں نے اس کے احکام کی پروا نہ کی تو اُس وقت جمہور نے عہدہ داروں ہی کا سہارا ڈھونڈا ؛ لیکن اوّل تو جن حکّام نے اُن کا ساتھ دیا اُنھیں مجلس اور گویا خاندانی دولت مندوں سے لڑائی مول لینی پڑی اور دوسرے افسوس یہ ہو کہ بعض غدّاروں نے عوام کے اعتماد سے ناجایز فائدہ اٹھایا ، اور دولت مندوں کی قوت توڑ کر خود اپنی شخصی حکومت جمانے کی فکر[1] کی

اصلاحات گریچی

بہرحال ، سب سے پہلے سچائی کے ساتھ جمہور کی وکالت و حمایت کا جنھوں نے بیڑا اٹھایا وہ ٹمائے بیریَس اور اس کا بھائی گائیس گیرے کوس ہیں ، ان دونو کی مفصّل سوانح عمریاں ناظرین اصل کتاب میں مطالعہ کریں گے ۔ یہاں اپنا سلسلۂ بیان قائم رکھنے کے لیے یہ لکھنا کافی ہو کہ گو اِن دونو بھائیوں کی کوشش اصلاح ، جہاں تک مزارعین کا تعلق ہو ، کچھ زیادہ کامیاب نہ ہوسکی اور طبقۂ اعلیٰ نے عوام الناس کو اُبھرنے کا موقع نہ دیا ، بایں ہمہ اس تحریک نے ایک نئی اور اصولی سیاسی کش مکش کی بنا ڈال دی جو آخر میں خواص ہی کے واسطے زیادہ

---

[1] چنانچہ اس قسم کی خود غرضانہ کوششیں سیزر کے وقت میں غایت کمال کو پہنچیں اور اس کے جانشین اُک ٹے وِیَس آگسٹس کو اپنی شخصی بادشاہی کے مستحکم کرنے میں کچھ زیادہ دقت پیش نہ آئی ۔ م

مہلک ثابت ہوئی ۔ ادھر یہ بھی ثابت ہوگیا کہ مجلس عوام جس پر عوام کی جد و جہد کا مدار تھا ، نہایت ناقص اور متبائن عناصر سے مرکب تھی اور استقلال و اتفاق کے ساتھ کوئی کام نہ کرسکتی تھی ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عوام کی حمایت فوج کے بڑے عہدہ داروں نے اپنے ہاتھ میں لی اور اگرچہ فوجی قوت سے اعلیٰ طبقے (یعنی مجلس اعلیٰ) کا زور توڑنے میں کامیاب ہو گئے ، مگر اسی کے ساتھ خود اتنی قوت پاگئے کہ پھر ان کو قابو میں رکھنے والا کوئی نہ رہا ۔ اور شخصی بادشاہی کا راستہ صاف ہوگیا

سلاؔ

لیکن حق یہ ہے کہ ملکی معاملات میں بڑے پیمانے پر فوج سے کام لینے کی ابتدا بھی طبقہ اعلیٰ کی طرف سے ہوئی ، اور انھی کا حامی قنصل سلاؔ پہلی دفعہ فوج لے کر شہر رومہ میں داخل ہوا (۸۸ھ ق م) اور فوج کے زور سے من مانی کارروائیاں کیں ۔ اس کے ایشیا چلے جانے کے بعد عوام کا حامی رسنا ، شہر پر قابض ہوگیا تھا لیکن سلاؔ ایشیا میں فتح پاکر دوبارہ چالیس ہزار فوج جرار کے ساتھ واپس لوٹا ۔ سنا اسی زمانے میں مرچکا تھا (۸۴ھ ق م) ۔ اس کے جانشین نے خاص رومہ کی شہر پناہ کے سامنے سلاؔ سے شکست کھائی اور اب حکومت پھر اُسی قدیم جابرہ کے ہاتھوں میں آگئی جس نے شہر میں داخل ہوتے ہی قتل و خون ریزی کا بازار گرم کردیا اور اس کے متبعین نے شہر و بیرون شہر میں اس قدر ظلم توڑے کہ عرصہ دراز تک "عہد سلاؔ" جبر و بے رحمی کے لیے

ضرب المثل بن گیا۔ (از ۸۲ تا ۷۹ ق م)

ان اگلے چار برس میں کہ سلّا سپہ سالار، مختارالسلطنت اور قنصل کی حیثیت سے روما کا اصلی فرماں رہا، نظام سلطنت میں کئی اہم انقلاب ہوئے۔ سلّا ابتدا سے اعلیٰ طبقے کا طرف دار اور مجلس خواص کی حکومت کا پکا حامی تھا۔ اُس نے اپنی پہلی قنصلی میں بھی یہ تجویز بہ جبر قانون بنوا دی تھی کہ مجلس عوام، مجلس خواص (یعنی سی سینٹ) کی منظوری کے بغیر کسی قانون کے بنانے کی مجاز نہ ہوگی۔ اس کی اب دوبارہ مضبوطی کی اور نیز نائبین عوام (یعنی ٹری بیونوں) کے اختیارات محدود کیے۔ اس کے بعد اُس نے ملکی عہدہ داروں کی قوت گھٹائی اور قاعدہ بنایا کہ کوئی شخص تیس برس کی عمر سے پہلے اور درجہ بدرجہ چھوٹے عہدوں سے ترقی کیے بغیر قنصلی کا منصب نہ پائے اور نہ ایک ہی قنصل دوبارہ منتخب ہو۔ جس کی اصلی غرض یہ تھی کہ آیندہ میریئس کی طرح عوام کسی ایسے سپہ سالار کو قنصل نہ بناسکیں جو بعد میں مجلس خواص کا خطرناک مد مقابل بن جائے؛ لیکن معلوم ہوتا ہے سلّا اس بات کو بھول گیا تھا کہ سلطنت کو اصلی خوف اب سپہ سالاروں سے ہے نہ کہ قنصلوں سے حالانکہ خود اس سے بڑھ کر اس امر کا ذاتی تجربہ کسے ہوسکتا تھا کہ اگر یہی حالات رہے تو آیندہ بھی فوج کی مدد سے جو شخص چاہے گا مطلق العنانی حاصل کرلے گا

پومپی | مگر رومی تاریخ کا ایک دل چسپ واقعہ یہ ہے کہ

سلّا کے ان ضوابط کو جس شخص نے اپنی اغراض کی خاطر سب سے پہلے توڑنے کی ضرورت محسوس کی وہ خود اُس کا داماد اور اس کے گروہ کا رُکن رکین، پمپی تھا۔ چناں چہ جس وقت ھسپانیہ میں میرئیس کے جانشینوں سے لڑائی پیش آئی اور پمپی کئی سال میں یہ فتنہ فرو کرکے واپس روما آیا تو اُس کی بڑی تمنا دوسرے سال کی قنصلی حاصل کرنا تھی حالانکہ یہ امر اُس کے سنّی سالہ نہ ہونے کی وجہ سے جدید قوانین سلّا اور خواص کی منشا کے خلاف تھا مگر پمپی نے اپنی غرض کے آگے ان میں سے کسی شئی کی پروا نہ کی اور عوام الناس کی امداد سے قنصل منتخب ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ اور اس امداد کے صلے میں ٹریبیونوں کے وہ اختیارات جو سلّا نے گھٹا دیئے تھے اُس نے بحال کیے اور نیز مجلس خواص سے اُن ارکان کو نکلوا دیا جنھوں نے "عہد سلّا" میں بڑی بڑی زیادتیاں اور شرمناک ظلم کیے تھے اور جو اب بھی (سلا کے وفات پانے کے بعد) جا و بےجا سلّا کے ضوابط کی حمایت کرتے رہتے تھے

بے شبہہ حامیانِ عوام کی یہ کامیابی انصاف اور حق کی کامیابی تھی لیکن اسی کے ساتھ وہ اس بات کی بھی مزید اور قطعی شہادت تھی کہ اب سلطنت کے مہمات امور کا فیصلہ کسی آئینی جماعت یا کثرت رائے پر منحصر نہیں، بلکہ

اس کی رائے پر منحصر ہی ، جس کے ہاتھ میں فوج ہو اور یہ آئینِ جمہوریت کی ایسی بے وقری تھی کہ پھر سسرو اور کیٹو جیسے محبانِ وطن کی سرگرم کوششیں بھی اُن میں وہ قوت نہ پیدا کرسکیں جسے سلا کی زبردستی اور پھر اُس کے داماد کی احمقانہ خود پسندی نے بے حد ضعیف کر دیا تھا

قنصلی کی میعاد ختم ہونے کے بعد پمپی بالطبع اس سے بھی بڑا رُتبہ پانے کا خواہاں تھا - چناں چہ بحری قزاقوں کے استیصال کی غرض سے ، جو اُن دنوں بہت زور پکڑ گئے تھے ، اُسے ایک بڑا بیڑا ، کثیر لشکر اور بحر روم کے علاوہ دوسرے تمام ساحلوں کی حکومت سپرد ہوئی اور پھر بہت جلد ایشیائے کوچک اور شام و سلیشیہ کے بھی تمام انتظامات تفویض کردیئے گئے اور ۶۷ء ق م میں پمپی بڑے تزک و احتشام کے ساتھ اپنی نئی مہم پر روانہ ہوگیا

سیزر اور سسرو | پمپی کے پانچ سال تک باہر رہنے کا زمانہ سیزر کے ابتدائی مدارج اقتدار طے کرنے کا زمانہ ہی - یہ نوجوان میریَس کا بھتیجا اور سنّا کا داماد تھا - جب رومتہ الکبریٰ کا شہرۂ آفاق خطیب سسرو قنصل ہُوا اور طبقۂ اعلیٰ کے ایک فرد کٹلین نے رومی سلطنت کو درہم برہم کردینے کی سازش کی (جس کا تفصیلی حال ہمارے ناظرین سسرو کی سوانح عمری میں ملاحظہ کریں گے) تو اُس وقت بھی

سیزر کی نسبت یہ شبہات قوی ہوگئے تھے کہ وہ
کٹیلین کا شریک اور انقلاب حکومت کا خواہاں ہو لیکن
ان سب شکوک کے باوجود چالاک سیزر، پمپی اور
دولت مند کراسوس کے ساتھ مل[1] گیا جو اسی کی طرح
حکومت و جاہ کے بھوکے تھے؛ انھیں دونو کی مدد
سے اس نے ۵۹ھ ق م میں قنصلی اور پھر پانچ
سال کے واسطے الیریہ اور غالیہ کی حکومت پائی جو
ویسی ہی بے ضابطہ تھی جیسی کہ پمپی کو پہلے ایشیا میں
دے دی گئی تھی
بدقسمتی سے تھوڑے دن بعد اس اتحاد کا، جسے
"حکومت ثلاثہ" بھی کہتے ہیں، ایک رُکن کراسوس،
مشرق میں مارا گیا اور مزید برآں خود رومہ میں ایسے
واقعات پیش آئے کہ رفتہ رفتہ پمپی اور سیزر میں بھی
سخت اختلافات پیدا ہوگئے۔ ۵۲ھ ق م میں شہر
رومہ اندرونی شورش و فساد کا گھر بن گیا اور نظام
حکومت کی کمزوری نے وہاں سخت بدامنی پھیلا دی تو
اُس وقت خود مجلس اعلیٰ مجبور ہوئی کہ اپنے سب سے
مقتدر شہری پمپی کا سہارا ڈھونڈے۔ اور یہ امر نہ

---

[1] ان تینوں کے اس میل کو بعض مؤرخ پہلی "حکومت ثلاثہ"
(ٹرایم وریٹ) کا نام دیتے ہیں حالانکہ ابھی تک اس پر لفظِ حکومت
کا اطلاق صحیح نہیں معلوم ہوتا م

صرف اُس کے اثر و اقتدار کی کمی بلکہ نفس جمہوریت کی انتہائی بے بسی کی دلیل تھا، چناں چہ سسرو جیسے جمہوریت پسند اہل الرائے بھی اب اس ضرورت کو محسوس کرنے لگے تھے کہ قیام امن کے لیے پمپی کو غیر معمولی اختیارات دے دینے چاہییں

آخر ۵۲ سنہ ق م میں پمپی کو بلا کسی کی شرکت کے، "قنصل واحد" منتخب کیا گیا اور اسپین و افریقہ کے علاقے بھی جو بہ حیثیت صوبہ دار اُس کے سپرد تھے اور پانچ سال کے لیے اُسی کی تحویل میں چھوڑ دیئے گئے ؛ لیکن جس وقت سیزر کی میعاد صوبہ داری ختم ہونے کے قریب آئی اور سال آیندہ کے واسطے اُس نے عہدۂ قنصلی حاصل کرنا چاہا تو مجلس نے جایز و ناجایز رکاوٹیں ڈالیں اور انجام کار مطالبہ کیا کہ سیزر فوراً اپنی سپہ سالاری اور غالوی حکومت سے دست کش ہو جائے۔ (۴۹ سنہ ق م) ان واقعات نے سیزر کو مصالحت سے نا امید کر دیا اور اب اپنی جرّار و آزمودہ کار فوجوں سے، جنھیں اُس کی خوش نودی کے آگے کسی اصول وطنیت کی پروا نہ تھی، اُس نے خاص اطالیہ پر یلغار کی۔ اور ایسی تیزی سے روما کی جانب بڑھا کہ پمپی بدحواس ہوکر یونان بھاگا اور اُسی کے ساتھ شہر کے اکثر معززین اور ارکان مجلس بھی ملک سے نکل گئے کہ از سر نو تیار ہوکر

سیزر کا مقابلہ کریں گے۔ لیکن قبل اس کے کہ ان کو اطالیہ آنے کا موقع ملے خود سیزر اطالیہ اور اندلس کا انتظام کرکے یونان میں آپہنچا، اور یہیں ۴۸ سنہ ق م کے موسم بہار میں (بہ مقام منڈا) ایک فیصلہ کن لڑائی جیتی۔ پمپی شکست کھا کے مصر میں بھاگ آیا تھا مگر غدار اہل مصر نے اس کو قتل کردیا اور پھر سیزر کے باقی ماندہ حریف بھی تھوڑی سی کش مکش کے بعد مغلوب و منتشر ہوگئے اور اس سال کے خاتمے سے پہلے تمام سلطنت روملہ کی فرماں روائی اُس کے ہاتھوں میں آگئی۔ اور ہر چند اِن اختیارات کو وہ حتی المقدور بڑی نرمی اور اعتدال سے برتتا تھا پھر بھی اس کا قول تمام قوانین سے بالا اور اس کی ذات تمام قوم سے ارفع تھی اور خطاب بادشاہی نہ ہونے کے باوجود، اعزاز و اختیار میں، وہ ایک شہنشاہ سے کچھ کم مطلق العنان فرماں روا نہ تھا

اُس کی یہی قوت اور علوے مرتبت اندر ہی اندر لوگوں کو اُس کا دشمن بنا رہی تھی اور جب انھوں نے اپنے تئیں علانیہ مقابلے کے قابل نہ پایا تو سازش سے اُس کے قتل کی ٹھانی اور آخر ۱۵ مارچ ۴۴ سنہ ق م کے دن عین ایوانِ مجلس میں اُس کی جان لی

اس عبرت ناک واقعے کے بعد (جسے پلوٹارک نے

بڑی خوبی کے ساتھ سیزر اور بروٹس کی سوانح عمریوں میں تحریر کیا ہی)۔ ضعیف العمر سسرو نے قدیم جمہوریت کو پھر تازہ کرنے کی کوشش کی لیکن جب چند ہی سال کے عرصے میں دوبارہ خانہ جنگیاں شروع ہوگئیں اور سیزر کا لے پالک وارث (آگ ٹے وئیس) بھی انٹونی اور لے پی ڈس کے ساتھ مل گیا تو آئین و انتظام کے بجائے "عہد سلا" جیسی خوں ریزی اور بد امنی برپا ہوگئی، اور خود سسرو ان تینوں خود غرض اشخاص کی بہیمانہ سفاکی کا شکار ہوا؂

دوسرے سال سیزر کے قاتلوں (بروٹس اور کیسی اس) نے بھی فلپی (یونان) کے میدان میں شکست کھائی اور جمہوریت پسند فرقے کی امیدیں ہمیشہ کے لیے خاک میں مل گئیں، کیوں کہ بروٹس رومہ کا نہایت ہر دل عزیز اور بہادر سردار ہی نہ تھا بلکہ اصول جمہوریت کا بڑا پختہ حامی گزرا ہی اور جیسا کہ اس کی سبق آموز سوانح عمری پڑھنے سے ظاہر ہوگا، گویا وہ اسی شے کی خاطر پیدا ہوا تھا اور اسی کے لیے جیا اور لڑا اور مرگیا؂

ان قوی دشمنوں کو مغلوب کرنے، اور اپنے مجہول ساتھی لے پی ڈس کو الگ دھکیل دینے کے بعد تمام سلطنت انٹونی اور آگ ٹیوئیس سیزر میں منقسم ہوگئی اور جب، بمصداق "دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند" اِن دونو

کی خوں ریز ٹکّر ہوئی تو قسمت نے ایک ٹیئم کے آخری
میدان میں اک ٹے وئیس کا ساتھ دیا - عاشق مزاج انٹونی
اور اُس کی حسین محبوبہ کلیوپٹرا (مشہور ملکہ مصر) نے خودکشی
کرکے اپنی جان دی اور اواخر ۲۸ سنہ قبل مسیح تک تمام
رومی دنیا نے آگسٹس اُگ ٹیوئیس سیزر کے رو برو سر اطاعت
خم کر دیا اور اسی وقت سے سمجھنا چاہیے کہ رومی جمہوریت کا
خاتمہ اور شہنشاہی کا آغاز ہُوا

باسمہٖ تعالیٰ

تھی سی اس

(زمانہ ماقبل تاریخ)

دیکھنا سوسیئسؔ، جس طرح جغرافیہ نویس اپنے نقشوں کے کنارے دُنیا کے اُن خطّوں سے بھر دیتے ہیں۔ جن کا حال اُنھیں معلوم نہیں، اور حاشیے پر اس مضمون کے فقرے لکھ دیتے ہیں کہ ان حدوں سے پرے کچھ بھی نہیں ہو، سوائے ریگستانوں کے جن میں جنگلی جانور بھرے ہیں، یا دلدلوں کے۔ جن تک آدمی کی پہنچ نہیں، یا منطقہ باردہ کی برفوں کے، یا منجمد سمندر کے، اسی طرح، اپنی اس کتاب میں، جس کے اندر میں نے بڑے بڑے آدمیوں کے سوانح کا مقابلہ ایک دوسرے سے کیا ہے، جب میں اس عہد سے گزر چکا کہ جہاں تک درایت کی دسترس ہوسکتی ہو، اور سچی تاریخ کو پاؤں ٹکانے کی گنجائش ملتی ہو، تو پھر میں یقیناً ان کی نسبت جو اس (عہد) سے بھی بعید ہیں بہ آسانی کہہ سکتا تھا کہ "بس اب اس کے آگے سوائے افسانوں اور خوارق کے کچھ نہیں اور اُس (دَور) کے بسنے والے فقط شاعر اور کہانیاں گھڑنے والے ہیں، کوئی اعتبار و صحت آگے نہیں ملتی"؛ لیکن لکرگس مقنّن، اور بادشاہ نیوما کے حالات شائع کرنے کے بعد میں نے ایک حد تک واجبی طور پر یہ سوچا کہ جب میری تاریخ مجھے اس کے عہد سے اتنے قریب لے آئی ہو تو کیوں نہ میں رومیولس تک پرداز کروں؛ اُس

---

[1] سوسیس مصنف کے ایک دوست کا نام ہو جسے وہ تحریر شروع کرتے وقت کبھی کبھی مخاطب بنا لیتا ہو۔ م

وقت مجھے یہ پس وپیش ہوا کہ (بقول اسکائی لس) شعر

کس کو لاؤں اس جلیل المرتبت کے سامنے
کون ہو اُس کا مقابل؟ کون ہو اس کا مثیل؟

تو مجھے اِس رُتبے کا جسے شہرۂ آفاق اور اِجیت شہر روما بنانے والے کے مقابلے میں کھڑا کیا جائے، کوئی مستحق نظر نہ آیا، بجز اُس کے، جس نے حسین اور مشہور عالم شہر ایتھنز کو آباد کیا تھا۔ اب خدا کرے کہ روایت کی دیوی عقل و درایت کی کاٹ چھانٹ کے سامنے اس طرح سر جھکا دے کہ اس کی شکل صحیح تاریخ کی ہو جائے! بہرحال ہم جہاں کہیں دیکھیں گے کہ وہ سرکشی سے اعتبار کی ذرا پروا نہیں کرتی، اور کسی عنوان واقعیت کے قریب لائے جانے پر رضامند نہیں ہوتی، تو ہم دعا کریں گے کہ ہمیں بُردبار ناظرین سے سابقہ پڑے، اور ایسے لوگوں سے جو بزرگوں کے پُرانے قصوں کو صبر و تحمل کے ساتھ سُن لیتے ہیں!

یوں بھی تھی سی اس مجھے رومیولس سے اکثر خصوصیات میں مشابہ معلوم ہوا۔ ان دونوں کی پیدائش بے نکاحی ماؤں سے ہوئی، لوگوں کو یقینی طور پر علم نہ تھا کہ اُن کے باپ کون ہیں، لہذا دونوں دیوتاؤں کی اولاد مشہور ہوئے، دونوں جنگ جو اور ایسے شجاع تھے کہ ساری دُنیا نے ان کو مانا، دونوں کو جسمانی طاقت کے ساتھ ویسی ہی دماغی قوتیں عطا ہوئی تھیں، اور دنیا کے دو مشہور ترین شہروں میں سے اگر ایک نے روما کی تعمیر کی تو دوسرے نے ایتھنز کو آباد کیا؛ دونوں پر عورتوں سے بہ جبر زنا کا الزام ہے اور دونوں میں سے کوئی بھی اہلِ وطن کی دشمنی اور خاندانی مصائب سے محفوظ نہ رہ سکا۔ بلکہ اگر ہم اُن روایتوں کو جو سب سے کم شاعری سے مشابہ ہیں، رہبرِ حقیقت تسلیم کر لیں تو

پایا جاتا ہو کہ دونوں اپنی اخیر عمر میں مطعون ہوئے ، اور ہم وطنوں میں لایق نفرت بنے +

تھی لی اس کا نسب باپ کی طرف سے اریک تھی اس اور علاقہ اٹیکا کے اولین باشندوں تک جا پہنچتا ہو ، اور ماں کی جانب سے وہ شاہ پیلوپس کی نسل میں ہو۔ کیونکہ پیلوپس جو پی لو پونی سس کے سب بادشاہوں میں طاقتور گزرا ہو ، تو اس کی اتنی وجہ دولت نہ تھی جتنی کثرت اولاد کہ اس نے اپنی بیٹیاں تو بڑے بڑے سرداروں کے ساتھ بیاہی تھیں ، اور بیٹوں کو آس پاس کی آبادیوں میں حاکم بنا رکھا تھا ۔ انھیں بیٹوں میں ایک تھی سی اس کا نانا پتھی اس تھا ، جس کے ہاتھ میں قبیلہ ٹریزنی کے چھوٹے سے شہر کی حکومت تھی ، اور جو اپنے زمانے کا فاضل و عاقل ترین آدمی مشہور تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہو کہ اُن دنوں فضیلت کے معنی یہ تھے کہ آدمی گُر کی باتیں اور ایسی سنجیدہ کہاوتیں کہنی جانتا ہو جیسے کہ ، مثال کے طور پر ، ہیسی اڈ شاعر نے اپنی کتاب " مشاغل و ایام " میں لکھی ہیں ۔ اور ان کی بدولت نام پایا ہو۔ اسی کتاب کی مثلوں میں ایک یہ ہو ، جسے پتھی اس سے منسوب کرتے ہیں :۔

" جب ٹھیری قیمت ایک بار

کرے نہ دوست پھر تکرار "

اور جس کا ارسطو نے بھی ذکر کیا ہو ۔ اور یوری پیدش ، جس نے ہپولائی ٹس کو " مقدس پتھی اس کا شاگرد " لکھا ہو ، گویا شہادت دیتا ہو کہ دنیا پتھی اس کی نسبت کیسی کچھ رائے رکھتی تھی +

اِن دنوں اے جیس شاہ ایتھنز کو اولاد کی بڑی خواہش تھی ، اور اسی غرض سے وہ ڈیلفی کے مندر میں مشورہ کرنے کی غرض سے آیا تھا ،

جہاں اُسے وہ مشہور جواب ملا، جس میں ایتھنز واپس پہنچنے تک اُسے عورت کے پاس جانے سے منع کیا گیا تھا۔ لیکن جواب کے الفاظ کچھ ایسے پیچیدہ تھے کہ اے جیس کی اچھی طرح تشفی نہ ہو سکی اور اس نے ٹریزن آ کے پیتھی اس کو مشورتاً دیوتا کا قول سُنایا، جس کے الفاظ کچھ اس طریق پر تھے کہ :-

"کھلنے نہ دے 'شراب جلد' پاؤں کو اے لوگوں کے سردار
جب تک کہ تو ایتھنز کو نہ آلیوے اک بار"

اسی معنی کی پیچیدگی سے پیتھی اس نے فائدہ اٹھایا، اور نہ معلوم فریب سے یا بہلا پھسلا کے کسی طرح اے جیس کو راضی کر لیا کہ وہ اس کی بیٹی اتھرا کے ساتھ ہم بستر ہو۔ بعد میں اے جیس کو خبر ہوئی کہ وہ پیتھی اس کی بیٹی ہے، نیز شبہہ ہوا کہ وہ مجھ سے حاملہ ہو گئی ہے تو اُس نے تلوار اور اپنی جوتیوں کا جوڑا ایک بھاری پتھر کے نیچے چھپا دیا، جس کے خلا میں یہ دونوں چیزیں بالکل ٹھیک آ گئیں۔ پھر صرف اتھرا کو اس راز سے آگاہ کر دیا اور یہ حکم دے کر روانہ ہو گیا کہ اگر بیٹا ہو اور وہ بڑا ہو کر اس قابل ہو کہ ان دونوں نشانیوں کو جو میں رکھ چلا ہوں اُٹھا کے نکال لے، تو تیرا یہ کام ہے کہ اُسے خفیہ طور پر یہ چیزیں دے کر میرے پاس بھیج دے، کیونکہ مجھے پے لاسی لوگوں کا بڑا خطرہ ہے، جو ہمیشہ میرے خلاف سر اٹھاتے رہتے ہیں، اور میرے لاولد ہونے کے باعث ذرا بھی مجھے خاطر میں نہیں لاتے، اس لیے کہ خود وہ اکیلے پے لاس کی اولاد میں پچاس بھائی ہیں!

جب اتھرا کے پیٹ سے بیٹا پیدا ہوا، تو بعض لوگوں کا قول ہے کہ اُسی وقت اس کا نام اُن نشانیوں کی وجہ سے جو اس کا باپ پتھر کے نیچے

دھر گیا تھا، تھی سی اس پڑ گیا، مگر دوسرا قول یہ ہو کہ ایتھنز پہنچنے کے بعد جب اُس کے باپ نے اُسے اپنا بیٹا تسلیم کر لیا، اس وقت وہ تھی سی اس کہلایا ۔[1] بہرحال اُس کی ابتدائی 'پرورش' اپنے نانا کے ہاں ہوئی، جس نے کوَنی ڈس کو اس پر اتالیق مقرر کر دیا تھا۔ اسی شخص کے نام پر اہل ایتھنز اس روز، تھی سی اس کے تہوار کے دن، آج تک ایک دُنبے کی قربانی کرتے ہیں؛ اور بے شبہ وہ اس عزت کا سلانیو اور پرھاسیوس کی نسبت تو زیادہ ہی مستحق ہو، جن کی یادگار محض اس لیے منائی جاتی ہو کہ اُنھوں نے تھی سی اس کی تصویریں اور مورتیں بنائی تھیں اُن دنوں یونانی نوجوانوں کا دستور تھا کہ سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد ڈیلفی کے مندر آتے اور پہلی مرتبہ سر کے بال کٹوا کر دیوتا کو چڑھاتے تھے۔ تھی سی اس بھی اسی غرض سے وہاں آیا، اور اس زمانے تک وہاں ایک مقام کا تھیسیا نام ہو، جو اسی کے نام سے موسوم ہو گیا تھا۔ لیکن تھی سی اس نے فقط سر کے اگلے حصّے کے بال کٹوائے تھے، جیسا کہ ہومر کے بقول قوم ابان کا قاعدہ تھا۔ بعضوں کا یہ خیال کہ ابانی لوگوں نے یہ قاعدہ اوّل اوّل اہل عرب یا اہل میثیہ کی تقلید میں اختیار کیا ہوگا، دُرست نہیں بلکہ اُس کی وجہ یہ ہو کہ ابانیوں کی جنگ جو قوم دست بدست لڑائی کی سب قوموں سے زیادہ عادی تھی، چنانچہ ارکی لوکس ان شعروں میں اس کی تصدیق کرتا ہو:۔

"طرفین نکل کر میدان میں جب جنگ پہ ہوں گے آمادہ
گوپھن نہ پھرا کر ماریں گے نا تیر چلائیں گے زیادہ

---

[1] تھی سی اس، جس لغت سے مشتق ہو، اس کے معنی نشانی دکھلونے یا تسلیم کرنے کے ہیں۔ م

ہاں، ایک پہ ایک، وہ تلواریں لے لے کر اپنی جھپٹیں گے
"مرمار" لڑائی لڑنے کو پل جاویں گے گتھ جاویں گے
دستور ہی جیسا یوبیہ کے جاں باز بڑے سرداروں کا"

اور اسی واسطے وہ اپنے سر کے بال اس طرح کٹوا دیتے تھے کہ لڑائی میں کہیں وہ دشمن کے ہاتھ میں نہ آجائیں :: لکھا ہی کہ سکندر اعظم نے بھی اسی وجہ سے اپنے سرداروں کو حکم دیا تھا کہ تمام مقدونوی سپاہیوں کی ڈاڑھیاں منڈوا دی جائیں کہ دشمن کے لیے سب سے آسان جائے گرفت یہی ہیں ::

کچھ دنوں تک اتھرا نے تھی سی اس کے اصلی نسب کو چھپایا اور پتھی اس نے یہ مشہور کر دیا کہ وہ نیچون دیوتا سے پیدا ہوا ہی، کیوں کہ اہل ٹریزن اسی دیوتا کو سب سے زیادہ پوجتے ہیں - وہی اُن کا خاص محافظ مانا جاتا ہی، اسی کے نام پر وہ اپنے باکورات[1] چڑھاتے ہیں اور اسُی کے اعزاز میں اُنھوں نے اپنے سکے پر ترسول[2] کی شکل کندہ کرائی ہی +

جب تھی سی اس بڑا ہوا، تو اس میں نہ صرف جسمانی طاقت بہت زیادہ تھی بلکہ دلیری، چالاکی اور فراست بھی اسی درجے کی پائی جاتی تھی، پس اس کی ماں اتھرا اب اسی پتھر کے قریب اُسے لے گئی اور اس کے اصلی باپ کا پتہ بتا کے اسے حکم دیا کہ جو نشانیاں اسے جیس پتھر کے نیچے رکھ گیا ہی، انھیں نکال لے اور جہاز میں ایتھنز کو روانہ ہو جائے ::
تھی سی اس نے اس کی تعمیل کی، اور بغیر وقت پتھر کو اٹھا دیا، لیکن سمندر کے راستے ایتھنز جانے سے انکار کر دیا، حالانکہ وہی زیادہ محفوظ راستہ تھا

---

[1] فصل کے پہلے میوے یا پھل کو باکورات کہتے ہیں - انھیں کو بتوں پر چڑھایا جاتا تھا- م
[2] نیچون جو یونانی دیو بانی میں تمام سمندروں کا دیوتا ہی اپنے ہاتھوں میں ایک جریب لیے ہوئے ہی جس کے اوپر کے سرے کی تین شاخیں نکلی ہوئی ہیں اسی کو نیچون کا ترسول کہتے ہیں- م

اور اُسی کو اختیار کرنے کی اتھرا اور پتھی اس التجائیں کرتے تھے۔ اصل یہ ہی کہ
اُس زمانے میں ایتھنز کو خشکی کی راہ جانا، جس کا کوئی حصہ لیٹروں سے
خالی نہ تھا، کمال مخدوش تھا: اُس دَور میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی
پیدا ہو گئی تھی، جو ہاتھ کی قوت، پاؤں کی چالاکی اور جسمانی شہ زوری میں
معمولی انسانوں سے بڑھ چڑھ کر تھے اور تھکن کا نام نہ جانتے تھے۔ لیکن فطرت
کے ان عطیات کا استعمال وہ بنی انسان کی کسی بھلائی یا فائدے کے لیے
نہ کرتے تھے، بلکہ تمرّد ان کا مایۂ ناز تھا، اور اپنی طاقت کا وہ یہ نفع
اٹھاتے تھے کہ جو بدنصیب اُن کے قابو میں آجاتا، اُس کو طرح طرح کی اذیتیں
دیتے اور بڑے جبر و ظلم سے اس کا مال متاع چھین لیتے اور کوئی بے رحمی
ایسی نہ تھی جو یہ سیاہ دل لوگ اٹھا رکھتے ہوں! ان کے نزدیک عدل و انصاف،
انسانیت، یا دوسروں کا پاس و لحاظ اُن طاقت ور لوگوں کے واسطے نہ
تھے، جن میں اوروں سے لڑکر جیتنے کی قوت ہو، البتہ عوام الناس کا ان
صفات کی تعریفیں کرنا بالکل واجبی تھا کہ ان میں یا تو تکلیفیں پہنچانے کی
ہمت نہیں اور یا خود تکلیف اٹھانے سے ڈرتے ہیں!

اس قسم کے اکثر لوگوں کو ہرقلؔ[1] نے ان ملکوں سے گزرتے وقت
ہلاک اور برباد کر دیا تھا۔ لیکن اس کے گزرنے میں بعض تو چھپ کر بھاگ نکلے
تھے اور بعضوں کی، کمال لجاجت سے امان طلبی پر اس نے جان بخشی کر دی
تھی۔ بعد ازاں جب اُس نے افی لٹس کو مار ڈالا اور اس جرم کی سزا میں
اپنے آپ ملک لڈیا جاکر امفیل کی غلامی اختیار کر لی تو اس وقت لڈیا
کے علاقے میں تو بے شک امن امان ہو گیا، لیکن یونان اور آس پاس کے علاقوں میں

---

[1] اس نیم دیوتا رستم یونان کی تشریح ہم نے آگے کہیں اپنے نوٹ میں کر دی ہی۔ م

جب کوئی سزا دہندہ یا دبانے والا نہیں رہا، تو پھر پہلی سی شرارتیں چمک اٹھیں؛ یہ اسباب تھے جنھوں نے ایتھنز سے پی لوپیہ تک خشکی کا سفر حد درجے غیر محفوظ بنا دیا تھا۔ اور تھیسی اس نے تفصیل سے ان قزاقوں کی قوت اور مسافروں کے ساتھ بے رحمیوں کا حال سُنا کے تھی سی اس کو سمندر کے راستے بھجوانے کی کوشش کی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تھی سی اس بہت پہلے سے دل ہی دل میں ہرقل جیسی ناموری حاصل کرنے کا جوش رکھتا تھا؛ وہ سب سے زیادہ اسی کے نام کی عزت کرتا اور کسی کی بات سے اتنا خوش نہ ہوتا جتنا کہ ان لوگوں کی گفتگو سے جو اس کے سامنے ہرقل کے حالات بیان کرتے۔ خصوصاً جنھوں نے اس کو خود دیکھا تھا۔ یا اس کے کسی کارنمایاں کے وقت موجود تھے؛ غرض مجموعی طور پر اس کے دل کی حالت ایسی ہی تھی جیسی کہ زمانۂ مابعد میں تمس طاکلس کی ہوگئی تھی، جو کہتا تھا کہ مل ٹیاڈس کا نشانِ فتح سامنے دیکھ کر مجھے (رشک کے مارے) نیند نہیں آسکتی! تھی سی اس بھی ہرقل کا اس درجے مدّاح تھا کہ رات بھر اسی سورما کی لڑائیوں کو خواب میں دیکھتا رہتا، اور دن میں بھی ہر وقت اسی جیسے کام کرنے کا جوش اس کو مشتعل کرتا رہتا تھا۔ اس کے علاوہ ہرقل سے اس کا رشتہ بھی ہوتا تھا، اور وہ آپس میں جدّی تھے۔ پس تھی سی اس نے اس کو بڑی شرم کی بات سمجھا کہ ہرقل تو ہر کہیں جا جاکر بحر و بر کو اشرار سے پاک کرے، اور میں اس قسم کی مہموں سے جو خود راستے میں آتی ہوں، گریز کروں۔ اور اس طرح سمندر کے رستے جان بچا کے بھاگنے میں اپنے باپ کی ذلت کراؤں اور اس کی تلوار اور جوتیاں نشانی کے طور پر لے جانے کے علاوہ بڑے بڑے شجاعانہ کارنمایاں دکھانے کا موقع ہاتھ سے

چھوڑ دوں کہ جن کے کرنے سے میرے صحیح النسب ہونے کی ایک عمدہ شہادت فراہم ہو جاتی ہے ۔

انھیں خیالات کو دل میں لیے ہوئے وہ اس ارادے سے چل کھڑا ہوا کہ اپنی طرف سے کسی کو نہ چھیڑا جائے ، لیکن اگر کوئی اور پہل کرے تو اس کی مزاحمت کی جائے اور بدلا لیا جائے ۔ چنانچہ سب سے پہلے ایک باقاعدہ مقابلے میں اس نے ایپی ڈوس کی نواح میں پیری فیٹس کو مارا جو اپنے ہاتھوں میں گرز لیے رہتا تھا اور اسی وجہ سے کوری نیٹس یا "گرز بردار" مشہور تھا ، اور جس نے ننھی سی اس کا راستہ روکا اور سفر میں آگے بڑھنے سے مزاحم ہوا تھا ۔ یہ گرز ننھی سی اس کو بہت پسند آیا ، اس نے اسی کو آیندہ سے اپنا ہتیار بنا لیا ، اور اسی طرح اس کا استعمال کرنے لگا جس طرح ہرقل یہ دکھانے کو کہ کتنا بڑا جانور اس نے مارا ہے ، ایک شیر ببر کی کھال اپنے کندھوں پر ڈالے رکھتا تھا ، ننھی سی اس کی بھی یہ گرز اپنے ساتھ رکھنے سے یہی غرض تھی ، جو اگرچہ اس نے بزور چھین لیا تھا ، لیکن اب اس کے ہاتھوں میں آکے ایک ناقابل تسخیر شے بن گیا تھا ۔

خاکنائے پی لو پیہ کی سمت آگے چل کر اس نے سنّیس کو جو اکثر انناس پیچ کے عرف سے یاد کیا جاتا تھا ، اسی طرح سے مارا جس طرح کہ وہ پہلے اوروں کی جان لے چکا تھا ، حالانکہ ننھی سی اس کو درختوں کے پیچ دینے کی مشق نہ تھی ، اور نہ اس نے یہ ترکیب سیکھی تھی ۔ گویا اس نے دکھا دیا کہ قدرتی شہ زوری ان ساری ترکیب دانیوں سے بالا ہے ۔ اسی سنّیس کی ایک بڑی اور خوش قامت لڑکی پری گیون

تھی، اور جب اس کا باپ مارا گیا اور وہ جان بچا کے بھاگی تو اُس کو تھی سی اس نے اِدھر اُدھر تلاش کرنا شروع کیا۔ آخر وہ وہاں آن پہنچا جہاں جھاڑیوں اور بیریوں کے ایک گھنے گنج میں پری گیون چھپی بیٹھی تھی اور معصوم بچوں کی طرح گڑگڑا کے ان جھاڑیوں سے (جیسے وہ اس کی بات سمجھتی ہوں) کہہ رہی تھی کہ اگر تم نے مجھے پناہ دی اور میں بچ گئی تو قسم کھاتی ہوں کہ کبھی تمھیں نہ جلاؤں گی نہ کاٹوں گی! لیکن جب تھی سی اس نے اُس کو پکارا اور وعدہ کیا کہ وہ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچائے گا، بلکہ ہمیشہ بہت اچھا برتاؤ کرے گا، تو وہ باہر آگئی، اور بعد میں تھی سی اس ہی سے اس کے ایک بیٹا میلانی پس ہوا، لیکن آخر میں خود تھی سی اس نے اس کی شادی ایک اور شخص کے ساتھ کردی مگر اس میلانی پس کا بیٹا نوآبادی کاریہ میں چلا آیا تھا، اور وہاں اب تک اس کے خاندان میں رسم چلی آتی ہے کہ ان میں کا کوئی مرد عورت جھاڑیوں یا یونانی بیریوں کو نہیں جلاتا۔ بلکہ سب ان کی عزت و حرمت کرتے ہیں +

کرمیونی سوری جسے فی آ کہتے ہیں، کوئی معمولی اور حقیر دشمن جان نہ تھی بلکہ نہایت زبردست اور خونخوار وحشی درندہ تھی - اس کو بھی تھی سی اس نے قتل کیا اور رستہ چھوڑ کر خاص اس سے لڑنے کی خاطر گیا، تاکہ یہ نہ معلوم ہو کہ جتنے کارنمایاں اس نے کیے ہیں، وہ محض مجبوری اور ضرورت آپڑنے کی وجہ سے کیے ہیں - نیز اس کی رائے تھی کہ بہادر آدمی کا یہ فرض ہے کہ بدمعاش اور شریر انسانوں کی تو اس وقت سرکوبی کرے، جب وہ حملہ کریں لیکن بڑے بڑے

درندوں کو جہاں کہیں ملیں، ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر مغلوب کرے ؛
بعضوں کا قول ہو کہ یہ فی آ دراصل ایک راہ زن عورت تھی، جس میں
بدکاری اور بے رحمی کوٹ کوٹ کے بھری تھی، اور جس کا نام اِنھیں
اعمالِ زشت کے باعث شوری پڑ گیا تھا۔ اور یہی وہ سوری تھی جو تھی سی اس
کے ہاتھوں ماری گئی ؛

مگارا کی سرحد پہ اس نے اسکائی رول کو چٹان پر سے گرا کے
مارا۔ بہت سے راویوں کا بیان ہو، کہ وہ بہت بڑا مشہور ڈاکو تھا اور
کسی مسافر کو نہیں بخشتا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہو کہ وہ محض سفاکی اور
ڈھٹائی سے مسافروں کے آگے اپنے پاؤں پھیلا دیا کرتا تھا کہ لو انھیں
دھوؤ ؛ اور جب وہ اس کے حکم کی تعمیل کرتے تو ایک ہی ٹھوکر ملد کر
اُنھیں چٹان پر سے نیچے سمندر میں پھینک دیتا ؛ لیکن خود مگارا کے
مصنفین اس روایت کی تردید کرتے ہیں اور سائی مونی دش کے
بقول "سارے متقدمین سے لڑنے پر کمربستہ ہیں"؛ ان کی حجت یہ ہو کہ
اُسے اس قسم کی رہزنی اور زیادتی سے کوئی واسطہ نہیں بلکہ جو لوگ
ایسی شرارتیں کرتے، وہ اُلٹا اُن کی سرکوبی کرتا تھا، ایاکوس کو تمام
یونانیوں نے ہمیشہ پاک نفس بزرگ مانا ہو، اور کیچریس کو اہل اتھنز اوتار
بنا کے پوجا کرتے تھے، یہ اسکائی رول اسی کیچریس کا داماد اور ایکوس
کا خسر تھا، لہٰذا یہ کسی طرح قرین قیاس نہیں کہ ایسے شریف لوگ اُس سے
جو اس قدر بدنام تھا رشتہ جوڑیں، اور سب سے زیادہ عزیز شی یعنی
بیٹی اُسے دیں اور اُس کی بیٹی خود لیں؛ ان لوگوں کی روایت کے
بموجب تھی سی اس نے اسکائی رول کو اپنے ایتھنز کے پہلے سفر

میں نہیں مارا۔ بلکہ اس وقت قتل کیا، جب کہ اس نے اہل سگارا کی ایک بستی الیوسس کی تسخیر کی"۔ ایسی ایسی متضاد باتیں اس روایت میں ہیں +

الیوسس ہی میں تھی سی اس نے سرکیان ارکیڈی سے کشتی لڑی اور اُسے قتل کیا، پھر تھوڑی دُور آگے ایری نیوس میں دماس تش کو اسی طریقے سے مارا، جس سے کہ وہ مسافروں کی جان نکالا کرتا تھا، یعنی اُس کے جسم کو اس قدر بھینچا کہ اس کے بچھونے کی برابر ہو جائے! یہ کام تھی سی اس نے ہرقل کی ریس میں کیا تھا، جس کا قاعدہ تھا کہ اپنے حریفوں کے ساتھ اسی قسم کے تشدد سے پیش آتا، جو خود وہ کیا کرتے تھے۔ پھر تھی سی اس نے ان تیش کو کشتی میں اور گگنوس کو دست بدست لڑائی میں قتل کیا اور ٹے می ریس کی کھوپڑی کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے جان لی (کہتے ہیں اسی ٹے می ریس کے نام پر "ٹے می ری شرارت" ضرب المثل ہوئی ہے) کیونکہ معلوم ہوتا ہے یہ شخص اپنا سر اٹھا کر مسافروں کو اتنا دھکیلتا اور دوڑاتا تھا کہ وہ ہلکان ہو کر جان سے گزر جاتے تھے غرض اسی طرح تھی سی اس ظالموں کو سزائیں دیتا پھرا اور ان کو اُسی زیادتی کا مزا چکھایا جو وہ اوروں کے ساتھ کیا کرتے تھے، اور یہ عین انصاف تھا کہ وہ اس طرح اپنے کیفر کردار کو پہنچے +

جب تھی سی اس اپنا سفر طے کرتا ہوا دریائے سفی سس تک پہنچا تو فٹالڈی قوم کے بعض اشخاص نے اس سے ملاقات کی، اور دیوتاؤں کی نذر نیاز چڑھانے کے بعد اُسے اپنے گھر میں دعوت دی اور مہمان رکھا۔ اور ایسے لطف و مدارات سے پیش آئے کہ اب تک

سارے سفر میں اس کے ساتھ نہیں برتی گئی تھی +

ماہ کرونیس (جسے اب ہیکاٹومبیان کہتے ہیں) کی آٹھویں کو وہ ایتھنز پہنچا اور وہاں کے معاملات میں سخت بے نظمی پائی کیوں کہ لوگ الگ الگ گروہوں میں بٹے ہوئے تھے اور خود ایجیس کے گھر میں اسی قسم کی بدمزگیاں پیدا ہو رہی تھیں، اس لیے کہ میڈیا کورنتھ سے بھاگ آئی تھی اور یہ قول و قرار کرکے کہ اپنی تدبیروں سے تجھے قابلِ اولاد بنا دوں گی، وہ اُسی کے ساتھ رہنے سہنے لگی تھی؛ سب سے پہلے تھی سی اس کی اسی عورت کو خبر لگی، اور اُس نے ایجیس کو بدظن کرکے آمادہ کر دیا کہ دعوت میں جہاں تھی سی اس نو وارد کی حیثیت سے شریک ہونے والا تھا، اُسے زہر دے دیا جائے۔ میڈیا کے اس کوشش میں بہ آسانی کامیاب ہو جانے کا باعث یہ تھا کہ ایجیس ابھی تک اپنے بیٹے کی اصلیت سے بے خبر تھا، سن رسیدگی نے اس کے حسد اور وہم کو بے حد بڑھا دیا تھا اور اپنے ہم وطنوں کی دشمنی سے وہ سخت خائف رہا کرتا تھا۔ اِدھر تھی سی اس نے دعوت میں آکر فوراً ہی اپنے تئیں ظاہر کر دینا مناسب نہ جانا، بلکہ خود اپنے باپ کو پہچاننے کا موقع دیا، اور جب میز پر گوشت چنا گیا تو اپنی تلوار نکالی گویا وہ اُس سے کاٹنے کا ارادہ کرتا ہے۔ اس تلوار کو دیکھتے ہی ایجیس نشانی پہچان گیا اور دو ایک باتیں پوچھ کر اپنے بیٹے سے بغل گیر ہوا۔ اُسی وقت اُس نے زہر کا پیالہ پھینک دیا اور پھر تمام شہریوں کو جمع کرکے تھی سی اس کے بیٹا ہونے کا اعلان کیا، اور لوگوں نے بھی اس کی عظمت و شجاعت کے باعث ہاتھوں ہاتھ

اُسے لیا ؛ وہ جگہ جہاں پیالہ گرا اور زہر بکھرا تھا ، اب حسب روایت عام ڈیلفینیم کے احاطے میں ہے ، کیوں کہ اسی مقام پر ایجیس کا مکان واقع تھا ، اور اسی مندر کے مشرقی سمت عطارد کی جو مورت بنی ہوئی ہے ، اُسے " ایجیس کے پھاٹک والا عطارد" کہتے ہیں +

تھی سی اس کے آنے سے پہلے پیلاس کے کثیر التعداد بیٹے خاموش تھے اور یہ امید باندھے بیٹھے تھے کہ لاولد ایجیس کے بعد سلطنت اُنھیں کے ورثے میں آ جائے گی ، لیکن جب تھی سی اس ایتھنز پہنچا اور اس کے آیندہ وارث ہونے کا اعلان ہوا تو یہ لوگ نہایت طیش میں آئے کہ ایجیس کے بعد بھی ، جو خود خاندان شاہی سے نہ تھا بلکہ پہلے بادشاہ پنڈیان کا لے پالک جانشین تھا ، ایک نو وارد پردیسی سلطنت کا مالک بنے ! پس اُنھوں نے علانیہ جنگ پر کمر باندھی - اور اپنی جماعت کو دو حصّوں میں منقسم کر کے ایک کو تو گرگٹس گانوں میں چھپا دیا کہ گھات میں لگی رہے ، اور دوسرے دستے کو خود ان کا باپ مقام سفیٹس سے لے کر شہر پر بڑھا تاکہ دونوں طرف سے دشمن پر جا پڑیں ؛ مگر ان کے ہمراہ قصبۂ اگنوس کا ایک نقیب لیوؔ بھی تھا جس نے ان کے تمام منصوبوں کا حال جا کے تھی سی اس سے کہہ دیا ، اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اُس نے فی الفور حملہ کر کے پہلے اُن سب کو کاٹ دیا ، جو گھات میں چھپے بیٹھے تھے ؛ جب یہ خبر پیلاس اور اُس کے گروہ کو ہوئی تو وہ مایوس ہو کے فرار و منتشر ہو گئے +

کہتے ہیں ، اسی واقعے سے قصبۂ پیلن میں (جہاں پیلاس کی اولاد بسی) یہ دستور پڑ گیا ہو کہ نہ تو وہ اگنوس والوں سے شادی

بیاہ کرتے ہیں اور نہ اپنے نقیبوں کو منادی کرتے وقت یہ الفاظ، جو باقی سارے ملک میں رائج ہیں، پکارنے دیتے ہیں کہ "اکوائے تی لیئوی" (یعنی لوگو! سُن لو) گویا لیئو کی دغا بازی نے انھیں اس قدر متنفر کردیا ہی کہ اس کا نام تک سننا گوارا نہیں ٭

اس کے بعد تھی سی اس جسے کچھ کرنے کی دُھن لگی ہوئی تھی اور ہر دل عزیز بننا چاہتا تھا، ایتھنز سے روانہ ہوا کہ علاقہ میراتھان کے سانڈ سے لڑے جس نے ٹیٹرا پولس کے باشندوں کو بہت پریشان کر رکھا تھا۔ آخر میں وہ اُس پر غالب آگیا اور فتح مندانہ شان سے زندہ پکڑ کر ایتھنز لایا۔ پھر شہر میں پھرانے کے بعد ڈیلفینی اپالو کے نام پر اُس کی قربانی چڑھائی۔ اس مہم میں ہکیل کا تھی سی اس کو بلانے اور مہمان رکھنے کا قصہ بھی صداقت سے خالی نہیں معلوم ہوتا، کیوں کہ بہت دن تک اس نواح کے دیہاتی ایک مقررہ دن جمع ہوکر، قربانی چڑھایا کرتے تھے، جس کا نام انھوں نے ہیکلسیا رکھا تھا۔ ہیکیل کو وہاں والے ہی کے لین ہی کے لین کہتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہی کہ تھی سی اس کو دعوت دیتے وقت اُس کی نوعمری کے سبب اس عورت نے بڑے بوڑھوں کی طرح، اسی قسم کے پیار کے ناموں سے اِسے خطاب کیا تھا۔ اور جوپیٹر دیوتا سے منت مانی تھی کہ اگر وہ سانڈ سے لڑکر بخیریت واپس آیا تو شکرانے میں قربانیاں چڑھاؤں گی ؛ لیکن وہ تھی سی اس کی مراجعت سے پہلے ہی مرگئی، تب فیلوکورس کی روایت کے مطابق، اُس کی مہمان نوازی کے صلے میں تھی سی اس نے حکم دیا کہ اُس کا اعزاز و

احترام کیا جایا کرے +

ان واقعات کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ جزیرۂ کریٹ سے تیسری مرتبہ ایلچی خراج لینے ایتھنز آئے۔ اس خراج گزاری کی بنا یوں پڑی تھی کہ اندروجیس سرحد اٹیکا میں بڑی دغابازی کے ساتھ قتل کردیا گیا تھا اور اسی کا بدلا لینے کی غرض سے اُس کے باپ مینوس (شاہ کریٹ) نے اہلِ ایتھنز کے ساتھ لڑائیوں کا طویل سلسلہ چھیڑ دیا تھا۔ اس پہ طرّہ یہ ہُوا کہ دیوتاؤں نے بھی اُن کے علاقے پامال کرنے شروع کیے اور ایک وبائے سخت کے ساتھ اس بلا کا قحط پڑا کہ اُن کی ندیوں کے پانی تک سوکھ گئے؛ اس وقت اُنھوں نے دیوتاؤں سے استشارہ[1] کیا اور یہ جواب پایا کہ اگر وہ مینوس کا غصّہ ٹھنڈا کرکے کسی طرح اُسے رضامند کرلیں گے تو دیوتاؤں کا قہر بھی رُک جائے گا اور جن مصیبتوں میں مُبتلا ہیں اُن سے چُھٹکارا پا کے راحت و اطمینان حاصل کرسکیں گے؛ چناں چہ اہلِ ایتھنز نے اپنے سفیر بھیجے اور بڑی منّت سماجت کے بعد اس قرارداد پہ صلح کرلی کہ وہ ہر نویں سال سات جوان لڑکے

---

[1] یعنی استخارے کی وہ خاص قسم جو یونان میں رائج تھی اور جس کا جواب (اوریکل) قولِ ربانی یا کہن کہلاتا تھا؛ اس کے حاصل کرنے کی صورت یہ ہوتی تھی کہ قصبۂ ڈیلفی میں اپالو دیوتا کا مشہور مندر تھا۔ یہاں کی مرلیاں کاہنہ عورتوں کا فرض بھی انجام دیتی تھیں اور جب کوئی سائل دیوتا سے کسی مشکل مسئلے میں مشورہ کرنے جاتا تو انھیں میں سے ایک مرلی تپائی پر بٹھا دی جاتی تھی اور بخورات کی دھونی دے کر پجاری لوگ کچھ منتر پڑھتے تھے، یہاں تک کہ اس عورت پہ ایک خاص قسم کی کیفیت طاری ہوتی اور وہ از خود رفتگی کے عالم میں سائل کو دیوتا کی طرف سے جواب دیتی تھی جو اکثر نہایت پیچیدہ اور منظوم ہُوا کرتا تھا۔ م

اور اتنی ہی لڑکیاں بطور خراج کریٹ کو دیا کریں گے ؛ اکثر مصنّفین کا اس تعداد پر اتفاق ہو اور وہ روایت جس میں سب سے زیادہ شاعری صرف کی گئی ہو، یہ اضافہ کرتی ہو کہ جب یہ ایتھنزی قیدی کریٹ پہنچتے تو یا وہ وہاں کی مشہور بھول بُھلّیوں میں چھوڑ دیے جاتے کہ کہ راستہ نہ پاسکیں اور سر ٹپخ ٹپخ کے مرجائیں اور یا اُنھیں منوٹور ہلاک کر دیتا تھا۔ یہ منوٹور جیساکہ یوری بیدیش نے لکھا ہو :-

"دو صورتوں کی ایک مرکب شکل تھی، اور اس
حیوان میں انسان اور سانڈ دونو کی خصلتیں
بھی یک جا ہوتی تھیں "

لیکن فلوکورس کہتا ہو کہ کریٹ والے ان کہانیوں کو ذرا بھی درست نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ وہ بھُول بھلیّاں ایک معمولی قیدخانہ تھا، جس میں سوائے اس کے کوئی خرابی نہیں تھی کہ وہاں سے قیدی بچ کر نہیں بھاگ سکتا تھا اور ایتھنزی قیدی اس پیچ در پیچ زندان میں ایک عرصے تک اس واسطے رکھے جاتے تھے کہ مینوس نے اندروجیس مقتول کی یادگار میں ایک نمایش کی بُنیاد ڈالی تھی، اور اس کے کھیلوں میں جو شخص جیتتا اُسے یہ قیدی انعام میں دیے جاتے تھے۔ اتفاق سے پہلی دفعہ جس نے ان کھیلوں میں غلبہ پایا وہ کریٹ کا ایک نہایت مقتدر اور قوی شخص ٹارس نام تھا، اور بے شک اس نے اپنے انعام میں پائے ہوئے ایتھنزیوں کے ساتھ کچھ اچّھا برتاؤ نہیں کیا، بلکہ اپنی فطری بے رحمی اور سخت مزاجی کے باعث ان قیدیوں سے وہ ہمیشہ بڑے تکبّر اور ظلم سے پیش آیا کرتا تھا۔

اس بارے میں حکیم ارسطو کی بھی یہی رائے نظر آتی ہو کہ کریٹ والے ایتھنزی قیدیوں کو ہلاک نہیں کرتے بلکہ غلام بنا لیا کرتے تھے؛ کیونکہ حکیم ممدوح اہلِ بُطیّہ کی طرزِ حکومت کے ذکر میں اسی قسم کا خیال ظاہر کرتا ہو اور لکھتا ہو کہ قدیم زمانے میں کریٹ والوں کا معمول تھا کہ اپنی ایک منت اُتارنے کی غرض سے کچھ آدمی ڈیلفی بھیجا کرتے تھے، جو وہاں کے مندر کی خدمت کے لیے وقف ہوتے تھے اور اُنھیں آنے والوں میں بعض اوقات وہ لوگ بھی لے جلے چلے آتے جو ایتھنزی غلاموں کی اولاد تھے۔ جب ڈیلفی میں اُنھیں وسائلِ معاش تنگ نظر آئے تو وہ نقل مکان کرکے پہلے اطالیہ میں جاپِی جیا کے آس پاس جا بسے۔ اس کے بعد دوبارہ اُنھوں نے ترکِ سکونت کی اور تھریس میں اُٹھ آئے، جہاں اُن کا موجودہ نام اہلِ بطیہ یا بطی پڑگیا۔ یہی باعث ہو کہ ان کی عورتیں ایک قربانی کے موقع پر وہ بھجن گاتی ہیں جو اس طرح شروع ہوتا ہو کہ "آؤ سکھی ایتھنز چلیں!"

اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہو کہ ایسے شہر سے لڑائی مول لینا جو شاعری اور فصاحت کا مالک ہو، کیسا مخدوش ہو، چناں چہ ایتھنزی تھیٹروں میں ہمیشہ مینوس کی بُرائیاں کی جاتی تھیں اور وہ نہایت بدذات آدمی دکھایا جاتا تھا اور ان ہجووں کے آگے نہ تو ہی سی اڈ کی چلی جو اُسے "شاہوں کا شاہ مینوس" کہہ کے پکارتا ہو، اور نہ ہومر کی پیش گئی، جس نے اُسے "جوپیٹر دیوتا کا بے تکلف دوست" قرار دیا ہو۔ ناٹک نویس ان سب پر غالب آئے اور اپنے محفوظ تر مورچے اسٹیج پر سے اُنھوں نے مینوس کو ظالم اور شریر بنا کے،

ملامتوں کا مینہ برسا دیا ۔ حالانکہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف بادشاہ بلکہ مقنن بھی تھا اور اسی کی ماتحتی میں رہاڈمن تس قاضی ہُوا ہے جو اس کے قوانین کے مطابق انصاف و انتظام کیا کرتا تھا ۔

القصہ اب جو تیسری مرتبہ خراج ادا کرنے کا موقع آیا اور قرعے کے رُو سے ، جن جن کے جوان بیٹے تھے وہ کریٹ بھیجے جانے کے لیے چھانٹے جانے لگے تو ایجیس کے خلاف تازہ فساد اُٹھا ، اور اُس کی طرف سے اُن کے دلوں میں بڑا رنج اور غصّہ پیدا ہُوا کہ خاص وہی شخص جس کی بدولت یہ کچھ مصیبتیں نازل ہوئیں ، سزا پانے سے مستثنیٰ ہو جائے ۔ اُن کا قول تھا کہ اس شخص کو ، جس نے ایک غیر اور حرامی لڑکے کو وارث سلطنت بنا کے اپنا انتظام کر لیا ہے ، ہماری صحیح النسب اولاد کے غارت ہونے اور چھٹنے کا کچھ غم نہیں ہے ۔ گویا وہ صحیح النسب اولاد کی قدر ہی نہیں کر سکتا ۔ لیکن تھی سی اس پر یہ باتیں اثر کیے بغیر نہ رہیں ، اور اُس نے اپنے ہم وطنوں کی مصیبت میں شریک نہ ہونا سخت ناانصافی جانا اور اپنے تئیں بغیر کسی قرعہ اندازی کے کریٹ بھیجے جانے والوں میں پیش کر دیا ! یہ حیرت انگیز شجاعت اور ایثار دیکھ کر سب کے دلوں میں اُس کی محبت و احترام کا نقش بیٹھ گیا ، اور جب ایجیس نے دیکھا کہ کوئی منت سماجت یا ترغیب و فہمائش اُسے اپنے ارادے سے نہیں ہٹا سکتی ، تو مجبوراً اُس نے باقی قیدیوں کا قرعے سے انتخاب کرنا شروع کیا ؛ ہیلانی کس کی یہ روایت ہے کہ اہلِ ایتھنز ان لڑکے اور لڑکیوں کو چھانٹ کر نہیں بھیجا کرتے تھے بلکہ خود مینوس

وہاں آکر اُنھیں پسند کیا کرتا تھا، اور اُسی نے تھی سی اس کو بھی لے جانے کے لیے منتخب کیا تھا۔ اسی کے ساتھ یہ شرط بھی طے پا چکی تھی کہ اہل ایتھنز ہی اپنے قیدیوں کے واسطے جہاز فراہم کیا کریں گے اور ان میں کوئی مرد اپنے پاس ہتھیار نہیں رکھ سکے گا؛ نیز یہ کہ جس وقت منوٹور ہلاک کردیا جائے گا اُس وقت یہ خراج جانا بھی بند ہوجائے گا +

پہلی دونو دفعہ جب اُنھوں نے اپنے آدمی بھیجے تھے تو چونکہ ان کی سلامتی یا واپسی کی کوئی امید نہ ہوتی تھی، لہٰذا ان کے جہاز پر سیاہ بادبان لگا دیا کرتے تھے، جس کا مطلب یہ تھا کہ اب ان کی موت اٹل اور شدنی ہے۔ مگر اب کے تھی سی اس نے اپنے باپ کی ہمت بندھائی اور اپنی بابت بہت کچھ کہہ سُن کر یقین دلایا کہ میں منوٹور کو بغیر مارے نہ چھوڑوں گا۔ چناں چہ ایجیس نے ملاح کو سفید بادبان دے دیے اور حکم دیا کہ اگر جہاز کی واپسی کے وقت تھی سی اس صحیح سلامت ہو تو انھی کو لگایا جائے۔ لیکن بصورتِ دیگر وہی بدنصیبی کی علامت یعنی سیاہ بادبان باندھے + سائی مونی ڈِس کا قول ہے کہ ایجیس نے جہاز ران کو سفید بادبان کے بجائے:-

"قرمزی رنگ کا، ہرے بھرے شاہ بلوط
کے تازہ اور چمکیلے عرق میں ڈبو کر"

بادبان دیا تھا اور یہی قیدیوں کے بچ جانے کا نشان قرار پایا تھا +

الغرض جب کرہیٹ جانے والوں کے نام قرعہ اندازی کے

رو سے چھانٹے جا چکے اور یہ سب تھی سی اس کے پاس آکر جمع ہو گئے تو وہ ڈیلفی گیا اور ان سب کی طرف سے اپالو دیوتا کے حضور میں مقدس زیتون کی شاخ نذر چڑھائی، جس پر سفید اُون بندھا ہُوا تھا؛ ان رسومِ عبودیت کو بجا لانے کے بعد وہ ماہ منوشیاں کی چھٹی تاریخ جہاز میں روانہ ہُوا، اور اب تک اہل ایتھنز اپنی کنواری لڑکیوں کو اس تاریخ ڈیلفی بھیجتے ہیں کہ دیوتاؤں سے خیر و برکت کی دعائیں مانگیں ۔ یہ روایت بھی کی جاتی ہو کہ ڈیلفی میں دیوتا نے اس کو حکم دیا تھا کہ اپنے بحری سفر میں وینس (زہرہ) دیوی کو راہ نما بنائے اور اسی سے اپنی خبرگیری کی دعا مانگے، چنانچہ تھی سی اس نے ساحل پر اُس کے نام ایک بکری قربان کی، اور کہتے ہیں کہ وہ ایکا ایکی نر کی صورت میں بدل گئی کیوں کہ وینس دیوی کا نام، اپٹ راگیا بھی ہو!

کریٹ پہنچنے کے بعد، اکثر قدیم مورخین اور شعرا کی روایت ہو کہ شاہزادی اریاڈنی، تھی سی اس پر فریفتہ ہوگئی تھی، اور اُسی نے ایک ڈور کا گولا اُسے دے کر بھول بھلیوں کے راستوں سے نکلنے کی تدبیر اور ڈور سے کام لینے کا طریقہ بتا دیا، جس کی بدولت وہ بالآخر بھول بھلیوں سے باہر نکل آیا اور منوٹور کو ہلاک کرنے کے بعد، ایتھنزی قیدی اور اریاڈنی سمیت واپس جہاز میں روانہ ہوگیا؛ فری سی دش یہ بھی اضافہ کرتا ہو کہ چلتے وقت اُس نے کریٹی جہازوں میں چھید کر دیے تھے کہ اس کا تعاقب نہ کرسکیں؛ اور ڈیمن لکھتا ہو کہ شاہ مینوس کے فوجی سردار ٹارس کو اُس نے ایتھنز جاتے وقت،

عین بندرگاہ کے دہانے پر ایک بحری مقابلے میں قتل کر ڈالا تھا۔

لیکن فیلوکورس نے اس قصے کو اس طرح بیان کیا ہی کہ شاہ مینوس نے جو سالانہ کھیل مقرر کیے تھے، اُن کے آنے پر لوگوں کو پھر ٹارس ہی کے جیتنے کی توقع تھی، پہلی دفعہ بھی اسی نے یہ انعام اور عزت پائی تھی، اور اس بنا پر بہتوں کو اس سے حسد ہوگیا تھا، اُس کا مزاج اور اطوار و افعال ایسے تھے کہ لوگوں میں اس کا اقتدار نفرت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، اس کے علاوہ اُس پر یہ بھی الزام تھا کہ وہ (ملکہ) پے سی فا کے ساتھ بہت بے تکلف ہوگیا ہی۔ اسی لیے جب تھی سی اُس نے اُس سے مقابلے کی خواہش کی تو مینوس نے بخوشی مان لیا۔ کریٹ میں یہ دستور تھا کہ ایسے کھیلوں کے وقت عورتوں کو بھی تماشا دیکھنے کی ضرور اجازت ہوتی تھی، لہذا اس موقع پر اریاڈنی موجود تھی اور جب تھی سی اس لڑنے نکلا اور بزور بازو سب پر غالب آیا تو وہ اس کی قوت و شجاعت اور مردانہ حسن و جمال کو دیکھ کر اُس پر مفتون ہوگئی۔ خود مینوس، ٹارس کی تھی سی اس کے ہاتھوں شکست و رسوائی دیکھ کر نہایت خوش ہوُا اور بطیبِ خاطر تمام قیدی اس کے حوالے کردیے، اور اہلِ ایتھنز سے خراج لینا معاف کردیا۔

اس واقعے کو کلائی ڈیمس نے اپنی خاص طرز میں اور طرح لکھا ہی اور بہت قدیم واقعات سے اس طرح ابتدا کی ہی کہ یہ تمام یونان کا متفق علیہ ضابطہ تھا کہ آرگو جہاز کے ناخدا جاسون کے سوا، جو بحری قزاقوں کی سرکوبی پر مامور کیا گیا تھا، اور کسی کو اجازت نہ تھی کہ اپنے جہاز میں پانچ سے زیادہ آدمیوں کو بٹھائے لیکن

جب ڈیڈالوس نام ایک شخص کریٹ سے بھاگ کر ایتھنز میں آچھپا تو مینوس نے اس ضابطے کی خلاف ورزی کی اور اپنے جنگی جہازوں میں اس کے تعاقب کو نکلا۔ مگر راستے میں ایک طوفان ایسا آیا کہ اُسے سسلی لوٹنا پڑا۔ اور یہیں اس کی زندگی کے دن پورے ہوئے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا دیوکالین جانشین ہُوا اور اُس نے ایتھنز والوں سے کہلا بھیجا کہ اگر وہ ڈیڈالوس کو حوالے نہ کردیں گے، تو تمام ایتھنزیوں کو، جو بطور یرغمال مینوس کے پاس بھیجے گیے تھے، قتل کردیا جائے گا۔ تھی سی اس نے اس پُرغضب پیام کا جواب نہایت نرم لفظوں میں دیا اور عذر کیا کہ میں ڈیڈالوس کو (جو اپنی ماں کی جانب سے میرا عزیز بھی ہوتا ہی) حوالے نہیں کرسکتا۔ ساتھ ہی اُس نے خفیہ طور پر ایک بیڑا تیار کرانا شروع کیا، جس کا ایک حصہ تو قریب ہی ایک گُم نام گاؤں ٹمیڈی میں جو تمام شاہ راہوں سے علٰحدہ بچا ہوا تھا، بنوایا اور ایک حصہ اپنے نانا پتھی اس کی معرفت ٹریزن میں مکمل کرالیا، جس کا مطلب یہ تھا کہ جہاں تک ہوسکے، یہ کارروائی بالکل مخفی رہے۔ پھر جب یہ بیڑا پوری طرح تیار ہوگیا، تو تھی سی اس، اس میں بیٹھ کے بلا تاخیر کریٹ چل پڑا، اور اپنی رہ نمائی کے لیے ڈیڈالوس اور دیگر کریٹی جلاوطنوں کو ساتھ میں لے لیا۔ ادھر اس کے بندرگاہ پہنچنے کے وقت تک اہلِ کریٹ اس کی آمد سے اس قدر بے خبر تھے، کہ ایتھنزی بیڑے کو خود اپنے یا اپنے دوستوں کے جہاز سمجھے، حتّٰی کہ تھی سی اس بندرگاہ پر قابض ہوگیا اور پھر نہایت عجلت کے ساتھ

اپنی فوج اتار کے ناسوس جا پہنچا، جہاں بھول بھلیّوں کے دروازوں کے سامنے وہ لڑائی ہوئی، جس میں ڈیوکالین اپنے تمام نگہبانوں سمیت مارا گیا۔ اس کے مرنے کی وجہ سے سلطنت شہزادی اریاڈن کے ورثے میں آئی، اور اس سے تھی سی اس نے ایک معاہدہ کر لیا جس کے رو سے اہلِ کریٹ اور ایتھنز میں دوامی صلح ہو گئی، کیوں کہ اُس نے کریٹ والوں سے حلف لے لیا کہ آیندہ کبھی ایتھنز کے ساتھ لڑائی نہ چھیڑیں گے +

ان روایات کے مختلف پہلوؤں کے متعلق خصوصاً اریاڈن کے بارے میں اور بہت سے متضاد افسانے مشہور ہیں مثلاً بعضوں کا بیان ہو کہ اریاڈن کو تھی سی اس نے بے وفائی سے چھوڑ دیا تھا اور اسی غم میں وہ اپنے تئیں پھانسی دے کے مر گئی؛ ایک قول یہ ہو کہ جب تھی سی اس نے کسی اور کی خاطر اُسے چھوڑ دیا، (مصرعہ) "کیوں کہ اِیگلے کا عشق اس کے سینے میں بھڑک رہا تھا" تو ایتھنزی ملاحوں نے اس دل شکستہ کو جزیرۂ نکسوس پہنچا دیا، جہاں اُس نے باکوس دیوتا کے بڑے پُجاری اِنارس کے ساتھ شادی کر لی۔ اوپر جو مصرعہ میں نے نقل کیا ہو، اُس کے متعلق ہیر یاس مگاری بیان کرتا ہو کہ وہ ہی سی اڈ شاعر کی کُلّیات میں موجود تھا، لیکن پی سس ٹراٹس نے اس کو اسی طرح نکلوا دیا، جس طرح کہ اُس نے ہومر کی نظم "حشر موتیٰ" میں اہلِ ایتھنز کو خوش کرنے کے لیے یہ شعر بڑھوا دیا تھا کہ

"دیوتاؤں کا پُر قوت بیٹا، تھی سی اس پِرِی تھوس"

ایک اور روایت یہ ہے کہ تھی سی اس سے اریاڈنی کے دو بیٹے ہوئے: اِنوپین اور اس ٹے فلس، اور یہ کہ اُنھیں کی اولاد میں ایون شاعر بھی ہے، جو اپنے وطن چیوس کی نسبت خود ہی لکھتا ہے کہ (مصرعہ)

"وہ، جسے ایک دفعہ تھی سی اس کے بیٹے اِنوپین نے بنایا تھا"

بہرکیف عام طور پر لوگوں کی زبان پر وہی افسانے ہیں جو زیادہ مشہور تھے البتہ اماتھوسیہ کا باشندہ پی آن جو روایت نقل کرتا ہے وہ سب سے الگ ہے۔ کیوں کہ وہ لکھتا ہے کہ تھی سی اس کو ایک سمندر کے طوفان نے جزیرۂ قبرس کے ساحل پر پہنچا دیا تھا اور اس کے ساتھ جہاز پر حاملہ اریاڈنی بھی موجود تھی جسے سمندر کے تلاطم نے سخت بے چین کر دیا تھا۔ تھی سی اس نے اس کو کنارے پر اتار دیا، اور خود جہاز کو کنارے پر لگانے کے لیے گیا تھا کہ یکایک ہوا کا ایسا تند جھونکا آیا کہ تھی سی اس سمیت جہاز پھر سمندر میں بہ گیا اور اریاڈنی تنہا کنارے پر کھڑی رہ گئی۔ اُس وقت جزیرے کی عورتوں نے اس کی بڑی خاطر تواضع کی، اور جہاں تک بن پڑا اس تنہائی میں اس کا غم غلط کرتی رہیں۔ اُنھوں نے اس کی تشفی کے لیے تھی سی اس کے مصنوعی خط بھی اُسے لا لا کے دیے، گویا وہ اُس کے دریافت حال کے لیے ایتھنز سے لکھ رہا ہے! پھر وضع حمل کا زمانہ قریب آیا تو اُنھوں نے اس کی ہر ممکن اعانت کی، لیکن ولادت سے پہلے اس کا انتقال ہوگیا، اور وہ بڑی عزت و تکریم کے ساتھ وہیں دفن کر دی گئی۔ اس کے تھوڑی ہی مدت بعد

تھی سی اس وہاں آیا اور اس کا مرنا سُن کر نہایت رنجیدہ ہُوا ۔ اور واپسی کے وقت کچھ رُپے جزیرے والوں کو دے گیا کہ اریاڈنی کے نام پر قربانیاں چڑھائی جائیں، اور دو مورتیاں ایک چاندی کی اور ایک پیتل کی اُس کی یادگار میں بنوا دیں ۔ اس کے علاوہ، راوی کا بیان ہو کہ اب تک قبرس کے لوگ گورپیس مہینے کی دوسری تاریخ کو، جو اریاڈنی سے انتساب رکھتی ہو، اپنی قربانیوں میں یہ رسم بھی ادا کرتے ہیں کہ ایک لڑکا زمین پر لٹا دیا جاتا ہو اور اپنی آواز اور اشاروں سے ایک دردِ زہ میں مبتلا عورت کی نقل کرتا ہو، نیز اہل اماتھوسیہ اُس کنج کو جس میں وہ اریاڈنی کا مقبرہ بتاتے ہیں، وینس اریاڈنی کے کنج سے موسوم کرتے ہیں ؛

اس روایت سے بھی مختلف قول نکسوس کے بعض مصنفین کا ہو جو لکھتے ہیں کہ منوزہ اور اریاڈنی نام کی دو دو عورتیں الگ گزری ہیں ۔ جن میں سے پہلی اریاڈنی کی شادی اسی جزیرے میں باکوس کے پجاری کے ساتھ ہوئی، اور اُنھیں سے اس لئے سٹفلس نام لڑکا ہُوا تھا ۔ لیکن دوسری اریاڈنی بھی جسے زمانۂ مابعد میں تھی سی اس نکال لایا تھا، اور پھر چھوڑ بیٹھا تھا، اپنی دایہ کرکینا کو لے کر اسی جگہ چلی آئی تھی، اور یہیں فوت ہوئی ؛ چناں چہ وہاں کے لوگ اس کی قبر دکھاتے ہیں، اور اس کی بھی، پہلی اریاڈنی کی طرح پرستش کی جاتی ہو، گو مختلف طریقے سے ۔ یعنی پہلی کا تہوار تو عام خوشی اور عیش و طرب کے ساتھ منایا جاتا ہو ۔ مگر دوسری کے نام پر جو قربانیاں کی جاتی ہیں، ان میں سوگ اور رنج کا اظہار کرتے ہیں ؛

کریٹ سے واپسی کے وقت تھی سی اس جزیرۂ ڈیلاس میں اُترا اور وہاں کے دیوتا پر قربانیاں کرنے کے بعد زہرہ دیوی کی وہ مورتی اُس کے مندر میں نذر چڑھائی جو اُسے اریاڈنی نے دی تھی۔ پھر نوجوان ایتھنزیوں کے ساتھ وہ ناچ ناچا، جو کہتے ہیں کہ اب تک اس کی یادگار کے طور پر اہلِ ڈیلاس میں جاری ہے۔ اور اس میں چند مقررہ چکر اور چک پھیریاں، اسی بھول بھلیوں کے پیچ در پیچ راستوں کی نقل میں، لگانے پڑتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ڈیلاس میں ورزشی مقابلے اور کھیل تھی سی اس ہی نے رائج کیے تھے اور جیتنے والوں کو "پام" انعام میں دینے کی رسم اُسی نے شروع کی ہے۔

جب یہ لوگ اٹیکا کے ساحل پر پہنچے، تو وہ اپنی کامیاب مراجعت پر خوشی سے ایسے از خود رفتہ ہورہے تھے کہ تھی سی اس یا جہاز کے ناخدا، کسی کو بھی یہ بات یاد نہ آئی کہ وہ بادبان اوپر لگادیں، جو ایجیس نے ان کے سلامتی سے واپس آنے کا نشان مقرر کیا تھا۔ اس (فرو گزاشت) کا نتیجہ یہ ہُوا کہ جب ایجیس نے وہ نشانی جہاز پر نہ دیکھی، تو انتہائے رنج و مایوسی میں اپنے تئیں ایک چٹان سے گرادیا اور سمندر میں ڈوب کر مرگیا۔ ادھر تھی سی اس نے بندرگاہ فیلیرم پر اُترتے ہی وہ قربانیاں چڑھائیں، جن کی روانہ ہوتے وقت اُس نے منت مانی تھی، اور ایک نقیب کو شہر کی طرف دوڑایا کہ اس کے صحیح سلامت لوٹنے کی خبر سنائے۔ مگر جب یہ نقیب شہر میں آیا تو اکثر لوگوں کو اُس نے بادشاہ کے سوگ میں سخت رنجیدہ پایا، تاہم قدرتی طور پر بہت سے ایسے بھی تھے، جو یہ مژدہ

سُن کر خوشی سے پھولے نہ سمائے، اس کے خیر مقدم کو دوڑے اور پھولوں کے ہار خوشی میں لالا کے پہنانے لگے۔ لیکن نقیب نے یہ تمام ہار لینے کے بعد اپنے عصا پر لپیٹ لیے اور اسی طرح تھی سی اس کے پاس لوٹ گیا، اور اس وقت تک کہ وہ اپنے نذر نیاز سے فارغ ہو، خاموش کھڑا رہا کہ مبادا ان میں کچھ خلل پڑ جائے، لیکن جب وہ دیوتاؤں کی ناوید[1] کر چکا تو نقیب نے بڑھ کر بادشاہ کے مرنے کی خبر سُنائی، جسے سنتے ہی وہ سب کے سب کمال رنج و سراسیگی کے عالم میں فریاد و ماتم کرتے شہر کو دوڑے۔ کہتے ہیں کہ یہی بنا ہے ان رسموں کی جو آج کے دن تک اُسکوفوریا کے تہوار میں منائی جاتی ہیں، یعنی نقیب کے بجائے ہار اُس کے عصا کو پہنائے جاتے ہیں اور ناوید کے وقت تمام حاضرین "اللیو، الیو، الیو" پکارتے ہیں، کیوں کہ ان بے معنی آوازوں میں سے پہلی تو عام طور پر اس وقت لوگوں کے مُنہ سے نکلتی ہے، جب کہ وہ کسی جلوس میں یا سخت عجلت میں ہوں، اور دوسری اُن کی آواز ہے جو کمال بے حواس اور مضطرب ہو گئے ہوں +

اپنے باپ کی تجہیز و تکفین کے بعد تھی سی اس نے وہ منت جو اپالو دیوتا سے مانی تھی، ماہ پیانیپ سیان کی ساتویں تاریخ اتاری، کیوں کہ اُسی دن وہ نوجوان جو کس نیٹا سے اس کے ہمراہ بخیریت واپس آ گئے تھے، باضابطہ شہر میں داخل ہوئے۔ مشہور ہے کہ اس تہوار میں دال اُبالنے کی رسم اس طرح پڑی کہ سلامتی سے آ جانے والوں نے اس روز کھانے کی جو کچھ چیزیں بچ گئی تھیں وہ سب ایک پتیلی میں چڑھا کر اُبالیں

---

[1] ناوید یعنی بتوں کو پانی یا دودھ سے نہلانے کی رسم۔ م

اور اُسے مل کر کھا لیا۔ تھی سی اس نے جو زیتون کی شاخ پر اون لپیٹ کر دعائیں مانگی تھیں، اس کی یادگار بھی قائم رہی اور اب اُس شاخ کو (ایری سیوَن) کہتے ہیں، اور اس کے اوپر ہر قسم کے پھل رکھتے ہیں، جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ خشک سالی اور قحط کا خاتمہ ہُوا، پھر اس کے جلوس میں یہ گیت گایا جاتا ہے کہ:

"ایری سیئون، لائی کھجوریں، ایرسیون، لائی گُلچے
پیالے بھر بھر کے وہ شہد لائی اور جسموں پر ملنے کو لائی تیل
شراب کا اک گھڑا لائی، تاکہ پی پی کر سب سو جائیں"

بعض لوگوں کے نزدیک یہ رسم ہراکلی قوم کی یادگار میں قائم ہوئی ہے جن کی اہل ایتھنز نے اس طرح دعوت و مہمانی کی تھی، لیکن زیادہ تر اتفاق اسی پر ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا۔

تھی سی اس اپنے ہم وطن ہمراہیوں کے ساتھ جس جہاز میں واپس آیا، وہ تیس چپو کا تھا، اور ڈِمِٹ رئیس فیلریئس کے زمانے تک محفوظ رکھا گیا تھا۔ کیوں کہ جب پُرانے تختے بوسیدہ ہو جاتے تو اُن کی جگہ نئے اور زیادہ مضبوط شہتیروں کے تختے لگا دیئے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ فلاسفروں کے ہاں یہ جہاز منطقی بحث و مباحثے کی ایک مثال بن گیا تھا، کیوں کہ اہلِ منطق میں سے ایک فریق تو یہ کہتا تھا کہ یہ جہاز وہی رہا اور دوسرے کا مقولہ تھا کہ نہیں یہ وہ نہیں رہا!

العقصہ اسکوفوریا، یا ڈالیون کا تہوار جسے اب تک اہل ایتھنز مناتے ہیں، تھی سی اس ہی نے جاری کیا ہے۔ اس نے نہ صرف اُن تمام کنواریوں کو لیا، جو قرعے کے بموجب منتخب ہو کر کریٹ بھیجی گئی تھیں،

بلکہ ان میں دُو لڑکے بھی شامل کر دیئے، جن کی صورت بہت کچھ عورتوں جیسی تھی، اُنھیں متواتر نہلوایا اور گرمی اور آفتاب کی تیزی سے بچایا، اور اس قسم کے تمام تیل اور اُبٹنے ملواتا رہا، جو بالوں کو بنانے اور رنگ کو صاف کرنے کے کام میں آتے ہیں، اور جن سے جلد زیادہ نرم ہو جاتی ہو۔ اس طرح ایک حد تک اُس نے اُن کی صورت بدل دی۔ ساتھ ہی اچھی لڑکیوں کی رفتار و گفتار کی نقل کرنی سکھائی کہ ان میں اور لڑکیوں میں کوئی تمیز نہ ہو سکے۔ پھر اُس نے ان کو بھی عورتوں کی اس جماعت میں شریک کر دیا، جو کریٹ جانے کے لیے چھانٹی گئی تھیں +

اب اپنی مراجعت پر اس نے ایک خاموش جلوس نکالا، جس میں وہ اور یہی لڑکے آگے آگے تھے اور ان کے لباس اسی قسم کے تھے، جو آج کل اس تہوار میں وہ لڑکے پہنتے ہیں جن کے ہاتھوں میں انگور کی شاخیں ہوتی ہیں۔ ان شاخوں سے اریاڈن اور باکوس دیوتا کی یادگار منائی جاتی ہو یا شاید موسم بہار کی یادگار میں جو ان کے ہاں انگور چننے کی فصل ہو:۔ ان مراسم اور قربانیوں میں وہ عورتیں بھی شریک ہوتی ہیں، جنھیں "طعام بردار" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہو، یہ اُن ماؤں کی یادگار میں جن کے لڑکے لڑکیاں قرعہ اندازی کے بموجب کریٹ بھیجے گئے تھے، اور جو گوشت اور روٹی لے لے کر ان کے جاتے وقت اسی طرح دوڑی تھیں۔ اور چوں کہ ان عورتوں نے اپنے روانہ ہونے والے بچّوں کی تسکین و تشفی کے لیے بہت سے قصّے اور افسانے سُنائے تھے، لہٰذا اس تہوار میں اُن کی بھی نقل کی جاتی ہو، اور بہت سی کہانیاں آپس میں کہی جاتی ہیں:۔ ان تفصیلات کے لیے

ہم دیمن کی تاریخ کے رہینِ منت ہیں۔

اس موقع پر ایک مقام بھی چھانٹ لیا گیا تھا اور وہاں تھی سی اس کے نام پہ مندر تعمیر کیا گیا اور قربانیاں چڑھانے کے مصارف اُن خاندانوں کے ذمے ڈالے گئے جن کے افراد قرعے کے رو سے کساہیٹ جانے کو منتخب ہوئے تھے۔ اور فٹلڈی خاندان کی مراسم کی نگرانی تھی سی اس نے اُسی خاندان کے سُپرد کردی۔

اپنے باپ ایجیس کی وفات پر تھی سی اس نے ایک منصوبہ باندھا اور تمام علاقۂ اٹیکا کے باشندوں کو ایک شہر میں جمع کردیا اور ایک ہی شہر کا باشندہ بنادیا، حالاں کہ پہلے وہ دیہات میں منتشر تھے اور کسی مقصد کے لیے بہ آسانی یکجا نہ ہوسکتے تھے، یہی نہیں، بلکہ متفرق آبادی ہونے کی وجہ سے ان میں اکثر باہم تنازعے اور جنگ کی نوبت پہنچ جاتی تھی۔ ان اختلافات کو تھی سی اس نے دیہ بدیہ اور قبیلہ بہ قبیلہ خود جاجا کے رفع کیا، اس کے بعد جب عوام الناس اور ادنیٰ درجے کے لوگ اس کے ہم خیال ہوگئے تو زیادہ مقتدر لوگوں کو اس نے یہ کہہ کے اپنا شریک کرلیا کہ نئی آبادی میں جو حکومت ہوگی وہ مشروطہ یا جمہور کی حکومت بغیر بادشاہ کے ہوگی۔ میں بالفعل ان کی لڑائیوں میں سپہ سالار اور حالتِ امن میں محافظ قوانین کے فرائض انجام دوں گا، باقی اور سب چیزوں میں تم میرے برابر کے شریک رہوگے۔" اس ذریعے سے لوگوں کی ایک کثیر تعداد اُس کے ساتھ ہوگئی، لیکن جو باقی رہے اُنھیں بھی اس کی قوت کا خوف ہُوا، جو پہلے سے بہت زبردست تھی، نیز اس کی ہمت اور عزمِ راسخ سے مرعوب ہو کے اُنھوں

نے یہی مناسب سمجھا کہ مجبور کیے جانے کے بجائے بہتر ہو کہ ہم خود اس
کے اتحاد میں شریک ہو جائیں"۔ اس کے بعد تھی سی اس نے وہ سب
کچہریاں اور چوپالیں وغیرہ جو اُنھوں نے الگ الگ بنا رکھی تھیں، تڑوا
دیں اور ان سب کے بجائے ایک واحد ایوانِ مجلس اور قصرِ حکومت اُس
مقام پر تعمیر کرایا جہاں اب شہر کا جنوبی حصّہ آباد ہو، اور اس متحدہ
ریاست کا نام بھی ایتھنز قرار دیا، اور اس کی یادگار میں وہ قربانیاں
اور تہوار جاری کیا، جسے پان اتھینیا یعنی "اتحاد ایتھنز" کا تہوار کہتے
ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور تہوار بھی جاری کیا جسے مٹی شیا (یا ہجرت
کا تہوار) کہتے ہیں، اور جو اب بھی ماہ ہیکاٹومبیان کی سولھویں تاریخ
کو منایا جاتا ہو۔ یہ ابتدائی امور طے پا چکے تو وعدے کے مطابق اُس
نے اپنے شاہی اختیارات سے ہاتھ اٹھا لیا، اور ایک حکومت ملّی یا
جمہوریہ کی تنظیم و ترتیب میں مصروف ہوا۔ اس مہتم بالشان کام میں آغاز
کرتے وقت دیوتاؤں کا مشورہ بھی اُس نے حاصل کیا تھا، اور اپنی نئی
حکومت اور بستی کے متعلق ڈیلفی سے یہ جواب پایا تھا: (اشعار)

"اے تھی سی اس کی بیٹی کے بیٹے!
میرا باپ (یعنی اپالو دیوتا) تمھاری آبادی کو
بہت سی سلطنتوں کی قسمت اور نیک و بد
کا اختیار بخشتا ہو۔ جاؤ کوئی خوف اور
اندیشہ نہ کرو، یہ بُھکنا، ان موجوں پر جو
اس کے گرد محیط ہیں تیرے بغیر نہ رہے گا۔"

یہی وہ ربّانی قول تھا، جس کو عرصۂ دراز کے بعد ایک بنیّہ (یا

سبل) نے اہلِ ایتھنز کے سامنے اس طرح دہرایا تھا کہ "ممکن ہو مچھکنا غوطہ کھا جائے مگر غرق نہ ہو"

اب تھی سی اس نے جو اس شہر کو اور زیادہ وسیع کرنے کا خواہاں تھا، باہر کے تمام لوگوں کو بھی اس میں آنے اور اہلِ شہر کے ساتھ مساوی حقوق حاصل کرنے کی صلائے عام دی۔ اور کہا جاتا ہو کہ انھی عام لفظوں میں منادی کی کہ "اے سب لوگو! ادھر آؤ" بایں ہمہ اُس نے یہ گوارا نہیں کیا کہ اس جم غفیر کی آمد سے، جس میں ہر طرح کے لوگ شامل تھے، اس نئی ریاست میں بےنظمی اور بےترتیبی پھیل جائے اور ان میں کوئی حفظِ مراتب قائم نہ رہے، بلکہ وہی پہلا شخص ہو جس نے اہل شہر کی تین درجوں میں تقسیم کی، یعنی اُمرا، مزارع، اور صناع۔ ان میں امورِ مذہبی کی نگرانی، حاکموں کا انتخاب، قوانین کی تنسیخ و نفاذ، اور تمام دینی معاملات میں ہدایت و رہنمائی، اُس نے اُمرا کے سپرد کی۔ پھر تمام باشندوں میں کامل مساوات کی یہ صورت پیدا کی کہ اعزاز میں تو اُمرا کو اوروں پر فضیلت تھی، مالی لحاظ سے مزارعین کو، اور تعداد میں صناعوں کو +

ارسطو کہتا ہو کہ تھی سی اس پہلا شخص ہو، جس نے جمہوری حکومت کو شخصیت پر ترجیح دی، اور اپنے بادشاہی اختیارات سے دست بردار ہوگیا اور معلوم ہوتا ہو کہ ہومر بھی اس قول کی تصدیق کرتا ہو کیوں کہ اُس نے اپنے جہازوں کی فہرست میں ایتھنزیوں کو لفظ جمہور سے خطاب کیا ہو +

تھی سی اس نے اپنے عہد میں سکہ بھی مسکوک کرایا۔ اور

اُس پر ایک بیل کی تصویر بنوائی - اس سے یا تو میراتھان کے سانڈ کی یادگار قائم کرنی مقصود تھی یا ٹارس کے سانڈ کی، جن کو اُس نے مارا تھا اور یا اس کی تہ میں لوگوں کو زراعت کی ترغیب دینا مضمر تھا - بہر حال اسی سکّے کی بدولت یونانیوں میں یہ محاورہ کہ "فلاں شے سَو بیلوں کی قیمت ہے" یا "یہ تو دس بیلوں کے مول بھی مہنگی ہے" رائج ہُوا ؛

اس کے بعد تھی سی اس نے علاقہ مگارا کو اٹیکا سے ملا دیا اور وسطی خاکنائے پر وہ مشہور منارا تعمیر کیا جس پر دو سطر کا ایک کتبہ کندہ تھا، اور ان ملکوں کی حدود بتاتا تھا، جو اس مقام پر آکر ملتے ہیں :- چناں چہ مشرقی پہلو پر تو یہ لکھا ہُوا ہے کہ :-

"پی لوپیہ وہاں، آئے اونیہ یہاں"

اور اس کے دوسرے رُخ یہ کندہ ہے کہ

"پی لوپیہ یہاں، آئے اونیہ وہاں"

پھر ہرقل کی ریس میں اُس نے سالانہ کھیلوں کا بھی انتظام کیا - اُسے آرزو تھی کہ جس طرح ہرقل کے اولمپی کھیل جوپیٹر کے اعزاز میں منائے جاتے ہیں، اسی طرح میرے کھیل بھی نیچون دیوتا کے نام پر یونانیوں میں رائج ہو جائیں - اس مقام پر پہلے ایک دیوی (ملی سرتا) کے نام کا میلا رات کو لگا کرتا تھا، اور اسی لیے اس کی صورت ایک عام نمائش یا میلے کے بجائے مذہبی رسم کی سی تھی ؛

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ خاکنائے کا میلہ سب سے پہلے تھی سی اس

ہی نے مقتول اسکای روں کی یادگار میں قائم کیا تھا کہ اس کے قتل کا کفارہ ہو جائے ، کیوں کہ وہ بھی پتھی اس کا نواسہ اور تھی سی اس کا عزیز قریب ہوتا تھا ۔ لیکن ایک اور قول یہ ہے کہ مقتول کا نام سنیس تھا اور اسی کی یادگار میں تھی سی اس نے یہ کھیل جاری کیے تھے

اس کے بحر اسود جانے کے متعلق فیلوکورس وغیرہ مصنفین تو یہ لکھتے ہیں کہ وہ ہرقل کے ہمراہ جنگی عورتوں سے لڑنے گیا تھا ، اور شجاعت کے صلے میں ہرقل ہی نے اسے انٹی اوپ دے دی تھی مگر کثرت تعداد کا ، جن میں فری سی ڈش ہلانی کس اور ہیروڈورس شامل ہیں ، بیان یہ ہے کہ تھی سی اس ، ہرقل سے کئی سال بعد خود اپنا بیڑا بنا کے لے گیا اور وہاں (انٹی اوپ) نامی امیزن کو اس نے خود ہی اسیر کیا تھا ۔ یہ قصہ زیادہ قرین قیاس نظر آتا ہے ، کیوں کہ ہمیں اور کہیں امیزن کی گرفتاری کی روایت اُن راویوں سے نہیں ملتی جو (ہرقل کے ہمراہ) اس کی مہم میں گئے تھے ۔ بی اون اس میں یہ اور اضافہ کرتا ہے کہ امیزن کو گرفتار کرنے میں اس نے ایک مکر سے کام لیا تھا ۔ یعنی یہ جنگی عورتیں جو طبعاً مردوں کی دلدادہ ہوتی ہیں تھی سی اس کے وہاں ساحل پر پہنچنے سے مطلق ناخوش نہ ہوئیں ، بلکہ اس کے جہاز پر اُنھوں نے تحفے بھجوائے ۔ ان کو انٹی اوپ وہاں لائی تھی اور اس کو تھی سی اس نے جہاز پر بلالیا ، اور اس کے اوپر آتے ہی لنگر اٹھا کے روانہ ہو گیا ۔ مینی کریٹس مصنف جس نے بتھنیہ کے شہر نیسی کی تاریخ لکھی ہے ، اس بارے میں ایک اور روایت یہ لکھتا ہے کہ انٹی اوپ کو جہاز پر بٹھالانے کے بعد تھی سی اس کچھ عرصے تک انھیں ساحلوں پر

سمندری گشت کرتا رہا۔ اس کے ساتھ جہاز میں تین ایتھنزی نوجوان بھی تھے یہ آپس میں بھائی بھائی تھے اور ان کے نام یونیوس، تھی اوس اور سولون تھے۔ ان میں تیسرا (یعنی سولون) انٹی اوپ پر فریفتہ ہوگیا اور بغیر کسی کو خبر کیے اس نے صرف ایک دلی دوست سے اپنے عشق کا راز بیان کیا اور اس کو اپنا حال کہنے کے لیے انٹی اوپ کے پاس بھیجا۔ انٹی اوپ نے اُسے بالکل صاف جواب دے دیا، لیکن اس معاملے میں بڑے ربط ضبط سے کام لیا، اور کسی قسم کی شکایت تھی سی اس سے نہیں کی۔ لیکن سولون کو ایسی مایوسی کی حالت میں سوائے اس کے کچھ نہ بن پڑا کہ ساحل کے قریب ایک ندی میں گر کے اپنی جان دے دی۔ اس وقت تھی سی اس کو اُس کی موت اور نامرادی کا حال بھی معلوم ہوگیا اور وہ اس حادثے پر نہایت غمگین ہوا۔ اس انتہائے ملال میں ڈیلفی کی ایک پُرانی کہن اُسے یاد آئی، اس میں اپالو دیوتا کی پُجارن نے اسے حکم دیا تھا کہ جب کبھی وہ نہایت رنجیدہ اور سخت افسوس کے عالم میں ہو، تو اُسی مقام پر ایک شہر تعمیر کرے، اور اپنے چند ساتھیوں کو اس جگہ کی حکومت دے دے۔ اسی بنا پر تھی سی اس نے یہاں ایک شہر کی بنیاد ڈالی اور دیوتا کے نام پر اسے پتھا پالیس موسوم کیا، نیز اس ندی کا نام جو اس نئے شہر کے برابر بہتی تھی، سولون قرار دیا، اور اس کے دونو پس ماندہ بھائیوں کو وہاں کی حکومت سُپرد کردی۔ ان دونو کے ساتھ تیسرا شریک اُس نے ہرمس کو نامزد کیا۔ یہ شخص ایتھنز کے امرا میں سے تھا، اور اسی سے اب تک ایک مقام شہر میں ہرمس کا مکان کہلاتا ہو، اگرچہ بعد میں اعراب

کی غلطی سے وہ ہرمیس کا مکان سمجھا جانے لگا، جو عطارد دیوتا کا اسم عرفی ہے۔ اور اس طرح اس نامور شخص کا حاصل کردہ اعزاز دیوتا کے پاس منتقل ہوگیا!

یہی واقعہ (یعنی انٹی اوپ کا بھگا لانا) اُس حملے کی اصلی وجہ ہے، جو ان جنگی عورتوں نے اٹیکا پر کیا اور جس کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کوئی معمولی یا عورتوں کا سا حملہ نہ تھا۔ بلکہ یہی واقعہ کہ انھوں نے خاص شہر کے اندر پڑاؤ ڈالا تھا اور میوزیم کی پہاڑی ہی کے سامنے اہل ایتھنز سے جنگ کی تھی، ان کی جنگ جوئی اور فاتحانہ تاخت ثابت کرتا ہے۔ کیوں کہ یہ ممکن نہیں کہ نواحی علاقے کو فتح کیے بغیر وہ ایسی سینہ زوری کے ساتھ شہر کے اندر گھس آئیں، یہ بات کہ اتنا بڑا سفر انھوں نے خشکی میں کیا اور آبنائے باسفرس کو اس وقت کہ وہ برف سے جمی ہوئی تھی، عبور کرلیا (جیسا کہ ہلانی قس روایت کرتا ہے) یقین آنی مشکل ہے۔ باقی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کا پڑاؤ شہر کے اندر پڑا تھا اور اردگرد کے مقامات اپنے ناموں سے نیز مقتولین جنگ اپنے مزاروں اور یادگاروں سے اس کی تصدیق کرتے ہیں:۔ جب پہلی مرتبہ مقابلے میں فریقین صف آرا ہوئے، تو پہل کرنے میں ہر فریق کو خوف اور تامل تھا، اور عرصے تک ایک خاموشی میدان پر طاری رہی، آخر ننھی سی اس نے ایک الہامی حکم کی تعمیل میں خوف دیوتا کے نام پر قربانی کرکے لڑائی شروع کردی۔ یہی جنگ ماہ بودرومیان میں ہوئی ہے، اور اسی کی یادگار میں اہل ایتھنز اب تک بودرومیہ نام تہوار مناتے ہیں + کلائیڈمیس

جسے جزئیات لکھنے کا بہت شوق ہے، تحریر کرتا ہے کہ حملہ آوروں کا میمنہ اس مقام سے بڑھا تھا، جسے اب تک امیزونیم کہتے ہیں، اور میسرہ نِکسہ سے پیش قدمی کر رہا تھا اور اسی بازو سے اہلِ ایتھنز نے میوزیم کے عقب سے نکل کر اُن کا مقابلہ کیا تھا، چناں چہ جو لوگ اس لڑائی میں کام آئے، ان کی قبریں وہیں بازار میں موجود ہیں۔ یہ بازار یا کوچہ اس پھاٹک تک سیدھا چلا گیا ہے۔ جو چلکوڈن سورما کی خانقاہ کے پاس واقع ہے اور پی ریک کہلاتا ہے۔ پھر کلائی ڈمیس لکھتا ہے کہ اوّل اوّل ان عورتوں نے ایتھنزیوں کو بالکل دبا لیا تھا اور بہت دُور تک ہٹا لائی تھیں، لیکن اس وقت اُنھیں تازہ کمک پہنچ گئی اور اُنھوں نے حملہ کرکے امیزنوں کو اپنے خیموں تک پسپا کردیا اور اسی جدوجہد میں ان عورتوں کی کثیر تعداد ماری گئی۔ آخر چار مہینے کے بعد ہپولٹا کی ثالثی سے فریقین میں صلح ہوگئی"۔ (واضح رہے کہ یہ مورخ اُس امیزن کا نام جسے تھی سی اس لے آیا تھا، اور شادی کرلی تھی انٹی اوپ کے بجائے ہپولٹا بتاتا ہے) اگرچہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ وہ تھی سی اس کے پہلو بہ پہلو لڑنے میں ایک تیر سے ہلاک ہوگئی تھی اور مندر ارض اولمپی کے پاس جو منارہ ہے وہ اسی کی یادگار میں تعمیر کرایا گیا تھا۔ اصل یہ ہے کہ اتنے قدیم زمانے کے واقعات میں تاریخ کا بے ترتیب اور غیر منتظم ہونا کچھ حیرت انگیز نہیں ہے۔ چناں چہ ایک تیسری روایت میں ہم سے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انٹی اوپ خفیہ طور پر اپنی ہم جنسوں کی اعانت کرتی تھی، اور جو ان میں زخمی ہو جاتیں انھیں علاج کی غرض سے چالکس بھیج دیا کرتی تھی اور بہت

سی اس کی توجہ سے صحت یاب ہوگئیں، لیکن چند اسی حال میں مرگئیں اور اُنھیں جس مقام پر دفن کیا گیا اس کا نام امیزونیم ہے!

مگر یہ بات تو یقینی ہے کہ اس جنگ کا خاتمہ باہمی مصالحت پر ہُوا، کیوں کہ صلح پر جو حلف فریقین نے اُٹھائے تھے، اس کی وجہ سے اب تک تھی سی اس کے مقبرے کے متصل ایک مقام کا نام ھرکوموزیم ہے۔ دوسرے تھی سی اس کے تہوار سے ایک روز پہلے امیزنوں کے نام پر جو بھینٹ چڑھائی جاتی ہے، وہ بھی اس صلح کی شہادت ہے۔

اہلِ مگارا بھی تصدیق کرتے ہیں کہ چند امیزنوں کی تدفین ان کے قصبے میں کی گئی تھی، اسی طرح ان کے بعض مقتولین کا شیرونیہ میں تھرموڈن نالے کے قریب دفن کیا جانا بیان کیا جاتا ہے۔ اس نالے کو اب ہیمن کہتے ہیں، اور اس کا ذکر ہم نے ڈموس تھنیز کی سوانح عمری میں تحریر کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تھسلی سے گزرتے وقت بھی امیزنوں کو روکا گیا تھا، کیوں کہ اس وقت تک ان کی متعدد قبریں سکوطود اور سینوسفالی میں دکھائی جاتی ہیں۔

امیزنوں کے متعلق اسی قدر حال قابل تحریر تھا۔ اور ایک نظم "تھی سید" میں لکھا ہے کہ خود انٹی اوپ نے یہ چڑھائی کی تھی کیوں کہ تھی سی اس نے فیڈرا سے شادی کرلی اور انٹی اوپ کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کردیا تھا۔ اور یہ کہ وہ ان امیزنوں کو اپنے ہمراہ لائی تھی، جنھیں ہرقل نے قتل کیا، یہ سب باتیں صریحاً جھوٹی کہانیاں ہیں۔ یہ سچ ہے کہ تھی سی اس نے فیڈرا سے شادی کی تھی، مگر یہ واقعہ انٹی اوپ کے بعد کا ہے۔ جو اُس سے ایک بیٹا چھوڑ کر مرگئی تھی۔ خود فیڈرا

اور اس کے بیٹے پر جو مصائب گزرے، ڈراما نویسوں نے ان کو بالاتفاق یکساں دکھایا ہے اور چوں کہ کسی مصنّف نے ان کی تردید نہیں کی لہذا ہمیں مان لینا چاہیے کہ وہ اسی طرح پر ہیں +

تھی سی اس کی شادیوں کے متعلق اور کئی روایتیں بھی ہیں، اور ہرچند اس کی شادیاں نہ شریفوں کی طرح ہوئیں، نہ واقعات کے لحاظ سے کچھ سازگار ثابت ہوئیں، تاہم ان کا کسی یونانی ڈرامے میں کبھی سوانگ نہیں دکھایا گیا۔ مثلاً تھی سی اس ایک ٹریزنی عورت اناکسو کو بھگا لایا تھا۔ یا اس نے سنیس اور سرکیان کو قتل کرکے ان کی بیٹیوں کی عصمت دری کی تھی۔ یا اور کئی شادیاں کر لی تھیں۔ پھر اریاڈن کو دغا دینے کا بھی اس پر الزام ہے اور (جیسا کہ پہلے بیان ہوا) اس نازیبا اور نامنصفانہ حرکت کی وجہ محض اگلیے کی محبت تھی۔ آخر میں، اس کا بدترین فعل، ہیلن کے ساتھ زنا کرنا تھا۔ جس نے تمام اٹیکا میں جنگ و خوں ریزی کی آگ مشتعل کر دی اور جو انجام کار تھی سی اس کی جلاوطنی اور موت کا باعث ہوا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی +

ہیروڈورس کے خیال میں، اگرچہ تھی سی اس کے عہد میں کئی بہادروں نے مختلف مہمات سر کیں، لیکن وہ کسی میں ان کا شریک نہ ہوا، سوائے اُس لڑائی کے جو قوم لفیتی نے سنٹوروں کے خلاف لڑی تھی۔ مگر دوسرے مورّخ بیان کرتے ہیں کہ وہ دو مہموں میں اور شریک ہوا تھا، اور اسی بنا پر یہ ضرب المثل پیدا ہوئی کہ فلاں کام "بغیر تھی سی اس کے نہیں" ہوا، یا نہ ہوگا۔

اس کے علاوہ تھی سی اس نے بذات خود جو شاندار معرکے جیتے ان کی وجہ سے وہ کہاوت چلی کہ

"فلاں شخص ہرقل ثانی ہے۔"

جب اوراسطس اُن مقتولین کی لاشیں واپس لینے کی کوشش کررہا تھا جو شہر تھیبیہ کے سامنے مارے گئے تو تھی سی اس بھی اس کا شریک ہوگیا، اور باہمی رضامندی سے اس مقصد میں کامیابی پائی۔ اس بارے میں یوری پیدش ڈراما نویس کا یہ دکھانا کہ اُس نے لاشوں کو لڑکر زبردستی حاصل کیا، صحیح نہیں ہے، اور مورخین کی بڑی تعداد اس کے خلاف بیان کرتی ہے، فیلوکورس یہ بھی اضافہ کرتا ہے کہ لاشیں واپس لینے کے متعلق یہی پہلا عہدنامہ تھا۔ مگر ہرقل کے حالات سے پایا جاتا ہے کہ سب سے پہلے اُس نے اپنے دشمنوں کو یہ اجازت دی تھی کہ وہ اپنے مقتولین کو اٹھا لے جائیں، بہرحال یوری پیدش کا بیان غلط ہے اور اسکائی لس بھی اپنے ڈرامے میں اس کی تردید خود تھی سی اس کی زبان سے کراتا ہے +

تھی سی اس کے دوستوں میں سب سے نامور پری طوس ہے۔ اور ان کی اس مشہور دوستی کا آغاز اس طرح پر بیان کیا جاتا ہے کہ جب تھی سی اس کا شہرۂ شجاعت سارے یونان میں پھیل گیا تو پری طوس کو اس کی خود آزمایش کا شوق ہوا۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے اس نے تھی سی اس کے بیلوں کا گلہ پکڑلیا۔ اور اُنھیں میراتھان سے ہنکائے لیے جاتا تھا کہ تھی سی اس کے تعاقب میں آنے کی اطلاع ملی۔ یہ سن کر پری طوس مقابلہ کرنے

وہیں ٹھیر گیا۔ لیکن جوں ہی وہ ایک دوسرے کے سامنے آئے اور نگاہ چار ہوئی، دونو کے دل میں اپنے حریف کی وقعت جاگزیں ہو گئی، اور وہ ایک دوسرے کے حسن و رعنائی پر مفتوں ہو گئے! اس وقت پیری طوس نے سبقت کی اور تھی سی اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا کے کہنے لگا، اس معاملے میں تمھیں میرے قاضی ہو اور جو تاوان مجھ پر ڈالوگے میں بخوشی منظور کر لوں گا۔ لیکن تھی سی اس نے نہ صرف اس کا قصور معاف کر دیا بلکہ التجا کی کہ اس کا دوست اور جنگ کے موقع پر بھائی بن جائے، چناں چہ اُسی وقت انھوں نے دوستی کا عہد و پیمان کیا۔ اور پھر جب پیری طوس کی ڈوامیا کے ساتھ شادی ہوئی تو اُس نے تھی سی اس کو بھی مدعو کیا کہ اس موقع پر ضرور اس کے وطن آئے اور قوم لفیتی سے شناسائی پیدا کرے۔ اسی تقریب میں سنٹور قوم کے لوگ بھی مہمان تھے، اور شرابیں پی کر ایسے بدمست ہوئے کہ عورتوں کے ساتھ زیادتیاں کرنے لگے، جس کا میزبانوں نے خود ہی انتقام لیا اور بہتوں کو اُسی مقام پر قتل کر دینے کے علاوہ ایک میدانی لڑائی میں بھی مغلوب کیا اور ساری قوم کو اپنے علاقے سے نکال دیا۔ اس تمام تنازعے میں تھی سی اس ابتدا سے قوم لفیتی کے ساتھ رہا اور ان کی طرف سے کئی لڑائیاں لڑا؛ لیکن ہیروڈورس ان واقعات کو اور طرح بیان کرتا ہے۔ اس کے نزدیک تھی سی اس، لفیتی قوم کے پاس لڑائی شروع ہونے کے بعد تک نہ آیا تھا۔ اور یہ کہ اسی سفر میں وہ پہلی مرتبہ ہرقل سے ملاقی ہوا، جو اپنی تمام مشقتوں اور دشت نوردیوں کے بعد ٹراچیس میں آرام لینے کے لیے

مقیم ہوگیا تھا، اس بستی میں تھی سی اس نے اس کو بڑی جستجو اور تلاش سے ڈھونڈھ نکالا اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ بڑی عزت واحترام اور محبت سے پیش آئے ؛ بایں ہمہ زیادہ قابل یقین یہی ہو جو اوروں نے لکھا ہو کہ وہ ہرقل سے کئی مرتبہ پہلے مل چکا تھا اور اسی کی وساطت سے شہر الیوسس میں ہرقل کی یادگار کا آغاز ہوا تھا، جس میں ہرقل کے بعض افعال کی جو اس سے جوانی کے زور میں سرزد ہو گیے تھے، اول استغفار کرلی جاتی تھی ؛

اُس وقت جب کہ اُس نے ہیلین کو جس کی عمر ہنوز شادی کے لایق نہ ہوئی تھی، بھگایا۔ وہ (ملانی قس کے بقول) پچاس برس کا تھا۔ بعض مصنفین نے اس بدترین جرم کا الزام خفیف کرنا چاہا ہو اور لکھا ہو کہ تھی سی اس، ہیلین کو بھگا کے نہیں لایا تھا بلکہ ایڈاس اور لن سیوس نے اس کی عصمت دری کی تھی اور پھر تھی سی اس کی حفاظت میں دے دیا تھا اور اسی بنا پر جب پولکس اور کاسٹر نے مطالبہ کیا تو تھی سی اس نے اُسے حوالے کر دینے سے انکار کیا ؛ اسی پر منحصر نہیں، بعضوں نے یہاں تک بیان کیا ہو کہ خود ہیلین کے باپ ٹنڈارس نے اپنی بیٹی اس کی حفاظت میں بھجوا دی تھی، کیوں کہ اُسے ایک اور شخص اینارو فورس کا خوف تھا جو عجب نہ تھا کہ اُسے صغرسنی ہی میں زبردستی لے جاتا، لیکن سب سے زیادہ یقینی بیان، جس کے بہت سے گواہ ہیں، حسب ذیل ہی :

تھی سی اس اور پیری طوس دونو مل کر اسپارٹہ گئے اور اس وقت کہ یہ کم سن لڑکی ڈمی آنا کے مندر میں رقص کر رہی تھی،

اُنھوں نے اس کو پکڑ لیا اور فرار ہو گئے۔ اسی وقت مسلح سپاہی ان کے تعاقب میں روانہ کیے گئے لیکن انھوں نے صرف نیگیبا تک پیچھا کیا اور جب پی لوپیہ کی حدود طے کر کے تھی سی اس اور پیری طوس خطرے سے نکل گئے تو اُنھوں نے باہم یہ اقرار کیا کہ ان دونوں میں سے ہیلن تو زوجیت میں اس کو ملے جس کے نام قرعہ پڑ جائے مگر ساتھ ہی وہ اپنے دوسرے دوست کی بھی ایک اور محبوبہ حاصل کرنے میں اعانت کرے، جب قرعہ ڈالا گیا تو وہ تھی سی اس کے نام نکلا اور چوں کہ ہیلن ابھی شادی کے لائق نہ تھی لہٰذا اس نے قصبۂ افیدلنی میں اپنے ایک حلیف افیدنوس کے پاس اُسے چھپا دیا، پھر اپنی ماں اتھرا کو بھی وہیں بلوا لیا کہ اس کی غور پرداخت کرے اور افیدنوس سے تاکید کر دی کہ ان دونوں کو بالکل مخفی اپنی نگرانی میں رکھے۔ یہ کام ہو چکا تو وہ اپنے دوست پیری طوس کی ہمراہی میں، اسی قسم کی خدمت انجام دینے، اپیرس روانہ ہوا کہ مولوسی قوم کے بادشاہ کی بیٹی وہاں سے اڑا لی جائے۔ اس بادشاہ کا نام ایدونیس یا پلوٹو تھا اور اس نے شرط مقرر کی تھی کہ جو کوئی اس کی بیٹی گورا سے شادی کرنا چاہے وہ اس کے خونخوار کتے سے کشتی لڑے، جس کے مغلوب کرنے پر اس کا وعدہ تھا کہ اپنی بیٹی بیاہ دے گا؛ لیکن پیری طوس اور اس کے ساتھی کے ارادوں کا حال اس پر کھل گیا کہ یہ لوگ شادی کرنا نہیں چاہتے بلکہ اس کی بیٹی کو بھگا لے جانے کے ارادے سے آئے ہیں، یہ اطلاع پاتے ہی اس نے ان دونوں کو گرفتار کرا لیا اور پیری طوس کو تو اپنے کتے کے آگے ڈال کے پھڑوا دیا، مگر تھی سی اس کو زندہ قید میں رہنے دیا۔

اسی زمانے کے قریب ہنس تیوس نے ایتھنز میں لوگوں کو اشتعال دینا شروع کیا - تاریخ میں وہی پہلا شخص ہے، جس نے عوام کو خوش کرنے اور ان میں ہر دل عزیزی حاصل کرنے کی کوشش کی اس نے شہر کے ان بارسوخ لوگوں کو بھی اشتعال اور جوش دلایا جو تھی سی اس کی طرف سے دل میں کینہ رکھتے تھے، اور سمجھتے تھے کہ اس نے ہمیں اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور حکومتوں سے محروم کر کے ایک شہر میں بند کر دیا ہے اور اب ہمارے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے، جیسے ادنیٰ رعیت یا غلاموں کے ساتھ کیا جاتا ہے؛ دوسری طرف ہنس تیوس نے ادنیٰ درجے کے لوگوں میں بھی یہ کہہ کے شورش پیدا کی کہ جس خیالی آزادی کے دھوکے میں تم یہاں آئے نہ وہی ملی اور نہ اپنی پہلی آزادی ہی باقی رہی - وطن اور مذہبی مراسم کا چھٹنا اس کے علاوہ ہے - اور سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ خود اپنے نیک دل اور بہت سے مہربان حاکموں کے بجائے تم نے اپنے تئیں ایک ایسے شخص کی غلامی میں دے دیا - جو محض اجنبی اور نووارد پردیسی ہے! انھی ایام میں اس کی کوششوں کو تقویت دینے کے لیے یہ قدرتی سامان پیدا ہو گیا کہ کاسٹر اور پولکس فوجیں لے کر ایتھنز پر چڑھ آئے۔ بلکہ بعضوں کا بیان ہے کہ یہ کارروائی بھی خود ہنس تیوس کی سعی و ترغیب سے ہوئی تھی - بہرحال اوّل اوّل دونوں نے کوئی جنگی کارروائی نہیں کی بلکہ صرف اپنی بہن ہیلن کا مطالبہ کیا - مگر جب شہر والوں نے اس کے متعلق قطعی لاعلمی ظاہر کی تو انھوں نے حملے کی تیاریاں کیں - اس وقت نہ معلوم کس طرح اکیڈیمس کو یہ راز معلوم ہو گیا، اور اس نے حملہ آوروں پر اس کا انکشاف کر دیا کہ ہیلن شہر افیدنیٰ میں چھپا دی گئی ہے + اسی

انشائے راز کے باعث نہ صرف زندگی بھر اکیڈیمس کی اہل اسپارٹہ میں قدر و منزلت ہوتی رہی، بلکہ عرصۂ دراز کے بعد بھی جب اُنھوں نے اٹیکا پر حملے کیے اور اتھنزیوں کے تمام علاقے تاخت تاراج کر دیے تو موضع اکیڈیمی کو جس کا بانی یہی اکیڈیمس تھا، اُنھوں نے اس کی وجہ سے برباد و خراب نہ کیا :؛ لیکن دیک یارجس لکھتا ہو کہ کاسٹر اور پولکس کی فوج میں دو آرکیڈیہ کے باشندے بھی تھے، جن میں سے ایک کا نام ایشی دِش اور دوسرے کا میراتھس تھا اور وہ گانو جو اب اکیڈیمی یا اکیڈیمیہ کہلاتا ہو دراصل پہلے اسی ایشی دیمش کے نام پر ایشی دیمیہ کہلاتا تھا۔ اسی طرح موضع میراتھان اس کے دوسرے ساتھی کے نام پر آباد کیا گیا تھا، جس نے کسی الہامی قول کے پورا کرنے کی خاطر لڑائی سے قبل خود اپنے تئیں بھینٹ چڑھنے کے لیے پیش کر دیا تھا :؛ القصہ جب یہ حملہ آور قصبہ افیدنی کے سامنے پہنچے تو پہلے ایک میدانی لڑائی ہوئی اور اس میں غلبہ پانے کے بعد اُنھوں نے قصبے کو یورش کر کے فتح کر لیا۔ اسی مقام پر کہتے ہیں الیاگس مارا گیا تھا، اور مگادا میں اس کا مدفن اب تک الیاگس کہلاتا ہو :؛ ہیریاس نے لکھا ہو کہ اس کا قتل خود تھی سی اس کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اور اس قول کی تائید میں یہ شعر بھی نقل کیا ہو کہ :

" ہوا، تنازعۂ ہیلن میں، قتل الیاگس
افیدنی کے مقابل بدست تھی سی اس "

مگر یہ کسی طرح قرین قیاس نہیں ہو کہ جب افیدنی کی تسخیر اور اس کی ماں کی گرفتاری عمل میں آئی تو تھی سی اس وہاں موجود تھا۔ غرض

جب یہ قصبہ فتح ہو گیا تو شہر ایتھنز میں بڑی ہل چل مچی ۔ لیکن منس تیوس نے لوگوں کو سمجھایا کہ کاسٹر اور پولکس کو دشمنی ہو تو تھی سی اس کے ساتھ جس نے ان کو نقصان پہنچایا ۔ ورنہ اپنے بنی نوع کے وہ سچے ہمدرد اور محسن ہیں ، لہٰذا شہر کے دروازے کھول کر ان کا خیر مقدم اور دوستانہ خاطر مدارات کرنی چاہیے ۔ اور واقعی حملہ آوروں کے طرز عمل نے ان اقوال کی تصدیق کر دی ۔ یعنی جب وہ شہر پر بالکل قابض ہو گئے ، تو انھوں نے سوائے اس کے کوئی مطالبہ نہیں کیا کہ ہمارا بھی اسی طرح اعزاز کیا جائے جس طرح ہرقل کا ہوتا ہو ، کیوں کہ شہر سے ہمارا اتنا ہی تعلق ہو جتنا کہ ہرقل کا تھا ؛ ان کی یہ خواہش بہ آسانی پوری کر دی گئی ، اور جس طرح ہرقل کو پائے لیوس نے پسر خواندہ بنا لیا تھا ان کو افیدنوس نے اپنا بیٹا بنایا ۔ پھر ایک نیا نام دے کر لوگوں نے ان کی دیوتاؤں کی حیثیت سے بھی پرستش کی ۔

بعض لوگوں کا قول ہو کہ تھی سی اس کی ماں یہاں سے گرفتار ہو کر اسپارٹہ لائی گئی اور پھر ہیلن کے ہمراہ ٹروائے بھیج دی گئی ۔ اس کے ثبوت میں وہ ہومر کا ایک مصرعہ پیش کرتے ہیں جس سے اتھرا کا ہیلن کی خدمت میں رہنا نکلتا ہو ۔ مصرعہ یہ ہو کہ :۔

" لمبی آنکھوں کی کلمن اور پتھی اس کی بیٹی اتھرا "

لیکن اوروں نے اس سے انکار کیا ہو کہ یہ مصرعہ ہومر کا ہو اور وہ اس قصے کو بھی صحیح نہیں مانتے کہ منچوس کو اتھرا نے ٹروائے میں پرورش کیا تھا ؛ لیکن اتھرا کے متعلق اپنی قدیم تاریخ کی تیرھویں فصل میں الیسٹر نے جو کچھ لکھا ہو وہ سب سے الگ ہو ۔ اس کا بیان یہ ہو کہ

شاہ پیرس کو تھسلی میں ایک ندی کے قریب شکست ہوئی مگر ہکٹر نے بڑھ کر اہلِ ٹریزن کے شہر پر قبضہ کرلیا اور اس کو برباد کردیا اور یہیں اتھرا کو بھی گرفتار کیا، لیکن معلوم ہوتا ہو کہ یہ افسانہ بالکل بے بنیاد ہو ؛

اب یہ واقعہ پیش آیا کہ ہرقل کی اہل مولوسیہ کے شہر سے گزرتے وقت وہاں کے بادشاہ نے مہمانی کی اور "تذکرۃً" تھی سی اس اور پری طوس کے اپنے ملک میں آنے کا حال بھی بیان کیا کہ وہ کس طرح کورا کو بھگانے کے ارادے سے یہاں پہنچے تھے اور پھر گرفتار و سزایاب ہوئے۔ یہ سُن کر ہرقل کو پری طوس کی افسوس ناک موت اور تھی سی اس کی گرفتاری کا نہایت رنج ہُوا اور یہ سوچ کر کہ پہلے کی نسبت اب شکوہ ء شکایت بیکار ہی، اس نے صرف تھی سی اس کے لیے التجا کی کہ اُسے میری خاطر سے رہائی دے دی جائے۔ چناں چہ بادشاہ نے یہ درخواست اپنی عنایت سے منظور کرلی اور تھی سی اس آزاد کر دیا گیا۔ وہاں سے چھوٹنے کے بعد وہ سیدھا ایتھنز آیا، جہاں ابھی تک اس کے کچھ رفیق موجود تھے۔ پھر شہر کے تمام مذہبی مقامات کو جو خود اس کی یادگاریں تعمیر کیے گئے تھے، اس نے ہرقل کے نام سے منسوب کردیا اور فلوکورس کی روایت کے بموجب سوائے چار کے، سب کے نام بدل کر تھیسیہ کے بجائے ہرقلیہ رکھ دیے۔ لیکن جب اس نے پہلے کی طرح چاہا کہ حکومت میں اُسے سرداری کا درجہ دیا جائے، تو اُسے سخت دشواریوں اور فرقہ بندیوں کا سابقہ پڑا، جو لوگ بہت مدت سے اس کے ساتھ نفرت رکھتے تھے، وہ اب اُسے بے وقعت بھی سمجھنے لگے تھے اور لوگوں کی طبیعتیں عام طور پر ایسی بگڑ گئی تھیں کہ احکام کی تعمیل کرنے کے بجائے اب وہ متوقع تھے کہ ان کی

ہر فرض کے انجام دینے کے لیے خوشامد کی جائے۔ تھی سی اس کے دل میں اُنھیں جبراً مغلوب کرنے کا خیال بھی آیا، لیکن وہ مختلف گروہ بندیوں سے اور چرب زبان تقریریوں سے عاجز آگیا اور جب دیکھا کہ ایتھنز میں معاملات حسب منشاء روبراہ ہونے کی مطلق امید نہیں، تو اپنے بچوں کو اس نے خفیہ طور پر یوبیہ میں الیفی نور کے پاس بھجوا دیا۔ اس کے بعد موضع گرگٹس میں اہل ایتھنز کو دل سے بد دعا دے کر وہ جزیرہ اسکا ہی دوس کو روانہ ہوگیا، جہاں اس کے باپ نے کچھ زمینیں چھوڑی تھیں اور جہاں کے لوگوں سے اُسے دوستانہ سلوک کی توقع تھی۔ وہ جگہ جہاں گرگٹس میں اس نے بد دعا دی تھی، شکستہ حالت میں اب تک باقی ہو اور "اراتریون" یعنی "مقام بد دعا" کے نام سے موسوم ہو۔

اسکا ہی دوس میں اُن دنوں لکومیدش بادشاہ تھا۔ اس کے پاس تھی سی اس نے جاکر درخواست کی کہ میری زمینیں میرے قبضے میں دے دی جائیں کہ اب میں یہیں سکونت کرنی چاہتا ہوں۔ ایک روایت ہو کہ اُس نے لکومیدش سے اہل ایتھنز کے خلاف اعانت چاہی تھی۔ لیکن لکومیدش نے یا تو اس کی ناموری کے حسد سے یا منس تیوس کو خوش کرنے کی خاطر، اس کی زمینیں دکھانے کے بہانے اپنے ہاں کی سب سے بلند پہاڑی پر لے جاکر اُسے سر کے بل دھکا دے دیا۔ اور اس طرح اس کی جان لی۔ بعضوں کا بیان ہو کہ وہ کھانا کھانے کے بعد حسب عادت ٹہل رہا تھا کہ خود اُس کا پاؤں پھسل گیا اور وہ گر کے مرگیا۔ بہر حال اس وقت اس کی موت پر کسی نے توجہ نہ کی اور منس تیوس نے خاموشی کے ساتھ حکومت ایتھنز اپنے قبضے میں کرلی۔ تھی سی اس کے بچے گم نام حالت میں

پرورش پاتے رہے۔ اور محاربہ ٹراجن میں الیفی نور کے ساتھ شریک جنگ ہوئے۔ لیکن جب ہنس تیوس اس جنگ میں مرگیا تو یہ ایتھنز چلے آئے اور اپنے باپ کی سلطنت دوبارہ حاصل کرلی +

بعد میں جہاں اور کئی سبب ہوئے کہ اہل ایتھنز نے تھی سی اس کو نیم دیوتا بنا کے پوجنا شروع کیا، وہاں یہ واقعہ بھی یادگار ہو کہ عرصہ دراز کے بعد جب ایرانیوں نے یونان پر چڑھائی کی اور میرا تھان کا عظیم الشان رن پڑا تو اکثر سپاہیوں کو یہ یقین ہوگیا تھا کہ اُنھوں نے تھی سی اس کی مسلح شکل (یا پرچھائیں) کو اس شان سے دیکھا کہ ان کے آگے آگے دشمنوں پر حملہ آور ہو رہی ہی۔ اور جب یہ لڑائیاں ختم ہوئیں تو فیڈو کے زمانۂ حکومت میں ڈیلفی کے مندر سے لوگوں نے مشورہ لیا اور دیوتا کی طرف سے یہ حکم پایا کہ تھی سی اس کی ہڈیاں جمع کی جائیں اور انھیں ایک پاکیزہ مقام پر محفوظ کر دیا جائے۔ لیکن ان ہڈیوں کا پتہ چلنا بہت دشوار تھا، خصوصاً جزیرۂ اسکائی روس کے جاہل باشندوں کی وحشیانہ ضد اور درشت طبائع کی وجہ سے یہ جستجو کرنی بھی مشکل تھی کہ اس کی نعش یا ہڈیاں کس جگہ دفن ہوئیں۔ بایں ہمہ ایک عرصے کے بعد، جب کائمن نے اس جزیرے کو فتح کیا (جس کی تفصیل اس کی سوانح عمری میں مذکور ہی) اور نہایت خواہش مند ہوا کہ تھی سی اس کی قبر کا کسی طرح سراغ مل جائے تو ایک دن اتفاقیہ اُس نے کسی عقاب کو ایک بلند ٹیکری پر چونچیں مارتے اور پنجوں سے زمین پھاڑتے دیکھا۔ اس وقت دفعتہً اُس کے دل میں یہ بات آئی، جیسے الہام ہوتا ہی کہ اسی مقام کو کھود کر تھی سی اس کی نعش تلاش کی جائے! چنانچہ اس جگہ ایک غیر معمولی جسامت کے آدمی کی لاش کفن

میں لپٹی ہوئی ملی، جس کے پاس ایک تلوار اور برچھی کا پھل رکھا ہوا تھا۔ ان سب کو کائمن نے اٹھوا کر اپنے جہاز پر رکھوا دیا اور اپنے ساتھ ایتھنز لایا۔
اس خبر کو سن کر ایتھنز میں بڑی خوشیاں منائی گئیں، اور تمام اہل شہر جلوس بنا کے قربانیاں کرتے ہوئے اس لاش کے استقبال کو اس شوق کے ساتھ گئے گویا خود زندہ تھیسی اس کی پیشوائی کو چلے ہیں۔ اب یہ لاش شہر کے وسط میں موجودہ جمنازیم کے قریب مدفون ہو۔ اس کا مقبرہ اب تک غلاموں کی اور ان سب ادنیٰ درجے کے لوگوں کی جائے پناہ ہو، جو اہل اقتدار کے مظالم سے بھاگتے ہیں اور اس یادگار کو تازہ کرتے ہیں کہ وہ جب زندہ تھا تو ہمیشہ مظلوموں کی حمایت اور دست گیری کیا کرتا تھا اور کبھی ان مصیبت زدوں کی جو اس کی پناہ میں آجاتے درخواست رد نہ کرتا تھا۔
اس کے اعزاز میں سب سے بڑی اور پُر احترام قربانی ماہ پیانپسیان کی آٹھویں تاریخ کی جاتی ہو کیونکہ اسی روز وہ ایتھنزی قیدیوں کو لے کر کریٹ سے واپس آیا تھا۔ علاوہ ازیں وہ ہر آٹھویں تاریخ اس کے نام پر نذر نیاز کرتے رہتے ہیں جس کی وجہ یا تو یہ ہو کہ ڈیوڈورس جغرافیہ نویس کے بقول ٹروزن سے اس کی آمد کی تاریخ ہکاٹومبیان مہینے کی آٹھویں تھی اور یا لوگوں نے اس کے لیے اس واسطے مخصوص کر دی ہو کہ وہ نپچون دیوتا کا بیٹا مشہور تھا اور نپچون کی نذر نیاز کا دن یہی تاریخ ہو، کیوں کہ آٹھ کا ہندسہ جو پہلے جفت (یعنی دو) کا مکعب اور پہلے مربع (یعنی چار) کا دگنا ہو، اسی دیوتا کی زبردست قوتِ استحکام و استقامت کا نشان سمجھا جاتا ہو، اور اسی بنا پر اس کو اسفالیئس اور گیوچس کے القاب سے یاد کرتے ہیں، جن کے معنی زمین کو قائم و استوار رکھنے والے کے ہیں۔

رُومیولس

شہر رومہ (یا روما) جس کا نام شوکت و جلال کا مظہر ہے۔ تاریخ
سے نہیں پتہ چلتا کہ کس نے آباد کیا۔ اور کیوں آباد کیا: ایک قول یہ
ہے کہ قوم پلے سی جی نے جب صحرا نوردی ترک کی تو وہ اس مقام پر
بسے اور اپنی قوم کی برگزیدگی ظاہر کرنے کے لیے بستی کا نام رومہ
رکھا (رومہ قدیم لاطینی میں قوت و چیرہ دستی کو کہتے ہیں) بعض مؤرخ
کہتے ہیں کہ نہیں، یہ غلط ہے۔ بلکہ جب پُرانی دنیا کا مشہور و معروف شہر
ٹروائے مفتوح ہُوا تو جو لوگ موت کے گھاٹ اُترنے سے بچے۔ وہ
بھاگ کر جہازوں میں چھپے اور سمندر میں جدھر منہ اٹھا چل پڑے
ہَوا نے ان بیکسوں کی یاوری کی اور یہ بیڑا سمندروں کی لہروں سے
لڑتا بھڑتا ساحل ٹسکنی پر پہنچا اور وہیں لنگر ڈال دیا: سمندر
کے سفر اور بھوک پیاس نے ان سب کو مضمحل کر دیا تھا، خصوصاً عورتیں
بہت ہی تھک گئی تھیں۔ اور اپنی بے سروسامانی سے زیادہ بحری سفر کو
کوس رہی تھیں: انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ کسی طرح اپنے مردوں
کو زمین ہی پر روک رکھیں اور جہازی سفر کا جھگڑا چکا دیں۔ پس رومہ
نے جو حسب و نسب اور عقل و ذہانت میں اپنی ساری ساتھ والیوں
سے ممتاز تھی، یہ راہ نکالی کہ مردوں کو اطلاع دیے بغیر بیڑے کو آگ
لگا دی جائے۔ چنانچہ سب نے مل کر یہی کیا۔ اور ہر ایک جہاز میں آگ
لگا دی۔ ان کے مرد پہلے تو بہت برافروختہ ہوئے۔ مگر آخر ہار جھک مار کر

اسی نتیجے پر پہنچے جو عورتوں نے سوچا تھا۔ اُنھوں نے پلاٹی اُم کے پاس اپنے ڈیرے ڈال دیے۔ اور خلاف توقع بڑی خوش حالی سے بسر کرنے لگے۔ بات یہ ہوئی کہ ملک زرخیز تھا۔ اور اہل ملک مہماں نواز۔ اسی لیے نئے آنے والوں کی محنت نے بہت جلد اُنھیں غنی کردیا ۔ اس طرح کہا جاتا ہے کہ رومہ اس شہر کی بانی ہوئی ۔ اور اسی کے نام سے وہ بستی رومہ کہلانے لگی ۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ عورتوں کا اپنے خاوندوں اور عزیزوں کو بوسہ دینا اُسی زمانے کی رسم ہے۔ اور اس کی اصلیت یہ ہے کہ جب ٹروائے کا بیڑا جلا۔ تو عورتوں نے اپنے مردوں کے غصے کو فرو کرنے کے لیے اسی قسم کے پیار و اخلاص کا برتاؤ کیا تھا ۔

مورخوں نے رومہ کے نسب میں اختلاف کیا ہے کوئی کہتا ہے کہ وہ اطالوس اور لوکیریہ کی بیٹی تھی۔ کسی کا بیان ہے کہ ہرقل کے بیٹے تلافوس کی بیٹی اور اینس یا ابینس کے بیٹے اسکانس کی بیوی تھی ۔ بعضوں کا قول ہے کہ رومہ کا بنانے والا الی سیز اور سرسی کا بیٹا رومانوس ہے؛ بعض کہتے ہیں کہ روموس جو قوم لاطینی کا بادشاہ تھا۔ اور تھسلی سے لڈیہ اور لڈیہ سے اٹلی میں آیا تھا، اس نے ترھینی لوگوں کو نکال کر یہ شہر بنایا ہے ۔ ان اختلافات کا سلسلہ یہیں تک نہیں ہے بلکہ وہ تمام مورخ جن کا قیاس ہے کہ رومہ کا بانی رومیولس ہے۔ وہ بھی رومیولس کے نسب میں متفق نہیں ۔ ان میں سے بعض کا قول یہ ہے کہ رومیولس کے والدین اینس اور فوربس کی بیٹی ڈکسی تھیا تھے اور شیر خوارگی کے زمانے میں وہ (رومیولس) اور اس کا بھائی ری مس اٹلی میں بھیج دیے گئے تھے۔ اس سفر میں تمام جہاز طوفان سے تباہ

ہوگئے مگر صرف ایک کشتی جس میں یہ دونو بھائی سوار تھے بچ گئی - اور
جھکولے کھاتی ہوئی کنارے آ لگی - ان ہی خوش نصیب بچنے والوں کے
نام پر یہ جگہ رومہ کہلائی + اور بعض کہتے ہیں کہ رومیولس اسی
رومہ کا بیٹا ہی جس نے ٹروائے کا بیڑا جلایا تھا + ان بیانات کے
علاوہ کچھ اور قول بھی ہیں، جن میں رومیولس کے حسب و نسب کا ذکر کیا
گیا ہی - لیکن یہ بے سروپا افسانوں سے زیادہ وقیع نہیں ؛ مثلاً مشہور
ہی کہ البا کا کوئی بادشاہ ترشی تس بڑا ظالم اور بے رحم گزرا ہی - اس
کے سامنے ایک دن ایسا ہوا کہ یکایک ایک صورت آتش دان میں سے
نکل کر کھڑی ہوگئی اور کئی دن تک کھڑی رہی - جب ترشی تس نے
ٹس کنی کے سب سے بڑے معبد میں یہ خبر بھیج کر استخارہ کرایا تو یہ جواب
ملا کہ اس بھوت کو کنواری لڑکی کی بھینٹ دینی چاہیے - اس سے ایک
لڑکا پیدا ہوگا جو شجاعت اور اقبال میں دنیا کے نام آوروں پر فوق لے
جائے گا - ترشی تس نے اس بات کا ذکر خود اپنی ایک بیٹی سے کیا اور
حکم دیا کہ وہ اس بھوت کے پاس چلی جائے - مگر یہ لڑکی اس بات پر
رضا مند نہ ہوئی اور اس نے اپنی جگہ اپنی خواص کو بھیج دیا - ترشی تس
اپنے حکم کی خلاف ورزی پر بہت جھلایا اور غصے سے ان دونوں عورتوں کو
قید میں ڈلوا دیا - وہ اُنھیں مروانا چاہتا تھا - لیکن خواب میں وستا دیوی
نے اس بات سے منع کیا اور کہا کہ ان کو قید ہی میں ایک کپڑا بُننے کی سزا
دی جائے اور جب وہ بن چکیں تو ان کو بیاہ دیا جائے - مگر ترشی تس
اتنی رعایت بھی نہ چاہتا تھا، اس نے یہ سزا دی کہ دن بھر میں جتنا کپڑا
بُنا جاتا - وہ رات کو اپنے نوکروں سے دوبارہ کھلوا دیتا +

اسی عالم میں اس خواص کے دو جڑواں لڑکے پیدا ہوئے۔ جنھیں ترشی تس نے اپنے کسی نوکر مسمی ترانس کے حوالے کیا کہ ہلاک کر دے۔ مگر ترانس نے ان بچوں کو لے جاکر دریا کے کنارے ڈال دیا۔ جہاں ایک مادہ گرگ اُنھیں آکر دودھ پلا جاتی تھی، اور پرندے ان کو بھرا بھی دیا کرتے تھے؛ حتےٰ کہ ایک گڈریے نے یہ تماشا دیکھا اور ڈرتے ڈرتے دونوں بچوں کو اٹھاکر اپنے گھر لے آیا۔ یہی بچے جب جوان ہوئے۔ تو انھوں نے ترشی تس پر حملہ کیا اور اس پر غالب آئے؛ یہ ہو وہ افسانہ جسے پیرومٹےتھین نے بیان کیا ہو۔ اور یہ وہ شخص ہو جس نے اٹلی کی ایک تاریخ ترتیب دی ہو؛

لیکن وہ قصہ جس کے بیشتر حصے پر اکثر اہل تاریخ کو اتفاق ہو۔ سب سے اول دِیوکلیس نے یونانیوں میں شائع کیا تھا۔ اور فے بی اس پکٹر بھی اس کو مانتا تھا؛ معمولی اختلافات کو چھوڑکر اس کا خلاصہ یہ ہو۔ کہ شاہان البا، اینس کی اولاد میں تھے۔ اور ان کی نسل میں بادشاہت نومی ٹر اور امیولیس دو بھائیوں تک پہنچی۔ امیولیس نے اپنے مال ومتاع کو دو حصوں میں تقسیم کرنا چاہا۔ اور ایک حصے میں بادشاہت رکھی، اور دوسرے میں تمام زر نقد و جواہرات رکھے، نومی ٹر نے بادشاہت لینی پسند کی لیکن امیولس جس کے حصے میں روپیہ آیا تھا۔ تھوڑے ہی دن میں سلطنت کا بھی مالک بن بیٹھا۔ کیوں کہ فقط ملک لے کر بھائی اس کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا؛ نومی ٹر کے ایک بیٹی بھی تھی جس کا نام ایلیہ یا ریا یا سلویہ تھا؛ امیولیس ڈرا کہ کہیں اس لڑکی کی آیندہ اولاد حریف سلطنت نہ ہو۔ پس اس نے اسُ کو حکماً مرلی بنوادیا۔ تاکہ وہ مدت العمر کنواری رہے، مگر کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ یہ لڑکی حاملہ پائی گئی۔

جو مذہبی قانون کے سرتاسر خلاف تھا، اور جس کی سزا موت تھی ۔ بے شبہ
سلویہ ان تمام عقوبتوں کا شکار ہوتی اگر خود بادشاہ کی بیٹی اپنے باپ
سے سفارش نہ کرتی ۔ تاہم اتنی سزا ضرور دی گئی کہ سلویہ کو حراست
میں لے لیا گیا اور لوگوں سے ملنے جلنے کی ممانعت کر دی گئی تاکہ اس کے
ہاں بادشاہ کی بے خبری میں بچّہ نہ ہو جائے ۔ جب حمل کے دن پورے
ہوئے تو سلویہ کے دو بچے پیدا ہوئے، جو حُسن اور قدوقامت کے
لحاظ سے بالکل غیر معمولی تھے ۔ اب الیمولیس اور بھی ڈرا اور اُس
نے اپنے ایک نوکر کو حکم دیا کہ انھیں جنگل میں پھینک آئے ۔ اس شخص
کا نام فاسٹولس بیان کیا جاتا ہے ۔ بعض کہتے ہیں فاسٹولس وہ
شخص ہے، جس نے ان کی پرورش کی ۔ غرض وہ جو کوئی بھی ہو، ان
معصوم بچّوں کو ایک مٹکے میں رکھ کر دریا کی طرف پھینکنے کو چلا ۔ لیکن
دریا چڑھاؤ پر تھا اور اُس کے غرّاٹے نے اُسے اس قدر دہشت زدہ
کیا کہ پاس جانے کی جرأت نہ ہوئی، اور وہ بچّوں کو کنارے پر ڈال
گیا ۔ دریا نے بڑھ کر مٹکے کو بہادیا اور بہاتے بہاتے ایک قطعہ زمین
پر پہنچا دیا ۔ جسے اب سرمانس کہتے ہیں ۔ یہ جگہ پہلے جرمانس کہلاتی
تھی اور اس کی اصل غالباً "جرمانی" ہے ۔ جس کے معنی بھائیوں کے ہیں ۔
اس مقام کے قریب ایسا ہوا کہ ایک کھجور کا درخت اُگا، جسے
اب تک "رومی نالس" کہتے ہیں ۔ اور عوام میں مشہور ہے کہ یہ نام
رومیولس ہی کی وجہ سے اس کھجور کو دیا گیا تھا ۔ مگر دوسری وجہ تسمیہ
اس کی یہ ہے کہ اس کے سایے میں بھیڑ، بکری، گائے، بھینس
دھوپ سے بچ کر آ بیٹھتے تھے اور جگالی کرتے تھے، جسے اطالی

زبان میں " رومی نے ہنگ " کہتے ہیں ؛ لیکن ان سب سے بہتر وجہ تسمیہ لفظ روما معلوم ہوتی ہو، جس کے معنی تھن کے ہیں۔ گمان غالب ہو کہ رومیولس اور رمیس نے جو موشی کا دودھ پی کر یہاں پرورش پائی تو جگہ کا نام بھی تھن کی مناسبت سے رومی نالس ہوگیا۔ کیوں کہ ایک دیوی بھی اسی وجہ سے رومی لیا کہلاتی ہو کہ وہ شیرخوار بچّوں کی پالنے والی ہو اور اب بھی اس کی نیاز میں شراب کی جگہ دُودھ لنڈھاتے ہیں ؛

غرض یہ بچے یہاں تک دریا کے بہاؤ سے پہنچ گئے اور یہیں اُنھیں ایک مادہ گرگ دودھ پلاتی تھی اور کٹھ پھوڑا آن کر بھرا جاتا تھا؛ یہ دونو جانور مریخ دیوتا کے ہیر ہیں، اور کٹھ پھوڑے کی تو اب تک اٹلی والوں میں پوجا ہوتی ہو ؛ اس طرح گویا بچوں کی ماں کا کہنا ثابت ہوا کہ یہ بچے مریخ کی اولاد ہیں ؛ پھر بھی بہت سے لوگ اس بات کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ بہانہ تو امیولیس نے گھڑ لیا تھا اور وہ خود ہی مُسلح ہوکر سلویہ سے ہم بستر ہُوا تھا اگرچہ اس بیچاری کو یہی یقین آگیا کہ وہ جیسا دعویٰ کرتا ہو واقعی مریخ دیوتا ہو ؛

ایک دل چسپ روایت یہ بھی سُننے میں آئی ہو کہ مادہ گرگ سے پرورش پانے کی اصلیت کچھ نہیں، مگر بچّوں کی انّا کا مبہم نام کیوں کہ لاطینی میں مادہ گرگ کے لیے جو لفظ ہو یعنی " لُوپی " وہ عورتوں کے لیے بھی بولا جاتا ہو اور فاسٹولس کی بیوی لارن شیہ جس نے ان بچّوں کو پالا پوسا وہ بھی کچھ اسی قسم کی عورت تھی۔ رومی لوگ اب بھی اس عورت کے نام پر نیازیں کرتے ہیں اور اس تہوار کا نام لارنشین ہو۔

اسی سلسلے میں یہ بھی لکھ دینا چاہیے کہ اس نام کی ایک دوسری عورت بھی گزری ہو، جس کی نذر نیاز کی جاتی ہو۔ اس کا قصّہ یوں ہو کہ ہرقل دیوتا کے پجاری کو ایک دن خالی بیٹھے بیٹھے یہ سوجھی کہ آؤ دیوتا سے ایک بازی چوسر کی بدکر کھیلیں۔ اور جیت میں کوئی قیمتی تحفہ اس سے حاصل کریں۔ لیکن اگر دیوتا جیت جائے تو اس کے لیے عمدہ عمدہ کھانے پکوانے کے علاوہ ایک حسین عورت بھی پیش کی جائے۔ چناں چہ بازی بچھی اور کھیل شروع ہوا۔ اتفاق دیکھو کہ پجاری کا ہر پانسہ اوندھا پڑا۔ اور دیوتا کی بازی جیت گئی۔ شرط کا ایفا ضروری تھا، اس لیے پجاری نے دیوتا کے لیے دسترخوان بچھوانے کے علاوہ لارن شیہ کو جو اس وقت کمال حُسن پر تھی رُپے دے کر دیوتا کی خدمت کے واسطے منتخب کیا اور پلنگ بچھا کر مندر میں اُس کو تنہا بند کر دیا۔ کہتے ہیں کہ اس کا یہ سامان فی الواقع بیکار نہ گیا، بلکہ سچ مچ دیوتا لارن شیہ کے پاس آیا اور اس کو حکم دے گیا کہ صبح دم منڈی میں جو شخص سب سے پہلے نظر پڑے اسی کو سلام کر کے اپنا دوست بنا لے۔ چناں چہ اسی ہدایت کے مطابق اس کی شناسائی متروتیئس سے ہوئی، جو ایک مُسن اور خاصا دولت مند آدمی تھا اور تجرّد میں اپنی زندگی بسر کرتا تھا۔ وہ لارن شیہ کے ساتھ اچھی طرح پیش آیا اور مرتے وقت سارا مال اس کے نام چھوڑ گیا۔ اور لارن شیہ نے اس کثیر دولت کو اپنے وصیت نامے میں لوگوں کے لیے وقف کر دیا اور خود، عین اس جگہ جا کے غائب ہو گئی جہاں کہ پہلی لارن شیہ مدفون تھی۔ یہ جگہ وکابرم کہلاتی ہو اور اب تک اہلِ رومہ اس کو متبرک سمجھ کر وہاں نذر نیاز چڑھاتے ہیں۔

اب ہم اصل قصے کی طرف پھر رجوع کرتے ہیں کہ یہ دونوں بچے فاسٹولس کے ہاں جو امیولیئس کے سُور چراتا تھا پرورش پاتے رہے اور کسی کو اس بات کی خبر نہ ہوئی ۔ البتہ بعضوں کا یہ کہنا قرین قیاس معلوم ہوتا ہی کہ نومیٹر اس راز سے آگاہ تھا اور خفیہ طور پر ان کی (یعنی اپنے نواسوں کی) امداد کرتا رہتا تھا۔ کیوں کہ سُنا ہو ان کی تعلیم باقاعدہ گابی کے مدرسے میں ہوئی تھی اور وہ تمام امیرانہ فنون سے اچھی طرح واقف تھے۔ ان کے نام جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں اسی وقت سے رومیولس اور ریمس پڑ گئے تھے، جب سے کہ فاسٹولس نے اُنھیں مادۂ گرگ کا دودھ پیتے دیکھا تھا ۔ شیرخوارگی ہی میں ان کا حُسن اور قد و قامت ان کی عالی نسبی کے گواہ تھے اور بڑے ہوئے تب بھی جو کام وہ کر سکتے تھے دوسرا نہ کر سکتا تھا۔ اور ان کی ہمت اور بہادری سارے میں مشہور تھی ۔ مگر رومیولس جو کام کرتا تھا، اس کو بہت سوچ بچار کے اور لوگوں سے مشورہ لینے کے بعد کرتا تھا، نیز اس کی طرز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ حکومت سہنے کے لیے نہیں، حکومت کرنے کے لیے پیدا ہوا ہی ۔ چناں چہ ان دونو کے ساتھی اور ہمسایے تو سب ان سے محبت اور عزت سے پیش آتے تھے مگر بادشاہی چپراسی برقنداز یا کچہری کے ملازم ان کی نظروں میں بالکل معمولی آدمی تھے، اس لیے جب یہ لوگ حکومتیں جتاتے تو ان لڑکوں کو ان سے نفرت ہوتی تھی اور وہ ان کی کوئی بات نہ مانتے تھے ۔ وہ دونو سُستی اور کاہلی کو بھی پاس نہ پھٹکنے دیتے تھے اور دوڑ دھوپ کے مردانہ کھیل کھیلتے رہتے تھے، کبھی چوروں کو پکڑتے تھے، کبھی قزاقوں سے مقابلے

کرتے تھے اور کبھی کمزوروں کی حمایت میں ظالموں سے لڑتے تھے۔ اس طرح
دونوں کی بہت ناموری ہو گئی تھی ؛ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ نیومٹر
اور امیولیئس کے چرواہے آپس میں لڑ پڑے۔ اور جب نیومٹر والے
اپنے حریفوں کے مویشی ہنکا کے لے جانے لگے تو امیولیئس کے آدمیوں
سے (جن میں رومیولس اور ریمس بھی شامل تھے) برداشت نہ ہوئی بلکہ
اُنھوں نے حملہ کر کے سارے جانور چھین لیے اور ان سب کو مار مار کے
بھگا دیا ؛ یہ خبر نیومٹر کو پہنچی تو وہ بہت جھلّایا مگر یہاں کسی کو پروا
بھی نہ ہوئی بلکہ یہ سب چرواہے خاصی طرح سرکشی پر آمادہ ہو گئے اور
ایک جماعت بہت سے کنگلوں اور بھگوڑے غلاموں کی جمع کی ؛ مگر
اتفاق یہ ہوا کہ رومیولس تو کچھ مذہبی رسوم اور قربانیاں ادا کرنے میں
لگا ہوا تھا جن کا وہ طبعاً شائق تھا اور اُدھر ریمس تین چار ساتھیوں
کے ساتھ باہر گیا تھا کہ نیومٹر کے نوکروں کا ریمس سے آمنا سامنا ہو گیا
وہ تعداد میں زیادہ تھے ، ٹوٹ کے گرے اور تھوڑی سی لڑائی کے بعد ریمس
کو پکڑ کے اپنے آقا کے پاس لے گئے کہ یہی شخص فساد کی جڑ ہے ؛ اب
نیومٹر کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر میں بطور خود سزا دے دوں تو کہیں
میرا بھائی امیولیئس نہ ناراض ہو جائے۔ پس وہ اپنے بادشاہ بھائی
کے پاس پہنچا اور اس کے نوکروں کے تمرّد و سرکشی کی شکایت کر کے چاہا
کہ وہی ریمس کو سزا دے ؛ اور لوگوں نے بھی اس واقعے کو نیومٹر
کی ہتک سمجھا تھا وہ سب اس کے موافق تھے ، اس لیے امیولیئس کو
سوائے اس کے کچھ نہ بن پڑا کہ اپنے بھائی کو کامل اختیار سزا کا دے
دے ؛ ریمس دوبارہ نیومٹر کے مکان پر لایا گیا مگر ان واقعات سے

اس پر مطلقاً کوئی ہراس طاری نہ ہُوا تھا وہ ویسا ہی بے خطر ڈٹا کھڑا تھا اور اس کے حُسن وجمال کو اس کی بہادری نے بڑھا دیا تھا۔ اس قدر کہ نیومٹر بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور جب اس کی خدا داد جرأت و مردانگی کے اور قصّے سُنے جو آیندہ بڑے بڑے کاموں کی تمہید معلوم ہوتے تھے، تو گویا اتفاق سے اصل بات تک پہنچ گیا اور نرمی سے دریافت کیا کہ سچ بتاؤ تم کون ہو اور کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟ ریمس کی ہمت بڑھ گئی، وہ کہنے لگا کہ میں تم سے اصلیت بے کم وکاست ظاہر کردوں گا کیوں کہ تم مجھے امیولیئس سے زیادہ منصف مزاج شہزادے معلوم ہوتے ہو اور مجھے سزا دینے سے پہلے چاہتے ہو کہ تھوڑی بہت تحقیقات بھی کرلو۔ بات یہ ہے کہ پہلے تو ہم (ہم سے مراد میں اور میرا جوڑواں بھائی ہیں) اپنے کو فاسٹولس، اور لارن شیہ کی اولاد سمجھتے رہے، لیکن اب یہاں قید ہونے سے ذرا پہلے ہم نے عجیب عجیب باتیں سُنی ہیں جو کچھ تعجب نہیں کہ آج اچھی طرح سے کھل جائیں۔ کہتے ہیں ہماری پیدائش بالکل مخفی ہوئی تھی اور ہم ناند میں دریا کے کنارے پڑے تھے، مادہ گرگ ہمیں دودھ پلاتی تھی۔ اور کٹھ بھوڑا آن کر ہم کو بھرا جاتا تھا۔ چناں چہ یہ ناند ابھی تک پیتل کی پتیوں میں جڑی ہوئی موجود ہے، گو ان پتیوں پر جو کتبہ ہے وہ اب پڑھا نہیں جاتا، مگر ممکن ہے کہ ہمارے مرنے کے بعد یہ نشانیاں ہمارے والدین کی پہچان میں آئیں۔

نیومٹر نے جو یہ باتیں سُنیں اور اس کی عمر کا اندازہ لگا کے اپنے دل میں تاریخ ملائی تو شبہہ قوی ہوگیا اور وہ اب اس فکر میں ہُوا کہ کسی

طرح اپنی بیٹی سے (جو ہنوز قید میں تھی) ان تمام معاملات کے متعلق بات چیت کرے ؛

اُدھر کی سنیے کہ فاسٹولس نے جو ریمس کی گرفتاری سنی تو بھاگا ہوا رومیولس کے پاس گیا کہ جس طرح بنے بھائی کو رہا کرائے اور اسی وقت اس نے ان کی پیدائش اور پرورش کا حال بھی صاف صاف سنا دیا؛ پہلے بھی وہ اشارۃً ایسی باتیں بتا چکا تھا جن سے ذی ہوش آدمی بہت کچھ نتایج پیدا کر سکتا ہو، لیکن اس موقع پر اُس نے سب باتیں کھول دینے کا ارادہ کر لیا اور وہی ناند لے کر نیومٹر کے پاس دوڑا گیا کہ کہیں اس کے پہنچنے سے پہلے ریمس قتل نہ ہو جائے۔ لیکن شاہی محل کے دروازے پر جب سپاہیوں نے اُسے روکا اور سوال پر سوال کرنے شروع کیے تو وہ نہایت سراسیمہ اور دق ہُوا، حتیٰ کہ وہ ناند بھی جسے وہ چھپائے ہوئے تھا ان پر ظاہر ہو گئی ؛

اتفاقاً ان سپاہیوں میں ایک شخص وہ تھا، جو بچوں کے پھینکنے میں شریک تھا، اس کی وہ ناند دیکھی ہوئی تھی، وہ اصل بات کو تاڑ گیا چناں چہ اس نے بادشاہ کو اطلاع دی اور فاسٹولس کو بھی پکڑ دھکڑ کر اس کے روبرو پیش کر دیا۔ بچارے فاسٹولس کی جان اب بڑی مشکل میں پھنسی۔ نہ تو وہ اتنا بہادر ہی تھا کہ خوف زدہ نہ ہوتا اور نہ وہ اس قدر بودا تھا کہ آسانی سے راز افشا کر دیتا ؛ اتنی بات تو اُس نے ضرور ظاہر کر دی کہ وہ بچے زندہ سلامت ہیں، لیکن اس کے آگے یہ حاشیہ چڑھایا کہ اب وہ یہاں سے بہت دور مقام پر بکریاں چراتے ہیں ؛ اور اپنی نسبت کہنے لگا کہ میں تو صرف یہ ناند الیا (یا سلویہ) کے دکھانے

کے لیے لے جا رہا تھا کیوں کہ وہ اکثر اسے دیکھنے کی خواہش ظاہر کرتی تھی تاکہ اپنے بچوں کی سلامتی کی امید قوی ہو جائے +

جو لوگ گنہ گار ہوتے ہیں وہ غصّے یا ڈر میں کام بھی گھبرا کر اوندھے سیدھے کرنے لگتے ہیں۔ ایسا ہی کچھ حال امیولیئس کا ہوا۔ اس نے جلدی میں نیومٹر کے پاس جس شخص کو بچوں کے دریافت حال کو بھیجا وہ نیومٹر کا دوست اور سچا آدمی تھا، اس نے جو آکر دیکھا کہ رمیس اپنے بچھڑے ہوئے نانا سے ہم آغوش ہو رہا ہے، تو خود بھی ساری اصلیت کو پا گیا اور صلاح دی کہ جو کچھ کرنا ہے فوراً کرنا چاہیے :: اور واقعی وقت اتنا تنگ تھا کہ اب مزید توقف نہایت مخدوش تھا۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ اس اثنا میں رومیولس آگے بڑھا آ رہا تھا اور بہت سے لوگ جنھیں امیولیئس سے نفرت تھی، اس سے جا جا کے مل رہے تھے۔ علاوہ ازیں خود وہ اپنے ساتھ ایک فوج کی فوج لایا تھا، جس میں سَو سَو آدمیوں کے جُوق تھے اور ہر ایک کا سرگروہ لمبے لمبے بانس لیے ہوئے تھا، جن پر جھاڑیاں اور ٹہنیاں باندھی تھیں۔ ٹہنیوں اور جھاڑیوں کے جھنڈ کو لاطینی لوگ مانی پولی کہتے ہیں، اور اسی لیے اس وقت سے کپتانوں کو بھی مانی پولاری کہنے لگے :: اب رمیس تو اندر سے شہر والوں کو بغاوت پر اکسا رہا تھا اور رومیولس باہر سے حملے پر حملے کر رہا تھا امیولیئس اس موقع پہ گھبرا گیا، اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اور اسی بدحواسی کی حالت میں گرفتار ہو کر مارا گیا :: یہ ہے وہ قصّہ جس کا بیشتر حصّہ فیبیس اور ڈیوکلیس کی تاریخوں سے ماخوذ ہے +

روما کی بنیاد اور آبادی کا بیان سب سے پہلے انھیں نے کیا ہے،

اور گو بہت لوگ اس روایت کو افسانہ سمجھتے ہیں کہ اس میں بہت سی باتیں خلافِ عقل ہیں، لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ اہلِ روما کی حیرت خیز ترقیاں دیکھ کر یہ کہنا واجبی ہے کہ کیا تعجب ہے جو خدا نے ان کی ابتدا بھی مافوق العادت اتفاقات سے کی ہو، دوسرے تقدیری امور اکثر ایسے دیکھنے میں آئے ہیں، جن کو سمجھنے سے آدمی قاصر رہ جاتا ہے۔

جب املیوئیس کا قصّہ چک گیا اور سب معاملات صاف ہوگئے تو دونو بھائیوں نے اپنے نانا نیومٹر کی حیات ہیں، یہ کسی طرح گوارا نہ کیا کہ وہ اس علاقے کی جسے البہ کہتے تھے، حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ پس یہاں کی بادشاہی تو انھوں نے نانا ہی کو سونپی، اور اپنی ماں کو عزت و احترام سے رہا کر کے خود اس جگہ جہاں شیر خوارگی میں پرورش پائی تھی ایک شہر بنانے پر مستعد ہو گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ البہ میں رہ پڑتے تو وہ فوج در فوج لٹیرے اور مفرور غلام جو ان کے پاس اتفاقاً جمع ہوگئے تھے، وہاں دم نہ لیتے اور جہاں سینگ سماتا چل دیتے۔ لہٰذا اس جماعت کے لیے الگ ایک بستی کی تجویز نہایت موزوں تھی۔ کیوں کہ خود البہ والے بھی اس بات سے خوش نہ تھے کہ یہ جماعت ان میں آ کے رہے، اور اس کا ثبوت عورتوں کے لے بھاگنے سے بھی ملتا ہے، جس کا ذکر آگے آئے گا۔ یقیناً یہ حرکت محض اس مجبوری سے عمل میں آئی کہ ان کو خوشی سے کوئی بھلا آدمی اپنی بیٹی دینے پر رضامند نہ تھا۔

شہر کی بنیاد ڈالنے کے بعد ہی انھوں نے ایک مندر اسی لس دیوتا کا تعمیر کیا۔ یہ ہر قسم کے مجرم کے لیے ایک جائے پناہ تھی کہ جس میں

آنے کے بعد نہ آقا اپنے نوکر کو لے سکتا تھا، نہ قرض خواہ اپنے مقروض کو اور نہ مجسٹریٹ مفرور قاتل کو۔ کیوں کہ وہاں والے اس کو ایک مقدس مقام بتا کے کہتے تھے کہ ہمیں دیوتا نے یہی تاکید کردی ہو۔ چناں چہ اس بہانے سینکڑوں مجرم وہاں آ آ کے آباد ہوگئے، اور شہر جس میں پہلے ہزار گھر سے زیادہ نہ تھے، بہت جلد خوب آباد ہوگیا۔ تفصیل اس کی آگے آئے گی +

بعد ازاں دونو بھائیوں نے محلات وغیرہ کی تعمیر کا ارادہ کیا۔ لیکن جگہ کے معاملے میں ان میں اختلاف پیدا ہُوا۔ رومیولس تو کہتا تھا کہ شہر کی عمارتیں وہاں بنیں جہاں اب رومہ کا چوک واقع ہو۔ مگر ریمس کی رائے تھی کہ کوہ ایونٹاین اس کے لیے زیادہ موزوں ہو۔ اور قدرتی طور پر مستحکم مقام بھی ہو، اس اختلاف کا فیصلہ یہ ٹھیرا کہ پرندوں کی اڑان سے شگون لیا جائے اور جو شخص زیادہ پرندے ایک ہی دفعہ میں دیکھ لے اسی کی بات مانی جائے + چناں چہ دونو بھائی تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کھڑے ہوگئے۔ اس وقت کہتے ہیں کہ ریمس نے تو چھ[۶] گدھ دیکھے اور رومیولس نے بارہ[۱۲]۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نہیں یہ اس کا جھوٹ تھا، اور ریمس نے تو بے شک چھ[۶] دیکھے تھے مگر رومیولس نے بارہ[۱۲] اس وقت دیکھے، جب کہ شرط کا وقت جا چکا تھا؛ اسی لیے رومیوں میں شگون کے موقع پر گدھ کو خاص طور پر دیکھتے ہیں۔ اگرچہ ہیروڈورس مورّخ کا بیان ہو کہ اس سے بہت پہلے خود ہرقل کوئی کام کرتے وقت گدھ کو دیکھتا تو نہایت شادماں ہوتا تھا؛ بات یہ ہو کہ یہ جانور سب سے کم آزار ہو۔ پھل کے درخت، غلّہ، مویشی

یا کسی جان دار کو تکلیف نہیں پہنچاتا ، اور پرندوں کو تو مردہ ہو جائیں اُس وقت بھی نہیں کھاتا ، حالاں کہ اس قسم کے اور جانور شکرا ، باز، عقاب وغیرہ خود اپنے ہم جنسوں کو چیرتے پھاڑتے اور کھاتے ہیں۔ اسکائی لس کہتا ہی : ع

"وہ پرندہ جو اپنے ہم جنسوں کا
شکار کرے، کس طرح پاک ہو سکتا ہی"

اس کے علاوہ اور پرندے ہمیشہ نظر آتے رہتے ہیں مگر گدھ کی یہ بات نہیں ، خصوصاً اس کے بچے تو شاذ و نادر ہی کسی نے دیکھے ہوں گے ۔ یہی کم نمائی اس کی عزت کا سبب ہوگئی ہو ، اور بعض لوگوں نے یہ عجیب رائے قائم کرلی ہو کہ وہ کسی دوسرے عالم سے آیا کرتے ہیں جس طرح نجومی رمّال جو ہر بات کی ایسی ہی وجہ بتا دیتے ہیں ، جو ان کے اختیار کی بات نہ ہو یا جس کا سبب نا معلوم ہو ۔

جب اس فریب کی حقیقت ریمس کو معلوم ہوئی تو وہ بہت بگڑا اور جس وقت رومیولس شہر پناہ کی نیو تیار کر رہا تھا تو ریمس نے اس کے بعض حصّوں کی مذمّت کی اور یہ دکھانے کو کہ آثار کس قدر چھوٹا ہی، اس پر سے پھلانگ گیا ؛ اس وقت رومیولس نے یا اس کے ایک ساتھی سیلر نے اس کو اس طرح مارا کہ گر کے مرگیا، اسی آویزش میں فاسٹولس اور اس کا بھائی کام آئے ؛ اور سیلر یہ دیکھ کر فوراً بھاگ کر ملک ٹسکنی میں پہنچا ۔ چناں چہ اس کی تیز پائی اب تک ضرب المثل ہی ۔ اور ہٹلس جس نے اپنے باپ

کی موت پر حیرت انگیز عجلت کے ساتھ پہلوانوں کا دنگل بندھوا دیا تھا، اسی تیز دستی کی بنا پر سیلر کے عرف سے مشہور ہو گیا تھا۔
اس کے بعد رومیولس نے اپنے بھائی اور دونو پالنے والوں کو کوہ ریمونیا پر دفن کرادیا، اور خود شہر کی تعمیر میں مصروف ہو گیا اس نے ٹسکنی سے لوگوں کو بلوایا، جنھوں نے مذہبی رسوم کی طرح نئے شہر بنانے کے تحریری ضوابط اور آبائی مراسم بتائے۔ سب سے پہلے تو ایک گول خندق اس عمارت کے گرد جو اب کمیٹیم یا کمیٹی گھر کہلاتی ہو تیار کی گئی اور بڑے احترام کے ساتھ اس میں ہر قسم کے باکورات لاکے ڈال دیے اور ہر شخص نے اپنے اپنے وطن کی مٹی بھی ایک ساتھ اس میں ملائی۔ پھر اس خندق کا نام آسمان کے نام پر منڈس رکھا اور شہر کے گول دائرے کا اسی کو مرکز تجویز کیا۔ اس کے بعد بانی شہر نے ہل میں پیتل کی پھالی لگاکر ایک سانڈ اور ایک گائے دونو کو ساتھ جوت دیا اور اسی ہل سے حدود شہر کے گرد ایک گہری لکیر ڈالتا چلا گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے جو لوگ آرہے تھے ان کا کام یہ تھا کہ جو مٹی ہل کی داب سے اکھڑ کر اِدھر اُدھر پھیلتی تھی، اُسے احتیاط سے لکیر کے اندر والے رُخ کرتے جاتے تھے، اس طرح کہ کوئی ڈلا حد سے باہر نہ رہ جائے۔ اس لکیر کے ساتھ جسے وہ پمیرم یعنی "زیر فصیل" کہتے تھے۔ شہر پناہ تعمیر کی گئی، اور جس جس جگہ انھیں پھاٹک رکھنا منظور تھا وہاں ہل کی پھالی کو اٹھاکر لیکھ میں فصل چھوڑ دیا تھا کیوں کہ اگر پھالی وہاں سے پھر جاتی تو وہ پھاٹک بھی پاک ہوجاتے اور پھر ان میں ایسی چیزوں کی آمد برآمد مذہباً مشکل ہوجاتی، جو ہیں تو ضروریات زندگی میں

شامل مگر بذات خود ناپاک ہیں ٭

تعمیر شہر کی تاریخ کے بارے میں یہ عام طور پر مسلّم ہی کہ وہ دن اکیسویں اپریل تھا جسے اب تک رومی مقدّس اور اپنے ملک کی پیدائش کا دن کہتے ہیں ؛ اوّل اوّل وہ اس دن گائے بکری کی قربانی بھی نہ کرتے تھے کہ یہ مبارک دن ہی، اس میں خون نہ گرانا چاہیے ؛ گو یہی دن بہت مدت پہلے سے چرواہوں کا تہوار تھا جسے وہ "پلیلیا" کہتے تھے ٭

آج کل رومی اور یونانی مہینوں میں فرق عظیم ہوگیا ہی - لیکن کہتے ہیں کہ رومیولس نے جس دن شہر کی بنیاد رکھی وہ ان کی تیرہویں تاریخ تھی، اور اس وقت وہ سورج گرہن پڑا تھا جسے چھٹے اولمپیاڈ[1] کے تیسرے سال انطاچس نام شاعر نے دیکھا ہی ٭ حکیم وارّو کے زمانے میں جو رومی تاریخ میں بڑی بصیرت رکھتا تھا اس کا ایک دوست ترّوتیس فلسفیات و ریاضی کا ماہر رہتا تھا، اس سے وارّو نے رومیولس کی تاریخ ولادت معلوم کرنے کی فرمائش کی اور ترّوتیس نے اس کے بعض صحیح حالات زندگی سُن کر اپنے علم کے زور سے قطعی طور پر حکم لگایا کہ رومیولس دوسرے اولمپیاڈ کے پہلے سال ماں کے پیٹ میں تھا اور اکیسویں ثوتؔ[2] کو طلوع آفتاب کے وقت پیدا ہوا؛ اور رومہ کا سنگ بنیاد فرموتی مہینے کی نویں تاریخ رکھا گیا - یہ ساری باتیں واقعات مابعد کو دیکھ کر ترّوتیس نے بتائی ہیں، کیوں کہ لوگوں کا قول ہی کہ ستاروں کا خاص خاص جگہ پر ہونا خاص خاص اثرات پیدا

---

[1] یونان میں کوہ اولمپس پر، قومی کھیل اور تہوار اس نام سے منائے جاتے تھے اور انھی تاریخوں سے سمت قرار دیا جانے لگا تھا- م [2] مصری مہینے کا نام - م

کر دیتا ہو مگر یہ اور اس قبیل کے ذکر اذکار بجائے دل چسپ اور مزہ دار ہونے کے پڑھنے والے کے لیے اکثر اجیرن ہو جاتے ہیں، اور وہ ان کو بہت مبالغہ آمیز خیال کرتا ہو ؛

جب شہر تیار ہو چکا تو رومیولس نے ہر شخص کو جو ہتھیار چلا سکتا تھا فوجی دستوں میں داخل کیا، یہ دستے تین تین ہزار پیادہ اور تین تین سو سواروں کے ہوتے تھے۔ ہر دستہ لیجین (چیدہ) کہلاتا تھا کیوں کہ اس میں منتخب لوگ لڑائی کے لیے شامل کیے گئے تھے ؛ باقی ماندہ آبادی پر "عوام" کے لفظ کا اطلاق ہوتا تھا ؛ انھیں میں سے رومیولس نے سَو اہل الرائے شوریٰ کے لیے چھانٹے تھے اور انھیں "اشراف" کا خطاب دیا تھا اور ان کی ساری جماعت "سنیٹ" کہلاتی تھی جس کے معنی مجلس بزرگان کے ہیں ؛ بعضوں کے نزدیک "اشراف" کے خطاب کی وجہ یہ تھی کہ وہ باقاعدہ بیاہتا اور صاحب اولاد تھے بعض کہتے ہیں یہ وہ لوگ تھے جو اپنے باپ دادا کا حسب نسب بتا سکتے تھے۔ درآں حالے کہ شہر میں اور جو آوارہ گرد جمع ہو گئے تھے ان کا کچھ پتہ نہ چلتا تھا کہ کس کی اولاد ہیں ؛ ایک قیاس یہ بھی ہو کہ یہ لفظ پیٹرن سے نکلا ہو، یہ ایک شخص کا نام تھا جو الونڈر بادشاہ کے ساتھ آیا اور کمزوروں کی حمایت اور مظلوموں کی دادرسی میں مشہور ہوا لیکن ہمارے نزدیک گمان غالب یہ ہو کہ رومیولس نے زیادہ صاحب اثر اور دولت مند لوگوں کو اس خیال سے کہ وہ ادنے آدمیوں کی دیکھ بھال کریں "اشراف" اس لیے کہوایا کہ ادنےٰ خائف و مرعوب ہونے کے بجائے ان سے محبت کریں اور اعلیٰ ان پر تحکم کے بجائے شفقت

کے ساتھ پیش آئیں، کیوں کہ لفظ "پیٹریشین" کا مخرج لفظ پیٹر ہی
جس کے معنی ہیں "باپ"۔ اس خیال کی تائید میں یہ اضافہ کردینا
بھی مناسب ہی کہ اس زمانے میں باہر والے تو ارکانِ مجلس کو حضور و
جناب کے الفاظ سے یاد کرتے تھے مگر خاص رومی محض "پیٹرس" اور
آخر آخر میں "پیٹرس کتنس کرپٹی" کہنے لگے تھے جس میں عزت زیادہ
اور غیریت کا پہلو کم ہی۔

اس طریق سے رومیولس نے مجلس بزرگاں اور عوام الناس میں
ایک امتیاز پیدا کردیا؛ اور باتوں میں بھی اس نے امرا اور ادنےٰ
طبقے کے لوگوں میں حفظ مراتب کا خیال رکھا مگر اسی کے ساتھ ان
میں بجائے کسی اختلاف یا مغایرت کے، محبت و یگانگت پیدا کردی
کیونکہ امرا یا جاگیردار ہمیشہ اپنے اسامیوں کے پشت پناہ اور نگراں
ہوتے تھے، قانونی عدالتوں میں ان کی طرف سے پیروی کرتے تھے،
نیک و بد سمجھاتے تھے اور ان کے حقوق کی وکالت کرتے تھے؛ اُدھر
وہ بھی اپنے مربیوں کی خدمت گزاری اور تعظیم و تکریم فرض سمجھتے تھے
اور جب کبھی یہ امرا قرض میں پھنس جاتے یا بیٹیوں کی شادیوں میں
جہیز دینا اُنھیں دشوار ہوتا تو یہی غریب محنتی ان کی مالی اعانت بھی
کرتے تھے اور یہ تو قریب قریب ناممکن تھا کہ کوئی امیر اپنے مزدوروں
یا اسامیوں کے خلاف یا وہ اس کے خلاف شہادت دیں۔ نہ قانوناً کوئی
مجسٹریٹ مجاز تھا کہ انھیں ایسی شہادت پر مجبور کرے۔ کچھ مدت کے
بعد اتنا فرق ان میں البتہ پڑگیا تھا کہ کوئی امیر اپنے محنتیوں سے
مالی امداد نہ لیتا تھا، بلکہ اس کو ایک قسم کا ننگ سمجھنے لگے تھے۔

اب ہم اس ذکر کو بالفعل ختم کرتے ہیں +

تعمیر شہر کے چوتھے مہینے، فے بیس کے لکھنے کے بموجب وہ عورتوں کے چرانے کا واقعہ ہوا بعضوں کا خیال ہو کہ یہ چوری کچھ اس لیے نہیں کی گئی تھی کہ انھیں عورتوں کی ضرورت تھی، (جیسا کہ عام طور پر مسلّمہ ہی) بلکہ اصل میں رومیولس ایک جنگ جو آدمی تھا اور قدرتی طور پر بھی یہ عقیدہ رکھتا تھا اور شاید بعض الہامی اقوال سے بھی اسے یقین ہوگیا تھا کہ نئے شہر کی عظمت اور ترقی جنگی فتوحات پر منحصر ہو۔ وہ جانتا تھا کہ اس نئی بستی کی عظمت و شہرت بڑھانے کے لیے جارحانہ کوششوں کی ضرورت ہو، پس سب سے پہلے اس نے اپنی ہمسایہ قوم سبائنی سے چھیڑ شروع کی اور ان کی تیس عورتیں بھگا کر زبردستی رومہ میں لے آیا اور اس طرح جان کر لڑائی نکالی۔ مگر یہ قول کچھ زیادہ دل کو نہیں لگتا اور نہ اس کی تصدیق اور طرح پر ہوتی ہو - قرین قیاس یہی بات ہو کہ نئی بستی میں جو آوارہ گرد بھگوڑے اِدھر اُدھر سے آن کر جمع ہو گئے تھے، ان میں سے بہت کم جورو والے تھے، اور یہ امید بھی نہ تھی کہ کوئی ایسے گم نام مجہول النسب لوگوں کو خوشی خوشی اپنی بیٹیاں بیاہ دے گا، ادھر بغیر عورتوں کے آبادی کا بڑھنا غیر ممکن اور اس بے سری جماعت کا رومہ میں ٹھیرنا محال تھا۔ اس واسطے رومیولس نے یہ سوچا کہ اس ذریعے سے تھوڑے دن تو بے شک بیٹی والے غم و غصہ کھائیں گے لیکن آخرکار ان سے صلح اور باہمی رشتہ داری کی پختہ اور عمدہ سبیل نکل آئے گی +

پہلے تو اس نے یہ مشہور کر دیا کہ رومہ میں زمین کے اندر سے ایک دیوتا برآمد ہوئے ہیں۔ جن کا ایک نام تو نپچیون ہو اور دوسرا کنسس جس کے معنی

غالباً مشورہ دہندہ کے ہیں) اور ان پر قربانی چڑھانے کے لیے فلاں دن مقرر کیا جاتا ہو کہ اس روز عام و خاص سب جمع ہوں اور خوشیاں منائیں"۔ پھر جب مقررہ وقت پر وہاں بڑا میلا لگ گیا تو رومیولس بھی اپنے امرا کو جن کے لباس قرمزی تھے ساتھ لے کر آیا اور صدر میں بیٹھ گیا۔ یہ پہلے سے لگی بندھی تھی کہ جب وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور عبا کے دامن سمیٹ کر پھیر پھیلائے تو اس کے مسلح ساتھی فوراً اپنا کام شروع کر دیں +

اب رومیولس نے حرکت کی، اس کے ساتھیوں کی آنکھیں اس پر لگی ہوئی تھیں، جیسے ہی وہ اٹھا اور مقررہ اشارہ کیا ویسے ہی وہ سب کے سب تلواریں کھینچ کے چیختے چنگھاڑتے دوڑے اور سبائنی لڑکیوں کو زبردستی اٹھا کے لے بھاگے۔ ان عورتوں کے مرد پہلے ہی خوف زدہ ہو کر بھاگ رہے تھے، ان کا کسی نے خیال تک نہ کیا +

کہتے ہیں کہ اس ہنگامے میں جو عورتیں رومیوں نے پکڑیں ان کی تعداد تیس[۳۰] تھی، مگر ولریس اینٹاس پان سو ستائیس[۵۲۷] بتاتا ہو اور جیوبا کا بیان ہو کہ وہ کل چھ سو تراسی[۶۸۳] کنواریاں تھیں۔ یہی عذر رومیولس نے بھی کیا کہ ہم نے جتنی عورتیں گرفتار کیں وہ سب بن بیاہی لڑکیاں تھیں، سوائے ہرسیلیا کے، سو وہ بھی بے خبری میں پکڑی گئی تھی۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کا منشا اس زیادتی سے صرف یہ تھا کہ اپنے ہم سایوں کے ساتھ برادری قائم کرلیں اور ان کو اپنے سے اس طرح ملالیں کہ پھر وہ جدا ہی نہ ہوسکیں!

ہرسیلیا کے بارے میں بیانات مختلف ہیں، کوئی تو کہتا ہو کہ ایک

ممتاز رومی سردار ہوسٹی لیس نے اس کو بیاہا اور ایک قول یہ ہے کہ خود رومیولس نے اس سے شادی کی اور اس سے ایک بیٹی اور ایک بیٹا ہوا۔ بیٹی پہلونٹی کی تھی، اس لیے اس کا نام تو پرائما رکھا گیا اور بیٹا اولیئس اور بعد ازاں ابی لیتس کے نام سے مشہور ہوا۔ مگر زینوڈوٹس کی اس روایت کو اکثر اشخاص نے جھٹلایا ہے۔

کہتے ہیں اس ہنگامے میں چند ادنیٰ درجے کے آدمی کسی نہایت حسین اور سرو قامت لڑکی کو بھگائے لیے جا رہے تھے اور جب ان کو بڑے رتبے والوں نے روکنا چاہا تو وہ چلّائے کہ وہ اس لڑکی کو تلاسیئس کے لیے لے جا رہے ہیں۔ جو نوجوان مگر شریف اور بہادر شخص تھا۔ یہ سُن کر سب اُن کی تحسین و تائید کرنے لگے بلکہ بعض تو بھگانے والوں کے ساتھ تک انھیں مدد دینے کو آئے اور ان کے ساتھ مل کر تلاسیس تلاسیس چلانے لگے۔ یہیں سے وہ رسم رومیوں میں قائم ہوئی ہے، جس میں کہ وہ آج تک اپنی شادی کے وقت لفظ تلاسیس گاتے ہیں، کیوں کہ ان کا عقیدہ ہے کہ تلاسیس کی شادی نہایت مسعود و مبارک ثابت ہوئی۔ اور اسی واسطے یہ بھی مبارک سمجھا جاتا ہے۔ لیکن سیکسٹئیس سلا جو قرطاجنہ کے ایک علم دوست اور ذہین شخص ہیں، راقم سے کہتے تھے کہ درحقیقت "تلاسیئس" کا لفظ آغاز حملہ کا اشارہ مقرر ہوا تھا اور جب رومیولس نے پکارا "تلاسیئس" تو سارے حاضرین بلائے ناگہانی کی طرح سبائنی لڑکیوں پر ٹوٹ کے گرے اور جس کسی کے قبضے میں کوئی عورت آجاتی تھی وہ بھی "تلاسیس تلاسیس" چلّانے لگتا تھا۔ اسی وقت سے یہ رسم اب تک جاری ہے۔

اصرار ہی)
ایک خیال یہ بھی ہو (بالخصوص جیوبا کو اس کی صحت پہ
کہ یہ لفظ یونانی لغت "تلاسیا" کے مشتقات میں ہو اور اس وقت
یونانی الفاظ اطالوی زبان کے بجائے بکثرت مستعمل تھے، اور اس کے
وہی معنی ہیں، جو یونانی میں تھے؛ یعنی چرخا کاتنا اور سگھڑاپے سے
گھر چلانا۔ پس یہ نئی دلھنوں سے محض ترغیب دلانے کے لیے کہا جاتا
ہو، اب اگر واقعی یونانی لفظ "تلاسیا" بولا گیا تھا تو اس روایت کی
تصدیق یوں بھی ہوتی ہو کہ جب اس واقعے کے بعد رومیوں کی سبائنی
قوم سے صلح ہوگئی تو اُن میں ایک قرارداد یہ بھی طو پائی کہ ان عورتوں سے
کوئی محنت مشقت ان کے زبردستی کے خاوند نہ لیں گے، سوائے چرخے
کے، اور اسی لیے شادی کے وقت اکثر بیٹی والے ہنسی ہنسی میں کہہ دیا
کرتے تھے کہ "تلاسیس" یعنی ان کی لڑکی سوائے چرخہ کاتنے کے اور
کوئی کام نہیں کرے گی +

دوسری رسم جو اب تک چلی آتی ہو، دُلھن کو گود میں اٹھانے کی
ہو کہ دُولھا کے گھر میں پانْو پانْو چلنے کی بجائے دُولھا اسے گود میں
لاتا ہو اور یہ اس بات کی یادگار ہو کہ سبائنی لڑکیاں اپنے آپ نہیں
آئی تھیں بلکہ زبردستی لائی گئی تھیں؛ یہ بھی کہتے ہیں کہ برچھی کی نوک
سے دُلھن کی مانگ نکالنے کا دستور بھی اسی زمانے سے چلا ہو اور یاد دلاتا
ہو کہ دُولھا دُلھن کی یکجائی اوّل اوّل لڑائی اور جبر کے ساتھ ہوتی تھی،
مگر اس کی تفصیل مَیں اپنی کتاب (سوالات) میں لکھ چکا ہوں +

یہ بھگا لے جانے کا واقعہ سیکس ٹی لیس مہینے کی (جو اب اگست
کہلاتا ہو اور جس میں سوائے لیا تہوار منایا جاتا ہو) اٹھارویں کو

وقوع میں آیا تھا۔

اب سباینی لوگوں کی سنیئے کہ وہ لوگ جنگ جو اور تعداد میں کثیر تھے۔ البتہ الگ الگ کھیڑوں میں رہا کرتے تھے۔ جن کے گرد نہ تو کوئی فصیل ہوتی تھی نہ کوئی مورچہ کیوں کہ وہ کہتے تھے کہ ہم بہادر لوگ اسپارٹہ کی نسل سے ہیں، ہمیں شہر بنا بنا کے رہنا اور حفاظت کے سامان کرنا زیب نہیں دیتا۔ لیکن اس موقع پر انھیں بھی اپنے اکھڑپنے کو چھوڑنا پڑا، اور چارۂ کار اسی میں نظر آیا کہ شایستگی کے ساتھ سفرا کے ذریعے رومیولس سے گفتگو کریں۔ چناں چہ انھوں نے پیغام بھیجا کہ ہماری لڑکیاں واپس کردی جائیں اور اس نالایق حرکت کی معافی مانگی جائے تو اس کے بعد ہم رومیوں کی التجا پر قاعدے اور دستور کے مطابق اپنی بیٹیاں بیاہ دیں گے۔" رومیولس نے جواب میں کہلا: "بیجا کہ تم سے رشتۂ مواخات قائم کرنے کے لیے ہم بہ خوشی آمادہ ہیں لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ لڑکیاں پہلے واپس کر دی جائیں۔" اس پر سباینی لوگوں میں بڑا اختلاف پیدا ہوا۔ بعض جوش میں تھے اور بعض اعتدال کی صلاح دیتے تھے کہ معاملہ جس طرح بنے دبا دیا جائے مگر اکرن شاہ سی نن سس نے نہ مانا اور ایک زبردست فوج لے کر روما پر حملے کے لیے بڑھا۔ یہ واضح رہے کہ اس بادشاہ کو پہلے سے رومیولس کے ساتھ کد تھی وہ اس کی روز افزوں قوت سے جلتا تھا اور یہ آخری واقعہ تو خصوصاً ایسا ہوا کہ جس نے اس کے غصّے کو بے حد بڑھا دیا۔

اب اِدھر سے یہ چلا اور اُدھر سے رومیولس فوج لے کے نکلا۔ لیکن جب دونو لشکر آمنے سامنے ہوئے تو دونو طرف کے بادشاہوں نے

اپنے اپنے حریف کو ٹوکا اور ان دونوں میں جنگ یک یکی کی ٹھن گئی۔
فوجیں ہتیار باندھے الگ کھڑی رہیں۔ اس وقت رومیولس نے
منت مانی کہ اگر غالب آیا تو جوپیٹر دیوتا کے بُت پر خود جاکر اپنے حریف
کی زرہ بکتر چڑھائے گا ٭ پھر ان میں لڑائی ہونے لگی تو رومیولس
ہی غالب آیا، اور جنگ مغلوبہ میں بھی اُسی نے دشمن کی فوج کو مار کر
بھگا دیا اور اس کا دار الحکومت بھی چھین لیا؛ لیکن اس شہر کے رہنے
والوں کو اس نے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائی، البتہ انھیں اس بات پر
مجبور کیا کہ وہ اپنے گھروں کو منہدم کر کے رومہ میں چل بسیں۔ اور
وہاں کے تمام حقوق حاصل کریں؛ اور حقیقت یہ ہے کہ رومیولس
کی انھی حکمتوں نے رومہ کی عظمت کو پہلے سے کہیں زیادہ بڑھا چڑھا دیا٭
اس فتح کے بعد رومیولس نے اپنی منت عمدہ طریق سے پوری
کرنے کا ارادہ کیا۔ اس طرح کہ دیوتا بھی اُس سے راضی ہو اور لوگ
بھی پسند کریں٭ اس غرض کے لیے اس نے ایک اونچا سا شاہ بلوط
کا پیڑ جو خیمہ گاہ میں اُگ رہا تھا کٹوایا اور اس کو تراش کر فتح کا
جھنڈا بنایا، پھر اپنے حریف کا سارا لباس جنگ اس پر ترتیب کے
ساتھ باندھا اور خود اپنے کپڑے اپنے گرد لپیٹ کر سر پر ہار لپیٹا
جس کے نیچے سے اس کے لمبے لمبے بال خوب صورتی کے ساتھ اِدھر اُدھر
اُڑ رہے تھے۔ پھر جھنڈا کندھے کے سہارے سیدھا کیے فتح مندی کے
گیت گاتا ہُوا شہر کی جانب روانہ ہُوا۔ تمام فوج اس کے پیچھے پیچھے
آرہی تھی اور یہ سارا جلوس شہر میں پہنچ کر اور بھی شان دار بن گیا تھا۔
جہاں شہر والے کھڑے خوشی کے نعرے بلند کر رہے تھے؛ یہی وہ

"تاریخی جلوس ہی جو آیندہ تمام فتوحات کے جلوسوں کا نمونہ بنا"؛ اس فتح کے جھنڈے کو لوگ جوپیٹر "عدوکش" کی نیاز کہنے لگے کیوں کہ رومیولس نے دعا مانگی تھی کہ خدا اُسے کامیاب اور دشمن کو اس کے ہاتھ سے ذلیل و خوار کرے۔

اور مال غنیمت" اوپیما" کے نام سے موسوم ہُوا جو کہ وارو کے قول کے مطابق لفظ اوپس سے نکلا ہی، جس کے معنی بیش قیمت کے ہیں؛ لیکن اس کی اصل اوپوس" بھی ہو سکتی ہی، جس کے معنی ہیں کارنمایاں؛ بہرحال یہ وہ عزت ہی، جو سوائے تین آدمیوں کے جنھوں نے دشمن کے سردار لشکر کو اپنے ہاتھ سے مارا، کسی کو نہیں ملتی، یعنی کوئی اپنے مال غنیمت کو اوپیما نہیں کہہ سکتا اور وہ تین یہ ہیں؛۔

رومیولس، اکرون کا قاتل۔ کرنیلیس کوسس جس نے ٹولومنیس کو مارا اور تیسرے مارسیلس جس نے شاہ غالیہ کو ہزیمت دی؛ آخری دونو فاتح شہر میں داخل ہوئے تو جنگی رتھوں میں سوار تھے، مگر دیونی سیئس کا یہ کہنا کہ رومیولس بھی رتھ میں آیا غلط ہی، یہ شان شکوہ تو بعد کے بادشاہوں نے بڑھائی تھی۔ اور رومیولس کے تمام مجسمے بھی جن میں اُسے فاتحانہ حیثیت سے دکھایا ہی پیادہ پا بنے ہوئے ہیں۔

قبیلۂ سی نن سس کی ہزیمت کے بعد اور سبائینی قبائل تو تیاریوں ہی میں رہے مگر فدنی اور ان ٹمنا کے باشندوں نے مل کر ایک لشکر رومیوں سے لڑنے کے لیے بھیج دیا۔ اُنھوں نے بھی شکست کھائی، اور اپنی بستیاں اور زمینیں فاتحین کے حوالے کرکے روما میں

آن بسے؛ ان زمینوں کو رومیولس اپنے لوگوں میں برابر برابر تقسیم
کر دیتا تھا۔ البتہ وہ قطعے جو مسروقہ یا بھگائی ہوئی عورتوں کے والدین
کی ملکیت ہوتے تھے، اس تقسیم سے محفوظ اور بجنسہ مالکوں کے قبضے
میں رہتے تھے ⁂

ان واقعات نے سبائینی لوگوں کو سخت غصہ دلایا۔ اُنھوں نے
تے ٹیئس کو اپنا افسر مقرر کیا اور سیدھے رومہ کی طرف بڑھے ⁂
مگر شہر کو تسخیر کرنا محال تھا اور اس کی محافظت ایک دستۂ فوج اور
تار پیئس کے سپرد تھی۔ بعض لوگ جو رومیولس کو بے وقوف ثابت
کرنا چاہتے ہیں، تارپیہ کو محافظ بتاتے ہیں۔ یہ درست نہیں، البتہ
یہ لڑکی تارپیئس کی کنواری بیٹی تھی۔ اور اسی کی غداری سے قلعہ فتح
ہوا۔ دراصل وہ سبائینی لوگوں کی سُنہری چوڑیاں دیکھ کر لالچ میں آگئی
اور کم بخت نے ان کے لیے قلعہ کھول دیا۔ اور اس غداری کا صلہ یہ
طلب کیا کہ جو کچھ بائیں ہاتھ میں پہنے ہوئے ہیں، اُسے دے دیں؛
چنانچہ جب اس نے دروازے کھول کر اُن کو اندر لے لیا تو انھوں نے
اپنی شرط اس طرح پوری کی کہ اول تیتئس نے پہلے چوڑی دی، پھر
آہنی دستانہ جو پہنے تھا اُس پر ڈالا۔ اس کے بعد ہر ایک نے اِسی
طرح جو کچھ کہ ان کے بائیں ہاتھ میں تھا سب اس پر ڈالنا شروع کیا۔
یہاں تک کہ سینکڑوں ڈھال تلواروں وغیرہ کے بوجھ سے وہ بالکل دب
گئی اور گھٹ کر مرگئی۔ اور اس طرح اپنی سزا کو پہنچی ⁂ یہ واقعہ ظاہر
کرتا ہے کہ تنہا ان ٹی گونس ہی کا یہ خیال نہ تھا کہ "میں غداروں کو
پسند کرتا ہوں مگر جو غداری کر چکے ان سے مجھے نفرت ہے"۔ اور نہ صرف

سیرنہ کا جس نے رہمی تالکیس باشندۂ تراقیہ (تھریس) سے کہا تھا کہ "غدّاری مجھے پسند ہے مگر غدّار سے نفرت کرتا ہوں"۔ بلکہ درحقیقت سبھی جنھیں شریر النفس لوگوں سے کام پڑتا ہے اس خیال کے ہوجاتے ہیں۔ کہ ان کی غدّاری سے تو فائدہ اٹھاتے ہیں، جس طرح آدمی زہر سے بھی کام لیتا ہے، لیکن کام نکل جانے کے بعد خود ان غدّاروں کی بے ایمانی سے سخت نفرت کرتے ہیں۔

تارپیہ کا تو یہ حشر ہوا مگر جیوبا، گلبا کے حوالے سے بیان کرتا ہے کہ خود تارپیس بھی تحقیقات کے بعد اس کے جرم کا شریک نکلا۔

اس جگہ یہ لکھنا بھی مناسب ہے کہ جو لوگ تارپیہ کو خود سبائینی سردار تےتیئس کی مسروقہ بیٹی بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس نے اپنے باپ کے لیے ایسا کام کیا اور پھر اپنے باپ کے ہاتھ سے ماری گئی وہ بالکل لغو ہے اور ان ٹی گونس بھی اس خرافات میں برابر کا حصہ دار ہے۔ اور سمی لس شاعر جس نے لکھا ہے کہ تارپیہ نے سبائنی قوم کے لیے نہیں بلکہ قوم گال کے لیے غداری سے قلعہ کھول دیا تھا اور وہ دشمن کے بادشاہ پر فریفتہ ہوگئی تھی، جھک مارتا ہے، جہاں کہتا ہے کہ:۔ اشعار

"وہ جو دروازے کے پاس ہی رہتی تھی، تارپیہ تھی
جس نے رومہ کے دروازے دشمن پر کھول دیے
اک دشمنِ جان گال کی دوست داری میں اس نے
ایسا کیا کہ بالا حصار کو جو شہر کی اصلی قوت تھا
غدّاری سے حوالے کر دیا۔"

پھر آگے چل کر اس کی موت کے بارے میں لکھتا ہے کہ:۔

"اور اس قلطی قوم کے خوں خوار لوگوں نے یہ
بھی تو نہ گوارا کیا کہ پو[1] کے کنارے تک وہ
ساتھ ساتھ چلی جائے، انھوں نے اپنی بھاری
ڈھالیں اس پر پھینک دیں اور ان شان دار
تحفوں سے اُسے مار کر دبا دیا۔"

تارپیہ جہاں ماری گئی وہیں دفن بھی ہوئی اور اسی کے نام سے وہ ٹیلہ تارپیس کہلاتا تھا۔ یہاں تک کہ شاہ ٹارگوان کے عہد میں جب وہ مقام عطارد دیوتا کی نذر ہوا تو تارپیہ کی ہڈیاں اس مقام سے ہٹادی گئیں اور تب سے وہ نام بھی مٹ گیا۔ اگرچہ اب بھی جس جگہ سے غداروں کو نیچے گرایا جاتا ہو وہ حصّہ "تارپیہ کی چٹان" کہلاتا ہو۔

الغرض جب سبائینی قوم کا اس پہاڑی پر قبضہ ہوگیا تو رومیولس نے سخت غیظ و غضب میں ان سے لڑائی مانگی اور تےتیئس نے اس اطمینان پر منظور کی کہ اگر شکست کی صورت ہوئی تو ان کے ہٹنے کے لیے بہت محفوظ مقام موجود ہو۔ فریقین کی جنگ آزمائی کے لیے جو میدان بیچ میں تھا وہ پہاڑیوں سے اس طرح گھرا ہوا تھا کہ کسی طرف بھاگنے کی یا بچ کر آڑ لینے کی گنجائش کم تھی، اس لیے دونو کو یقین تھا کہ لڑائی بہت سخت اور وار پار ہوگی۔ اس میدان کو دریا کے چڑھاؤ نے اور خراب کردیا تھا اور جگہ جگہ ایسی دلدل ہوگئی تھی کہ پیر پڑ جائے تو آدمی کا اس میں سے نکلنا دشوار تھا۔ یہ بھی محض حسن اتفاق تھا کہ سبائینی جو غفلت سے اس میدان میں آنے والے تھے بالوں بال بچ گئے۔ وجہ یہ ہوئی کہ ان میں سے ایک شخص کرٹیس جو مشہور جنگ آزما اور لڑائی کے شوق میں

---

[1] دریا کا نام

بے تاب ہوا جاتا تھا، سب سے پہلے گھوڑے کو بھگاتا ہوا لایا اور اس دلدل میں پھنس گیا۔ پھر اس نے ہرچند کوشش کی، غل مچایا چابک اڑائے اور مہمیز پہ مہمیز ماری، گھوڑا نہ نکل سکا اور وہ ناچار کود کر اس کی پیٹھ سے جدا ہوگیا کہ کہیں خود نہ دشمن میں آجائے؛ اس جگہ کو اب تک اس کے نام پر "کرٹیس کا تلاؤ" کہتے ہیں ؛

اس مصیبت سے جب سبائنی بچ گئے تو نہایت مستعدی کے ساتھ انھوں نے جنگ شروع کی اور اگرچہ فریقین کے سینکڑوں آدمی مارے گئے، لیکن لڑائی کا فیصلہ نہ ہوا۔ انھیں مقتولوں میں ہسٹولیس بھی تھا جسے ہرسیلیا کا شوہر اور اس ہسٹولیس کا دادا بتاتے ہیں، جو کہ نیوما کے بعد رومہ کے تخت پر بیٹھا؛ اس جنگ میں ظاہر ہی بہت سی آویزشیں ہوئی ہوں گی، لیکن سب سے زیادہ یادگار آخری جھڑپ ہی؛ اسی میں رومیولس کے سر پہ ایک پتھر ایسا لگا کہ وہ اُلٹ کر زمین پہ گرتے گرتے بچا۔ اور جب وہ لڑائی کے کام کا نہ رہا تو رومی پھر نہ ٹھہر سکے، بلکہ پلا ٹیئم کی طرف بھاگے۔ اس عرصے میں رومیولس کی طبیعت ذرا ٹھیری اور وہ پلٹا کہ لڑائی کو پھر نئے سرے سے شروع کرے۔ اس نے بھاگنے والوں کو زور سے للکارا اور ہمت بندھائی کہ جہاں ہو ڈٹ جاؤ اور جم کر لڑو۔ لیکن اس نے دیکھا کہ دشمن کی کثرت نے ان کو ایسا مرعوب کر دیا ہی کہ کوئی پلٹنے کی جرات نہیں کرتا، تو اس وقت اس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور جوپیٹر دیوتا سے دعا کی کہ وہ رومی فوج کو روک دے اور اس نازک وقت میں

رومہ کا ساتھ نہ چھوڑے بلکہ اس کی عزت قائم رکھے۔

ادھر تو رومیولس نے یہ دعا مانگی اور اُدھر سے رومیوں کو غیرت وحمیت نے بھاگنے سے روک دیا؛ پھر اُنھیں اپنے بادشاہ کا خیال آیا اور خوف کی جگہ یکایک اطمینان اور جرأت پیدا ہوگئی۔ اس جگہ جہاں یہ لوگ پہلے ہی پہل ٹھٹکے اب جوپٹیر سٹیٹر (یعنی ٹھیرا دینے والے جوپٹر) کا مندر ہے۔ یہیں اُنھوں نے اپنی صفیں دوبارہ درست کیں اور یہیں سے دھکیل کر وہ اپنے دشمنوں کو وہاں تک ہٹا لائے جہاں وسٹا کا مندر ہے اور جس جگہ کو اب ریجیا کہتے ہیں۔ اس مقام پر پہنچ کر دونو فریق دوسری مرتبہ ایک سخت لڑائی کی پھر تیاری کر رہے تھے کہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ لڑائی رک گئی اور اُنھوں نے کچھ ایسا منظر دیکھا جس کا بیان کرنا بھی دشوار ہے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ سبائنی لوگوں کی وہ لڑکیاں جنھیں رومی بھگا لے گئے تھے پریشان حال اور گرتی پڑتی چلی آتی ہیں۔ کچھ اس طرف آئیں اور کچھ اس طرف گئیں۔ ان کی چیخوں سے دل ہلا جاتا تھا۔ اور خصوصاً جب طرفین کی لاشوں پر بال کھول کھول کر اُنھوں نے بین کیے تو ہر طرف سناٹا سا چھا گیا؛ ان میں سے بعض نے اپنے شیرخوار بچوں کو گود میں لے رکھا تھا۔ اور انھیں دکھا دکھا کر کبھی سبائنی اور کبھی رومی سپاہیوں کو قسمیں دیتی تھیں کہ وہ اب لڑائی نہ لڑیں؛ یہ دیکھ کر فریقین کو ترس آگیا اور اُنھوں نے دونو طرف سے ہٹ کر جگہ دے دی کہ عورتیں بیچ میں آجائیں۔ ان کے دل ان عورتوں کی صورت اور گریہ و بے قراری دیکھ کر ہی

پگھل گئے تھے پھر جب انھوں نے شکووں کے دفتر کھولے پہلے شرمایا اور پھر منت سماجت سے منایا تو کوئی شخص نہ تھا جو متاثر نہ ہوا ہو ۔

اس شور و شیون میں عورتوں نے جو کچھ کہا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ " لوگو خدا کے لیے بتاؤ ہم نے تمھارا کیا قصور کیا کہ تم ہمارے دشمن ہو گئے اور اس طرح آزار پہنچانے کے درپے ہو ؟ پہلے تو ہمیں ان لوگوں نے زبردستی بھگایا اور بے آبرو کیا ، جو ہمارے شوہر ہیں پھر یہ ہو چکا تو مدت تک ہمارے باپ اور بھائیوں نے ہماری کوئی خبر نہ لی ، یہاں تک کہ اس عرصے میں وہ ، جن سے ہمیں پہلے نفرت تھی ، ہمارے ہو گئے اور ہم ان کے ۔ ہمارے لئے اب ممکن نہیں کہ ان کی موت اور ان کی تکلیف پر بے چین نہ ہوں ۔ اس وقت تو ہم کنواری لڑکیوں کی عزت بچانے کے لیے کوئی نہ آیا ۔ مگر اب تم آئے ہو کہ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو نہیں بلکہ روہیوں کی بیویوں اور ماؤں کو زبردستی ان کے گھروں سے لے جاؤ !! بے شبہ ہمارے لیے تمھاری یہ بعد از وقت طرف داری اس پہلی آبرو ریزی سے کم تکلیف دہ نہیں بلکہ بدتر ہے ۔ اگر یہ لڑائی کسی دوسرے موقع پر ہوتی تب بھی تمھیں کسی طرح زیبا نہ تھا کہ ان پر ہاتھ اٹھاؤ جن کے کہ تم ہمارے رشتے سے خسر اور نانا ہوتے ہو ۔ اور اگر فقط ہمارے لیے تم یہ جھگڑا کرتے ہو تو لو چلو ، ہمیں اور ہمارے ساتھ اپنے داماودں اور نواسوں کو اپنے گھر لے چلو ۔ بے شک ہمیں اپنے بچھڑے

ہوئے ماں باپ اور رشتے داروں کے حوالے کردو مگر ہمارے
شوہروں اور بچوں سے تو جدا نہ کرو۔ ہم تمھارے آگے ہاتھ جوڑتے
ہیں کہ ہمیں پھر دوبارہ قید میں نہ ڈالو +

غرض یہ اور اس قسم کی بہت سی باتیں ہرسیلیا کہتی جاتی
تھی، اور باقی عورتیں بھی اسی طرح التجائیں کررہی تھیں جس کا نتیجہ
یہ ہوا کہ ان میں ایک ہنگامی صلح ہوگئی اور دونو طرف کے سردار
مشورے کے لیے ایک جا جمع ہوئے۔ اس اثنا میں عورتوں نے
اپنے اپنے شوہروں اور بچوں کو اپنے باپ بھائیوں سے لالا کے
ملایا۔ بھوکوں کو گوشت اور پیاسوں کو پانی دیا اور زخمیوں کی مرہم
پٹّی کے لیے اپنے گھروں پر اُٹھوا لائیں۔ انھوں نے اپنے میکے والوں
کو یہ بھی دکھایا کہ اپنے نئے گھروں میں وہ بالکل خوش اور خودمختار
ہیں اور ان کے شوہر کوئی دقیقہ ان کی خاطرداری کرنے میں نہیں
اٹھا رکھتے ؛ جب سبائنی لوگوں نے یہ دیکھا تو اُنھوں نے رومیوں
سے بہ خوشی ان شرطوں پر صلح کرلی کہ جس عورت کا جی چاہے جائے
اور جس کا جی چاہے اپنے شوہر کے پاس ٹھیری رہے۔ ہاں مگر اس
سے امور خانہ داری میں کوئی محنت سوائے چرخہ کاتنے کے نہ لی جائے
ساتھ ہی قرار پایا کہ سبائنی اپنے گانو چھوڑ کر رومہ ہی میں آبسیں
اور شہر کا نام تو رومیولس کے نام پر رومہ رہے مگر اس کے
باشندوں کی قومیت سبائنی سردار تےتیئس کے وطن پر "کیوریتی"
کہلائے۔ اور وہ مشترک طور پر حکومت اور سپہ سالاری کیا کریں +

اس جگہ کا نام جہاں یہ مصالحت ہوئی اب تک "کمیٹیم" ہے

اور یہ لفظ "کوار" سے نکلا ہے، جس کے معنی "مل جانا" ہیں +
اس طریق سے شہر دُگنا ہوگیا تو مجلس میں سبائنی قوم کے نٹو ارکان اور انتخاب کیے گئے ۔ اور فوجی جیش بھی بڑھ کر چھٹو ہزار پیادہ اور چھ سو سوار فوج ہوگئی ؛؛ اس کے بعد اُنھوں نے ساری آبادی کو تین قبیلوں ("ٹرائیب") میں تقسیم کیا ۔ ہر قبیلہ دس کنبوں سے بنتا تھا ۔ جن کے نام بعض کا خیال ہے کہ سبائنی عورتوں کے ناموں پر رکھے گئے تھے ۔ لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیوں کہ بہت سے کنبے مختلف بستیوں کے نام سے موسوم تھے ۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ اس وقت وہ بہت سی باتوں میں عورتوں کا بڑا ادب اور لحاظ کرتے تھے ۔ مثلاً جب وہ مل جاتیں تو مرد رستہ چھوڑ کر انھیں جگہ دیتے ان کی موجودگی میں کوئی بیہودہ لفظ زبان سے نہ نکالتے ۔ ان کے سامنے کبھی برہنہ نہ ہوتے ، یہ حرکت اِن کے ہاں قتل عمد کے برابر جرم سمجھی جاتی تھی ؛؛ یا اپنے بچوں کو بُلّا پہناتے جو ایک گلے کا زیور تھا اور اسی طرح پری ٹکسٹا جو قرمزی کنارے کا ایک لہنگا سا ہوتا تھا ؛؛
فریقین کے سردار اس قرار داد کے بعد فوراً ہی یک جا نہیں ہوئے ، بلکہ پہلے ہر ایک نے اپنے نٹو منتخب آدمیوں سے مشورہ کیا اور پھر یہ سب ایک جگہ جمع ہوئے ؛؛ تے تیئس نے اپنا مکان وہاں بنایا جہاں اب مون ٹیا کا مندر واقع ہے، اور رومیولس نے اس ڈھلان پر سکونت اختیار کی جو پلاٹین کی پہاڑی اور "ماکسی مس سرکس" کے درمیان ہے ؛؛ اسی جگہ لوگوں کا بیان ہے کہ وہ مقدس اخروٹ کا درخت تھا جو رومیولس کے تیر سے اُگ آیا تھا ۔

اس کا قصہ یہ ہے کہ ایک بار رومیولس نے اپنی طاقت آزمانے کی غرض سے کوہ آونٹاین پر سے کھڑے ہوکر ایک تیر مارا - زمین میں تیر اس قدر گہرا اتر گیا کہ لوگ کہتے ہیں کوئی شخص اس کو اکھاڑ نہ سکا اور چونکہ تیر اخروٹ کی شاخ کا تھا، زمین کی قوت نامیہ نے اسے بہت جلد شاداب کردیا اور اس کے کلّے پھوٹ آئے، یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے وہ پورا تن آور درخت بن گیا۔ اس کو بعد میں لوگ پوجنے لگے - اور اسے متبرک سمجھ کر انھوں نے گرداگرد ایک پکّا تھانولہ بھی بنادیا (اس کی غور و پرداخت کا بھی انھیں اس قدر خیال تھا کہ) جب کبھی کسی کو نظر آتا کہ وہ سرسبز نہیں ہے یا اس کے پتّے مرجھا چلے ہیں تو وہ اسی وقت آوازیں دے دے کے آس پاس والوں کو جمع کرلیتا اور یہ سب مل کر اس طرح پانی پانی پکارنے لگتے، جس طرح آگ لگنے کی خبر سن کر پکارا کرتے ہیں اور پھر ہر طرف سے ڈول بھر بھر کے لوگ دوڑتے ہوئے وہاں لاتے۔ مگر کہتے ہیں کہ جس زمانے میں شاہ گیاس سیزر اس درخت کے تھانولے کی مرمت کرا رہا تھا، تو بعض بیلدار کھودتے کھودتے بہت قریب تک کھود گئے۔ جس نے درخت کی جڑیں کاٹ دیں اور پھر وہ سرسبز نہ ہوسکا۔

سبائنی لوگوں نے رومیوں کے پہنیئے بھی اختیار کرلیے تھے۔ ان میں ضروری امور کا ذکر نیوما کی سوانح عمری میں آئے گا۔ اس کے بدلے میں رومیولس نے ان کی لمبی ڈھالیں اختیار کرلیں - اور اپنے تمام رومیوں کے جنگی لباس اور زرہ بکتر کو بھی بالکل بدل دیا۔ تہوار اور میلے دونوں قومیں مل کر مناتی تھیں یعنی ان کے

میلوں میں سبائنی اور سبائنی تقریبات میں رومی شرکت کرتے تھے گویا ہر ایک قوم کی تمام قدیم رسمیں قائم رہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے چند مشترکہ رسمیں بھی اضافہ کرلیں۔ انھیں جدید تہواروں میں ایک "مٹرونے لیا" تھا جو عورتوں کے اعزاز میں کہ انھیں نے آتش فساد کو بجھایا، منایا جاتا تھا ؛ اسی طرح "کارمن ٹیلیا" بھی عورتوں سے متعلق تھا۔ بعضوں کے نزدیک یہ کارمنٹا ایک دیوی ہے، اور وضع حمل اس کے اختیار میں ہے، اسی لیے زچائیں اور مائیں اس کو بہت مانتی ہیں۔ لیکن ایک قول یہ ہے کہ وہ ایونڈر باشندۂ آرکیڈیا کی بیوی تھی، جو ایک نبیّہ مانی جاتی تھی اور اپنے الہامات نثر کے بجائے نظم میں سنایا کرتی تھی جس سے اس کا کارمنٹا نام پڑگیا۔ جو "کارمن" بمعنی نظم سے مشتق ہے ؛ دوسروں کے نزدیک یہ نام کارنس (بہ معنی مجنوں) سے نکلا ہے، جس میں اس عورت کی مجذوبانہ ہانک کی طرف اشارہ ہے ؛

تیسرے تہوار "پلے لیا" کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں۔ (چوتھا) "لُپرکے لیا" تہوار اوّل اول تو پاکیزگی حاصل کرنے کی غرض سے منایا جاتا تھا، ماہ فروری (جس کا نام خود طہارت کے معنی رکھتا ہے) میں اس کا خاص وقت مقرر تھا اور اُس دن کو بھی "فروٹا" کہتے تھے۔ مگر یہ نام یونانی لفظ "لائی سیہ" کے مرادف ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عجب نہیں جو یہ بہت قدیم ہو اور ایونڈر کے ہم وطن ساتھی اس کو اپنے ساتھ لائے ہوں۔ لیکن اس قیاس کی صحت میں شک اس لیے ہے کہ "لُپرکے لیا" کی وجہ تسمیہ وہ مادہ گرگ بھی ہوسکتی ہے جس نے رومیولس کو پرورش کیا تھا۔ کیوں کہ اس تہوار کے پجاری

اپنی رسموں کا آغاز اس مقام سے کرتے ہیں، جہاں روایت عام کے مطابق رومیولس دریا سے نکلا تھا۔ مگر مشکل یہ ہو کہ اس تہوار میں جو جو ریت رسمیں منائی جاتی ہیں وہ اس کی ابتدا اور وجہ تسمیہ کو ایسا پیچیدہ کردیتی ہیں کہ اس پر قیاس چلانا بھی مشکل ہوجاتا ہو، مثلاً اس میں بکریوں کو مارتے ہیں، پھر دو امیرزادے بلوائے جاتے ہیں۔ جن کی پیشانیوں پر بعض لوگ تو ایک لہو بھری چھری سے خون ڈالتے جاتے ہیں اور بعض اُن کو دودھ میں بھگو کر جلدی سے خون کو پونچھ دیتے ہیں جب خون پُنچھ جائے تو ان لڑکوں کے لیے ضروری ہو کہ وہ خوب ہنسیں پھر یہ لڑکے بکریوں کی کھال کو کاٹ کاٹ کے دُرّے بنالیتے ہیں اور سوائے لنگوٹی کے سارا جسم برہنہ کرکے دوڑتے ہیں اور اپنے عجیب کوڑوں سے جو ملتا ہو اُسے مارتے جاتے ہیں، طرفہ تر یہ کہ نئی بیاہی ہوئی عورتیں ان کی چوٹ سے نہیں بچتیں بلکہ یہ جانتی ہیں کہ یہ چابک لگنے سے ان کی اولاد بآسانی ہوگی۔ اس کے علاوہ ایک عجیب بات اس تہوار میں یہ ہو کہ اس کے پجاری کتّے کی قربانی کرتے ہیں +

اس تہوار کی نسبت ایک شاعر (جس نے تمام رومی رسموں کی مشہور عام وجہ مرثیے کی بحروں میں لکھ ڈالی ہو) کہتا ہو کہ امیولیئس کو مغلوب کرنے کے بعد رومیولس اور رمس دوڑتے ہوئے اس جگہ تک آئے تھے، جہاں مادہ گرگ نے ان کی پرورش کی تھی۔ لہو بھری چھری سے مُراد اس روز کی خون ریزی ہو، اور اس کا دودھ سے پونچھا جانا ان کی غذا اور پرورش کو یاد دلاتا ہو +

کے اس اسی الیس نے اس تہوار کی اور ایک وجہ لکھی ہو وہ لکھتا ہو

کہ شہر بننے سے پہلے رومیولس اور ریمس کے مویشی ایک مرتبہ کھوئے گئے تب فونس دیوتا سے دعا مانگ کر وہ دونو برہنہ پا ہوکر بھاگے ہوئے ڈھونڈنے لگے؛ کپڑے اتارنے سے مطلب یہ تھا کہ پسینہ انھیں پریشان نہ کرے۔ چناں چہ یہی برہنہ دوڑنے کی رسم ہو جسے اب تک پجاری دُہراتے ہیں ؛

قربانی کے بارے میں، اگر واقعی طہارت و پاکیزگی مقصود ہو تو کتّے کی قربانی ٹھیک ہو کیوں کہ یونانی بھی اسی طرح جوان کتّوں کو بھینٹ چڑھایا کرتے تھے اور ان کے ہاں یہ رسم عام تھی ؛ لیکن اگر کتّے کی قربانی اس مادۂ گرگ کی شکر گزاری میں کی جاتی ہو، جس نے رومیولس کو پالا تو بھی کتّا مارنے کی وجہ سمجھ میں آتی ہو کیوں کہ کتّا پجاریوں کی دوڑ میں حارج ہوتا ہوگا۔ اس لیے اس کو یہ سزا دی جاتی ہوگی ؛

کہتے ہیں کہ آگ کی حرمت کرنے والا بھی پہلا شخص رومیولس ہو. اسی نے آتش کدہ بناکر اس کی دیکھ بھال کے لیے مقدس کنواریاں مقرر کیں جن کو وسٹال (مرلیاں) کہتے ہیں ؛ مگر بعضوں کے نزدیک اس کا بانی نیوما ہو، گو اس میں موافق و مخالف کسی کو شک نہیں کہ رومیولس پکّا مذہبی شخص تھا اور شگون بچارنے میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ چناں چہ رمّالوں کا ٹیڑھا بڑنگا ڈنڈا جسے "لٹوس" کہتے ہیں اور جو پرندوں کی پرواز سے تفاؤل کے وقت آسمانی بروج کا نقشہ اتارنے میں استعمال ہوتا ہو، رومیولس کے پاس بھی رہتا تھا ؛ یہ ڈنڈا "پلاٹیم" میں محفوظ تھا اور اس وقت

کھوگیا جب شہر پر گال کے سپاہیوں کا قبضہ ہوا، لیکن ان وحشیوں کے جانے کے بعد وہ راکھ کے ڈھیر میں کھنڈروں تلے مل گیا، اس کے آس پاس کی چیزیں تمام جل گئی تھیں مگر وہ ڈنڈا صحیح سلامت تھا؎

رومیولس نے بعض قوانین بھی بنائے جن میں ایک ذرا سخت ہے، اُس کے رؤ سے کوئی بیوی اپنے شوہر کو نہیں چھوڑ سکتی مگر شوہر بیوی کو گھر سے نکال سکتا ہے، بشرطیکہ وہ اپنے بچوں کو زہر دیدے یا کنجیاں بدل دے یا زنا کا ارتکاب کرے۔ اس کے علاوہ شوہر بیوی کو علیحدہ کرنا چاہے تو شوہر کی جائداد کا ایک حصہ تو بیوی کو مل جاتا اور باقی سیرس دیوی کے نام (وقف) کردیا جاتا تھا۔ ساتھ ہی جو شخص بیوی کو چھوڑتا تھا، اُسے قربانیاں چڑھاکر دیوتاؤں سے معافی مانگنی پڑتی تھی؎

رومیولس کے قانون میں یہ خاص بات بھی ذکر کے لائق ہے کہ ان میں کوئی سزا قتل والدین کے لیے نہیں رکھی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ معمولی قتل ہی کو نہایت سنگین جرم خیال کرتا اور اس کے نزدیک ماں باپ کا قتل بالکل ناممکن بات تھی۔ اور مدت تک اس کا یہ خیال صحیح نکلا کیوں کہ اس کے بعد چھ سو برس تک روما میں ایسا جرم قبیح سرزد نہیں ہوا؎ ھنی بال کی لڑائیوں کے بعد تاریخ میں لوسیس ہوسٹیس پہلا شخص ہے جو اپنی اولاد کے ہاتھوں مارا گیا؎

ان معاملات کے متعلق غالباً اس قدر لکھنا ہی کافی ہوگا؎

مشترکہ حکومت کے پانچویں سال تےتئیس کے رفیقوں نے لاورنٹم کے ایلچیوں کو جو روما آرہے تھے، راستے میں لوٹنا چاہا۔ اور جب

وہ لوگ روپیہ دینے پر رضامند نہ ہوئے، تو انھیں مار ڈالا ؛ رومیولس نے یہ سُن کہ چاہا کہ مجرموں کو اس نالائق حرکت کی سزا دے لیکن تےتئیس نے لیت ولعل کی جس سے ان دونوں شاہوں میں علانیہ تنازع پیدا ہوگیا ورنہ اس وقت تک وہ نہایت احتیاط اور باہمی اتحاد کے ساتھ مل کر حکومت کرتے تھے ؛ جب مقتولوں کے وارث تےتئیس کی وجہ سے قانونی چارہ جوئی نہ کر سکے تو اُنھوں نے ایک روز جب وہ اور رومیولس لےوِی نیم میں قربانی چڑھا رہے تھے، اس پر حملہ کیا اور مار ڈالا۔ لیکن رومیولس کی انصاف پسندی اور عدل گستری کی اُنھوں نے تعریف کی اور اس کو گھر تک پہنچانے آئے ؛ رومیولس، تےتئیس کی نعش گھر لے آیا اور کوہ اونٹائین پر نہایت شان شکوہ سے ارملیس ٹریم کے قریب دفن کیا۔ لیکن قتل کا انتقام لینے سے تغافل کیا ؛ بعض مصنفین کا بیان ہے کہ لارنٹم والوں نے ڈر کے مارے خود ہی قاتلوں کو رومیولس کے حوالے کر دیا تھا۔ لیکن اس نے انھیں یہ کہ کے چھوڑ دیا کہ یہ قتل پہلے قتل کا بدلا ہوگیا ؛ اس واقعے کا لوگوں میں بڑا چرچہ ہوا اور حاسدوں کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ رومیولس اپنے شریک حکومت کی موت سے خوش ہوا ؛ غنیمت ہے کہ اس قسم کے خیالات نے سباینی لوگوں میں کوئی شورش نہیں پیدا کی۔ بلکہ وہ سب کچھ تو محبت و احترام کی وجہ سے اور کچھ اس کی قوت کے خوف سے اور کچھ اسے دیوتا سمجھ کر مذہبی عقیدت سے، آخر تک رومیولس کی فرمان برداری بجا لاتے رہے۔ ان کے علاوہ غیر قوموں نے بھی اس کا احترام کیا۔ قدیم لاطینی لوگوں نے سفیر بھیجے اور رومہ کے ساتھ اتحاد قائم کیا ؛ فدینی کو رومیولس

نے تسخیر کیا۔ اس طرح کہ سواروں کی ایک جماعت کو پہلے سے بھیج دیا۔ اور انھیں حکم دے دیا کہ شہر کے دروازوں کی چولیں کاٹ ڈالیں۔ بعدازاں اچانک خود پہنچ گیا۔ دوسری روایت یہ ہو کہ خود فدانیجی والوں نے حملہ کیا تھا اور جب وہ گرد نواح میں لوٹ مار کرتے پھرتے تھے تو رومیولس نے ایک دفعہ ہی چھاپہ مارا اور ان کے بہت سے آدمی کاٹ دیئے اس کے بعد شہر لے لیا مگر منہدم نہیں کیا، بلکہ اپنی نوآبادی بنایا اور اپریل کے وسط میں ڈھائی ہزار آدمی وہاں بسنے کے لیے بھیج دیے +

اس واقعے کے تھوڑے ہی دن بعد شہر میں ایک وبا ایسی پھوٹ پڑی کہ جس سے بغیر کسی پہلی بیماری کے فوری موت واقع ہو جاتی تھی۔ اس وبا سے غلّوں کے کھیت بے دانے رہ گئے تھے اور مویشی گیابھن نہ ہوتے تھے۔ شہر میں خون کی بارش ہوئی، جس سے لوگ اور بھی ڈرے کہ یہ دیوتاؤں کے قہر و غضب کی علامت ہو، مگر جب یہی آفت لارنٹم پر آئی تو سب نے قیاس کیا کہ دونو شہروں پہ خدائی غضب نازل ہوا کیوں کہ انھوں نے ایلچیوں اور تے تیئس کے خون کا بدلا لینے میں سخت لاپروائی کی تھی۔ چنانچہ جب دونو طرف سے قاتل ایک دوسرے کے حوالے کردیئے گئے اور انھیں اپنے کیے کی سزا مل گئی تو وبا میں صاف صاف کمی آگئی۔ مزید براں رومیولس نے دونو شہروں کے پاک صاف ہونے کی قربانیاں کیں جو اب تک "فے رن ٹینا" کے جنگل میں چڑھائی جاتی ہیں۔ لیکن اس وبا کے دفع ہونے سے پہلے کمرٹاین لوگوں نے رومہ پر چڑھائی کی اور اس کے سارے علاقے پر چھا گئے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ رومی وبا کی پریشانی میں مدافعت نہ

کرسکیں گے۔ مگر رومیولس نے فوراً لشکر تیار کرکے ان سے مقابلہ کیا اور ان کے چھ ہزار آدمی قتل کرکے بڑی بھاری لڑائی جیتی، پھر اُن کے شہر پر قبضہ کرکے وہاں کے آدھے باشندوں کو روما لے آیا اور جو اس شہر کمرٹیم میں باقی رہ گئے تھے اُن سے دُگنی تعداد اپنے لوگوں کی وہاں بسنے کو بھیج دی - یہ واقعہ پہلی اگست کا ہے، اس طرح رومیولس کو روما کی تعمیر کے سولہ برس کے اندر ہی اندر بہت سے آدمی باہر بھیجنے پڑے ؛ کمرٹیم سے دیگر اشیائے غنیمت کے علاوہ رومیولس ایک برنجی چرٹ چار گھوڑوں کا، چھین کر لایا اور اُسے وُلکن کے مندر میں رکھوا کر اپنا بُت اس کے اوپر قائم کرایا، اس طور پر کہ "فتح ونصرت" کی دیوی اس کو تاج پہنا رہی ہے ؛

جب رومیوں کی طاقت اس طرح روز بروز بڑھنے لگی تو ان کے کمزور ہمسائے تو خوف کھانے اور شکر بھیجنے لگے کہ ہم ان کے مقابلے میں نہ پڑے، لیکن جو قومیں کہ قوی تھیں وہ اندیشے یا حسد کی وجہ سے اس فکر میں ہوئیں کہ کسی طرح رومیولس کی طاقت اب زیادہ بڑھنے نہ پائے بلکہ بن پڑے تو اس کی روز افزوں عظمت خاک میں ملا دی جائے ؛ اس معاملے میں وے انٹے قوم نے پیش قدمی کی - وہ علاقۂ ٹسکنی کے رہنے والے اور بڑی بڑی زمینوں کے مالک تھے اور ایک وسیع شہر میں بستے تھے اُنھوں نے فڈینی پر دعوے کیا کہ یہ شہر ہمارا ہے اور اسی کو لڑائی شروع کرنے کا حیلہ بنایا۔ حالاں کہ یہ نہ صرف نامعقول بلکہ مضحکہ انگیز بات تھی کہ وہ جنھوں نے فڈینی والوں کی مصیبت میں کوئی خبر نہ لی اور آرام سے بیٹھے ان کا کشت وخون دیکھتے رہے، اب مرنے والوں کی

زمینوں اور مکانوں کے لیے اغیار سے لڑنے نکلے؛ چناں چہ ان کے مطالبات کی رومیولس نے اپنے جواب میں خوب تحقیر کی اور ہنسی اُڑائی، تب اُنھوں نے اپنے آپ کو دو جماعتوں میں منقسم کیا، ایک سے تو وہ فڈینی کی سپاہ پر حملہ آور ہوئے اور دوسری نے رومیولس سے مقابلہ کیا۔ فڈینی پر ان کے لشکر کو کامیابی ہوئی اور اس نے دو ہزار رومی قتل کیے۔ مگر دوسرے حصے نے رومیولس سے شکست فاش کھائی اور آٹھ ہزار جانوں کا نقصان اٹھایا۔ بعد ازاں فڈینی کے پاس ایک اور لڑائی ہوئی، اور اس میں سب کو اعتراف ہے کہ اُس دن زیادہ تر رومیولس کی ذات نے رومیوں کو میدان جتایا اور اس نے وہ قوت اور تیز پائی دکھائی جو مافوق العادت تھی، لیکن بعض مصنفین کا یہ لکھنا کہ اس جنگ کے چودہ ہزار مقتولین میں آدھے سے زیادہ رومیولس نے اپنے ہاتھ سے مارے، افسانہ معلوم ہوتا ہے اور کسی طرح عقل میں نہیں آتا۔ کیوں کہ مسینا والوں کا یہی دعوےٰ کہ ان کے سورما ارستومینی نے ایک دن میں اسپارٹا کے تین سو آدمی مارے مبالغہ آمیز سمجھا جاتا ہے؛ جب لشکر اس طرح تباہ اور فرار ہو گیا تو رومیولس تعاقب میں ان کے شہر تک اپنی فوجیں لے آیا۔ ان کا پہلے ہی اس قدر نقصان ہو چکا تھا کہ اب مقابلہ کرنے کی ہمت نہ پڑی بلکہ بڑی منت کے ساتھ امان چاہی اور روما سے صد سالہ اتحاد قائم کیا اُنھوں نے اپنا علاقہ سپٹم پاگیم (جس کے معنی ہیں سات پٹی) فاتح کی نذر کیا اور دریا پر اپنا نمک بنانے کا کارخانہ اور اپنے پچاس امرا بطور یرغمال حوالے کر دیئے۔ اس فتح کا جلوس رومیولس نے

اکتوبر میں نکالا، اور دوسرے اسیرانِ جنگ کے ساتھ اپنے ہم رکاب ان کے امیر لشکر کو بھی لایا جو ایک سن رسیدہ شخص تھا، مگر معلوم ہوتا ہو اس نے عمر کے مناسب عقل سے کام نہیں لیا تھا۔ اسی سے یہ رسم پڑی ہو کہ جب فتح مندی کی خوشی میں قربانیاں چڑھاتے ہیں تو جلوس کے آگے آگے ایک بڑھے شخص کو قلعے تک منڈی میں سے لے کر نکلتے ہیں اور قرمزی لباس پہنا کے بچوں کا زیور بُلّا اس کے باندھ دیتے ہیں اور نقیب آواز لگاتا چلتا ہو کہ "سارڈیہ والے مول کو!" کیوں کہ وی انٹی، ٹسکنی کا علاقہ ہو اور ٹسکنی والوں کی نسبت مشہور تھا کہ وہ سارڈیہ سے آکر یہاں آباد ہوئے ہیں۔

یہ رومیولس کی آخری جنگ تھی۔ اس کے بعد اس کا طرزِ عمل وہی ہوگیا جیساکہ اکثر، بلکہ باستثنائے چند، ان سب کا ہوجاتا ہو جو تقدیر کے زور اور اتفاقات کی خوبی سے عظمت و اقتدار حاصل کرلیتے ہیں؛ یعنی اپنے کارناموں پر اعتماد اور نخوت میں ترقی کرکے رومیولس نے اپنا جمہور پسند برتاؤ چھوڑ دیا اور وہ بادشاہی رعونت اختیار کرلی جس سے کہ لوگ خصوصاً عوام الناس بالکل بیزار ہوجاتے ہیں۔ مثلاً اپنے نارنجی لباس پر اس نے قرمزی کناروں کی عبا پہننی شروع کی اور ملاقات بھی ایک شاہی گاڑی میں بیٹھ کر کرنے لگا، اس طرح کہ ملاقات کے وقت نوجوان خدام جنھیں کام میں سبک پائی کی وجہ سے "سیلیرس" کہتے تھے، ہمیشہ حاضر رہتے تھے۔ ان کے علاوہ بہت سے عصا بردار اس کے آگے آگے چلتے تھے، ان کی کمر میں چمڑے کی رسّیاں لپٹی ہوتی تھی کہ جس کو بادشاہ حکم دے فوراً باندھ لیں؛ اس زمانے میں "لیگیر"

اسی معنی میں بولا جاتا تھا، جس میں کہ اب "الیگیر" (یعنی باندھ لینا) بولتے ہیں۔ اسی سے یہ عصا بردار "لکٹر" کہلاتے تھے اور ان کی جریبوں کو باکلا کہتے تھے، لیکن ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ یہ لفظ یونانی "لٹرجی" (بہ معنی عہدہ دار) سے نکلا ہو۔

لیکن جب رومیولس کا نانا نیومٹر فوت ہوا اور البا کی حکومت اس کے ورثے میں آئی تو اس نے لوگوں کی تالیف قلوب کے لیے وہاں کی حکومت وہیں والوں کو سونپ دی اور ہر سال ان پہ ایک حاکم مقرر کرکے بھیجنے لگا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ روما کے بڑے بڑے آدمیوں کو ایک آزاد اور غیر شخصی حکومت قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ جس میں باری باری ہر محکوم حکومت کر سکے۔ بات یہ ہے کہ اس وقت امرا کا بھی معاملات سلطنت میں کوئی دخل نہ رہا تھا۔ ان کا خطاب بزرگی برائے نام رہ گیا تھا اور ان کی "مجلس" مشورے کی جگہ محض رسم نباہنے کی خاطر منعقد ہوتی تھی جہاں وہ بادشاہ کے احکام چپ چاپ بیٹھ کر سنتے اور رخصت ہو جاتے گویا ان میں اور عوام الناس میں یہ فرق تھا کہ بادشاہی کارروائیوں کی اطلاع انھیں تھوڑی دیر پہلے مل جاتی تھی۔ یہ اور اس قسم کی دوسری باتیں معمول بن گئی تھیں۔ لیکن جب رومیولس نے اپنے اختیار سے وہ زمینیں جو جنگ میں حاصل ہوئی تھیں بانٹ دیں اور نیز اپنی رائے سے وے انٹی قوم کے یرغمال واپس بھیج دیئے جو مجلس کے سراسر خلاف منشا تھا تو ان کی بڑی دل آزاری اور سبکی ہوئی۔ اسی ناچاقی کا نتیجہ تھا کہ جب تھوڑے دن بعد رومیولس ایکا ایکی غائب ہوگیا تو مجلس پہ لوگ طرح طرح کے شبہے اور اتہام اٹھانے لگے۔

رومیولس جولائی کی نویں تاریخ غائب ہُوا اور کوئی نشانی ایسی نہیں چھوڑ گیا، جس سے اس کی موت کا یقین ہو جاتا، صرف غائب ہونے کا دن معلوم ہو، جس کی یادگار میں اس روز جو جو کچھ ہُوا تھا وہ اب تک بطور نقل کے دُہرایا جاتا ہو ؛ اس واقعے کی نسبت طرح طرح کے شکوک ہونا کچھ حیرت کی بات نہیں ہو : قریبی زمانے میں سپیو (فاتح افریقہ) کی اچانک موت کی نظیر ہمارے سامنے ہو - جو رات کے کھانا کھانے کے بعد اس طرح مر گیا تھا کہ موت کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ مریض تھا اور اس کی موت طبعی تھی، بعضوں کا خیال ہو کہ اُس نے زہر کھا لیا تھا کوئی کہتا ہو کہ نہیں اس کے دشمنوں نے رات کو گھر میں گھس کر اُس کا گلا گھونٹ دیا تھا، حالاں کہ صبح کو اس کی لاش سب کے سامنے تھی اور ہر شخص اپنے قیاس کی تحقیق و تصدیق کر سکتا تھا؛ برخلاف اس کے رومیولس تو جہاں سے غائب ہُوا وہاں اس کے جسم کا کوئی حصہ کیا معنی اس کے کپڑے تک کسی کو نہ ملے - اسی لیے بعض تو اس وہم میں تھے کہ ارکان مجلس نے ولکن کے مندر میں اس پر حملہ کیا، اور اس کی بوٹی بوٹی کر کے ہر شخص ایک ایک ٹکڑا اپنے سینے میں چھپا کے لے گیا۔ مگر اور لوگوں کا خیال ہو کہ وہ شہر کے باہر ایک مقام کے پاس جسے "بکری کی منڈی" کہتے تھے لوگوں کے سامنے تقریر کر رہا تھا، تو یکایک ہوا میں عجیب و غریب تلاطم پیدا ہُوا - سورج کا منہ اندھیرا معلوم ہونے لگا اور دن تیرہ و تار اندھیری رات بن گیا - جس میں ہیبت ناک کڑک چمک اور چوبائی آندھیاں چلنے لگیں، عوام الناس منتشر ہو کر بھاگ گئے - مگر اہلِ مجلس ایک ہی جگہ کھڑے رہ گئے۔

جب یہ طوفان اُتر گیا، روز روشن ہُوا اور لوگ پھر جمع ہوئے تو بادشاہ کو وہاں نہ پاکر پوچھنے لگے کہ وہ کیا ہُوا؟ جس کے جواب میں اہلِ مجلس نے اُنھیں منع کر دیا کہ وہ اس معاملے میں کچھ زیادہ تفتیش تشویش نہ نہ کریں۔ ساتھ ہی حکم دیا کہ آیندہ سے روميولس کی خدا رسیدہ اشخاص کی طرح نذر نیاز کی جائے، کیوں کہ اب وہ ایک عمدہ بادشاہ کی جگہ ان کے لیے ایک مہربان دیوتا کا کام دیگا"۔ یہ باتیں سُن کر خلقت خوش خوش لوٹ گئی کہ اب وہ ان کے ساتھ طرح طرح کی مہربانیاں کیا کرے گا۔ لیکن ان میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جنھوں نے مخالفت کی راہ اختیار کی اور امرا کو بہت بدنام کیا اور یہ الزام لگایا کہ انھوں نے بادشاہ کا خون کیا ہے اور اب لوگوں کو ایسے مہمل افسانے سنا سنا کر بہکا رہے ہیں"۔

اس افراتفری میں جولیس پروکولوس ایک صاحب نسب امیرزادے نے کہ اطوار پسندیدہ رکھتا تھا اور روميولس کا نہایت بے تکلف دوست اور شہر البہ کا ساتھی تھا چوک میں آکر حلفیہ بیان کیا کہ "سڑک پر آتے ہوئے میں نے روميولس کو اپنی جانب بڑھتے دیکھا ہے وہ پہلے سے زیادہ بلند قامت اور شکیل معلوم ہوتا تھا اور ایک چمکتی ہوئی آتشیں زرہ پہنے تھا"۔ یہ دیکھ کر میں ڈرا اور کہنے لگا کہ "اے بادشاہ تو ہمیں ایسے بُرے بُرے شبہات میں پھنسا کر اور شہر بھر کو غمگین و مضطرب بنا کے کیوں چلا آیا؟ بھلا اس سے تیری غرض کیا ہے؟ اور اس نے جواب میں کہا کہ "او، پروکولوس! دیوتاؤں کی مرضی یہی تھی کہ ہم جو ان کی طرف سے آئے تھے، دنیا میں اتنے ہی دن ٹھیریں۔ اور حکومت و ناموری میں دنیا کا سب سے بڑا شہر بنا کے واپس بہشت کو چلے جائیں۔

مگر اب رخصت! اور رومیوں سے کہہ دینا کہ اعتدال و استقلال کے ذریعے وہ انتہائی انسانی اقتدار حاصل کرلیں گے۔ ہم تمھیں برکت دینے والے دیوتا "کیوری نس" ہوں گے۔

بیان کرنے والے کی دیانت اور حلف نے رومیوں کو یہ سب باور کرادیا۔ اور دراصل بیان میں کچھ ایسا ربّانی جوش ملا ہُوا تھا کہ معلوم ہوتا تھا بولنے والے پر خدا کا الہام ہورہا ہے۔ کسی نے اس بیان کی تردید نہ کی بلکہ باہمی ہجو اور تکرار چھوڑکر سب نے نئے دیوتا "کیوری نس" کے آگے ڈنڈوت کی اور اس سے دعائیں مانگنے لگے۔

یہ قصہ ارسٹیاس اور کلیومیڈی کے یونانی افسانوں سے بہت ملتا جلتا ہے، کیوں کہ کہتے ہیں ارسٹیاس کسی رنگریز کی دُکان میں مرگیا تھا اور جب اس کے اقربا وہاں دیکھنے آئے تو اُس کا جسم غائب پایا اور تھوڑی دیر بعد ایک شخص نے جو باہر سے آرہا تھا بیان کیا کہ میں نے رستے میں اُسے کراٹن کی سمت جاتے دیکھا تھا، اور اسی طرح کلیومڈی کا سنا ہے کہ غیر معمولی طاقت ور اور دیو جُثّہ شخص تھا مگر مزاج میں سخت وحشت تھی اور حرکتیں بھی مجنونانہ کرتا تھا۔ ایک دفعہ اُس نے گھونسا مارکر ایک ستون ڈھا دیا۔ جس پر مدرسے کی چھت قائم تھی۔ ستون ٹوٹتے ہی مکان آپڑا اور مدرسے کے سب بچے اس میں دب کر مرگئے۔ جب لوگ اسے پکڑنے کو دوڑے تو وہ بھاگ کر ایک بہت بڑے صندوق میں گھس گیا، اور اس کا پٹ بند کرکے ایسی مضبوطی سے پکڑے رہا کہ بہت سے آدمی مل کر زور کرتے رہے مگر کھول نہ سکے تب انھوں نے صندوق کو توڑا تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس میں نہ کوئی آدمی

ہو نہ اس کی لاش! سخت حیرت ہوئی، اور ڈیلفی سے دریافت
کیا گیا۔ تو وہاں کی نبیہ نے اس کے جواب میں یہ الفاظ کہے کہ،
"سب سورماؤں میں کلیومڈی آخری سورما ہے" +
ایک قصہ الومنا کا مشہور ہے کہ اس کی لاش لے جاتے وقت ارتھی
پر سے غائب ہو گئی تھی، اور اس کی جگہ ایک پتھر وہاں دھرا تھا +
غرض ہمارے افسانہ نویس ایسی ایسی بہت سی خلاف عقل باتیں سناتے
ہیں اور فانی مخلوق کا رتبہ کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں۔ اگرچہ اس
میں شک نہیں کہ آدمی کی نیکیوں کو خدا اور ربانیت سے بالکل جدا سمجھنا
بھی لامذہبی اور برائی ہے مگر اس کے ساتھ ہی خاک کو آسمان سے ملا دینا
لغویت ہے۔ ہمیں پنڈار کی بات ماننی چاہیے جو کہتا ہے کہ :-

"تمام انسانی اجسام پر فنا کا حکم
چلتا ہے۔ بقائے دوام روح کو ہے" +

کیوں کہ روح دیوتاؤں سے نکلی ہے اور وہاں سے آئی ہے وہیں
لوٹ جائے گی، جسم کے ساتھ نہیں بلکہ اس سے بالکل علیحدہ ہو کر اور
اس وقت جب کہ گوشت و خون سے قطعی طور پر پاک صاف ہو جائے۔
کیوں کہ ہیراکلیت کے بقول روح کامل ایک ستھری روشنی ہے جو جسم
سے اس طرح اُڑ جاتی ہے جیسے بادلوں سے بجلی۔ لیکن وہ روح جو جسم
سے مقیّد اور آلودہ ہے سست اور افسردہ چنگاری کے مانند ہے جس
میں لَو بھی بہت مدھم دیر میں روشن ہوتی ہے، اسی وجہ سے یہ ہرگز
نہیں چاہیے کہ بزرگوں کی ارواح کے ساتھ ہم خلاف فطرت یہ سمجھ لیا
کریں کہ ان کے اجسام بھی آسمان پر چلے جاتے ہیں۔ البتہ اس پر

یقین لانا واجب ہے کہ فطرت الٰہی اور قانون ربّانی کے مطابق ان نفوس قدسیہ کی نیکیاں اور روحیں معمولی آدمی کے بجائے اُنھیں سورما بنادیتی ہیں اور سورماؤں سے نیم دیوتا اور پھر آخری پاکیزگی اور جلا پانے کے بعد ہر شے سے جو مادّی یا فنا پذیر ہے، وہ بالکل پاک اور منزّہ ہوجاتے ہیں۔ اور لوگوں کے بنانے سے نہیں، بلکہ واقعی اور واجبی طور پر انہیں دیوتاؤں کا رتبۂ رفیعہ حاصل ہوجاتا ہے، جو کہ سب سے بڑی اور نہایت متبرک کاملیت ہے۔

رومیولس کا اضافی نام "کیوری نس" بعضوں کے نزدیک مریخ کے ہم معنی ہے۔ بعض لوگ اس کی وجہ تسمیہ "کیوری ٹش" بتاتے ہیں جو کہ رومیوں کی قومیت تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ قدیم زمانے میں نیزہ یا برچھی "کیورس" کہلاتی تھی اور جو لوگ لڑائی میں نام آوری کے کام کرتے تھے انھیں بھی نیزہ ہی بطور نذر پیش کیا جاتا تھا۔ اسی واسطے رومیولس جو ایک جنگی یا تیروں کا دیوتا ہے کیوری نس کہلایا۔ یہ یقینی ہے کہ رومیولس کے اعزاز میں پہاڑ پر ایک مندر بنایا گیا اور اسی کے نام سے "کیوری نالیس" کہلاتا تھا۔

جس روز وہ غائب ہوا اس کو "لوگوں کی بھگدڑ" اور "بکریوں کا تہوار" کہتے ہیں، کیوں کہ اس دن سب لوگ شہر کے باہر جاکر 'بکری کی منڈی' کے مقام پر قربانیاں چڑھاتے ہیں اور جاتے وقت بعض رومی نام لے لے کر پکارتے جاتے ہیں جیسے مرقس، لوسیس، سکےاس وغیرہ یہ گویا ان کے اس بھاگنے کی اور گھبراہٹ کی نقل ہوتی ہے جس طرح وہ بھاگتے وقت ایک دوسرے کو

نام لے لے کر پکارتے جاتے تھے"۔ دوسری روایت یہ ہی کہ یہ اس یورش کی نقل ہی جو بہت جلدی میں رومیوں نے کی تھی، اس سے ان کا اشارہ ذیل کے واقعے کی طرف ہی:-

جب کامی لس نے گال کے لوگوں کو جو رومہ پر قابض ہو گئے تھے نکال دیا تو یہ دیکھ کر کہ ابھی شہر رومہ کی حالت درست نہیں، ہمسائے کی لاطینی قوم نے اس پر چڑھائی کی اور ان کا سپہ سالار پوس تومئیس اپنی فوج لے کر شہر کے قریب پہنچ گیا اور رومیوں سے ایلچی کی معرفت کہلا بھیجا کہ لاطینی لوگ قدیم اتحاد کو (جو اب قریب قریب ٹوٹ چکا ہی) تازہ کرنا چاہتے ہیں اور یہ مقصد دونوں قوموں میں شادی بیاہ سے پورا ہو سکتا ہی پس اگر رومی اپنی بیوہ اور ناکتخدا عورتیں معقول تعداد میں بھیج دیں تو آپس میں دوستی اور صلح ہو جائے گی۔ بالکل اسی طرح جس طرح سابائنی پہلے اسی طریق سے رومیوں کے دوست ہو گئے تھے۔

رومیوں نے یہ پیغام سُنا تو لڑائی سے بہت خوف کھایا مگر اپنی عورتوں کا بھیجنا بھی گویا انھیں غلامی میں دینے کے برابر معلوم ہوتا تھا وہ اسی تردد میں تھے کہ ایک خادمہ فلوطیس (یا ایک اور قول کے مطابق ٹیوٹولا) نے ان کو ایک ایسی چال سجھائی کہ نہ بہت کشت و خون ہو اور نہ وہ شرط پوری کرنی پڑے۔ چال یہ تھی کہ رومی بجائے شریف زادیوں کے خود فلوطیس اور اپنے ہاں کی خوبصورت خوبصورت چھوکریوں کو بہو بیٹیوں کے کپڑے پہنا کر دشمن کے حوالے کر دیں اور جب رات کو فلوطیس وہاں آگ جلا کر روشنی کرے تو رومی

مسلح ہوکر اُن پر چھاپہ ماریں "۔ لاطینی اس دھوکے میں آگئے اور فلوطیس کے قرار داد کے موافق جنگلی کھجور پر ایک مشعل کھڑی کر دی اور اس کو پردوں اور اوٹوں میں اس خوبی سے قائم کیا کہ دشمن کو خبر بھی نہ ہوئی مگر رومیوں کو روشنی صاف نظر آگئی۔ اشارہ پاتے ہی وہ فوراً شہر سے نکل پڑے اور جانے کی جلدی میں ایک دوسرے کو پکارتے جاتے تھے۔ اس غیر متوقع شب خون نے دشمن کو شکست دی، اور رومیوں نے فتح کی خوشی میں تہوار منایا۔ جس کا نام بکریوں کا تہوار اس لیے پڑگیا کہ رومی جنگلی کھجور کو "کپ ری فی کس" یا "بکر کھجور" کہتے تھے۔ اس تہوار میں عورتوں کو شہر کے باہر لے جاکر کھجور کے سائبانوں میں بٹھا دیتے ہیں اور ان کی چھوکریاں ماماَئیں جمع ہوکر اِدھر اُدھر کودتی پھاندتی پھرتی ہیں۔ پھر وہ آپس میں جھوٹ موٹ کی لڑائی لڑتی اور ایک دوسرے کے پتھر مارتی ہیں۔ یہ اس بات کی یادگار ہے کہ اُنھوں نے رومیوں کو جنگ میں مدد دی تھی۔

لیکن اس قصّے کو چند ہی مصنفوں نے مانا ہے کیوں کہ دن میں ایک دوسرے کا نام لے کر پکارنا اور پھر قربانی چڑھانے بکریوں کی منڈی جانا پہلی کہانی سے زیادہ مطابقت رکھتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ دونوں واقعے مختلف سنین میں ایک ہی روز ہوئے ہوں۔

روایت عام کے مطابق رومیولس نے چوّن برس کی عمر میں اڑتیس سال حکومت کرکے اس دُنیا کو چھوڑا۔

رومیولس کا موازنہ تھی سی اس کے ساتھ

یاد رکھنے کے قابل یہ باتیں تھیں جو تھی سی اس اور رومیولس کے بارے میں مجھ کو معلوم ہوئیں ؛ سب سے پہلا فرق تو ان دونوں میں یہ نظر آتا ہے کہ تھی سی اس بغیر کسی مجبوری کے اپنے آپ بڑے بڑے کام کرنے پر کمر بستہ ہوا ۔ بے شبہ اگر وہ چاہتا تو بلا کسی خرخشے کے بڑے آرام و اطمینان کے ساتھ ٹریزن ہی میں ایک اچھی خاصی بادشاہی کا لطف اٹھا سکتا تھا ۔ اس کے برخلاف رومیولس کو (افلاطون کے الفاظ میں) محض خوف نے دلاور بنا دیا تھا ۔ یعنی سخت ترین مصیبتوں سے بچنے کے لیے اسے بڑی بڑی مہمیں انجام دینی پڑیں ۔ تکالیف اور پُر عقوبت سزا سے بچنے کے لیے اُس نے اپنے تئیں مخدوش مہمات میں ڈالا اور گویا حفاظت ذاتی کی وجہ سے وہ بڑے بڑے کام کرنے پر مجبور ہوا اس کا سب سے بڑا کارنامہ شاہ البہ کا قتل ہے حالاں کہ اس کا مدِ مقابل بطور سرسری مہمات کے اسکای رون، ہسٹیس وغیرہ کئی نام گنوا سکتا ہے ، جن کے قتل نے یونان کو نہایت خوفناک ظالموں سے پاک کر دیا اور ظلم سے نجات پانے والوں کو خبر بھی نہ ہوئی کہ یہ کام کس نے انجام دیا ۔ اس کے علاوہ وہ چاہتا تو بلا دقت سمندر کے راستے ایتھنز چلا جاتا اور یہ تاویل کر لیتا کہ خود مجھے ان رہزنوں سے کوئی ضرر نہیں پہنچا ہے ؛ لیکن رومیولس کے معاملے میں یہ صورت نہ تھی اور امیولیئس کے جیتے جی وہ اپنے تئیں محفوظ نہ سمجھ سکتا تھا ۔

پھر تھی سی اس، تو بلا کوئی ذاتی نقصان اٹھائے ان اشرار پر محض اوروں کی خاطر حملہ آور ہوا تھا۔ لیکن رومیولس اور رمیس اُس وقت تک کہ جابر ایمولیئس اوروں کو تکلیف دیتا رہا اور وہ خود محفوظ تھے، بالکل خاموش رہے؛ اور اگر محض قوم سبا ئینی سے لڑائی میں مجروح ہونا، یا شاہ اکرن کو قتل کرنا یا بہت سے دشمنوں کو مغلوب کرنا کوئی بہت بڑا کارنامہ ہو تو اس کے مقابلے میں ہم سنٹوروں کی لڑائی یا امیزنوں کے معرکوں کو پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن تھی سی اس نے جس طرح اپنے کو بہ طیب خاطر کر یٹ جانے والوں میں پیش کیا اور ان کے لڑکے اور لڑکیوں کے یرغمال میں شامل ہوگیا، جو یا خوفناک منوٹور کا شکار ہوجاتے یا اندروجیس مقتول کے مقبرے پر بھینٹ چڑھا دیئے جاتے تھے اور یا (سب سے معتدل روایت کے بموجب) بے رحم و مغرور آقاؤں کی شرمناک غلامی میں زندگی گزارنے پر مجبور ہوتے تھے۔ تو فی الحقیقت اس کا یہ فعل ایسی جوانمردی، شرافت، ایثار، انصاف اور حب الوطنی کا مجموعہ ہے، جس کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ اور اس لیے میں خیال کرتا ہوں کہ اریاڈنی کو تھی سی اس کے ساتھ جو محبت ہوئی وہ کسی دیوتا ہی کی طرف سے ہوگی تاکہ ایسے بےنظیر نوجوان کی حفاظت ہو۔ جیسا کہ اہل فلسفہ نے محبت کی تعریف بیان کی ہے کہ وہ نوعمروں کی حفاظت و پرورش کے لیے انسان کو دی گئی تھی۔ اس لحاظ سے تو اریاڈنی کی محبت پر حرف رکھنے کی بجائے ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ دوسرے مرد و عورت اسی طرح تھی سی اس پر کیوں نہ مائل ہوگئے؟ لیکن اگر صرف وہی تھی، جس کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا، تو حق یہ ہے کہ مجھے یہ بات کہہ دینے میں بھی تامل نہ ہوگا کہ وہ (یعنی

اریاڈن) خود دیوتاؤں کی محبوب بننے کی اہلیت رکھتی تھی کہ اسی کے دل میں نیکی، اور بھلائی، اور شجاع ترین انسان سے عشق کرنے کی سب سے زیادہ قابلیت تھی!

تھی سی اس اور رومیولس، دونو کو فطرت نے حکومت کرنے کے لیے پیدا کیا تھا، لیکن بادشاہت کے حقیقی اور کامل معیار پر ایک بھی پورا نہ اترا بلکہ ایک کو تو جمہوریت میں غلو نے کھویا اور دوسرے کو مطلق العنانی نے خراب کیا۔ اس طرح مختلف الخیال ہونے کے باوجود وہ دونو ایک سی غلطی میں مبتلا ہوے۔ اصل یہ ہو کہ حاکم کا پہلا فرض اپنے عہدے کا توازن قائم رکھنا ہو جو اس وقت تک نہیں رہ سکتا جب تک کہ وہ اسی مستعدی کے ساتھ نامناسب امور سے ابا نہ کرے، جس مستعدی کے ساتھ مناسب کام انجام دیتا ہو؛ جس کسی نے زیادہ چشم پوشی یا سخت گیری پر عمل کیا سمجھ لینا چاہیے کہ وہ حکومت کے قابل نہیں رہا بلکہ یا شہرت پسند واعظ بن گیا اور یا خود پسند جابر اور اس لیے یا تو رعایا میں اس کی وقعت نہ رہے گی، اور یا وہ اس سے بیزار ہو جائے گی۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ پہلے نقص کا مصدر نیک نہادی اور نرمی معلوم ہوتا ہو اور دوسرے کا غرور اور سختی +

اب ہم اس ناواجب اور پر غضب طرز عمل کا موازنہ کرتے ہیں جو تھی سی اس نے اپنے بیٹے کے ساتھ دکھایا اور رومیولس نے اپنے باپ

ا‍ے ریمس کے قتل کا واقعہ رومیولس کی سوانح عمری میں مذکور ہی لیکن تھی سی اس کے بیٹے سے ناراضگی کا حال صراحتاً مصنف نے نہیں لکھا ہو بلکہ اشارۃً تھی سی اس کی ایک بیوی فیڈرا اور اس کے بیٹے کے مصائب کا ذکر کیا ہو ان تکلیفوں کی وجہ خود تھی سی اس کی غضب ناکی ہوئی تھی اور اسی کا مصنف اس وقت رومیولس کے غصے سے جس نے بھائی کو مار ڈالا مقابلہ کرتا ہو۔ م

بھائی کے ساتھ ، اگر انسانی مصائب محض تقدیری نہیں ہیں ، بلکہ خود ہمارے عادات اور افعال سے ان کا تعلق ہو تو ان دونوں کو کون بری کرسکتا ہو ؟ البتہ ہم اس کو نسبتاً معذور تصور کرسکتے ہیں جس کو زیادہ اشتعال پہنچا ہو - اب رومیولس نے تو سرکاری معاملات میں ارادۃً اور عمداً اپنے بھائی سے تنازعہ پیدا کیا تھا اور اس لیے کہا جاسکتا ہو کہ اس کا دفعۃً اس درجہ مشتعل ہوجانا کسی طرح لازمی اور واجب نہ تھا لیکن تھی سی اُس کے اپنے بیٹے پر زیادتی کرنے کے اسباب بیوی کی شکایتیں اور عشق و حسد تھے ، جن سے متاثر نہ ہونا ہر شخص کا کام نہیں ہو - اس کے علاوہ رومیولس نے غصّے میں جو کچھ کیا اس کا نتیجہ بہت ہی افسوس ناک (یعنی بھائی کی موت) نکلا ، مگر تھی سی اس کا طیش صرف بُرے الفاظ اور بزرگانہ بددعاؤں تک محدود رہا۔ اس کے بعد جو جو مصیبتیں اس کے بیٹے پر آئیں انھیں خود اس کی قسمت سے منسوب کرسکتے ہیں ، اور اس لیے اس حد تک تھی سی اس ہی کو ترجیح دی جائے گی ٭

لیکن سب سے اول اور رومیولس کے حق میں سب سے بڑی دلیل یہ ہو کہ اس نے بہت نیچے درجے اور ادنیٰ حیثیت سے ترقی کی تھی؛ وہ اور اس کا بھائی رئیس شرفا کے بجائے کمینوں میں شمار کیے جاتے تھے اور آزاد ہونے سے قبل وہ محض سور چرانے والے تھے۔ مگر جوں ہی اُنھوں نے عروج پایا اور قوم لاطینی کو نعمت آزادی سے بہرہ مند کیا اُسی وقت سے وہ دشمن کش ، دوست نواز ، ولیٔ نعمت اور شہر آباد کرنے والے کہلائے۔ حالاں کہ

تھی سی اس نے بنیاد ڈالنے کے بجائے بہت سے شہروں کو جن میں بڑے بڑے بادشاہ اور نامور سورما گزرے تھے ویران کر دیا، اور بہت سے گھر بگاڑنے کے بعد صرف ایک گھر کو رونق دی تھی۔ بے شبہ رومیولس بھی آخر میں انھی طریقوں پر اتر آیا تھا اور اپنے مغلوب دشمنوں کو مجبور کرتا تھا کہ شہروں کو منہدم کر کے اس کے ہمراہ چل بسیں مگر ابتدا میں اس نے اس قسم کی کوئی کارروائی نہیں کی نہ لوگوں سے کسی خاص شہر کی رونق بڑھانے کے لیے (جو پہلے سے موجود تھا) جبراً ترک وطن کرایا۔ البتہ اس نے ایک نئے شہر کی بنیاد ڈال کر جن زمینوں کی یا حکومت اور آل اولاد کی ضرورت تھی وہ حاصل کر لی تھیں۔ ایسا کرنے میں اُس نے کسی کو ہلاک نہیں کیا، بلکہ ان کو فائدہ پہنچایا، جو بے خانماں تھے اور کہیں مستقل بسنا اور شہری بن جانا چاہتے تھے۔ پھر یہ بھی قابل لحاظ بات ہے کہ اس نے جن پر اپنی سیاست صرف کی وہ لٹیرے بدمعاش نہ تھے۔ ایسے لوگوں پر اس نے اپنی تلوار نہیں علم کی تھی، بلکہ بڑی بڑی قوموں اور شہروں کی تسخیر کی تھی اور بادشاہوں اور سپہ سالاروں سے لڑائیاں جیتی تھیں۔ یہ امر کہ اُس نے اپنے بھائی کا خون کیا، مشتبہ ہے اور ثابت نہیں کہ وہ کس کے ہاتھ سے مارا گیا بلکہ عام طور پر اس جرم کو دوسروں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ باقی اپنی ماں کو تو، کوئی شبہ ہی نہیں کہ اُس نے موت کے منہ سے نکالا۔ اور اسی طرح نانا کو ایک شرمناک پابندی اور ماتحتی سے نکال کر اینیاس کے تخت پر بٹھایا، اور مدۃ العمر اس کی خدمت گزاری کرتا رہا اور کبھی بھول کر بھی اُسے ضرر نہیں پہنچایا۔ اس کے برخلاف

تھی سی اس نے جس طرح اپنے باپ کی تعمیل احکام میں غفلت کی اور کریٹ سے آتے وقت وہ جھنڈا اپنے جہاز پر نہ چڑھایا جو اُن کی سلامتی سے مراجعت کی علامت تھا تو یہ ایک ایسی بے پروائی ہو، جس کا وہ کوئی معقول عذر نہیں پیش کرسکتا۔ اور میرے خیال میں نہایت رحم دل ججوں کے سامنے بھی الزام پدر کشی قائم کیے جانے سے نہیں بچ سکتا۔ اور شاید یہ دیکھ کر کہ اس الزام سے تھی سی اس کو بری کرنا دشوار ہو۔ ایک یونانی مصنف نے واقعے کو دوسرے رنگ میں رنگنا چاہا ہو اور لکھا ہو کہ جس وقت جہازوں کو واپس آتے دیکھا تو خود اے جیس قلعے پر سے دوڑتا ہوا آیا کہ جانے والوں کی خیر خبر معلوم کرے، اسی عجلت میں اُس کا پانوں پھسلا اور وہ گر کر مرگیا؛ مگر یہ روایت صریحاً غلط ہو، کیوں کہ ظاہر ہو کہ اے جیس کے پاس نوکروں کی یا وہ خود ساحل آتا تو ساتھ چلنے والوں کی کمی نہ تھی ؂

عورتوں سے زناکاری کے جو الزام ان دونو بادشاہوں پر لگائے جاتے ہیں، اُن سے تھی سی اس خصوصاً اپنا کوئی معقول بچاؤ نہیں کرسکتا۔ جس کی پہلی وجہ تو یہ ہو کہ اس کے معاملے میں یہ جرم بار بار سرزد ہوتا ہو، چناں چہ اُس نے اریاڈنی، انٹی اوپ اور اناکسو ٹریزنی کو بھگایا اور آخر میں ہیلن کو جب کہ وہ بالکل بچہ تھی اور تھی سی اس ایک سفید ریش بڈھا۔ گویا اس کی عمر کم سنی کی وجہ سے شادی کے لائق نہ تھی، تو اس کی عمر بڑھاپے کے باعث حدِ نکاح سے تجاوز کرچکی تھی۔ دوسرا سبب جو اس کے جرم کو سنگین بنا دیتا ہو

یہ ہی کہ تین اول الذکر کنواری لڑکیاں خاندان و مرتبے کے اعتبار سے بھی ایتھنزی عورتوں پر کوئی فوقیت نہ رکھتی تھیں کہ بہتر اولاد کی خاطر اُن سے شادی کی جاتی۔ پس یہ شبہ اور قوی ہوجاتا ہی کہ ان عورتوں کا لانا محض شہوت پرستی تھا۔ رومیولس نے ایسا نہیں کیا بلکہ جب آٹھ سو کے قریب عورتیں اس نے پکڑلیں تو ان میں سے صرف ایک (حسب روایت عام) ہرسیلیا کو اپنی بیوی بنایا اور باقی اپنے شہر کے معززین میں تقسیم کردی گئیں۔ پھر بعد میں ان کی جو محبت و پاسداری ملحوظ رکھی اس سے ثابت کردیا کہ یہ زیادتی مصلحت سے خالی نہ تھی اور اس کا اصلی منشا یہ تھا کہ دو قوموں کو باہم متحد کردیا جائے اور اس رشتے کو آیندہ دوستی اور مشترکہ قوت کا ایک وسیلہ بنایا جائے درحقیقت جس اخلاص و محبت کی مثال رومیولس نے بیویوں کے ساتھ قائم کی تھی، زمانے سے بہتر اس کا گواہ کوئی نہیں کہ اس کے بعد دو سو تیس برس تک رومتہ الکبریٰ میں نہ کسی خاوند نے اپنی بیوی کو دغا دی اور نہ کسی بیوی نے اپنے شوہر سے بے وفائی کی بلکہ جس طرح یونانیوں میں متجسس طبائع ان کے نام یاد رکھتی ہیں، جنھوں نے سب سے اول پدرکشی یا مادرکشی (جیسے قبیح جرائم) کا ارتکاب کیا اسی طرح اہل رومہ کو بھی معلوم ہی کہ ان کے ہم وطنوں میں سب سے پہلا شخص جس نے اپنی بیوی کو بانجھ ہونے کا الزام لگاکر علحدہ کیا، سپوریس کاروی لیکس ہی۔ اب رومیولس اور تھی سی اس کی شادیوں سے جو نتائج ظہور میں آئے وہ بالکل توقع کے مطابق تھے۔ یعنی پہلے کی شادیوں نے تو دونوں بادشاہوں کو سلطنت میں شریک بنادیا اور دونوں

قومیں ایک ہی حکومت کے تحت میں آگئیں ، لیکن تھی سی اس کی شادیاں نہ دوستی بڑھانے کے واسطے تھیں نہ باہمی رشتہ داری کے واسطے پس ان کا انجام خوں ریزی ، جنگ وجدال اور عداوات کی صورت میں رونما ہؤا ۔ آخر میں قصبۂ افیدنی بھی اہل ایتھنز کے ہاتھ سے نکل گیا اور انھیں اپنے دشمنوں کی دیوتا بنا کر خوشامد درآمد کرنی پڑی اور اُن کے رحم کھانے سے بچ گئے ورنہ وہی حشر ہوتا جو شاہ پیرس کے ہاتھوں شہر ٹرواے کا ہؤا ؛

پھر بھی تھی سی اس کی ماں پر تمام وہ مصیبتیں گزریں جو ہکوبہ پر گزری تھیں ، جسے اس کے بیٹے نے چھوڑ دیا تھا اور پھر خبر نہ لی تھی ، اگرچہ یہ ممکن ہو کہ یہ روایت (تھی سی اس کی ماں کے بارے میں) صحیح نہ ہو ، اور میں تو خدا سے چاہتا تھا کہ نہ صرف یہ بلکہ اور بہت سی باتیں بھی محض افسانہ ہوں ؛

ان دونو کی پیدائشوں میں آسمانی تائید کے متعلق بھی جو کچھ بیان کیا جاتا ہو وہ قابل موازنہ ہو ۔ رومیولس کو تو دیوتاؤں نے خاص اپنی عنایت سے پرورش کیا تھا ، مگر اے جیس (تھی سی اس کے باپ) کو جو الہامی پیغام دیا گیا تھا کہ وہ کسی عورت کے پاس نہ جائے ، اس کا منشا یہ معلوم ہوتا ہو کہ تھی سی اس کی ولادت دیوتاؤں کی مرضی کے مطابق نہ تھی ! ؛

لِکَرگس

مورخوں نے اسپارٹی مقنن لکرگس کے جو حالات تحریر کیے ہیں ان کی صحت اتنی مشتبہ ہی کہ کوئی قول ایسا نہیں جو ایک شخص نے وثوق سے لکھا ہو اور باقی سب نے اس کی تکذیب یا تعریض نہ کی ہو چنانچہ اس کے خاندان اس کی سیاحتوں اور وفات کے بارے میں کہ کس طرح اور کہاں ہوئی، بے حد اختلاف ہی، خصوصاً جب اس کے بنائے ہوئے قوانین اور نظام سلطنت کا ذکر آتا ہی تو یہ اختلافات اور بھی نمایاں ہو جاتے ہیں؛ اس پر بھی لوگوں کو اتفاق نہیں کہ وہ کس عہد کا آدمی ہی، کیوں کہ بعض مورخوں کا بیان ہی کہ وہ ایفی ٹس کے زمانے میں پھولا پھلا اور نامور ہوا بلکہ اسی ایفی ٹس کے ساتھ مل کر اس نے یہ ضابطہ نافذ کرایا کہ جن ایام میں اولمپی کھیلوں کی مذہبی تقریب منائی جاتی ہی، ان میں اہل یونان جدال و قتال ترک کر دیں گے۔ اسی قول کو ارسطو نے بھی مانا ہی اور اس کی تصدیق میں یہ دلیل پیش کی ہی کہ اُن تانبے کے چکروں میں جو ان کھیلوں کے وقت استعمال کیے جاتے ہیں، ایک پہ لکرگس کے نام کا کتبہ ہی جو میرے (یعنی ارسطو کے) وقت تک نہیں مٹا تھا؛ لیکن اراتس تن، اپالوڈورس اور دوسرے وقائع نویس شاہان اسپارٹہ کے سنین حکومت کو جوڑ کر یہ ثابت کرتے ہیں کہ لکرگس خود اولمپی کھیلوں کے

آغاز سے بھی پہلے کا آدمی ہے۔ ٹمای میئس کا قیاس یہ ہے کہ لکرگس نام کے دو شخص دو مختلف زمانوں میں گزرے ہیں، لیکن لوگوں نے دونو کے کارہائے نمایاں ایک ہی شخص سے منسوب کر دیے جو اپنے دوسرے ہم نام سے زیادہ مشہور و معروف تھا۔ اس مؤرّخ کے نزدیک پہلا لکرگس، ہومر کے قریبی زمانے کا آدمی ہے۔ بعض مصنّف اس کی تصریح میں اور آگے بڑھ گئے ہیں، اور کہتے ہیں کہ لکرگس خاص ہومر کے دیکھنے والوں میں تھا۔ بہرحال، یہ بات کہ وہ بہت قدیم زمانے کا شخص ہے زینوفن کے ایک فقرے سے بھی مترشح ہوتی ہے، جس میں وہ اُسے بادشاہوں کے خاندان ہرقلی کا ہم عصر بتاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسپارٹہ کے آخری بادشاہ تک نسلاً ہرقلی تھے لیکن زینوفن کی مراد اس موقع پر جن بادشاہوں سے ہے وہ ہرقل کے قریبی جانشین ہیں مگر اس الجھن اور اختلافات کے باوجود ہم اس کے حالات زندگی ترتیب دینے کی کوشش کرتے ہیں اور ان بیانات پر چلیں گے جن کی سب سے کم تردید کی گئی ہے اور ان مصنفوں پر بھروسہ کریں گے جو سب سے زیادہ قابل اعتبار اور ثقہ ہیں

سا می مونی ڈس شاعر لکرگس کو یونوس کے بجائے پری ٹانس کی اولاد میں رکھنا چاہتا ہے۔ مگر یہ اکیلے اسی کی رائے ہے، ورنہ باقی سب نے یونومس اور لکرگس کا شجرۂ نسب حسب ذیل تحریر کیا ہے :-

ارستوڈیمس
|
پٹروکلیس
|
سواوس
|
یوری پن
|
یونومس
|
پولی ڈک ٹیس ———— لکرگس
(پہلی بیوی سے) (دوسری بیوی ڈیونسا کے بطن سے)

ڈایوکی ڈس کہتا ہے کہ وہ پٹروکلیس کی چھٹی اور ہرقل کی گیارھویں پشت میں تھا۔ جو کچھ ہو، اس میں شبہ نہیں کہ اس کے بزرگوں میں سب سے نامور سواوس گزرا ہے، جس کے زمانے میں اہل اسپارٹا نے ہلوٹ[1] کو اپنا غلام بنایا اور علاقۂ ارکیڈیا کا معقول حصہ فتح کرکے اپنے مقبوضات میں شامل کیا۔ اسی بادشاہ سواوس کے متعلق یہ حکایت چلی آتی ہے کہ ایک مرتبہ اہل کلوٹوریہ نے اُسے کسی بے آب اور کوہستانی مقام میں اس طرح محصور کرلیا کہ پانی میسر نہ آسکا۔ اور آخرکار وہ یہ شرائط ماننے پر مجبور ہوگیا کہ اگر اُسے اور اُس کے تمام ساتھیوں کو قریب ترین چشمے سے پانی پی لینے دیا جائے تو وہ اپنے تمام مفتوحہ علاقوں کو محاصرین کے حوالے کردے گا۔ اس معاہدے پر حسب معمول فریقین کے حلف اور رسمی اقرار ہونے کے بعد سواوس نے اپنے سپاہیوں کو اکٹھا کیا اور وعدہ کیا کہ ان میں سے جو اس وقت پانی نہ پیتے ہیں اپنا سارا راج پاٹھ اس کے حوالے کردوں گا۔ لیکن جب کوئی بھی اُن میں سے تشنگی ضبط نہ کرسکا اور سب نے پانی پی لیا تو آخر میں شاہ سواوس کی باری آئی جس نے

[1] ہلوٹ سے جنوبی یونان کے وہ قدیم اور اصلی باشندے مراد ہیں جنھیں اسپارٹا والوں نے مغلوب کیا اور ایسا غلام بنالیا تھا کہ آج تک ضرب المثل ہے۔ م

چشمے پر اُتر کے صرف اپنا منہ دھویا اور بغیر ایک قطرہ پانی پئے غنیم کے سامنے سے اپنی فوج لے کر روانہ ہوگیا اور مفتوحہ علاقے انھیں واپس دینے سے انکار کردیا، کیوں کہ شرائط کے بموجب "تمام اہل اسپارٹا نے اور اس نے "پانی نہیں پیا تھا (اور اس کے باقی رہ جانے سے شرط پوری نہیں ہوئی تھی)

اس واقعے کی وجہ سے ہر چند سواوس کا بڑا نام اور تعریفیں ہوتی تھیں، پھر بھی یہ خاندان اس کے نام سے موسوم نہیں ہُوا بلکہ اس کے بیٹے یوری پن کے نام پر یوری پنی کہلایا۔ سبب اس کا یہ ہے کہ یوری پن ہر دلعزیزی کا خواہاں تھا اور عوام کی رضاجوئی میں اُس نے شخصی بادشاہی کی سختیاں کم کردی تھیں اور یہ پہلا قدم تھا جس کے بعد عوام روز بروز دلیر ہوتے گئے اور آیندہ بادشاہوں کو یا تو جبر اختیار کرنے کی وجہ سے نشانۂ نفرت بننا پڑا یا رعایا کی خاطرداری اور اپنی کمزوری سے دبتے چلے گئے۔ حتےٰ کہ عرصے تک اسپارٹا میں طوائف الملوکی اور بدنظمی کا دور دورہ رہا اور انھی شورشوں میں لکرگس کے باپ کی جان گئی، وہ ایک بلوہ فرو کرنے کی کوشش کررہا تھا کہ کسی نے قصائی کی چھری ماری اور وہ اپنے بڑے بیٹے پولی ڈک ٹیس کے نام بادشاہی چھوڑ کر فوت ہوگیا۔

پھر جب پولی ڈک ٹیس نے بھی تھوڑے دن بعد وفات پائی تو (جیسا کہ ہر شخص کا خیال تھا) بادشاہی لکرگس کی وراثت میں آئی اور اس وقت تک کہ پہلی ملکہ یعنی اس کی بھاوج کے حاملہ ہونے کا علم ہو، اسی نے حکومت کی۔ لیکن جب یہ حال معلوم ہوا تو اس نے فوراً اعلان

کردیا کہ سلطنت کا وارث وہی بچہ ہو بشرطیکہ مرد ہو۔ اور یہ کہ میں صرف بطور نائب حکمراں ہوں - اس کے تھوڑے ہی دن بعد ملکہ نے اُسے خفیہ کہلا بھیجا کہ اگر مجھے آئیندہ اپنی بادشاہ بیگم بنا لینے کا وعدہ کرو تو میں اس بچے کو کسی تدبیر سے ضائع کیے دیتی ہوں۔ یہ خباثت دیکھ کر لکرگس کو سخت تنفر پیدا ہوا ۔ لیکن اس نے کوئی ناخوشی اس وقت ظاہر نہ کی بلکہ ظاہرا اس قرارداد کو قبول کر کے اسی قاصد کی معرفت اپنی بڑی مسرت اور شکرگزاری کے ساتھ یہ التجا کی کہ وہ ہرگز حمل گرا دینے کا خیال اپنے دل میں نہ لائے کہ اس میں خود اسی کی ہلاکت کا نہیں تو کم سے کم صحت بگڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ البتہ وضع حمل کے بعد میں خود بچے کو راستے سے ہٹا دینے کا انتظام کرلوں گا۔ غرض ایسی ایسی تدبیروں سے لکرگس نے اپنی بھاوج کو مدت حمل پوری ہونے تک دھوکے میں رکھا اور جب اُسے معلوم ہوا کہ وضع حمل کا وقت آگیا ہے تو چند آدمیوں کو بھیجا کہ وہیں موجود رہیں اور اپنی پوری نگرانی رکھیں نیز ہدایت کی کہ بچہ پیدا ہوتے ہی اگر وہ دیکھیں کہ بیٹا ہے تو بلا تاخیر اُسے میرے پاس جس حال میں اور جہاں کہیں میں ہوں لے آئیں اور بیٹی ہو تو مستورات کے حوالے کردیں - اتفاق سے لکرگس اس وقت اعلیٰ حکام شہر کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا - جو ملکہ کے بیٹا ہوا - اور وہ دسترخوان ہی پر تھا کہ نوکر مولود کو حسب الحکم اس کے سامنے لائے۔ لکرگس نے اُسے ہاتھوں پر لے لیا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "باشندگان اسپارٹہ، لو یہ نومولود ہمارا بادشاہ ہے۔" یہ کہہ کر اٹھا اور بچے کو بادشاہی کرسی پر لٹا دیا اور چاروں لوس یعنی

"لوگوں کی خوشی" اس کا نام رکھا۔ کیوں کہ جتنے اشخاص وہاں موجود تھے وہ سب بچے کی ولادت اور لکرگس کے اس شریفانہ اور منصفانہ کام سے بدرجہٗ غایت مسرور ہوئے

اس طرح اس کی بادشاہی آٹھ مہینے رہی۔ لیکن بعد میں اہلِ شہر اس کا نہایت احترام کرتے رہے اور محض اس وجہ سے نہیں کہ وہ نائب سلطنت اور صاحب اختیار تھا، بلکہ زیادہ تر ذاتی اوصاف کے باعث اس کی فرمانبرداری ہوتی تھی۔ پھر بھی چند اشخاص حسد سے دشمنی پر آمادہ تھے اور چاہتے تھے کہ آغاز شباب ہی میں اس کے روز افزوں اقتدار کا سدّباب کردیں خصوصاً ملکہ اور اس کے اعزّا اور طرف دار اس مخالفت میں بہت سرگرم اور خواہ مخواہ اس کی بدسلوکیوں کے شاکی تھے۔ یہاں تک کہ ملکہ کا بھائی لیونی ڈس ایک تیز و تند بحث میں جو اس کے اور لکرگس کے درمیان چل گئی تھی، اتنا بڑھا کہ اس کے منہ پر کہ گزرا کہ یہ ہمیں پورا یقین ہو کہ تھوڑے دن میں تمھیں بادشاہ بنا ہوا دیکھ لیں گے"۔ جس سے نہ صرف اظہار شکوک بلکہ آیندہ الزام کے لیے بھی راستہ تیار کرنا منظور تھا کہ اگر وہ بچہ زندہ نہ رہے تو خواہ اس کی موت طبیعی اسباب سے ہو، اُنھیں یہ کہنے کی گنجایش مل جائے کہ لکرگس نے اپنے بھتیجے کی جان لی اسی قسم کے اور الفاظ بھی ملکہ اور اس کے طرف دار لوگوں میں پھیلاتے پھرتے تھے

ان بدگوئیوں نے لکرگس کو سخت پریشان کیا اور یہ سوچ کر کہ نہ معلوم ان کا کیا نتیجہ نکلے۔ اس نے فیصلہ کرلیا کہ اس وقت عقل مندی یہی ہو کہ ان کی عداوتوں سے بچ کر جلاوطنی اختیار کی جائے اور جب

تک کہ اس کا بھتیجا بالغ بلکہ صاحب اولاد ہو اور وراثت کے متعلق کوئی جھگڑا نہ رہے، دوسرے ملکوں کی سیاحت کی جائے۔ یہ ٹھان کر لکرگس جہاز میں روانہ ہؤا، اور جزیرۂ قریطش آیا جہاں اکثر عمائد سے واقفیت پیدا کی اور اُن کے آئین و قوانین پر غور کرکے بعض کو پسند کیا اور اپنے وطن میں ان سے کام لینے کا ارادہ کرلیا۔ باقی اور قوانین جو اسے بیکار نظر آئے انھیں چھوڑ دیا۔ قریطش کے سب سے مشہور علما اور عقلا میں ایک شخص طالیس نامی تھا، جسے دوستی کے واسطے دے کر بڑے اصرار سے لکرگس نے اسپارٹہ جانے پر رضامند کیا، جہاں اپنے قول کے بموجب ظاہرا تو وہ ایک غزل گو شاعر سمجھا جاتا تھا مگر فی الحقیقت اس نے دنیا کے کسی قابل ترین مقنن کا کام انجام دیا۔ کیوں کہ جو غزلیں وہ تیار کرکے سناتا تھا وہ اتحاد و اطاعت کی تلقین ہوتی تھیں اور خود ان کے بحر و قوافی اور روانی میں وہ تاثیر تھی کہ بلا ارادہ سامعین کا ذوق سلیم و صحیح ہوتا چلا جاتا تھا۔ چنانچہ اس کی شاعری کا ایسا عجیب اثر پڑا کہ سننے والوں کی طبائع بالکل بدل گئیں اور مزاجوں میں تہذیب اور صلاحیت آگئی۔ حتیٰ کہ انھوں نے اپنی ذاتی پرخاش اور عداوتوں کو خیرباد کہا اور سب کے سب دل سے نکوئی کے گرویدہ ہوگئے۔ انھیں نتائج کی بنا پر یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ جو ضابطے لکرگس نے آیندہ چل کر نافذ کیے اُن کا راستہ طالیس ہی نے تیار کیا تھا۔

قریطش سے وہ ایشیا[1] روانہ ہؤا۔ اور بیان کرتے ہیں کہ

---

[1] قدیم یونانی مصنفوں کے ہاں ایشیا سے اکثر ایشیائے کوچک اور بحر ایجئین کی یونانی آبادیاں مراد ہوتی تھیں۔ م

یہاں آنے سے اس کا مدعا یہ تھا کہ اہل ادنیہ کے تکلفات، نازک مزاجی اور امیرانہ عادات کا اہل فریطش کی سادہ اور زاہدانہ خصلتوں سے مقابلہ کرے۔ اسی طرح جس طرح اطبا بیمار اور تندرست جسموں کا موازنہ کیا کرتے ہیں یہیں سب سے پہلے لگرگس نے ہومر کی تصانیف دیکھیں، قیاس کہتا ہو کہ یہ کریونی لس کی اولاد کے قبضے میں ہوں گی۔ بہرحال یہ دیکھ کر کہ بے ہودہ اقوال اور برے افعال کی چند مثالوں کے سوا ہومر کی تمام نظمیں پرمغز ملکی ہدایات اور اخلاقی نصائح سے بھری ہوئی ہیں، اس نے بڑے شوق اور رغبت سے انھیں باترتیب لکھنا اور بہ غور مطالعہ کرنا شروع کیا کہ شاید ان سے بھی وہ اپنے وطن میں کوئی مفید کام لے سکے۔ اس میں شک نہیں کہ اس وقت بھی یہ نظمیں جزیرہ نمائے یونان میں تھوڑی سی شہرت رکھتی تھیں اور ان کے منتشر اجزا بھی جو اتفاقاً کہیں سے ہاتھ آگئے ہوں، کسی کسی کے پاس تھے۔ لیکن ان کو صحیح معنوں میں جس شخص نے اول ہی اول معروف کیا وہ لگرگس ہو۔

مصریوں کا بیان ہو کہ لگرگس ان کے ملک میں بھی سیاحانہ آیا تھا اور یہ دیکھ کر اسے بہت تعجب ہوا تھا کہ وہاں سپاہیوں کی جماعت کو باقی قوم سے بالکل علحدہ رکھا جاتا ہو۔ پھر یہی نظام اس نے اسپارٹہ میں نقل کیا اور اس طرح اہل حرب کو ادنیٰ پیشہ وروں اور اہل حرفہ کے میل جول سے بچا کر اس نے سلطنت میں بڑی شائستگی اور خوب صورتی پیدا کردی۔ اس قول کی بعض یونانی مصنفوں نے بھی تائید کی ہو۔ لیکن یہ روایتیں کہ وہ اندلس، افریقہ اور

ھندُستان تک گیا تھا اور یہاں اس کی ننگے جوگیوں سے ملاقاتیں ہوئی تھیں، جہاں تک میں تحقیق کرسکا صرف ایک راوی کے بیان پر منحصر ہیں اور وہ ہپارحس کا بیٹا ارسٹوکریٹس اسپارٹی ہو

وطن سے جانے کے بعد لکرگس کی اسپارٹہ میں بہت یاد ہوئی، اور بار بار وہاں والوں نے اُسے بلوایا۔ وہ کہتے تھے "بادشاہ تو یقیناً کئی ہمارے ہاں موجود ہیں جو بادشاہی کے ظاہری سازو سامان اور القاب رکھتے ہیں لیکن اوصاف ذاتی اور طبیعت کی خوبی کا جہاں تک تعلق ہو اُن میں سے کوئی شے رعایا سے مابہ الامتیاز نہیں ہو" پھر وہ لکرگس کا ذکر کرتے اور کہتے کہ "حقیقت میں سرداری کی اصلی شان تو اس کی ذات میں نظر آتی ہو، اور اُسی کی طبیعت فرماں روائی کی اور ذہانت اپنے حکم منوانے کی قابلیت رکھتے ہیں" اس کے علاوہ خود اسپارٹہ کے بادشاہ[۲] لکرگس کی واپسی کے خلاف نہ تھے، کیوں کہ وہ اس کی موجودگی کو عوام الناس کی شورش کے مقابلے میں ایک مستحکم حصار تصور کرتے تھے غرض یہ کیفیت تھی جب وہ اسپارٹہ میں واپس آیا اور بلا تاخیر کامل اصلاح کی طرف متوجہ ہوگیا۔ اس کا پختہ ارادہ تھا کہ سلطنت کے سارے نظام ترکیبی کو بدل دے۔ کیوں کہ پورے تغیر کے بغیر چند نئے قوانین کا نفاذ یا کوئی جزوی تبدیلی کچھ کام نہ دے سکتی تھی۔ اور لازمی تھا کہ وہ وہی طریقہ اختیار کرے جو عقل مند اطبّا ایسی صورتوں میں اختیار کرتے ہیں جب کہ مریض متعدد امراض میں الجھا ہو اور سوائے اس کے

---

[۱] جمنوسافسٹ۔ ننگے عریاں۔ م [۲] اسپارٹہ میں ایک ہی وقت دو موروثی فرماں روا یا چھوٹے چھوٹے بادشاہ ہوتے تھے۔ م

کوئی چارۂ کار نہ ہو کہ پہلے اس کے تمام مواد فاسدہ دواؤں کے زور سے خارج کردیئے جائیں اور تنقیہ کرکے اس کا مزاج بالکل بدل دیا جائے اور از سرِ نو اسے غذا اور دوا سے قوت دی جائے +

اپنے دل میں یہ منصوبے باندھ کر سب سے پہلے وہ اپالو سے استخارہ کرنے ڈیلفی گیا اور مراسم نذر و نیاز کے بعد وہاں سے وہ مشہور الہامی جواب لے کر لوٹا جس میں اُسے خدا کا محبوب اور انسانی رتبے سے بڑھا کر دیوتا کے برابر کہا گیا ہو - نیز بشارت دی گئی ہو کہ اُس کی دعا قبول ہوئی ، اُس کے قوانین سب سے اچھے اور وہ حکومت جو ان کی پابندی کرے دنیا میں سب سے نامور ہوگی - ان باتوں سے حوصلہ پاکے وہ اسپارٹہ آیا اور آخر صرف اپنے احباب کو ہم راز بنا کے رفتہ رفتہ اس نے عمائد شہر کو اپنی امداد پر ابھارا اور آخر ایک معقول جماعت ذوق و شوق کے ساتھ اس کے منصوبے کی تکمیل پر آمادہ ہوگئی ؛ اس طرح تیاریاں پوری ہوجانے کے بعد اسپارٹہ کے تیس بڑے بڑے آدمیوں کو لکرگس نے ہدایت کی کہ علی الصباح مسلح ہوکر چوک میں پہنچ جائیں ، جس کا مدعا یہ تھا کہ گروہ مخالف مرعوب ہوجائے - ان تیس میں سے بیس نہایت ممتاز و مقتدر اشخاص کے نام ہرمپّس نے تحریر کیے ہیں مگر اس کا نام جو لکرگس کا سب سے بڑا مونس و ہمراز اور اس کے قوانین بنانے اور نافذ کرانے میں سب سے زیادہ معین و مددگار تھا ارتھمیاڈس ہے - الغرض جب ان واقعات سے شہر میں کھلبلی سی پڑگئی تو شاہ چاری لوس اس خوف سے کہ شاید سازش اُس کے خلاف ہے قصر برنجی کی دیوی منروا کے مندر میں جا چھپا - مگر تھوڑی دیر بعد اصل حال معلوم ہوا اور لکرگس کے شرکا نے بہ قسم اطمینان دلایا کہ

وہ اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنا نہیں چاہتے تو پھر وہ اپنی جائے پناہ سے باہر نکل آیا۔ اور خود بھی ان کے گروہ میں شریک ہوگیا۔ وہ بہت سیدھا اور شریف طبیعت نوجوان تھا، اور اسی بنا پر جب اس کی بھلائی کسی جگہ سراہی جارہی تھی تو اس کے ساتھی بادشاہ ارچی لوس نے کہا تھا کہ دنیا میں کون ہے جو اُسے بھلا نہ کہے گا؟ وہ بروں کے ساتھ بھی بھلا ہے

من جملہ اور تبدیلیوں کے لکرگس کا سب سے بڑا اور اہم کام ایک مجلس قومی کی بنا ڈالنا تھا، جس کی قوت بڑے بڑے معاملات میں خود بادشاہوں کے برابر تھی اور جس کا قیام، افلاطون کے الفاظ میں منصب شاہی کے آتشین اختیارات محدود و معتدل کرکے حکومت کے مزید تحفظ و استحکام کا باعث ہوا، کیوں کہ اس سے پہلے حکومت کا کوئی مضبوط سہارا نہ تھا اور کبھی، بادشاہ زبردست ہوتے تو، وہ مطلق العنانی کی طرف جھک جاتی اور کبھی عوام الناس غلبہ حاصل کرلیتے تو اس کا میلان جمہوریت کی طرف ہوجاتا۔ اب قیام مجلس نے اس میں ایک مرکزی وزن پیدا کردیا اور جس طرح خالی جہاز میں توازن قائم کرنے کے لیے پتھر بھر دیتے ہیں، اس نئے آئین نے بھی مختلف عناصر کو ترازو کے پلڑوں کے مثل قائم کردیا۔ اب وہ اٹھائیس ارکان عوام کے مقابلے میں تو بادشاہوں کا ساتھ دیتے تھے، لیکن جب مطلق العنانی اور شخصی حکومت کا سوال اٹھتا تو ہمیشہ لوگوں کی حمایت کرتے۔ رہی یہ اٹھائیس کی تعداد تو ارسطو کا بیان ہے کہ پہلے تیس میں سے دو نے کم ہمتی کی وجہ سے علٰحدگی اختیار کرلی تھی۔ لیکن سفیروس یقین دلاتا ہے کہ ابتدا ہی میں اس گروہ کی تعداد اٹھائیس تھی۔ اور عجب نہیں جو اس تعداد میں

کوئی اسرار ہو کیوں کہ وہ سات اور چار کا حاصل ضرب ہو اور سات پہلا کامل (غیر منقسم) ہندسہ ہو جو چھ کے بعد آتا ہو جس کے برابر برابر کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ مگر میرا اپنا خیال یہ ہو کہ لکرگس نے تیس کی تعداد میں دونو بادشاہوں کو بھی شمار کر لیا تھا، اور اس لیے اُن کو چھوڑ کے ارکان کی تعداد اٹھائیس رہ جاتی ہو۔ مجلس کے قیام کی لکرگس کو اس درجہ خوشی تھی کہ اس کے متعلق ڈیلفی سے بھی اس نے مشورہ لینے کی زحمت اٹھائی اور وہ حکم حاصل کیا جسے "رھترا" کہتے ہیں اور جس کے یہ الفاظ تھے :-

"اس کے بعد کہ تم نے جوپیٹر دیوتا اور منروا مائی کے نام پر مندر بنا لیے اور اس کے بعد کہ تم نے لوگوں کو "فائیلون" میں "فائیلا" دیا اور "اوبوں" میں "اوبا" دیا، تحقیق تم تیس بزرگوں کی مجلس قائم کردگے، جن میں دونو سردار شامل ہیں اور وقتاً فوقتاً جمہور کو بابی کا اور نکیان کے درمیان "ایلازین" کردگے کہ تشریح کریں اور رائے دیں۔ آخری رائے اور فیصلہ جمہور ہی کا ہوگا"۔

عبارت میں "فائیلون" اور "اوبوں" سے لوگوں کے مختلف حصے مراد ہیں۔ سرداروں کے لفظ سے دونو بادشاہ اور ایلازین جس کا "اپالو" سے اشتقاق کیا گیا ہو، یہاں اجتماع کے معنی میں ہو۔ بابی کا اور نکیان اب اینو کہلاتے ہیں اور ارسطو کے بقول "بابی کا" ندی کا نام ہو اور "نکیان" ایک پل کا۔ بہرحال انھیں مقامات کے درمیان اُن کے عام جلسے ہوتے تھے، کیوں کہ اسپارٹہ میں کوئی ایوان مجلس یا دوسری عمارت نہ تھی اور آرایش و زیبایش کو لکرگس

اس قدر غیر مفید سمجھتا تھا کہ تصاویر یا مورتیں یا چھتوں کے نقش و نگار
جو اور یونانیوں میں عام طور سے رائج تھے، اس کے نزدیک توجہ کو منتشر
کرنے والے اور اس لیے غور و بحث میں خلل انداز ہوتے تھے۔ چناں چہ قومی
جلسے اسی کھلے میدان میں ہوتے تھے، جہاں بادشاہ یا مجلس کی طرف سے
تجویزیں پیش کی جاتیں۔ عوام کو اُن کے متعلق کوئی مباحثہ یا نصیحتیں کرنے
کا حق نہ تھا، بلکہ وہ صرف اقرار یا انکار کر سکتے تھے۔ بعد میں جب یہ
معلوم ہوا کہ لوگ تجاویز کے الفاظ میں کمی بیشی کر کے خود اُن کا مفہوم بدل
دیتے ہیں تو شاہ پولی ڈورس نے یہ دفعہ ایزاد کر دی تھی کہ اگر لوگ فریب کریں
یا مبہم فیصلہ دیں تو جائز ہوگا کہ بزرگ اور سردار انھیں منتشر کر دیں۔ یعنی
ان کے اقرار کو ناجائز قرار دیں اور اس نظر سے کہ وہ ان کی تجاویز میں کھنڈت
ڈالتے اور بگاڑتے ہیں انھیں برخاست کر دیں۔ اس دفعہ کو عام رائے سے
منظور کرا کے ڈلیفی کے اصل حکم میں شامل کر لیا گیا تھا۔ چناں چہ ٹرٹیس
کے اشعار سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے

اس طریق سے لکرگس نے قومی حکومت کا توازن رکھنے کا پورا اہتمام کیا
تھا، لیکن بعد کے آنے والوں نے اس میں بھی حکومت خواص (اولی گارکی)
کی شان پائی اور امرا کا اقتدار بہت بڑھا ہوا دیکھا لہٰذا اُن کی تندی اور
تیز مزاجی کو قابو میں رکھنے کے لیے، افلاطون کے الفاظ میں، انھوں نے
اس کے منہ پر ایک تزئی چڑھا دی۔ جس سے وہ اختیارات مراد ہیں،
جو الفوروں کو دیے گئے۔ اسپارٹہ میں الفوری کا عہدہ لکرگس
کی وفات کے ایک سو تیس برس بعد قائم کیا گیا اور الاتوس اور اس کے
ساتھی پہلے اشخاص ہیں۔ جنھیں شاہ تھیوپمپس کے زمانے میں یہ ممتاز

منصب حاصل ہوا۔ اسی پر شاہ موصوف کی ملکہ نے ایک دن یہ طعنہ دیا تھا کہ تم اُن شاہی اختیارات کو جو بزرگوں سے پہنچے اپنی اولاد کے لیے گھٹا کر چھوڑ جاؤگے۔" تو اس نے جواب دیا تھا "نہیں، بڑھا کر۔ کیوں کہ وہ زیادہ عرصے تک قائم رہیں گے!" اور حقیقت میں شاہان اسپارٹہ کے اختیارات کا معقول حدود میں گھٹا دیا جانا، خود انھیں کے واسطے مفید ہوا۔ وہ حسد و دشمنی اور اس لیے خطرات مابعد سے محفوظ ہو گئے اور انھیں وہ مصیبتیں نہیں جھیلنی پڑیں، جو ان کے ہمسایہ بادشاہوں پر ارگس اور میسینا میں نازل ہوئیں جہاں بادشاہ اپنے حقوق پر اڑے رہے اور عوام الناس کو کچھ بھی نہ دینا چاہتے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب کچھ کھو بیٹھے

سچ یہ ہے کہ ان قوموں میں جو اسپارٹہ کی ہمسایہ بھی تھیں اور ہم نسل بھی، ایسی شورش اور فساد پیدا ہوئے کہ انھیں دیکھ کر کوئی شخص لکرگس کی دانائی اور عاقبت بینی کا قائل ہوئے بغیر نہ رہ سکے گا۔ یہ تینوں ریاستیں (یعنی میسینا، ارگس، اسپارٹہ) ابتدائے عروج میں مساوی تھیں اگر ان میں کسی کو فوقیت تھی تو میسینا و آرگس کو کہ شروع شروع انتخاب مقام اور حالات کی وجہ سے اسپارٹہ کی نسبت زیادہ خوش نصیب سمجھے جاتے تھے۔ لیکن ان کی یہ خوش حالی چند روزہ ثابت ہوئی، اور کچھ بادشاہوں کی جابرانہ طبائع نے اور کچھ لوگوں کی سرکشی اور ضابطہ نہ شناسی نے بہت جلد سخت بدنظمی پھیلادی اور اُن کے تمام آئین و قوانین خاک میں مل گئے جس سے پوری طرح ظاہر ہوگیا کہ اہل اسپارٹہ کی تقدیر اچھی تھی جو ان میں لکرگس جیسے دانشمند مقنن کا ظہور ہوا اور اس نے اُن کے لیے وہ مبارک اور متوازن نظام سلطنت قائم کیا

نیس ارکان مجلس مقرر کرنے کے بعد لگرگس کا دوسرا اور یقیناً سب سے مخدوش کام اراضی کی از سرِ نو تقسیم کرنا تھا کہ وہ بہت غیر مساوی طور پر لوگوں میں بٹی ہوئی تھی، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ایک طرف ریاست میں ہزاروں مفلس، محتاج آدمی بھرے ہوئے تھے اور دوسری طرف اس کی دولت کھنچ کر ... آدمیوں کے قبضے میں آگئی تھی۔ لگرگس غرور و حسد جرائم اور عیش پرستی کا، بلکہ ان سے بھی بدتر امراض یعنی محتاجی اور افراط کو دفع کرنا چاہتا تھا لہٰذا اس نے اہل وطن کو اپنی اپنی املاک سے ہاتھ اٹھا لینے اور نئی تقسیم اراضی اور مساوی حیثیت سے رہنے پر رضامند کر لیا۔ اور اُن کے دل نشین کر دیا کہ آیندہ صرف قابلیت زینۂ امتیاز ہو اور لوگوں میں محض ان کی شرافت یا رذالت کے کاموں کی بنا پر فرق کیا جائے

جب یہ تجویز لوگوں نے منظور کر لی تو لگرگس نے بلا تاخیر اُس کو عمل میں لانے کی غرض سے علاقۂ لقونیہ[1] کی تقسیم شروع کی۔ اور اُسے تیس ہزار برابر کے قطعوں میں منقسم کیا۔ شہر اسپارٹہ کے متعلق جو زمینیں تھیں اُن کے اس نے نو ہزار ٹکڑے کیے تھے، جو وہیں کے شہریوں کو بانٹ دیے گئے اور باقی وہاں کے دیہاتی باشندوں میں۔ بعض مصنفوں کا بیان ہے کہ لگرگس نے چھ ہزار حصّے کیے تھے اور ان میں تین ہزار بعد میں شاہ پولی ڈورس نے بڑھائے۔ بعض کہتے ہیں کہ شاہِ موصوف نے انھیں دگنا کر دیا تھا اور ان کی پہلی تعداد صرف چار ہزار پان سو قطعات تھی ہر حصہ اتنا رکھا گیا تھا کہ سال بہ سال تقریباً ستر من غلہ مالک خاندان کے لیے اور بارہ من اس کی بیوی کے لیے پیدا ہو جائے نیز ایک مناسب

[1] لقونیہ، اس علاقے یا ریاست کا نام ہے جس کا صدر مقام اسپارٹہ تھا۔ م

مقدار تیل اور شراب کی حاصل کی جا سکے۔ اس کو لکرگس ان کی قوت و تندرستی قائم رکھنے کے لیے کافی تصور کرتا تھا۔ اور زوائد کو جس قدر کم ہوں اتنا ہی ان کے حق میں بہتر سمجھتا تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ اس تقسیم اراضی کے بعد ہی وہ کہیں باہر سے فصل کے زمانے میں گھر آرہا تھا کہ اسے سب لوگوں کے غلّے کے بالکل یکساں انبار لگے ہوئے نظر آئے تو وہ مسکرایا اور ساتھ کے لوگوں سے کہنے لگا "میں سمجھتا ہوں کہ اب لقونیہ ایک گھرانے کی جاگیر معلوم ہوتی ہے، جو بہت سے بھائیوں میں بحصّہ مساوی بانٹ دی گئی ہو"

مگر لکرگس نے اسی پر قناعت نہ کی بلکہ اُن کے مال منقولہ کی بھی مساوی تقسیم کرنی چاہی، تاکہ اُن میں کوئی نامعقول فرق اور وجہ امتیاز باقی نہ رہے۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ اس تجویز پر علانیہ عمل کرنا نہایت دشوار بلکہ خطرناک ہوگا، اس نے ایک اور طریقہ اختیار کیا اور حریص دولت مندوں کو ایک چال سے شکست دی۔ یعنی حکم دیا کہ تمام سونے چاندی کے سکّے واپس لے لیے جائیں، اور صرف ایک آہنی سکّہ رائج ہو جو بہت وزنی اور نہایت کم قیمت ہوتا تھا۔ حتّٰی کہ بیس تیس اشرفیوں کے ہم قیمت رکھنے کے لیے خاصی بڑی کوٹھڑی کی ضرورت پڑتی تھی، اور انھیں ایک جگہ سے دوسری جگہ ڈھویا جائے تو دو بیلوں کا بوجھ ہوتا تھا۔ اس نئے سکّے کی ترویج نے دفعتہً متعدد جرائم کو قوم اسپارٹہ کے علاقے سے دفع کر دیا۔ کیوں کہ کون ہوگا جو ایسے سکّے کی چوری کرے؟ اور کون ہوگا جو زبردستی یا ناانصافی سے یا بطور رشوت اس بلا کو لینا چاہے جسے نہ چھپانا آسان تھا نہ حاصل کرنا زیادہ مفید تھا نہ کاٹ کاٹ کر رکھنا کسی کام

آسکتا تھا، کیوں کہ اُسے وہ آگ میں پوری طرح تپانے کے بعد سرکے میں بجھا لیتے تھے اور اس طریقے سے بگاڑ کے اس قابل ہی نہ چھوڑتے تھے کہ وہ کسی اور کام میں آسکے۔

دوسری بات اُس نے یہ کی کہ تمام بیکار مصنوعات اور غیر ضروری فنون کو خلاف قانون قرار دیا۔ لیکن اس اعلان کی زحمت بھی اُس نے ناحق اٹھائی کیوں کہ یہ تمام صناعیاں سونے چاندی کے اخراج کے بعد اپنے آپ ملک سے مٹ جاتیں۔ جدید سکّہ اعلیٰ صناعیوں کی اجرت ہی نہ ہوسکتا اور بھاری اور آہنی ہونے کی وجہ سے اُس میں لین دین کرنا سخت دقت طلب تھا اور اگر کسی طرح وہ اسپارٹی علاقے کے باہر بھی بھیج دیا جائے تو اور یونانی اُسے ہرگز نہ لیتے بلکہ اُس کی ہنسی اڑاتے تھے، اس طرح غیر ملکی سامان اور مصنوعات کی بھی اسپارٹہ میں خرید فروخت محال ہوگئی، سوداگروں نے لقونی بندرگاہوں پر مال اور اسباب کے جہاز بھیجنے موقوف کردیے اور کوئی فنِ خطابت کا استاد یا پھیری پھرنے والا نجومی یا کٹنا یا سُنسار یا گندہ ساز یا جوہری ایسی ولایت میں قدم نہ دھرتا تھا، جہاں روپیہ ہی نہ ہو۔ اس طرح عیش پرستی اُن سامانوں سے محروم ہوتی گئی جو اُسے پالتے اور بڑھاتے ہیں اور آخر کار گھٹتے گھٹتے اسپارٹہ سے نابود ہوگئی، کیوں کہ وہاں رُپے والوں کو غریبوں پر کوئی فوقیت حاصل نہ تھی اور ان کی دولت اور سرمایہ سوائے اس کے کہ گھروں میں بند پڑے رہیں باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ پاتے تھے، علاوہ ازیں اس سدِّباب نے اُنھیں معمولی اشیائے ضروری کی طرف متوجہ کردیا اور اُن کے بنانے میں

وہ بڑے چابک دست کاری گر ہو گئے۔ چناں چہ پلنگ، میزیں، کرسیاں اور اس قسم کے اسباب خانہ داری وہاں نہایت عمدہ تیار ہوتے، خصوصاً اُن کے ہاں کا پیالہ مشہور تھا اور کری تیاس کی روایت کے بموجب سپاہی بڑے شوق سے اس کو خریدتے تھے. کیونکہ اُس کی رنگت اس قسم کی ہوتی تھی کہ اگر مجبوری کے وقت گدلا پانی اُس میں پیا جائے تو نگاہ کو بُرا معلوم نہ ہوتا تھا، نیز اس کی ساخت ایسی رکھی تھی کہ کیچڑ مٹی پہلوؤں میں رہ جاتی اور صاف پانی نتھر کر پینے والے کے منہ میں جاتا۔ سچ پوچھیے تو اس کے لیے بھی اُنھیں اپنے مقنن کا شکر گزار ہونا چاہیے جس نے بیکار اشیا پر محنت کرنے سے کاری گروں کو نجات دلائی اور گویا آمادہ کردیا کہ وہ اپنی ہنرمندی روزمرہ کی ضروری چیزیں خوبصورت بنانے میں صرف کریں

مگر اس مقنن اعظم کی تیسری تدبیر جس کے ذریعے اس نے زرپرستی اور عیش پسندی پر ایک اور بھی ضرب لگائی، سب سے زیادہ قوی اور کارگر تھی۔ اس سے میری مراد وہ ضابطہ ہے جو کھانے کے متعلق لکرگس نے باندھا اور جس کے رُو سے ہر شخص کو جماعت کے ساتھ مل کر ایک سی روٹی اور گوشت جن کی قسمیں بھی معین تھیں، کھانا پڑتا تھا اور کسی کو اجازت نہ تھی کہ قیمتی گدّوں پر پڑے پڑے اوقات گزارے اور پُرتکلف دسترخوان لگائے۔ جس کے معنی اپنے تئیں دُکان داروں اور باورچیوں کے حوالے کردینا تھا کہ پیٹو جانوروں کی طرح کونوں میں کھلا کھلا کر آدمی کو موٹا کریں اور نہ صرف اس کی خصلتیں بلکہ جسم بھی برباد ہو جائے۔ زیادہ خوری اور عیش کی بدولت نکما ہو کر لمبی لمبی نیندیں لینے کی، گرم پانی

سے نہانے کی اور کام سے جان بچانے کی ضرورت پڑے اور جس کو، مختصر لفظوں میں، ایسی خبرگیری اور احتیاط درکار ہو کہ گویا وہ ہمیشہ علیل رہتا ہو۔ اس میں ذرا شبہہ نہیں کہ اہل اسپارٹہ میں اتنا بڑا تغیر پیدا کر دینا، بڑی غیر معمولی بات تھی، لیکن اس سے بھی زیادہ غیر معمولی تھیوفراسٹس کے قول کے بموجب، دولت کی کشش کھو دینا بلکہ بہ حیثیت دولت اس کی اصلیت بدل دینا تھا۔ کیوں کہ اہلِ تمول مفلسوں کے ساتھ ایک ہی دسترخوان پر مجبوراً کھانا کھانے کی وجہ سے اب اپنی مفرط دولت کا کوئی مصرف نہ پاتے تھے۔ نہ کثرت ساز وسامان کا کوئی لطف اٹھا سکتے تھے۔ حتّٰے کہ اس کی نمائش واظہار یا اُسے فقط دیکھ دیکھ کر ہی خوش ہونے اور شیخی کرنے کا بھی موقع نہ رہا تھا۔ اور اس طرح وہ مشہور کہاوت کہ دولت کا دیوتا پُلوٹس اندھا ہوتا ہے، اگر دنیا بھر میں کہیں حرف بہ حرف صحیح کہلا سکتی تھی تو وہ اسپارٹہ کا علاقہ تھا۔ کیوں کہ واقعی یہاں وہ نہ صرف اندھا تھا بلکہ ایک تصویر کی طرح بے حس اور بے جان رہ گیا تھا۔ پھر، شہریوں کو یہ گنجائش بھی نہ دی جاتی تھی کہ پہلے اپنے گھروں پر کھانا کھالیں اور پھر مجمع عام میں دسترخوان پر آئیں کیوں کہ جو کوئی دوسروں کے مثل نہ کھاتا پیتا وہ ان میں انگشت نما بن جاتا اور اس کی تن پروری اور راحت پسندی پر سخت نکتہ چینی کی جاتی تھی۔

اس آخری ضابطے نے دولت مندوں کو لکرگس سے نہایت بیزار کیا اور انھوں نے اس کے خلاف جمع ہو کر اُسے بُرا بھلا کہنا شروع کیا اور آخر بدزبانی کرتے کرتے پتھر مارنے پر اُتر آئے

اور وہ اپنی جان بچاکر پناہ لینے کے لئے چوک سے بھاگنے پر مجبور ہوا اور سب کو پیچھے چھوڑکر آگے نکل گیا۔ صرف ایک نوجوان الکندر کہ تندخوئی اور جلد بازی کے سوا اور لحاظ سے بدتربیت نہ تھا، اس کے تعقب میں اتنا قریب پہنچ گیا کہ جب وہ دیکھنے کو کہ کون اتنے پاس آگیا ہی مڑا تو الکندر نے اُس کے منہ پر لکڑی ماری جس سے لکرگس کی ایک آنکھ باہر نکل پڑی مگر اس سانحے سے بیتاب یا بے حوصلہ ہوئے بغیر وہ بھاگتے بھاگتے رُک گیا اور اپنا مجروح چہرہ اور باہر نکلی ہوئی آنکھ اپنے ہم وطنوں کو دکھائی، جسے دیکھ کر وہ نہایت نادم ہوئے اور الکندر کو اس کے حوالے کرکے کہ جس طرح چاہے سزا دے، اس نالائق حرکت پر اظہار ملال کرتے ہوئے لکرگس کے گھر تک ساتھ ساتھ آئے۔ لکرگس نے اُن کا شکریہ ادا کیا اور الکندر کے سوائے سب کو رخصت کردیا۔ پھر اس نوجوان کو وہ اپنے ساتھ گھر میں لے آیا اور اُس کے ساتھ کوئی بدزبانی یا تشدد کیے بغیر اُس نے صرف یہ سزا الکندر کو دی کہ اپنے کھانا کھلانے والے نوکر کا کام اس کے سپرد کردیا۔ الکندر ایک فہمیدہ نوجوان تھا اور بے لب ہلائے اُس کے احکام کی تعمیل کرتا رہا۔ اور اس طرح لکرگس کے ساتھ رہنے سے اُس کے مزاج کی نیکی اور تحمل کے علاوہ یہ مشاہدہ کرنے کا بھی اُسے عمدہ موقع ملا کہ لکرگس کیسا پرہیزگار اور غیر معمولی جفاکش آدمی ہی۔ یہاں تک کہ آخر کار الکندر دشمن کے بجائے اُس کا دل سے گرویدہ اور نہایت جوشیلا مقلد بن گیا اور اپنے اعزا و احباب سے اس کی تعریفیں کرنے لگا کہ جیسا بدخو اور خشک مزاج

ہم اُسے سمجھتے تھے فی الحقیقت وہ ایسا نہیں بلکہ دنیا بھر میں ایک ہی شریف اور نیک انسان ہی اور یوں ایک وحشی اور تند مزاج نوجوان کو لکرگس نے قصور کی سزا یہ دی کہ اُسے اسپارٹہ کا سنجیدہ ترین شہری بنا دیا

مذکورۂ بالا سانحے کی یادگار میں لکرگس نے ایک مندر منروا دیوی کا بنایا اور اُس کا اسم عرفی اوپ ٹی لی ٹس رکھا کہ ان علاقوں کی ڈورین بولی میں آنکھ کو "اوپ ٹی لس" بولتے تھے مگر بعض مصنف جن میں ڈیوکاری ڈس بھی شامل ہو (جس نے اسپارٹہ کی قومی حکومت پر ایک رسالہ تحریر کیا ہی) بیان کرتے ہیں کہ لکرگس کی آنکھ نہیں گئی تھی بلکہ وہ ضرب سے مجروح ہوگیا تھا اور اسی زخم سے صحت یاب ہوجانے کے شکر میں اُس نے وہ مندر تعمیر کیا۔ بہرحال اس کی اصلیت جو کچھ بھی ہو یہ یقینی ہی کہ اس افسوس ناک واقعے کے بعد سے اہل اسپارٹہ نے دستور کرلیا تھا کہ اپنی قومی مجالس میں کوئی شے حتّٰے کہ عصا بھی نہ لے جاتے تھے

لیکن اب ہم پھر اُن کے مل کر کھانا کھانے کا ذکر سناتے ہیں

یونانی زبان میں ان مشترکہ کھانوں کے کئی نام تھے۔ چناں چہ اہل تریطش انھیں "انڈریہ" کہتے تھے کہ ان میں صرف ذکور شریک ہوتے تھے۔ اور خود اسپارٹہ میں ان کا نام فِڈی ٹیہ تھا جو دوسرا حرف بدل کر "فلی ٹیہ" بہ معنی "محبت کی دعوت" سے نکلا ہی کہ ساتھ بیٹھ کر کھانے پینے سے انھیں دوستی اور محبت بڑھانے کا موقع ملتا تھا۔ یا ممکن ہی یہ "فیڈو" سے مشتق ہو جس کے معنی کفایت شعاری کے ہیں کیوں کہ ان مجموعوں میں احتیاط و سادگی کا سبق حاصل ہوتا تھا۔ مگر

عجب نہیں جو اس لفظ میں پہلا حرف بعد میں بڑھا دیا گیا ہو اور یہ اصل میں " اڈی ٹیہ " ہو جو " اڈوڈو " بمعنی کھانے سے مشتق ہو - بہرکیف، یہ مجمعے پندرہ پندرہ یا کچھ کم و بیش اشخاص پر مشتمل ہوتے تھے اور ہر شخص پابند تھا کہ ایک من غلہ سوا دو سیر پنیر، سیر ڈیڑھ پاؤ انجیر ماہانہ کھانے کے واسطے اور پینے کے لیے آٹھ گیلن (تقریباً ایک من) شراب اور گوشت اور مچھلی خریدنے کے لیے تھوڑی سی رقم نقد اپنے پاس سے دے اس کے علاوہ جب کبھی اُن میں سے کوئی مذہبی قربانی کرتا تو اپنے مشترک باورچی خانے میں اس کا حصہ بھیجتا اور اسی طرح کوئی شکار مارتا تو اس میں سے بھی کچھ نہ کچھ گوشت وہاں بھجوا دیتا، کیوں کہ صرف یہی دو موقعے تھے جن کے عذر پر انھیں اپنے گھر کھانا کھانے کی اجازت ہوتی تھی ساتھ کھانے کی یہ رسم اسپارٹہ میں عرصہ دراز تک قائم رہی یہاں تک کہ قرنہا قرن بعد جب شاہ اسے جیس اہل ایتھنز پر فتح پا کے مظفر و منصور وطن کو پھرا اور اپنے نوکروں کو شہر (اسپارٹہ) سے بلانے کا خواہاں ہوا کہ وہ اپنی ملکہ کے ساتھ گھر پر کھانا چاہتا تھا تو شہر کے بعض فوجی حکام نے اس کی تعمیل نہ ہونے دی - اور جب اسے جیس اس قدر ناراض ہوا کہ دوسرے دن وہ قربانیاں نہ کیں جو جنگ کے بامراد ختم ہونے پر واجب تھیں، تو انھوں نے اس سے بطور جرمانہ دیت دلوائی

اہل اسپارٹہ ان مشترک دسترخوانوں پر اکثر اپنے بچوں کو بھی بھیجا کرتے تھے کہ چلن اور پرہیزگاری سیکھیں - نیز یہاں وہ تجربہ کار اہل الرائے کی صحبت میں سیاسی تربیت حاصل کرتے تھے اور ظریفانہ گفتگو

اور دوسروں کے ساتھ شایستہ مذاق کرنا اور بُرا مانے بغیر ان کی سُننا سیکھتے تھے ۔ آداب مجلس کے اس شعبے میں انھیں امتیاز حاصل تھا۔ لیکن اگر کسی کو مذاق ناگوار گزرتا تو خفیف سا اشارہ پاتے ہی پھر اُس سے مطلقاً کچھ نہ کہا جاتا تھا ۔ اُن کا ایک یہ بھی دستور تھا کہ جو سب سے سن رسیدہ ہوتا وہ ہر ایک کی صحبت میں داخل ہوتے وقت دروازے کی طرف اشارہ کرکے کہتا کہ اس سے باہر کوئی لفظ نہ جائے ۔ اور جب کسی کو ان چھوٹے چھوٹے حلقوں میں شامل ہونے کی خواہش ہوتی تو اس کی منظوری ملنے کا یہ طریقہ ہوتا تھا کہ حلقے کا ہر شخص نرم روٹی کی ایک گیند سی بنا لیتا اور اُسے ایک تسلے میں ڈالتا جسے ایک نوکر سر پر لیے ہوئے ہر ایک کے سامنے لاتا تھا ۔ جن کو اس امیدوار کی شمولیت منظور ہوتی تھی ، وہ اپنی گیندوں کو تسلے میں ڈال دیتے لیکن جو اس کے خلاف ہوتے وہ انگلیوں میں دبا کے روٹی کو پھیلا دیتے جس سے خلاف رائے مراد ہوتی تھی ۔ اور اگر تسلے میں ایک روٹی بھی اس طرح پھیلی ہوئی نکلتی تو امیدوار کے لینے سے انکار کردیا جاتا اس وجہ انھیں احتیاط تھی کہ ان کے حلقے کے ایک فرد کو بھی کسی دوسرے کی صحبت ناخوشگوار نہ محسوس ہو ، اس تسلے کو ان کی اصطلاح میں "کڈی جیں" کہتے تھے اور ناکام امیدوار کے لیے بھی جو نام تھا وہ اسی سے مشتق ہے کھانوں میں ان کی سب سے مشہور غذا کالا شوربا تھی جو اس قدر پسند کیا جاتا تھا کہ ضعیف العمر لوگ اُسی کو کھاتے تھے اور اس میں جو بوٹیاں بچتیں وہ کم عمر والوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے ۔ یہ نقل مشہور ہے کہ پانٹس (یعنی بحر اسودَ کے

جنوب مشرقی ساحل کا علاقہ) کے کسی بادشاہ نے اُن کے اس سالن کی بہت تعریف سُن کر خاص اس کے پکانے کے واسطے اسپارٹہ سے ایک باورچی بلوایا مگر جب یہ کالا شوربا چکھا تو بہت بدمزہ معلوم ہوُا جسے باورچی بھی سمجھ گیا اور کہنے لگا " سرکار، اس شوربے کا اگر لطف لینا تھا تو آپ پہلے یوری ٹاس ندی میں نہائے ہوتے"۔ (یہ ندی خاص اسپارٹہ کے علاقے میں بہتی تھی)

تھوڑی سی شراب پینے کے بعد ہر شخص بغیر کوئی روشنی ساتھ لیے اپنے گھر لوٹ جاتا۔ کیوں کہ روشنی سے کام لینا کسی موقع پر بھی قانوناً جایز نہ تھا تاکہ انھیں اندھیرے میں بے دھڑک چلے جانے کی عادت رہے اُن کے کھانوں کی عام طرز یہ تھی جو میں نے بیان کی

اپنے قوانین تحریر میں لانا لکرگس کو مطلق پسند نہ تھا۔ یہی نہیں بلکہ ایک رھٹرا میں اس کی صاف صاف ممانعت پائی جاتی ہو۔ دراصل اُسے یقین تھا کہ ایسی باتیں جو بلاواسطہ قومی فلاح کے لیے ضروری ہیں، بچپن سے تربیت پاکر، اُن کے دلوں پر نقش ہوجائیں گی اور پھر کبھی محو نہ ہوں گی اور تعائل سے جو اصول وہ حاصل کریں گے وہ زیادہ محفوظ و پائدار ہوں گے بہ نسبت اُن افعال کے، جو بزیر قانون کرائے جائیں۔ باقی معمولی معاملات میں جیسے مالی معاہدات یا اور اسی قسم کی چیزیں، جن کی صورتیں حسب ضرورت ادلتی بدلتی رہتی ہیں، تو ان کی نسبت لکرگس کی رائے میں بہتر یہی تھا کہ کوئی قطعی اور دوامی ضابطہ نہ بنایا جائے اور وہ آمادہ تھا کہ اس کے ہم وطنوں کے طور طریق میں اقتضائے وقت اور صائب الرائے اشخاص کے

فیصلے کے مطابق تغیر ہو جایا کرے ۔ اس کا منشا یہ تھا کہ ہر قانون کی اصل غایت اور مقصود صرف تعلیم کے ذریعے سے مرتب ہو

غرض ضوابط میں ایک ضابطہ یہ تھا کہ قوانین تحریر نہ کیے جائیں۔ ایک ضابطہ تکلفات اور فضول خرچی کے خلاف جاری کیا گیا تھا کیوں کہ اس میں حکم تھا کہ مکانوں کی چھتیں فقط کھاڑی سے کام لے کر بنائی جائیں اور دروازوں اور پھاٹکوں پر صرف آرے سے رندہ کیا ہوا ہو اس طرح کہنا چاہیے کہ اپامنن ڈس کا اپنے سادہ دسترخوان کے متعلق وہ مشہور دعوے کہ "غداری اور اس قسم کے کھانے کا آپس میں ساتھ نہیں ہوا کرتا" پیش از پیش لکرگس کے قاعدوں میں موجود تھا۔ واقعی، عیش پسندی اور ایک اس قسم کے مکان کا بھی آپس میں ساتھ نہیں نبھ سکتا ۔ کیوں کہ اس شخص کا عقل میں معمولی سے بھی کم حصہ ہوگا جو ایسے سادہ اور گھٹیا مکانوں میں سیم پایہ تخت بچھائے یا انھیں رنگین فرش اور سونے چاندی کے ظروف سے آراستہ کرے ۔ بے شبہہ لکرگس سوچے ہوئے تھا کہ اُن کے بچھونے ان مکانوں کے مناسب حال ہوں گے اور باقی ساز و سامان اور فرش فروش ایسے بچھونوں کے مناسب حال ہوگا اور بیان کرتے ہیں کہ اسپارٹہ کا ایک بادشاہ اس قسم کے مکانات کے علاوہ دوسرے سامان دیکھنے کا اس قدر کم عادی تھا کہ جب اُس کی کورنتھ کے ایک رفیع نشان ایوان میں دعوت کی گئی تو وہ چھت کے چوبی نقش و نگار اور خوبصورت کڑیاں اور شہتیر دیکھ کر نہایت متحیر ہوا اور اپنے میزبان سے پوچھنے لگا کہ کیا اس ملک میں اس طرح کے درخت اُگتے ہیں؟

ایک تیسرا ضابطہ یا رھٹرا یہ تھا کہ وہ ایک ہی غنیم کے ساتھ بار بار یا دیر تک جنگ نہ کیا کریں کہ مبادا دشمن اپنی مدافعت کرتے کرتے فن حرب کا ماہر اور عادی ہوجائے۔ اور یہی بات تھی جس کی وجہ سے عرصہ دراز کے بعد، اجی سی لوس مطعون ہوا کہ لوگوں کے نزدیک بیوشیہ پر بار بار یورشیں کرکے اس نے اہل تھیبیہ کو خود اہل اسپارٹہ کا مدِ مقابل بنا دیا تھا اور اسی لیے ایک دن اس کے زخمی ہونے پر انتال کی ڈس نے کہا تھا کہ تھیبیہ والوں کو خواہ مخواہ عمدہ سپاہی بنا دینے میں جو محنتیں تم نے اٹھائی ہیں، یہ اس کا بہت اچھا صلہ ہے

یہ قوانین رھٹرا کہلاتے تھے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ خدا نے بھی ان کی منظوری دے دی ہے اور وہ الہامی ہیں

لڑکوں کی عمدہ تعلیم و تربیت کی غرض سے (میں بیان کرچکا ہوں کہ اس کے نزدیک ایک مقنن کا سب سے اہم فریضہ یہی تھا) وہ اتنی دور تک گیا تھا کہ استقرارِ حمل اور پیدائش تک اس کی فکر سے باقی نہ چھوٹے تھے جس کا ثبوت اس کا شادی کے متعلق ضوابط بنانا ہے۔ ارسطو کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ جب عورتوں کو وہ کسی طرح زیادہ عفت کوش اور نیک چلن نہ بنا سکا۔ تو مجبوراً انھیں ان کے حال پر چھوڑنا پڑا۔ اسپارٹہ کی عورتیں اپنے خاوندوں کی عدم موجودگی میں، جو زیادہ تر اپنا وقت بیرونی لڑائیوں میں گزارتے تھے اور گھر بار سب کا مالک چار و ناچار اپنی بیویوں کو بنا جاتے، بہت آزاد ہوگئی تھیں اور انھوں نے وہ فوقیت حاصل کرلی تھی کہ ان کا بڑا ادب و لحاظ کیا جاتا اور بیگم یا ملکہ کے لقب سے

اُنھیں خطاب کیا جاتا تھا لیکن اصلیت یہ ہے کہ ان کے معاملے میں بھی لکرگس نے پوری فکر و احتیاط سے کام لیا تھا۔ ناکتخدا لڑکیوں کو اُس کا حکم تھا کہ بھاگ دوڑ، کشتی لڑنے، چکر پھینکنے اور تیر چلانے کی مشق کریں تاکہ ایسے قوی اور تندرست جسموں میں جو نطفے قرار پائیں اُن کا قیام اور نشوونما زیادہ عُمدہ ہو اور ساتھ ہی زیادہ مشقت کش ہونے کی وجہ سے یہ عورتیں حمل کی سختیاں بھی آسانی سے برداشت کرسکیں۔ اور اس غرض سے کہ ان کی ضرورت سے زیادہ نزاکت، کھُلی ہوا میں نکلنے کا خوف اور زنانہ پن زائل ہوجائے، اس نے حکم دیا تھا کہ جوان عورتیں، اور جوان مرد بھی، برہنہ ہوکر جلوسوں میں نکلا کریں اور اسی حال میں بعض مذہبی تقریبات کے موقعوں پر رقص بھی کریں، اور خاص خاص گیت گائیں جنھیں نوجوان لڑکے گرد کھڑے ہوکے دیکھتے اور سنتے تھے، انھیں موقعوں پر عورتیں بعض اوقات ہنسی ہنسی میں کوئی مناسب و معنی خیز فقرہ ان پر بھی چست کردیتی تھیں جو لڑائیوں میں اچھی طرح نہ لڑے ہوں۔ پھر اُن کی تعریفوں کے راگ گاتیں جو مردانگی اور شجاعت دکھاتے تھے۔ اور اس طرح نئی نسل کے لڑکوں کے دل میں جوش اور بہادرانہ کاموں کی ریس کرنے کا شوق دلاتی تھیں۔ جن کی مدح و ثنا ہوتی وہ خوشی سے پھولے نہ سماتے، اور جوان لڑکیوں میں اپنے اس اعزاز پر مسرور و نازاں لوٹتے۔ مگر جن پر وہ چوٹ کرتیں وہ ایسے خجل ہوتے کہ گویا کوئی باضابطہ تنبیہ کی گئی ہے اور یہ ندامت اس لیے زیادہ ہوجاتی تھی کہ بادشاہ اور

عمائد اور دیگر اہل شہر یہ تمام سرگزشت آکر دیکھتے اور سنتے تھے
یاد رہے کہ لڑکیوں کی اس برہنگی میں کوئی قابلِ شرم بات بھی نہ تھی
کیوں کہ عصمت اُن کا لازمہ تھی اور مجال نہ تھی کہ کوئی ناپاک فعل
روا رکھا جائے ۔ یہ باتیں اُنھیں بے تکلفی اور سادگی اور حفظ صحت
کا سبق سکھاتی تھیں، نیز شجاعت و ناموری کے میدان میں ان
کی یہ شرکت ، اُن میں بلند خیالی پیدا کردیتی تھی ۔ چناں چہ قدرتی
طور پر اُن کے اقوال و افکار میں وہ شان آجاتی تھی جو نی المثل
لیونی ڈس کی بیوی گرگو کے اس قول سے ظاہر ہو کہ جب کسی
پردیسی خاتون نے اُس سے کہا کہ دنیا بھر میں اسپارٹہ ہی کی
عورتیں ایسی ہیں جو مردوں پر حکومت چلاسکتی ہیں، تو اُس نے
جواب دیا کہ ہاں، اُس کی وجہ بھی معقول ہو کہ دنیا بھر میں ہم ہی
ایسی عورتیں ہیں جو مردوں کو جنتی ہیں!

نوجوان عورتوں کے یہ جلوس اور ان کا اپنی ورزش اور ناچوں
میں برہنہ سامنے آنا مردوں کو شادی کا بھی شوق دلاتا تھا اور یہ
ولولہ پیدا ہوتا، افلاطون کے بقول ایسا ہی یقینی تھا جتنا کہ علم ریاضی
نہیں، تو جذبۂ محبت ہوسکتا ہو ۔ مزید براں اسی خیال کو تقویت
دینے کے لیے اُن کے ہاں یہ بھی قانون تھا کہ عرصے تک بن بیاہے
رہنے والوں کے بعض حقوق سوخت ہوجاتے تھے ۔ مثلاً لڑکے لڑکیوں
کے عام جلوسوں میں جہاں وہ برہنہ رقص کرتیں گھسنا نہ ملتا ۔ اور سردی
کے موسم میں حکام خود اُنھیں مجبور کرتے کہ ننگے ہوکر بازار میں گشت
لگائیں اور چلتے میں خود اپنی بے آبروئی کا گیت گاتے جائیں کہ ہمیں

انحراف قوانین کی یہ واجبی سزا بھگتنی پڑی۔ اس کے سوا ان کی وہ تعظیم و تواضع بھی ملحوظ نہ رکھی جاتی تھی جو خُرد بزرگوں کی کیا کرتے ہیں مثال کے طور پر، کوئی شخص اس بات کو قابل اعتراض نہ سمجھتا تھا جوابن بیا ہے) ڈسلی ڈس جیسے نامور سپہ سالار سے کہی گئی تھی۔ یعنی ایک دن جب وہ کسی جگہ آیا تو ایک نوجوان شخص نے اس کی تعظیم نہ دی بلکہ اپنی جگہ پر سے بیٹھے ہی بیٹھے کہا "تمہارا بھی کوئی بچہ میرے لیے جگہ نہ چھوڑے گا!"

ان کے ہاں شادیوں میں شوہر دُلھن کو جبری طریقے سے لے جاتا تھا۔ اور ان کی دُلھنیں کچھ چھوٹی سی یا ننّھی عمر کی نہیں بلکہ پوری جوان ہوتی تھیں۔ اس کے بعد وہ عورت جو شادی کا اہتمام کرتی تھی آتی اور عروس کے بال سر کے گرد سے کتر کتر کے خشخاشی کر دیتی اور پھر اُسے مردانہ کپڑے پنھا کے اندھیرے میں ایک چٹائی پر چھوڑ جاتی تھی۔ اب نوشہ اپنے معمولی روز مرہ کے لباس میں، بغیر نشہ پیے، متانت کے ساتھ، اپنے حلقے میں کھانا کھا کے آتا اور چپکے سے اُس کے کمرے میں داخل ہو جاتا۔ پھر اس کا حجاب دوشیزگی کھولنے کے بعد اور تھوڑی دیر اس کے پاس گزار کے وہ اسی متانت کے ساتھ اپنے کمرے میں واپس چلا جاتا کہ حسب معمول رات کو (مردانے) میں اور لڑکوں میں مل کر سو رہے۔ اور اس کا بہت دن تک یہی طریقہ رہتا کہ دن اور راتیں مردانے میں گزارتا اور دلھن کے پاس ڈرا ڈرا، شرم کرتا ہوا چھپ کر ایسے وقت جاتا کہ اُس کے خیال میں کوئی اُسے دیکھتا نہ ہو۔ ادھر وہ بھی اپنی ہشیاری دکھاتی اور

تخلیے کے موقعے نکالنے میں اس کی مدد کرتی ۔ مدتوں وہ اسی طرح رہتے سہتے حتیٰ کہ بعض اپنی بیویوں کے چہرے دن کی روشنی میں دیکھنے سے قبل صاحب اولاد ہو جاتے تھے ۔ اُن کی ایسی دشوار اور کبھی کبھی کی ملاقاتوں سے یہی نہیں کہ ہمیشہ انھیں جذبات پر قابو رکھنے کی مشق ہوتی تھی بلکہ درحقیقت اس سے یہ بھی بڑا فائدہ تھا کہ ان کے جسم قوی اور تندرست رہتے اور سہل رسائی اور مسلسل یکجائی سے مضمحل اور سیر نہ ہونے کے باعث اُن کی محبتیں ویسی ہی تازہ اور گرم رہتیں ۔ وہ ایک دوسرے سے ہمیشہ جلدی جدا ہوتے تھے کہ شوق کی آگ دونو طرف کچھ نہ کچھ باقی اور بے بُجھی رہ جاتی تھی

اس قسم کی حیا اور پابندی سے شادی کو محفوظ کرنے کے ساتھ لکرگس کو فکر ہوئی کہ اہلِ اسپارٹہ کے دلوں سے مہمل اور نسوانی رقابتیں دفع کر دے ۔ چناں چہ گو اُس نے تمام نفسانی بدعنوانیوں کا سدباب کیا، بایں ہمہ اس بات کو بالکل جایز رکھا کہ شوہر اپنی بیویوں کو اولاد حاصل کرنے کی غرض سے کسی دوسرے مرد کے جسے وہ مناسب سمجھیں، حوالے کر دیا کریں اور اُن کا مضحکہ کیا جو ایسے تعلقات میں دوسرے کی شرکت کو اتنا بُرا سمجھتے ہیں کہ اس کے لیے جنگ و قتال اور خوں ریزی میں بھی مضائقہ نہیں کرتے ۔ ایک سن رسیدہ مرد کو، جس کی بیوی جوان ہو، لکرگس کی اجازت تھی کہ وہ اپنی بیوی سے کسی نیک نام اور خوش کردار نوجوان کی سفارش کرے تاکہ اس سے جو بچہ ہو اس میں باپ کی خوبیاں متوارث ہوں

اور خود کو ایک بیٹا مل جائے۔ اسی طرح اگر کوئی بھلا مانس کسی کتخدا
عورت کے اچھے چلن اور خوبصورت بچے دیکھ کر عاشق ہو جائے، تو
اُس کے لیے بھی جائز تھا کہ اس بیوی کو اُس کے شوہر سے مانگ
لے تاکہ وہ اپنے لیے اس عُمدہ قطعۂ زمین سے اچھے میل کے بچے
پیدا کر سکے حقیقت یہ ہے کہ بچوں کی نسبت لکرگس کا عقیدہ یہ تھا
کہ والدین کو ان پر ملکیت کا اتنا حق نہیں ہے جس قدر کہ پوری قومی
حکومت کو۔ اور اسی لیے وہ اپنے شہریوں کی پیدائش حتی المقدور
بہترین نطفوں سے چاہتا تھا نہ کہ پہلے جوڑ سے۔ دوسری قوموں
کے قوانین اُس کی نگاہ میں بہت لغو اور متضاد تھے کہ جن میں گھوڑے
اور کتے کی اچھی نسل لینے کا تو لوگوں کو اس درجہ خیال ہوتا ہے کہ
اس کے لیے وہ کوششیں اور رُپے خرچ کرتے ہیں، لیکن اپنی
بیویوں کو چار دیواری میں بند رکھتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ ان کے
سوائے کسی اور سے وہ حاملہ ہو جائیں، خواہ خود اُن سے جو بچے
ہوں وہ کمزور، بیمار اور احمق ہی کیوں نہ ہوں؟ حالانکہ بُری
اولاد کا سب سے پہلے انھیں پر اثر پڑتا ہے جو ان بچوں کی پرورش
اور نگہداشت کرتے ہیں اور اسی طرح اچھی اولاد سے بھی پہلے وہی
فائدہ اٹھاتے ہیں

یہ قوانین جن کی بنیاد فطری اور تمدنی اصول پر رکھی گئی تھی،
اس ناپاک آزادی سے جس سے اسپارٹی عورتیں بعد میں مطعون ہوئیں
اس قدر دور تھے کہ وہاں زناکاری کو کوئی جانتا بھی نہ تھا کہ کیا ہوتی
ہے۔ چناں چہ ایک بہت قدیم اسپارٹی گیراڈس کی یہ نقل مشہور ہے کہ

کسی پردیسی نے اُس سے دریافت کیا کہ تمھارے قانون میں زانی کی کیا سزا رکھی گئی ہو؟ گیراڈس نے کہا "ہمارے ملک میں زانی نہیں ہوتے"۔ سائل بولا "تاہم، فرض کرلو کہ ہوں۔ تب؟" گیراڈس نے جواب دیا "تب مجرم کو ایک اتنی لمبی گردن کا سانڈ مستغیث کے حوالے کرنا پڑے گا جو ٹے گی ٹس پہاڑ کی چوٹی کے اوپر سے یوری ٹا ندی کا پانی پی لے جو نیچے زمین پر بہتی ہو!" یہ سُن کر وہ شخص بہت حیران ہوا اور کہنے لگا "مگر ایسا سانڈ تو ملنا غیر ممکن ہو" گیراڈس نے مسکرا کے جواب دیا "اُس کا ملنا اتنا ہی ممکن ہو جتنا اسپارٹہ میں زانی کا ملنا"۔

ان کی شادیوں کے متعلق مجھے اسی قدر بیان کرنا تھا

بچوں کے معاملے میں، باپ کو یہ اختیار نہ تھا کہ وہ جو چاہے کرے۔ بلکہ سب سے پہلے وہ مجبور تھا کہ مولود کو چند ممتحنوں کے سامنے ایک مقام پر جسے لیش کہتے تھے، لے کر آئے۔ یہ لوگ اُسی کے قبیلے کے بڑے بوڑھوں میں سے ہوتے تھے اور ان کا یہ کام ہوتا تھا کہ احتیاط سے بچے کا معائنہ کریں اور اگر اُسے مضبوط اور توانا پائیں تو پرورش کا حکم اور اُن نو ہزار قطعات اراضی میں سے (جن کا پہلے ذکر آچکا ہو) ایک حصّہ اُس کے نام کردیں۔ لیکن اگر بچہ لاغر اور بدہئیت ہوتا تو وہ اُس جگہ لے جانے کا حکم دیتے جو اپاتھیٹی کہلاتی تھی اور ٹے گی ٹس کے دامن میں ایک بڑے غار کے مثل تھی۔ گویا اگر شروع ہی سے بچے کی ساخت ایسی نہ ہو کہ وہ تندرست اور طاقت ور نظر آئے تو پھر اُس کا پالنا اُن کی رائے میں نہ قوم کے لیے مفید تھا نہ

خود اُس بچے کے لیے۔ اور یہی خیال تھا جس کی بنا پر عورتیں بھی اپنے
نوزائیدہ بچوں کو پانی میں نہلانے کے بجائے، جو کہ اور تمام ممالک میں
معمول ہی، شراب سے غسل دیتی تھیں تاکہ اس کے جسم کا رنگ اور خواص
ثابت ہو جائیں۔ اس کی تہ میں اُن کا یہ عقیدہ تھا کہ کمزور قویٰ اور
بُرے اعصاب کے بچے ایسے غسل کی تاب نہیں لاسکتے اور بے ہوش
ہو کے بجھتے چلے جاتے ہیں بجائے کہ جاندار اور قوی مزاج بچوں میں
اُس سے اور زیادہ مضبوطی اور فولاد کی سی خاصیت آجاتی ہی۔ وہاں کی
انائیں اور دائیاں بھی اپنے فن میں بہت ہوشیار تھیں۔ وہ بچوں کو
کبھی بندھن یا کسی تنگ کپڑے میں کسا ہوا نہ رکھتی تھیں۔ بچے
جسم و اعضا میں آزادی سے نشو و نما پاتے اور بھوک کے کچے یا نازک
مزاج نہ بنائے جاتے تھے۔ نہ وہ اندھیرے میں جانے یا تنہا چھوڑ دیے
جانے سے ڈرتے تھے نہ چڑچڑے، رونے اور بدمزاج ہوتے تھے۔
اسی شہرت کی وجہ سے اسپارٹہ کی انائیں اکثر غیر ممالک کے لوگ
تنخواہ پر یا خرید کرے جاتے تھے۔ ایتھنز کے سرگروہ الکی بیاڈیز
کی نسبت لکھا ہی کہ اس نے بھی ایک اسپارٹہ کی انا کا دودھ
پیا تھا۔ البتہ اپنے اتالیق زوپی رس کے معاملے میں وہ ایسا خوش
نصیب نہ تھا کیوں کہ افلاطون کہتا ہی کہ اس کے سرپرست
پری کلیس نے معمولی نوکروں میں سے زوپی رس کو اس کام پر مقرر
کر دیا تھا اور وہ معمولی غلاموں سے بڑھ کر لیاقت کا آدمی نہ تھا
لکرگس کی رائے اس سے مختلف تھی۔ اُسے یہ گوارا نہ تھا
کہ اسپارٹی لڑکوں کے لیے خرید کردہ یا تنخواہ دار معلّم رکھے جائیں

نہ اُس نے قانوناً جایز رکھا تھا کہ ہر باپ اپنے بچّوں کی جس طرح چاہے
تعلیم وتربیت کرے۔ اس کے برعکس، سات برس کی عمر ہوتے ہی،
اُن کے نام خاص خاص جماعتوں میں درج کر دیے جاتے تھے، جہاں
وہ انھی فوجی پابندیوں اور قاعدوں کے ساتھ مل کر رہتے سہتے، اور
اپنے کھیلوں اور ورزشوں میں شریک ہوتے تھے۔ ان میں جو زیادہ
منتظم اور جری ہوتا اُسے کپتان بنادیا جاتا اور سب بچّے ہر وقت
اس کے تابع رہتے اور جو سزا وہ دیتا اُسے صبر سے برداشت کرتے تھے
اس طرح ان کی تمام تعلیم کا نصاب اول سے آخر تک ایک کامل اور
سرگرم اطاعت کی مسلسل مشق تھی

بڑے بوڑھے بھی بچّوں کے کھیل کود آکر دیکھتے تھے اور اکثر اُن میں
لڑائی جھگڑے پیدا کر دیتے تھے تاکہ ان کے مختلف مزاج اور خصائل
کے جانچنے کا موقع ملے اور ابھی سے دیکھ سکیں کہ جب وہ بڑے ہو کر
زیادہ سنگین مقابلوں میں اُتریں گے تو ان میں سے کون بہادر اور کون
بُزدل ہوگا۔ نوشت و خواند بھی ان بچوں کو سکھائی جاتی تھی مگر معمولی
ضروریات کے لایق۔ ورنہ اصلی مدعا تعلیم سے یہ تھا کہ وہ اچھے وطن پرست
(شہری) بن جائیں اور تکالیف کی برداشت اور جنگ میں فتح حاصل کرنا
انھیں آجائے۔ اسی واسطے جوں جوں اُن کی عمر بڑھتی اسی نسبت سے
ان کی پابندیوں میں اضافہ ہوتا جاتا۔ اُن کے بال خشخاشی رکھائے جاتے،
برہنہ پا چلنے کی عادت ڈلوائی جاتی اور کھیل کود میں زیادہ تر ننگا رکھا
جاتا تھا۔ بارہ برس کی عمر کو پہنچ جانے کے بعد انھیں نیچے دوسرے
کپڑے پہننے کی اجازت دی جاتی اور ایک سال کے لیے ایک کوٹ

ملتا تھا۔ اُن کے جسم سخت اور کھُرے اور گرم غسل یا مالشوں سے بہت
کم واقف ہوتے تھے اور ان انسانی مزوں کی اُنھیں صرف سال کے
خاص خاص دنوں میں اجازت ہوتی۔ ان کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں ایک
ہی جگہ رہتیں اور نرسلوں کے بچھونوں پر سوتیں جو یوروٹاس کے کنارے
اُگتے ہیں یہ نرسل اُنھیں بغیر چاقو کے ہاتھوں سے توڑ توڑ کے لانے
پڑتے۔ جاڑا ہوتا تو وہ اپنے نرسلوں میں ببول کے کانٹے بھی شامل کرلیا
کرتے تھے جن کی نسبت خیال تھا کہ گرمی پیدا کرتے ہیں۔ اس عمر کو پہنچنے
کے بعد اُن میں کوئی ہونہار لڑکا ایسا نہ ہوتا جس کا ایک چاہنے والا ساتھ
رہنے کے لیے نہ پیدا ہوجائے۔ ضعیف العمر لوگ بھی ان پر نظر
رکھتے اور اکثر اُن کی باہمی ظرافت اور زور آزمائیاں سننے اور دیکھنے
وہاں آتے اور اس میں اس قدر توجہ اور نگرانی کرتے کہ گویا وہ اُن
لڑکوں کے استاد یا باپ یا حاکم ہیں۔ اس طرح بہ مشکل کوئی ایسا وقت
یا جگہ ہوتی ہوگی جہاں کوئی نہ کوئی لڑکوں کو ان کے فرائض یاد دلانے یا
ان کی غفلت پر تنبیہ کرنے کے لیے موجود نہ رہتا ہو۔

ان سب باتوں کے علاوہ اُن کی باقاعدہ نگرانی اور دیکھ بھال
کرنے کے لیے ہمیشہ ایک معقول اور متدین شخص مقرر کیا جاتا تھا اور وہ
ان کی ٹکڑیاں بنا کر ہر ایک پر ایک ایک سردار علٰحدہ متعین کرتا جو اُن
میں سب سے دلیر اور نیک چلن اور باقی لڑکوں سے کوئی دو سال بڑا
بالعموم بیس برس کا لڑکا ہوتا اور "ای رن" کہلاتا تھا۔ ان کے
سوا سب سے بڑے لڑکے الگ ہوتے تھے جنھیں "مل ای رن"
یعنی "پورے مرد ہوجانے والے" کہتے تھے نوجوان ای رن اُن

کے مقابلوں کے وقت سردار اور گھر پر اُن کا آقا ہوتا اور اُن سے مختلف
خدمتیں لیتا ۔ سب سے بڑوں کو ایندھن لانے بھیجتا ، کم زور یا جو کم قابل
ہوتے انھیں مسالے یا کچھ سبزی ترکاری لانے کے لیے روانہ کرتا اور یہ
چیزیں یا تو چُرا کے لانی پڑتیں اور یا بغیر کھائے گزارا کرنا پڑتا ۔ چناں چہ
یا تو وہ چھپے چوری کسی باغ میں پہنچتے اور یا بڑی عیاری سے مشترکہ
باورچی خانوں میں کہیں پاس سے بیٹھ کے گھات لگاتے ۔ لیکن اگر چوری کرتے
میں پکڑے جائیں تو انھیں بلا رحم و رعایت چابکوں سے پیٹا جاتا تھا کہ
اس بُری طرح اور بھدے پن سے چوری کیوں کی ۔ اسی طرح گوشت
وغیرہ کو وہ جہاں سے بن پڑے اُڑا لے جانے کی فکر میں رہتے اور موقعے
ڈھونڈھتے تھے کہ جب کہیں کسی کو غافل یا سوتا پائیں ، ہاتھ مار جائیں ۔
اس میں اگر وہ گرفتار کر لیے گئے تو نہ صرف چابک بلکہ بھوک کی بھی انھیں
مار دی جاتی ، یعنی مقررہ خوراک کے سوائے اور کچھ نہ ملتا ۔ اور یہ خوراک
عمداً بہت کم رکھی گئی تھی کہ وہ اپنی مدد آپ کرنے کی سعی کریں اور محنت و
عقل سے کام لینے پر مجبور ہوں ۔ یہ گویا خوراک کم رکھنے کا مقصد اولیٰ تھا
مگر اس کے سوا ایک اور خاصی اہم غرض یہ بھی تھی کہ وہ بلند قامت
ہو جائیں ۔ کیوں کہ غذا افراط سے پہنچے تو جسم موٹا اور چوڑا ہو جاتا ہی لیکن
غذا میں ایسی زیادتی نہ کی جائے تو حرارت غریزی کا خواص ہی کہ وہ
جسم کو اُبھارتی اور سُبک بناتی ہی اور معلوم ہوتا ہی یہی اسباب حُسن
اور تناسبِ اعضا پیدا کرنے میں بھی مدد دیتے ہیں ۔ فطرت کی
صورت گری کے لیے ایک دُبلا پتلا جسم ہی زیادہ موزوں ہی ، کیوں کہ
موٹے اور کھاؤ اس قدر بوجھل ہوتے ہیں کہ اُن پر اُس کی نقاشی خاطر خواہ

نہیں چل سکتی۔ اس کی ٹھیک مثال یہ ہے کہ وہ عورتیں جو ایامِ حمل میں کچھ نہ کچھ ورزش کرتی رہتی ہیں، اُن کے بچے دُبلے، چھوٹے لیکن زیادہ خوب صورت اور تشکیل ہوتے ہیں اس لیے کہ ان کی ساخت زیادہ اثر پذیر اور آسان ڈھل جانے والے مادّے سے ہوئی ہے۔ لیکن ان اسباب کا تعیّن کرنا، مَیں اوروں پر چھوڑے دیتا ہوں

اس جملۂ معترضہ کے بعد ہم پھر اصل سلسلۂ کلام کی طرف عود کرتے ہیں کہ اسپارٹہ کے لڑکے چوری کے کام کو اس درجہ اہم سمجھتے تھے کہ ایک مرتبہ جب کسی لڑکے نے ایک جوان لومڑی چُرا کے اپنے کوٹ کے نیچے چھُپالی تو ہر چند اُس نے دانت اور پنجوں سے پیٹ پھاڑ کے انتڑیاں چیر ڈالیں، پھر بھی لڑکے نے اُسے باہر نکالنا نہ چاہا کہ کوئی دیکھ لے گا، یہاں تک کہ اُسی جگہ زخم سے مرگیا۔ ہمارے زمانے تک جو طریقے کہ اسپارٹہ میں جاری ہیں وہ بھی اس حکایت کی صحت کا یقین دلاتے ہیں، کیوں کہ راقم نے خود وہاں ڈی آنا اورتھیا کی قربان گاہ کے نیچے چند لڑکوں کو تازیانے کھا کھا کے ہلاک ہوجاتے دیکھا ہے

ای رن یا خلیفہ کھانے کے بعد تھوڑی دیر تک اور اُن کے ساتھ ٹھیرا کرتا اور کسی کو حکم دیتا کہ تُم ایک گیت سناؤ اور کسی سے کوئی سوال پوچھتا جس کے جواب میں سوچ بچار کرنا پڑے مثلاً شہر میں سب سے اچھا آدمی کون ہے؟ یا فلاں شخص کے فلاں کام کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟ اس طرح انھیں ابتدا سے مختلف اشخاص اور مسائل پر صحیح رائے لگانے کی عادت ہوجاتی اور اپنے اہلِ وطن کی برائی بھلائی

سے وہ بخوبی واقفیت حاصل کر لیتے تھے ۔ اگر وہ اس قسم کے سوال کا کہ کون شخص ہمارے ہاں نیک نام یا بدنام تھا؟ فوراً جواب نہ دے سکیں تو انھیں سُست سمجھا جاتا تھا کہ جنھیں عزت و نکوئی کی کچھ تمیز نہ ہو پھر جو کچھ وہ جواب میں کہتے اس کی معقول دلائل بھی انھیں جامع الفاظ میں پیش کرنی پڑتی تھیں ۔ اس میں جو دلیل نہ دے سکے یا بے محل جواب دے تو اُس کے انگوٹھے کو اُستاد دانت سے کاٹتا تھا ۔ یہ کارروائی کبھی کبھی اِن بزرگوں اور حاکموں کی موجودگی میں کرتے تھے تاکہ وہ دیکھ سکیں کہ وہ واجبی اور ٹھیک ٹھیک سزا دیتا ہو یا نہیں ۔ مگر اس میں کوئی فروگذاشت ہوتی تو لڑکوں کے رُوبرُو اُسے کوئی تنبیہ نہ کی جاتی بلکہ جب وہ چلے جاتے تو اُس سے مواخذہ ہوتا اور نرمی یا سختی میں حد سے گزرنے پر اس کی اصلاح کردی جاتی تھی

لڑکے کے اعزاز یا تذلیل میں اس کے چاہنے والے یا حامیوں کا بھی حصہ ہوتا تھا اور یہ قصہ چلا آتا ہو کہ ایک پر قاضی نے جرمانہ کردیا تھا محض اس لیے کہ جس لڑکے کو وہ چاہتا تھا وہ لڑنے میں بُزدلی سے رو دیا تھا ۔ اس قسم کی چاہت ان کے ہاں بہت پسندیدہ اور عام شے تھی ، لیکن اگر چند اشخاص کا منظورِ نظر ایک ہوتا تو بھی ، رقابت کا اُن میں نام و نشان نہ تھا بلکہ اُن سب چاہنے والوں میں یہ ہم چشمی باہم گہری دوستی کا سبب بن جاتی اور وہ سب مل کر اپنے محبوب کو بھی جتنا ہوسکتا لائق و کامل بنا دیتے تھے

لڑکوں کو بے تکلف اور شائستہ ظرافت کے ساتھ ، اور پُر مغز جامع الفاظ میں ، گفتگو کرنے کی بھی تعلیم دی جاتی تھی کیوں کہ گو لکرگس

نے ، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں ، سکۂ رائج الوقت کے متعلق یہ ضابطہ بنایا تھا کہ بڑے سے بڑے کی قیمت کم ہو ، لیکن گفتگو کے بارے میں وہ یہ نہ چاہتا تھا کہ بڑے بڑے لفظوں کے معنی ہلکے اور کم ہوں اس لیے اسپارٹہ کے بچے عرصے تک خاموشی کی عادت ڈالنے کے بعد زبان کھولتے تو ان کے فقرے ہمیشہ بچے تلے اور برمحل ہوتے تھے۔ درحقیقت جس طرح غیر ضابط اور بے لگام عیاش بہت کم زیادہ بچوں کے باپ ہوتے ہیں اسی طرح غیر ضابط اور بے لگام بولنے والے بھی شاذ ونادر ہی اپنے الفاظ میں زیادہ معنی پیدا کر سکتے ہیں نقل ہے کہ ایک ایتھنزی اسپارٹہ والوں کی چھوٹی چھوٹی تلواریں دیکھ کر ہنسا اور کہنے لگا کہ انھیں مداری بہ آسانی نگل جائیں گے ، شاہ اسپارٹہ (اے جیس) نے اُسے جواب دیا کہ ہاں ، مگر وہ اتنی بڑی ضرور ہیں کہ ہم اُنھیں دشمنوں تک پہنچا دیں تو جیسی ان کی تلواریں چھوٹی اور تیز ہوتی تھیں ویسے ہی میری نگاہ میں اُن کے اقوال تھے۔ وہ ٹھیک مطلب تک پہنچتے اور سامعین کی توجہ کو اوروں سے بڑھ کر کھینچ لیتے تھے۔ اور اگر ہم اُن محاضرات کا اعتبار کریں جو لکرگس کے بارے میں مروی ہیں تو معلوم ہوگا کہ اس کی گفتگو میں بھی کچھ کم جامعیت و اختصار نہ ہوتا تھا۔ مثلاً اُس نے ایک جمہوریت پسند کو (جسے اصرار تھا کہ اسپارٹہ میں ضرور جمہوری حکومت قائم کردی جائے) اُس نے جواب دیا کہ :۔ " دوست ، تُم شروع کرو اور اپنے گھرانے میں قائم کر دو!" ایک اور شخص نے اس سے سوال کیا کہ دیوتاؤں کی نذر نیاز میں اُس نے ایسی کفایت اور دنا بت کیوں جائز رکھی ۔ لکرگس نے جواب میں کہا :۔

"تاکہ اُس کے لیے ہمیشہ کچھ نہ کچھ ہمارے پاس رہے" اس استفسار کے جواب میں کہ اُسے کس قسم کی جنگی ورزشیں اور مقابلے پسند ہیں، اُس نے کہا "ہر قسم کے، بجز اُن کے جن میں تم اپنے ہاتھ پھیلاتے ہو" اسی طرز کے تحریری جواب بھی، جو اپنے ہم وطنوں کو لکھے گئے ہیں، اُس سے منسوب ہیں۔ مثلاً جب اُس سے مشورہ لیا گیا کہ دشمنوں سے محفوظ رہنے کی سب سے بہتر تدبیر کیا ہوگی، تو اُس نے جواب دیا "یہ کہ اپنی مفلسی قائم رکھو اور تم میں کوئی ایک دوسرے سے بڑا بننے کی حرص نہ کرے" پھر جب دریافت کیا گیا کہ آیا اُس کی رائے میں مناسب ہو کہ شہر کے گرد فصیل کھینچ دی جائے تو اُس نے انھیں کہلا بھیجا کہ "مستحکم شہر تو وہ ہو جس میں اینٹوں کے بجائے آدمیوں کی فصیل ہو" لیکن ان خطوں کی نسبت یہ فیصلہ کرنا کہ وہ اصلی ہیں یا جعلی، بہت دشوار بات ہو

زیادہ گوئی سے انھیں جو نفرت تھی، ذیل کے بلیغ و مختصر اقوال، اس کے شاہد ہیں:- ایک شخص نے شاہ لیونی ڈس کو راستے میں روک رکھا تھا اور ہرچند کام کی باتیں کر رہا تھا مگر وہ ان کا وقت یا محل نہ تھا۔ تب لیونی ڈس نے کہا "صاحب، کام کی بات کی جگہ دوسری ہو!"

لکرگس کے بھتیجے شاہ چاری لوس سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے چچا نے اتنے کم قوانین کیوں وضع کیے، تو اُس نے جواب دیا "کم گو لوگوں کو قوانین بھی کم درکار ہیں"

جب ہکاٹی ئس نام سوفسطائی کو ایک ضیافت میں مدعو کیا گیا اور کھانے میں آخر وقت تک اس نے کوئی بات نہ کی تو آرکی ڈمی ڈس نے اُس کی طرف سے یہ توجیہ کی: "جو شخص جانتا ہو کہ کیوں کر گفتگو کی جاتی ہو وہ یہ بھی جانتا ہو کہ کب کی جاتی ہو"

جن چبھتے ہوئے، مگر شائستہ، نقروں کا میں نے ذکر کیا ہی اُن کی بھی حسب ذیل مثالیں دی جاسکتی ہیں :-

ایک بکواسی شخص ڈمارٹس کے پیچھے پڑ رہا تھا کہ بتاؤ اسپارٹہ کا بہترین آدمی کون ہی؟ آخر اُس نے جواب دیا: "وہ جو سب سے کم آپ سے مشابہ ہی" ایک صحبت میں جس میں اسے جِلیس بھی موجود تھا، اہل ایلیہ کی بڑی تعریفیں ہو رہی تھیں کہ انھوں نے اولمپی کھیلوں کا انتظام بڑی فیاضی سے کیا۔ اسے جِلیس نے کہا: "اصلی تعریف کی بات تو جب ہی کہ پانچ سال میں ایک دن بھی وہ انصاف کر سکیں"

تھیوپمپس کے آگے ایک غیر ملکی شخص اسپارٹہ سے اپنی دِلی محبت کا ذکر کر رہا تھا اور اسی ضمن میں کہنے لگا کہ مجھے میرے اہل وطن "فیلوسے کن" یعنی اسپارٹہ پرست کہتے ہیں۔ تھیوپمپس نے کہا:- "تمھاری عزت تو اس وقت زیادہ ہوتی جب کہ وہ تمھیں "فیلوپولی ٹس" (یعنی وطن پرست) کے خطاب سے یاد کرتے"!

پوسے نیاس کے بیٹے بلستوناٹش نے جب ایتھنز کے ایک خطیب کو یہ کہتے سُنا کہ اسپارٹہ والوں نے علم و فن کے اعتبار سے کچھ بھی نہ سیکھا تو یہ جواب دیا "آپ صحیح فرماتے ہیں، جناب تمام یونانیوں میں صرف ہم ہیں جنھوں نے آپ کا کوئی عیب نہ سیکھا" اور کسی نے آرکی ڈمی ڈس سے دریافت کیا کہ اہل اسپارٹہ کی کتنی تعداد ہوگی تو اُس نے جواب دیا "بس اتنی کہ بدذاتوں کو اپنے میں نہ آنے دے"

واضح رہے کہ اُن کی ظرافت بے سوچے سمجھے نہ ہوتی تھی بلکہ اس کی تہ میں ضرور کوئی نکتہ ہوتا تھا اور اس لیے ہم اُن کے ظریفانہ نقروں

سے اُن کی اصلی طبیعت کا حال معلوم کر سکتے ہیں۔ ایک دفعہ کسی سے
کہا گیا کہ جائے اور فلاں شخص کو سُنے جو ہو بہو بُلبل کی آوازیں نکالتا
ہی تو اس نے جواب دیا "جناب من، میں خود بُلبل کو سُن چکا ہوں"
اسی طرح ان میں سے کسی نے ایک مقبرے پر یہ کتبہ لکھا دیکھا:

"آگ اِک ننھی حکومت کی بُجھانے کے لیے
جنگ سے لی نوس میں یہ لوگ لڑ کر مر گئے"

تو کہا وہ اس کے مستحق تھے کیوں کہ بجھانے کی کوشش کرنے کے بجائے
اُنھوں نے اُسے جل جانے نہ دیا"
ایک لڑکے کو لڑائی کے مرغ یہ کہہ کر دیے جا رہے تھے کہ وہ لڑائی
سے نہیں ہٹتے اور لڑتے لڑتے مر جاتے ہیں۔ تو اُس نے کہا: مگر مجھے
مرجانے والوں کی تلاش نہیں، بلکہ ایسے درکار ہیں جو زندہ رہیں اور مار ڈالیں"
ایک اور لڑکا لوگوں کو اپنی نشستوں پر آرام سے اِنڈلاتے دیکھ کر کہنے لگا:
خدا مجھے ایسے بیٹھنے سے بچائے کہ میں اُٹھ کر اپنے بزرگوں کو سلام نہ کر سکوں"
غرض اُن کے اکثر اقوال اسی طرح کے برجستہ اور بلیغ ہوتے تھے، اور کسی
نے اُن کے متعلق خوب کہا ہی کہ درحقیقت جسمانی ورزشوں سے زیادہ دماغی
ورزش اہل اسپارٹہ کی خصوصیت تھی
آدابِ مجلس اور خوش گفتاری کی تعلیم کے علاوہ اُنھیں فنِ شعر و
موسیقی سکھانے میں بھی کچھ کم محنت و توجہ نہ کی جاتی تھی۔ خود ان کے اشعار
میں ایسی روح اور جوش بھرا ہوتا ہو کہ طبیعت بے اختیار ہو جاتی ہی،
اور دلوں میں "کچھ کرنے" کی آگ بھڑکنے لگتی ہی۔ اُن کا طرزِ کلام سادہ
اور تصنع سے بری، اور شعر کا مضمون ہمیشہ اخلاقی اور متین ہوتا تھا۔

اکثر شعر یا ان کی مدح میں ہوتے جو حفاظت وطن کے لیے میدانِ جنگ میں شہید ہوئے، یا اُن کی مذمت میں جنھوں نے نامردی دکھائی۔یعنی شہدا کی زندگی کو وہ نیک نام و بامراد ثابت کرتے تھے۔ اور بزدلوں کی زندگی کا نقشہ کھینچتے کہ وہ کیسی پُر عقوبت اور موجب نفرین و عار ہے۔ اُن کی نظموں کا ایک اور موضوع اپنے کارناموں پر فخر ہوتا تھا جس میں مدارجِ عمر کا بھی لحاظ رکھا جاتا تھا۔ مثلاً مذہبی تہواروں میں اُن کے تین گروہ علیحدہ علیحدہ ہوتے تھے، ایک بوڑھوں کا ایک جوانوں کا اور تیسرا بچوں کا پہلا گروہ اپنا رجز یوں شروع کرتا:

"کبھی ہم جوان و دلیر تھے کبھی زورمندی میں شیر دم"

جوان جواب میں گا کے سناتے کہ:

"لو اب آؤ آن کے دیکھ لو کہ اسی طرح کے ہیں آج ہم"

اور آخر میں بچے کہتے:

"ولے وقت آنے دو دیکھنا کہ سبھوں سے بڑھ کے رہیں گے ہم"

فی الحقیقت اگر ہم اُن کی نظموں پر، جن میں سے بعض ابھی تک موجود ہیں، غور کرنے کی زحمت گوارا کریں اور باجے کی وہ دل کش آوازیں خیال میں رکھیں جو اُن کے جنگی کوچ کے وقت بلند ہوتی تھیں، تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ ٹرنپڈر اور پنڈار کا یہ کہنا بے سبب نہ تھا کہ شجاعت اور موسیقی آپس میں متحد ہوتے ہیں۔ پہلا اسپارٹہ کے متعلق کہتا ہے:-

"وہاں نغمہ و نیزہ ہیں ہم عناں

قدم زن ہو گلیوں میں انصاف دان "

اور پنڈار :-

"بزرگانِ دانا کے شور سے ہیں واں
جوانوں کی ہیں بے بہنہ برچھیاں ——
ادھر ناچ گانا خوشی کا سماں "

گویا دونو ، اسپارٹہ والوں کو ، جتنا جنگ جو بتاتے ہیں اسی قدر موسیقی پسند ۔ جیسا کہ خود وہیں کے شاعر نے کہا ہو :

" کہ حرکت میں آتا ہو مطرب کا ہاتھ
اسی تیز اور سخت لوہے کے ساتھ "

لڑائی چھڑنے سے پہلے بھی (اُن کے ہاں رسم تھی کہ) بادشاہ فنونِ لطیفہ کی دیویوں کے نام بھینٹ چڑھاتا تھا تاکہ مردانگی کے ایسے کارنامے دکھانے کا جوش پیدا ہو جو لکھے جانے کے قابل ہوں ۔ ایسے موقعوں پر اہل اسپارٹہ اپنے سخت اصول میں بھی ایک حد تک نرمی برتتے تھے اور نوجوانوں کی خاطر یہاں تک گوارا کر لیتے تھے کہ وہ اپنے بال سنوار لیں اور قیمتی اسلحہ یا نفیس لباس زیب تن کر سکیں ۔ بلکہ ٹن تن کے چلنے والے گھوڑوں کی طرح جو دوڑ کے وقت ہنہناتے اور اُچھل کود دکھاتے ہیں لڑکوں کی یہ زینت و آرائش دیکھ دیکھ کے خوش ہوتے تھے ۔ اسی وجہ سے سنِ بلوغ کو پہنچنے کے بعد وہاں بالوں کی خاص احتیاط ہوتی اور خصوصاً لڑائی کے دن کنگھے کر کے مانگ نکالی جاتی اور گویا اُس قول کا پورا لحاظ کیا جاتا جو اُن کے مقنن سے منسوب ہو کہ بڑے بالوں کا سر خوب صورت چہرے کے حُسن میں اور بدصورت چہرے کی ہیبت میں

اضافہ کر دیتا ہے

زمانۂ جنگ میں ان کی ریاضتوں میں بالعموم کچھ کمی کر دی جاتی، کھانا بھی اتنا بُرا نہ ہوتا اور افسر بھی پہلی سی سخت گیری نہ کرتے تھے۔ گویا دنیا بھر میں اُنھیں کی قوم ایسی تھی جسے ایامِ جنگ میں آرام میسر آتا تھا۔ اس کے بعد جب صفِ جنگ تیار اور دشمن قریب ہوتا تو بادشاہ ایک بکری کی قربانی کرتا اور بین والوں کو کاسٹر دیوتا کے راگ بجانے کا اور سپاہیوں کو اپنے سر پر سہرے باندھ لینے کا حکم دیتا اور پھر خود حملے کے گیت کی لَے نکالتا۔ اس طرح جب وہ خوشی باجوں کی آواز اور کامل ترتیب اور اطمینان کے ساتھ بغیر تیوری پر بل ڈالے ایک خوں ریز جنگ کے لیے رَو کی طرح اُمنڈتے تو یہ نظارہ جتنا شاندار ہوتا اُسی قدر خوفناک نظر آتا۔ کیوں کہ اس مزاج کے لوگوں پر کسی خطرے یا ڈر کا اثر ہونا محال تھا اور نہ وہ کسی وقتی طیش سے مشتعل اور بے قابو ہو سکتے تھے کیوں کہ ان کی شجاعت ایک قطعی امید اور پختہ یقین پر مبنی ہوتی تھی اور اوّل سے آخر تک لڑائی میں معلوم ہوتا تھا کہ کوئی آسمانی ہستی اُن کے ہم دوش لڑانے میں مصروف ہے بادشاہ ہمیشہ اولمپی کھیلوں کے کسی کامیاب سپاہی کو اپنے پاس رکھتا تھا۔ اور اسی وجہ سے جب ایک اسپارٹی کو رقم کثیر پیش کی گئی کہ وہ (اولمپی) مقابلے میں شریک نہ ہو تو اس نے انکار کر دیا اور بڑے ہنگامے کے بعد کامیابی حاصل کی۔ کسی تماشائی نے دریافت کیا کہ "کیوں صاحب اب آپ کو اس جیت میں کیا مل گیا" تو وہ مسکرایا اور کہنے لگا: "میں اب بادشاہ کے برابر کھڑے ہو کے لڑوں گا"۔ لڑائی میں دشمن کو بھگا دینے کے بعد

وہ صرف اس وقت تک تعقب کرتے کہ فتح میں شبہے کی گنجایش نہ رہے اور پھر واپسی کا بگل بجادیا جاتا کیوں کہ اُن کے خیال میں ایسے لوگوں کو قتل کیے جانا جو مقابلے سے ہٹ گئے ہوں ایک ذلیل اور یونانی قوم کے خلاف شان بات تھی ۔ اس میں جواں مردی کے علاوہ مصلحت بھی تھی ، کیوں کہ لوگ یہ سمجھ گے کہ وہ صرف مزاحمت کرنے والوں کو مارتے ہیں اور دوسروں کو چھوڑ دیتے ہیں بالعموم اپنی سلامتی کی سب سے اچھی صورت اسی میں سمجھتے تھے کہ میدان سے بھاگ کھڑے ہوں

ہپیّس، سوفسطائی کا بیان ہو کہ لکرگس خود ایک اعلیٰ درجے کا سپاہی اور تجربہ کار سپہ سالار تھا۔ فیلوسٹی فن سواروں کی سب سے پہلی تقسیم ، پچاس پچاس کے مربع دستوں میں ، اُسی سے منسوب کرتا ہو لیکن ڈِمٹ رِیس فلیری لکھتا ہو کہ : لکرگس نے اپنے تمام قوانین امن کے زمانے میں وضع کیے ہیں۔

اولمپیہ کے تہوار کے زمانے میں جنگ کو حرام قرار دینے اور یونانیوں سے امن کا عہد و پیمان لینے میں لکرگس نے بہت کوشش اور اہتمام کیا تھا اس لیے میں بھی اُسے امن پسند اور صلح جُو آدمی تسلیم کرنے پر مائل ہوں ۔ مگر ہرمپّس نے اس واقعے کی بھی تاویل کی ہو اور لکھا ہو کہ لکرگس کا اس تہوار اور معاہدے کی تیاری میں کوئی حصہ نہ تھا بلکہ ایفی ٹس نے اسے ترتیب دیا تھا اور لکرگس صرف تماشائی کی حیثیت سے وہاں آیا۔ اور ایک اتفاقی واقعے کی بدولت اُس کا شریک ہوگیا۔ یعنی اس نے اپنی پشت پر ایک انسانی آواز سُنی جو حیرت کے ساتھ اُسے الزام دیتی تھی کہ اپنے ہم وطنوں کو (اس بین الیونان) جلسے میں شریک کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔

اور جب لکرگس نے مڑکر کسی شخص کو وہاں نہ پایا تو یہ نتیجہ نکالا کہ وہ آواز غیب تھی - اسی بنا پر وہ فوراً ایفی لٹس کے پاس گیا اور اس تہوار کے مراسم و قواعد بنانے میں اُسے مدد دی - اور اُس کی سعی سے وہ تہوار بہت اچھی طرح قائم اور پہلے سے زیادہ مشہور ہوگیا

لیکن اب ہم پھر اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ اسپارٹہ والوں کو سنِ بلوغ کے بعد بھی اپنے ضوابط کی پابندیاں کرنی پڑتی تھیں - کسی شخص کو اپنی پسند کے موافق زندگی بسر کرنے کی اجازت نہ تھی بلکہ شہر ایک لشکرگاہ کے مثل تھا جہاں ہر شخص کا راتب اور کام مقرر تھا اور جہاں ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ وہ ذاتی اغراض کے لیے نہیں بلکہ قوم ہی کی خدمت کے لیے پیدا ہوا ہے - پس اگر کوئی خاص کام اُن کے ذمے نہ ہوتا تو وہ بچوں کی ورزشیں دیکھنے چلے جاتے کہ اُنھیں کوئی مفید بات بتائیں ، یا ایسے خالی اوقات میں اپنے سے زیادہ جاننے والوں کے پاس جاتے کہ خود کچھ سیکھیں - اور سچ یہ ہے کہ ادنیٰ پیشے اور صنعت و حرفت کی ممانعت کرکے لکرگس نے اپنے لوگوں کو اور باتوں کے علاوہ ایک بڑی نعمت ، فرصت کی عطا کردی تھی - روپے کمانا ، جس کا انحصار مارے مارے پھرنے اور لوگوں سے ملنے اور کاروبار کرنے پر ہوتا ہے ، ان کے لیے ذرا بھی ضروری نہ تھا کیوں کہ اُن کے ملک میں دولت ہی کی کچھ وقعت اور عزت نہ تھی - کاشت کاری کا تمام کام اُن کے ہلوٹ (یعنی غلام کسان) انجام دیتے تھے اور بلا خرخشے انھیں جنس کی صورت میں سالانہ لگان ادا کردیا کرتے تھے ان کی اسی بے فکری کے متعلق ایک حکایت چلی آتی ہے کہ کوئی اسپارٹہ والا ایتھنز گیا جب وہاں کی عدالتیں کھلی ہوئی تھیں اور وہاں ایک شہری کی

نسبت اُسے معلوم ہوا کہ عدالت نے بے کار وقت گزارنے کی وجہ سے اُس پر جرمانہ کیا ہے اور وہ نہایت رنجیدہ اپنے گھر جارہا ہے اور دوست احباب اسے تسلّی دے رہے ہیں۔ یہ قصّہ سُن کر اسپارٹی کے تعجب کی حد نہ رہی، اور وہ اپنے دوستوں سے کہنے لگا کہ مجھے ایسے شخص کی صورت ضرور دکھاؤ جو ایک آزاد آدمی کی طرح زندگی گزارنے پر مجرم قرار دیا گیا ہے'' اپنے وقت اور توجہ کو صنعت و حرفت یا رُپیہ پیدا کرنے کے لیے طفلانہ انہماک میں صرف کرنا اُن کی نگاہ میں اس قدر معیوب اور خلافِ شان بات تھی

یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ سونے چاندی کی ممانعت کے ساتھ ہی وہاں تمام عدالتی مقدمات بند ہوگئے، کیوں کہ نہ اب اُن میں حرص وہوس رہی نہ افلاس، بلکہ مساوات ہوگئی کہ ہر شخص کی ضروریات فراہم کی جاتی تھیں اور چوں کہ یہ ضرورتیں بہت قلیل تھیں اس لیے فراغت اور آزادی حاصل ہوگئی۔ اُن کا تمام وقت جب کہ وہ میدانِ جنگ میں نہ ہوتے مل مل کے گانے ناچنے اور تہوار منانے اور شکار کھیلنے یا ورزش کے میدان اور جلسہ گاہوں میں گزرتا تھا۔ تیس برس سے کم عمر والوں کے لیے بازار یا منڈی میں جانے کا قاعدہ نہ تھا۔ ان کی خانگی اشیائے ضروری اُن کے عزیز چاہنے والے مہیا کرتے تھے۔ سن رسیدہ اشخاص کی بھی بازار میں زیادہ آمد و رفت کچھ پسندیدہ نہ تھی بلکہ اس بات کو بہتر سمجھا جاتا تھا کہ وہ زیادہ تر عام مجلسوں میں یا ورزش کے میدانوں میں رہیں اور بازار کے نرخ یا رُپیہ پیدا کرنے کی فکر میں رہنے کے بجائے فائدہ مند بحث مباحثے میں اپنی فرصت صرف کریں۔ اس طرح انھیں قابلِ ذکر کاموں پر اظہار رائے کرنے کا موقع ملتا تھا یعنی وہ اچھوں

کی مدح اور بُروں کی مذمّت کرتے مگر نہایت لطیف اور پُر مذاق پیرائے میں کہ بغیر ناگواری کے نصیحت و اصلاح کا سبق دے سکیں ۔خود لکرگس بھی بالکل ہی خشک مزاج آدمی نہ تھا اور سوسی بیس نے لکھا ہو کہ قہقہہ کا چھوٹا بُت اُسی کا نذر چڑھایا ہوا ہو ۔ دسترخوان پہ یا عام صحبتوں میں با موقع ظرافت ، ان کی سخت سپاہیانہ زندگی میں مٹھاس کا کام دیتی تھی اور مختصر یہ ہو کہ لکرگس نے اپنے ہم وطنوں کی وہ افتاد ڈالی تھی کہ نہ وہ تنہا رہیں نہ رہ سکیں ۔ اس کے تمام قوانین کی یہی غایت تھی کہ اُن میں سے ہر فرد کل قوم کی فلاح کو اپنی بہترین فلاح تصوّر کرے اور محال کی مکھیوں کی طرح اپنے چھتّے اور بادشاہ کے گرد گھرا رہے اور اپنی تمام زندگی اور جان و مال کو وطن کے لیے اس طرح وقف کر دے کہ قالب خاکی کے سوائے کوئی چیز اُس کی اپنی نہ رہے ۔ اس معاملے میں اُن کے محسوسات کا اندازہ اُن کے چند اقوال سے ہوگا : پڈاری ٹس جسے تین سو چیدہ اشخاص کی فہرست میں لینے سے انکار کر دیا گیا تھا بہت خوش خوش گھر لوٹا اور نہایت مسرور تھا کہ اسپارٹہ میں اس سے بہتر تین سو آدمی موجود ہیں ۔ پولی کراٹی ڈس سے ، جو اور سفیروں کے ساتھ ایرانی سرداروں کے پاس بھیجا گیا تھا ، جس وقت سوال کیا گیا کہ وہ سرکاری طور پر بھیجے گئے ہیں یا بطور خود آئے ہیں ، تو اُس نے جواب دیا" سرکاری حیثیت سے ، بشرطے کہ ہم کامیاب ہوں ۔ وگرنہ بطور خود" براسی ڈس کی ماں ارگی لیونس نے اُن لوگوں سے جو امفی پولس سے واپس آئے تھے دریافت کیا کہ آیا میرا بیٹا اُسی بہادری کے ساتھ لڑکے مارا گیا جو ایک اسپارٹی کے شایان شان ہو ، تو انھوں نے اُس کی بڑی تعریفیں کیں ، لیکن جب اسی ضمن میں وہ

کہنے لگے کہ براسی ڈس کی نظیر اب اسپارٹہ میں نہیں مل سکتی تو تو ارگی نے اُنھیں روک دیا اور بولی "ایسا نہ کہو۔ براسی ڈس بے شک نیک اور بہادر آدمی تھا مگر اسپارٹہ میں بہت لوگ اُس سے بہتر موجود ہیں۔"

یہ مَیں پہلے بیان کر آیا ہوں کہ مجلسِ ملکی میں پہلے وہی لوگ شریک تھے جنھوں نے لکرگس کو نئے قوانین کی ترتیب و نفاذ میں امداد دی تھی مگر لکرگس نے حکم دیا کہ ان کے بعد خالی رکنیتوں پر سب سے لائق اور بہتر آدمی چُنے جائیں جو ساٹھ سال سے زیادہ عُمر کے ہوں۔ اور اگر اس انتخاب کے لیے بہت کوشش کی جاتی تھی تو یہ حیرت کی بات نہیں۔ کیوں کہ دُنیا میں اس سے بڑھ کر معزز مقابلہ کون ہوگا کہ جس میں نہ زور آزمائی کا امتحان تھا نہ اس کا کہ سب سے تیز کون دوڑتا ہی بلکہ اس امر کا کہ اتنے آدمیوں میں سب سے دانش مند اور سب سے نیک کون ہی اور کون اس بات کی سب سے زیادہ اہلیت رکھتا ہی کہ بھرتا زندگی اس عہدے پر سرفراز رہے اور اپنے تمام ہم وطنوں کے حقوق و فرائض، جان و مال اور مفاد و مضار اُس کے قبضۂ اختیار میں دے دیے جائیں؟ اُن کے انتخاب کرنے کا یہ طریقہ ہوتا تھا کہ چند چیدہ اشخاص مقامِ انتخاب کے قریب ایک کمرے میں اس طرح بند کر دیے جاتے تھے کہ باہر کی کوئی کارروائی نہ دیکھ سکیں، نہ کوئی انھیں دیکھ سکے۔ البتہ وہ باہر کی آوازیں سُن سکتے تھے۔ اور اسی سننے پر ان انتخابات کا اور دوسرے اہم امور کے فیصلے کا انحصار ہوتا تھا۔ اُن کے بند کر دیے جانے کے بعد اُمید وار ایک ایک کر کے سامنے لائے جاتے تھے اور بغیر کوئی بات کیے جلسے میں سے گزرتے تھے۔ اب جو لوگ برابر کے کمرے میں بند ہوتے

اور لکھنے کی میزیں اُن کے پاس ہوتیں اگرچہ وہ یہ نہ دیکھ سکتے تھے کہ کون شخص جلسے میں سے گزرا تاہم جلسے کی آوازیں اور خیر مقدم کے نعرے سنتے تھے اور انھی کو نمبر ڈال کر لکھتے جاتے تھے کہ پہلے امیدوار پر اتنا شور ہوا اور دوسرے کے آنے پر اتنا۔ اب جس کے گزرنے پر زیادہ اور سب سے بلند آوازیں سُنی جاتی تھیں، اُسی کے باضابطہ انتخاب کا اعلان کر دیا جاتا تھا۔ منتخب ہونے والے کے سر پر سہرا باندھا جاتا تھا اور وہ جلوس کے ساتھ تمام مندروں میں جاجا کے دیوتاؤں کا شکریہ ادا کرتا تھا، ایک کثیر گروہ نوجوان مردوں کا اُس کے ہم راہ ہوتا جو نعرے لگاتے جاتے اور بہت سی عورتیں اُس کی نیکی اور پاکیزہ زندگی کی صفت وثنا کے گیت گاتی ہوئی ساتھ چلتی تھیں۔ شہر کا گشت لگانے میں جگہ جگہ اُس کے دوست اور اعزا کھانے کی میزیں چُنتے اور کہتے "شہر آپ کے اعزاز میں یہ ماحضر پیش کرتا ہی" مگر وہ اُسے قبول نہ کرتا بلکہ چکّر لگاتا ہوا اپنے مشترکہ دسترخوان تک آتا، جہاں وہ پہلے کھانا کھایا کرتا تھا۔ چناں چہ حسبِ معمول کھانا چُنا جاتا مگر اُس خاص موقع پر اُسے دُہرا حصّہ ملتا تھا جسے وہ اُٹھا کے الگ رکھ لیتا۔ کھانا ختم ہونے تک اُس کے کنبے کی عورتیں دروازے پر جمع ہو جاتیں اور جس کی وہ سب سے زیادہ توقیر کرتا، اُسے اشارے سے بلا کر کھانے کا دوسرا حصّہ یہ کہہ کے نذر دیتا تھا کہ "یہ میرے اعزاز میں دیا گیا تھا اب تمھارے لیے ہی" جس کے بعد دوسری عورتیں فاتحانہ شان سے اس خاتون کے جلو میں چلتیں اور اُسے گھر تک پہنچاتی تھیں۔

موتیٰ کے متعلق لائیکرگس نے بہت عاقلانہ ضوابط بنائے تھے

چناں چہ اوّل تو سارا وہم مٹانے کی غرض سے اُس نے اُنھیں اجازت دے دی تھی کہ وہ اپنے مُردے شہر کے اندر بلکہ خود مندروں کے آس پاس دفن کر دیں جس کا مقصد یہ تھا کہ اسپارٹی لڑکے ایسی چیزیں دیکھنے کے عادی ہو جائیں اور لاشیں دیکھ کر نہ ڈریں نہ اُن کے دلوں میں یہ وہم رہے کہ مُردوں کو چھو لینا یا قبر کے اوپر سے گزرنا آدمی کو بھرشٹ کر دیتا ہے۔ دوسرا حکم اُس نے یہ دیا کہ مُردے کے ساتھ کوئی شے دفن نہ کی جائے، البتہ اگر چاہیں تو زیتون کے کچھ پتّے یا وہ ریشمی کپڑا جس میں لاش لپیٹی جاتی تھی، قبر میں رکھ سکتے تھے۔ قبروں پر کتبے کرانے کا وہ بھی مخالف تھا اور سوائے مقتولینِ جنگ یا ایسی عورتوں کے جو مذہبی منصب رکھتی ہوں، کسی کی قبر پر نام لکھوانے کی اجازت نہ تھی۔ سوگ منانے کی مدّت بھی بہت کم مقرر کی گئی تھی یعنی صرف گیارہ دن۔ اور بارھویں دن سیرس دیوی کے نام قربانی چڑھا کر سوگ ختم کر دینے کا حکم تھا، اس طرح ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ جس طریق سے لکرگس نے بے کار تموّل کی جڑ کاٹی تھی اُسی طرح اس نے امورِ ضروریہ میں کوئی چھوٹی سے چھوٹی اور فروعی بات بھی ایسی نہ رکھی تھی جس سے نیکی کی تعریف اور بدی کی تحقیر نہ نکلتی ہو۔ اُس نے اسپارٹہ کے تمام علاقے کو اعلیٰ اوصاف کے نظائر و مظاہر سے بھر دیا تھا جن کے بچپن سے پیشِ نظر رہنے کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ وہاں کے لوگ اُسی قالب میں ڈھل جائیں اور نیکی کے راستے میں برابر آگے بڑھتے رہیں؛

اور یہی باعث تھا کہ اُس نے اپنے ہم وطنوں کو سیاحت کرنے کی ممانعت کر دی تھی اور اجازت نہ دی تھی کہ وہ بیرونی اخلاق

یا بے تربیت اقوام کے خصائل یا حکومت کے مختلف نظریوں سے واقفیت حاصل کریں۔ ساتھ ہی اپنے علاقے سے اُن پردیسیوں کو بھی اُس نے خارج کر دیا تھا جو وہاں آنے کی کوئی معقول وجہ نہ بیان کر سکیں۔ اُسے یہ خوف نہ تھا کہ پردیسی لوگ اسپارٹا کے طرزِ سلطنت سے آگاہ ہو جائیں اور اس کی نقل اُڑا لیں یا کوئی اور خوبی ان کی سیکھ لیں گے (جیسا کہ توسی ڈائی ڈیز نے لکھا ہے) بلکہ دراصل اُسے اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں وہ کوئی بُری عادت نہ وہاں مروّج کر دیں۔ اجنبیوں کے آنے سے یہ ظاہر ہے کہ اجنبی الفاظ بھی ملک میں دخل پا لیتے ہیں جن سے نئے نئے خیالات اور پھر لوگوں میں متضاد افکار و آرا پیدا ہوتی ہیں اور حکومت میں ہم آہنگی کا خاتمہ کر دیتی ہیں۔ لگرگس نے اس قسم کی غیر ملکی بُرائیوں سے وطن کو بچانے میں اسی احتیاط سے کام لیا تھا جو عام طور پر لوگ وبائی امراض کے روکنے میں ملحوظ رکھتے ہیں:

اس حد تک لگرگس کے قوانین میں مجھے تو کوئی بے انصافی نہیں نظر آتی۔ لیکن بعض لوگ، اس اعتراف کے ساتھ کہ وہ عمدہ سپاہی بنانے کے مطلب کے خوب تھے، عدل گستری کے معاملے میں انھیں ناقص بتاتے ہیں۔ اور اگر "کرِپ ٹیا" کا قانون بھی لگرگس ہی کا بنایا ہوا ہے اور ارسطو کہتا ہے کہ اسی کا ہے، تو غالباً اسی کی وجہ سے افلاطون اور ارسطو دونوں لگرگسی قوانین پر اعتراض کرتے ہیں۔ "کرِپ ٹیا" کا مطلب یہ تھا کہ اسپارٹا کے حُکّام خفیہ طور پر اپنے سب سے اچھے جوانوں کو وقتاً فوقتاً دیہات میں بھیجتے تھے اور تھوڑا سا ضروری سامانِ خوراک

اور اسلحہ میں صرف چھرے ان کے پاس ہوتے تھے۔ دن کے وقت یہ نوجوان سنسان مقامات میں چھپے رہتے اور جب اندھیرا ہو جاتا تو نکل کر شاہ راہوں پر جا پہنچتے اور جس کسی ہلوت پر اُن کا ہاتھ پڑ سکتا اُس کو مار ڈالتے تھے۔ بعض اوقات وہ دن میں اُن پر کھیت کیار کا کام کرتے وقت یکایک حملہ آور ہوتے اور قتل کر دیتے تھے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوا ہی (جیسا کہ توسی ڈای ڈیز اپنی تاریخ میں بیان کرتا ہی) کہ اہلِ اسپارٹا نے اُن کی ایک معقول تعداد کو بہادر دیکھ کر چُن لیا اور احرار کی طرح اُن کے سہرے باندھ کر مندروں میں لے گئے اور اُن کا اعزاز اکرام کیا اور پھر تھوڑے ہی عرصے میں وہ یکایک غائب ہو گئے اور بعد میں کوئی شخص نہ بتا سکا کہ وہ کس طرح مرے۔ ارسطو نے یہ بھی تحریر کیا ہی کہ جس وقت اُن کے نئے حاکم مقرر ہوتے تو وہ اکثر ہلوتوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیتے تھے کہ اہلِ اسپارٹا بلا خوفِ مواخذہ ان کا قتلِ عام کر دیں، بہ ہر حال یہ سب کو تسلیم ہی کہ اسپارٹا کے لوگ ان کے ساتھ نہایت ناروا برتاؤ کرتے تھے چناں چہ انھیں جبراً اس قدر شراب پلانی کہ وہ بدمست ہو جائیں اور پھر جلسہ گاہوں میں اسی حالِ بد کے ساتھ اُنھیں لانا کہ اسپارٹی بچّے دیکھ سکیں کہ شرابی کی کیسی بُری گت ہوتی ہی، وہاں معمولی بات تھی۔ اسی طرح وہ اُن سے بہت ادنیٰ درجے کے ناچ نچواتے اور بیہودہ گیت گواتے تھے اور اچھی باتوں میں حصہ لینے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ اسی لیے اہلِ تھیبیہ نے لقونیہ پر حملہ کیا اور بہت سے ہلوت گرفتار کیے تو ہر چند اُن سے اچھے شاعروں کے گیت گوانے چاہے، انھوں نے نہ گائے "کیوں کہ"

انھوں نے کہا: "یہ بات مالکوں کو پسند نہیں" غرض کسی کا یہ مقولہ بہت درست ہے کہ اسپارٹا میں، جو آزاد شہری تھا وہ سب سے بڑا آزاد تھا مگر جو غلام تھا وہ دنیا میں سب سے بدتر غلام تھا، لیکن میری اپنی راے یہ ہے کہ یہ زیادتیاں اور سفاکیاں زمانۂ مابعد میں جاری ہوئیں خصوصاً اُس بڑے زلزلے کے بعد جب کہ ہلوتوں نے ایک عام بغاوت بپا کی اور مسینا والوں سے مل کر تمام علاقہ تاخت و تاراج کر ڈالا اور خود اسپارٹا کی حالت مخدوش کر دی۔ بات یہ ہے کہ لکرگس کے اور واقعات سے اس کی نرم مزاجی اور انصاف پسندی ثابت ہے اور ان اوصاف کی الہامی پیغامات سے بھی تصدیق ہوتی ہے۔ لہٰذا مجھ سے کسی طرح نہیں بن پڑتا کہ اُسے ایسے وحشیانہ اور شیطانی طریقِ عمل کا بانی یقین کروں۔

اپنے قوانین کے نفاذ کے بعد جب لکرگس نے دیکھا کہ اہلِ وطن کے دلوں میں اُس کے زیادہ اہم آئین و قوانین نے جگہ پکڑ لی ہے اور رواجِ عام نے اُن کو سہل بنا دیا ہے اور اب اُس کی سلطنت نشوونما پاکے اپنے پاؤں چلنے کے قابل ہو گئی ہے تو اُس وقت اس کے انبساط و اطمینانِ قلب کی کیفیت کچھ ایسی تھی جیسی کہ افلاطون نے کسی جگہ لکھا ہے کہ خلاقِ عالم کی ہوئی کہ جب تکوین کے بعد پہلی مرتبہ اُس نے عالم کو حرکت شروع کرتے دیکھا تو مسرت محسوس کی۔ اسی طرح لکرگس کی نظر جب اپنے نظام کی عظمت اور خوب صورتی پر پڑی تو اس کے دل میں یہ ولولہ پیدا ہوا کہ اس رفیع الشان عمارت کو غیر فانی بنا دے اور جہاں تک انسانی پیش بینی کو دخل ہے ایسا چھوڑ جائے

کہ نسلہانسل تک وہ غیر متغیر رہے۔ چناں چہ اس نے ساری قوم کا ایک غیر معمولی جلسہ منعقد کیا اور ان سے کہا کہ میری دانست میں اب ہر شے جو ملک کی فلاح اور اعلیٰ اوصاف کے لیے ضروری تھی اچھی طرح جاری ہو گئی ہے۔ لیکن ابھی تک ایک سب سے زیادہ ضروری بات باقی رہ گئی ہے جسے میں استخارہ کرنے سے پہلے ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ پس جب تک میں دیوتا سے مشورہ لوں اور وطن آکر اُسی الہامی ہدایت کے بہ موجب عمل کروں، میری تمنا ہے کہ میرے ہم وطن میرے قوانین پر خفیف سے خفیف تغیر کیے بغیر قائم اور کار بند رہیں۔" یہ سُن کر وہ سب خوشی سے آمادہ ہو گئے اور تاکید کرنے لگے کہ جلدی اس سفرِ خیر پر جانے کی تیاری کرے۔ لیکن روانہ ہونے سے قبل لکرگس نے دونوں بادشاہوں کو اور ارکانِ مجلس اور تمام قوم کو یہ حلف دیا کہ جب تک لکرگس واپس آئے گا ہم اُس کے قائم کردہ نظامِ حکومت پر برابر عامل رہیں گے" اس اطمینان کے بعد لکرگس ڈیلفی گیا اور اپالو کی قربانیاں چڑھاکر استخارہ کیا کہ آیا اُس کے قوانین اچھے اور کسی قوم میں فراغت و نکوئی پیدا کرنے کے لیے کافی ہیں؟ جواب میں دیوتا کی طرف سے ارشاد ہوا کہ قوانین بہت عمدہ ہیں اور جب تک اہلِ ملک اُن کے پابند رہیں گے اُن کے عروج و نام وری میں فرق نہ آئے گا۔ اس جواب کو لکرگس نے لکھ کر اپنے ہم وطنوں کے پاس اسپارٹا بھجوا دیا اور پھر اپالو کے نام پر دوبارہ قربانیاں دے کر وہ اپنے احباب اور بیٹے سے رخصت ہوا اور اس نیت کے ساتھ کہ اہلِ اسپارٹا کبھی اپنے حلف کے حلقۂ اقرار سے نہ نکل سکیں، اُس

نے جہاں تھا وہیں اپنی زندگی کا اپنے ہاتھوں خاتمہ کر دینے کی ٹھان لی، اُس وقت وہ عمر کی اُس منزل میں تھا کہ جس میں زندگی ہر چند ایسی زیادہ گراں بار نہیں معلوم ہوتی تاہم اُس سے بلا پشیمانی آدمی کنارہ کش ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ گرد و پیش کے حالات بھی مُساعد تھے۔ پس اُس نے کھانا پینا قطعاً چھوڑ کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیا اور گویا اس یقین پر عمل کیا کہ ارباب سیاست و سلطنت کا ایک فریضہ یہ ہونا چاہیے کہ اگر ممکن ہو تو اپنی موت سے بھی کوئی خدمت ملک کی انجام دیں اور خاتمۂ حیات سے بھی کوئی مفید سبق اور نیکی کا اعلیٰ نمونہ ہم وطنوں کے لیے چھوڑ جائیں، اب اپنی خودکشی سے ایک طرف تو اس کا مقصود یہ تھا کہ ایک ایسی معزز زندگی کا اتنا موزوں انجام گویا اُس کی خوش نصیبی کا بہترین تکملہ اور معراج ہے اور ادھر اسی ذریعے سے اس کے ہم وطن اُن اعلیٰ فوائد سے بہرہ مند ہوں گے جن کا حصول اُس کی زلیست کا ماحصل رہا تھا۔ کیوں کہ اُن مفید قوانین کی پابندی کا اس کی مراجعت تک وہ حلف اٹھا چکے تھے (اور اب اُس کے واپس نہ ہونے سے گویا لازم ہو گیا تھا کہ وہ اپنے حلف کی پابندی میں اُس کے قوانین پر قائم رہیں) اور واقعی اس کی یہ امیدیں غلط نہ ثابت ہوئیں کیوں کہ ریاست اسپارٹہ قوانینِ لکرگس کی سخت پابندی کی بہ دولت کامل پان سو برس تک سرزمینِ یونان کی سب سے قوی اور نامور ریاست رہی اور اس تمام اثنا میں کہ آر کی ڈاموس کے بیٹے اے جیس تک چودہ بادشاہوں نے وہاں حکومت کی، ان قوانین میں کوئی ردّ و بدل

نہ کیا گیا۔ باقی "ایفورون" کا نیا عہدہ قائم کر دینے سے بھی (جسے جمہور کے موافقِ منشا خیال کیا جاتا ہے) کوئی بڑا تغیّر نظامِ سلطنت میں نہیں پیدا ہوا تھا اور اس میں کم ہونے کے بہ جائے پہلے سے بھی زیادہ حکومتِ اُمرا کی شان آگئی تھی۔

اسپارٹہ میں اوّل ہی اوّل سونے چاندی کی بہتات اے جیس کے عہد میں ہوئی اور ان بلاؤں کے آتے ہی تمام وہ بُرائیاں جو زر پرستی اور طمّاعی کے جلو میں چلتی ہیں، نمودار ہوگئیں۔ لائی سنڈر نے انھیں اور تقویت دی کیوں کہ لڑائیوں سے لوٹ کا کثیر مال لا لا کر اُس نے ملک کو اسبابِ عیش و طمع سے بھر دیا اور لکرگس کے قوانین و ضوابط کی جڑ کاٹ دی۔ حالاں کہ وہ خود بالکل بے لوث آدمی تھا۔ بہ ہر حال جب تک وہ قوانین ان کا دستور العمل بنے رہے تب تک اسپارٹہ کسی قوم یا گروہ کی حکومت کی بہ جائے، ایک ایسا نظامِ زندگی معلوم ہوتا تھا جو کسی متین و عاقل شخصِ واحد کا مسلک ہو۔ اور جس طرح شعرا ہرقل کے قصّے سناتے ہیں کہ شیر ببر کی کھال میں، گُرز لیے ہوتے وہ ساری دنیا میں ظالم اشقیا اور قانون شکن مفسدین کو سزائیں دیتا پھرا، اسی طرح اہلِ اسپارٹہ کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنے موٹے کوٹ اور معمولی عصا سے تمام یونانیوں کو اپنا دِلی حلقہ بگوش بنا لیا تھا اور ملک کے اِس گوشے سے دوسرے گوشے تک وہ جابرانہ مطلق العنانیوں کا اور غاصبانہ بے انصافیوں کا قلع قمع، اور جنگ میں ثالثی اور اُن کے باہمی فساد رفع دفع کرتے تھے اور وہ بھی تلوار اٹھائے بغیر، اکثر محض ایک اپنا نائب بھیج کر جس کے اشاروں پر متنازعین اسی طرح عمل کرتے

جس طرح محال کی مکھیاں رانی کے گرد جمع ہو کے اپنی اپنی جگہ سنبھال لیتی ہیں، گویا اُن کے ملک میں انصاف و انتظام کا اتنا بڑا سرمایہ جمع ہو گیا تھا جو نہ صرف اُن کے لیے کافی بلکہ دوسروں کے واسطے بھی بچ رہتا تھا۔

اور ان سب باتوں کو پیشِ نظر رکھ کے میں اُن لوگوں پر اچنبھا کیے بغیر نہیں رہ سکتا جو کہتے ہیں کہ اسپارٹہ والے اچھی رعایا مگر بُرے حکم ران تھے۔ اور اس کی دلیل میں تھیوپمپس کا ایک مقولہ پیش کرتے ہیں جس نے کسی شخص کے جواب میں، جو کہ رہا تھا کہ اتنے عرصے تک اسپارٹہ کا عروج محض اس کے قابل حکم رانوں کی بدولت رہا" فرمایا تھا کہ "نہیں۔ بلکہ جمہور کی بدولت، جو جانتے ہیں کہ اطاعت کس طرح کی جاتی ہی" لیکن یہ ظاہر ہی کہ جمہور اطاعت نہیں کرتے جب تک کہ حکم ران حکومت کرنا نہ جانتے ہوں۔ اطاعت کا سبق حکم ران دیا کرتے ہیں اور ایک حقیقی ہادی اپنے پیرووں میں اطاعت پیدا کیا کرتا ہی۔ جس طرح فنِ شہ سواری کا آخری مرحلہ گھوڑے کو سیدھا کر لینا اور غریب بنا دینا ہی اسی طرح ملک داری کے فن کی آخری تکمیل لوگوں میں خوشی سے اطاعت کا مادہ پیدا کرنا ہی، اسی بات میں اسپارٹہ والوں کو مہارت تھی اور وہ نہ صرف لوگوں میں آمادگی بلکہ دلی تمنا اسپارٹہ کی رعایا بن جانے کی پیدا کر دیتے تھے، چناں چہ لوگوں کی درخواستیں اسپارٹہ سے جہاز یا رُپیہ بھیجنے کے لیے یا فوجی کمک مانگنے کے واسطے نہ ہوتی تھیں بلکہ صرف ایک اسپارٹی سپہ سالار بھیج دینے کے لیے جو انھیں مل جاتا تو کمال تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ جیسی کہ اہلِ صقلیہ نے گلپّس کی، اہلِ چال سیڈیہ نے براسی ڈس اور تمام ایشیائی یونانیوں

نے لامی سنڈر، کالی کراتی ڈس اور اجی سی لوس کی کی۔ یعنی جہاں وہ گئے وہاں کی قوم یا بادشاہ کے بنانے، سنوارنے والے کہلائے اور اسپارٹہ تہذیب اور طرزِ حکومت کا وہ نمونۂ کمال سمجھا جانے لگا کہ سب کی نظریں اُس پر لگی رہتی تھیں اور سب اُس کے شاگرد اور وہ سارے یونان کا استاد معلوم ہوتا تھا چناں چہ اُس ٹراٹونی جس نے مسخرے پن سے ایک قانون بنانے کا دعویٰ کیا تھا کہ جس میں ریت رسم اور مذہبی جلوس کا انتظام ایتھنز والوں کے سپرد ہو اور ایلیہ کے لوگ اولمپی کھیلوں میں صدارت کریں اور ان دونوں میں سے کوئی غلطی کرے تو اسپارٹہ والے (ان کے بجائے) مار کھائیں" اس لطیفے کی تہ میں بھی اسپارٹہ کی فوقیت اور ہر معاملے میں دخیل ہونے کا اشارہ ہے۔ لیوکٹرا کی فتح پر (جس میں اسپارٹہ کو شکست ہوئی) جب اہلِ تھیبہ خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے تو سقراط کے شاگرد اِن تس تینز نے اپنا دِلی خیال ان الفاظ میں ظاہر کیا تھا کہ تھیبہ کی خوشیاں ایسی ہیں جیسے بعض اوقات مکتب کے لڑکے اپنے اُستاد کو پیٹ کر منایا کرتے ہیں۔

بایں ہمہ لائکرگس کا مدعا یہ نہ تھا کہ اُس کی ریاست دوسری ریاستوں پر حکومت کرے۔ بلکہ درحقیقت اُس کے نزدیک کسی ملک کی خوش دلی کا مدار، کسی شخصِ واحد کی طرح اُس کے اعلیٰ اوصاف، نیک کرداری اور اہلِ ملک کے باہمی اتحاد پر ہوتا ہے۔ نظر بریں اپنے تمام قوانین میں اُس کا مقصودِ ذہنی لوگوں کو جہاں تک ہو آزاد خیال، خود اعتماد اور اعتدال پسند بنانا تھا۔ اسی لیے جس قدر اشخاص نے سیاسیات و ملک داری کے متعلق عمدہ کتابیں تحریر کی ہیں، جیسے افلاطون دیوجانس یا زینو نے، اُن سب نے

لکرگس کے نمونۂ سلطنت سے مددلی ہو اگرچہ اپنی یادگار بسوائے الفاظ اور زبانی منصوبوں کے کچھ نہیں چھوڑی ہو۔ بجائے کہ لکرگس نہ صرف تحریراً بلکہ عملاً ایک ایسے نظامِ سلطنت کا بانی ہو جس کو ترقی دینا تو درکنار کوئی پوری نقل بھی نہ اتار سکا۔ اور اس حال میں کہ محض افراد کا حکیمانہ خصائل حاصل کر لینا لوگوں نے عموماً محال قرار دیا ہو، اُس نے ایک پوری قوم کو حکیمانہ خصائل کا پابند بنا دیا اور اس طرح یونان کے اور تمام مصنفین سے فوق لے گیا۔ یہی وجہ ہو کہ اگرچہ اُس کے نام کا وہاں مندر موجود ہو اور دیوتا بنا کے اُس پر سالانہ قربانیاں بھی کی جاتی ہیں، تاہم ارسطو کہتا ہو کہ جتنا چاہیے اس کا اتنا احترام مرنے کے بعد اسپاڈٹا میں نہ ہوا۔

بیان کرتے ہیں کہ جب اُس کی ہڈیاں اسپاڈٹا میں لائی گئیں تو اُس کے مقبرے پر بجلی گری۔ یہ وہ حادثہ ہو جو کسی اور نامی آدمی کی قبر پر کبھی پیش نہ آیا، بسوائے یوری پڈیز کے جس کا مدفن اری تھوسہ (واقعہ مقدونیہ) میں تھا۔ اور شاعرِ موصوف کے مداح اس کی طرف داری میں یہ بھی ایک دلیل لا سکتے ہیں کہ اس معاملے میں وہ لکرگس جیسے محترم اور دیوتاؤں کے محبوب سے دعوے ہم سری رکھتا ہو، ایک قول یہ ہو کہ لکرگس ستھا میں فوت ہوا۔ اپالوتھیمس کہتا ہو کہ ایلس پہنچنے کے بعد ٹامئیس اور ارستوشنوس کا بیان ہو کہ اس کی جائے وفات قریطش ہو۔ بلکہ ارستوشنوس نے یہ بھی اضافہ کیا ہو کہ اہلِ قریطش اُس کا مقبرہ پردیسیوں کی سڑک کے قریب پرگاموس کے ضلع میں بتاتے ہیں، اُس نے اپنے بعد صرف ایک بیٹا اینٹورس چھوڑا تھا جس کے لاولد مر جانے سے وہ

نسل منقطع ہوگئی۔ لیکن اُس کے احباب واقارب بہت عرصے تک اُس کی برسی مناتے رہے اور اِس رسم کی تاریخیں بھی اسی کے نام پر ''لکرگڈی'' کہلاتی تھیں، ہیپارجس کے بیٹے ارستوکری ٹس کی یہ روایت ہی کہ وہ قریطش میں فوت ہوا اور اس کے قریطشی دوستوں نے نعش جلا کے اُس کی راکھ سمندر میں پھینک دی۔ جس کی خود لکرگسؔ نے وصیت کردی تھی کہ مبادا اُس کے پھول (یا راکھ) سمندر پار اسپارٹہ میں پہنچا دیے جائیں اور لوگ اپنے حلف سے چھوٹنے کا یہی حیلہ نکال کے آئینِ حکومت میں نئی نئی باتیں اختراع کرنے لگیں۔

میرے خیال میں لکرگسؔ کے اتنے ہی حالات اور واقعاتِ زندگی لکھنے کافی ہوں گے ؛

نیوما پمپی لیئیس
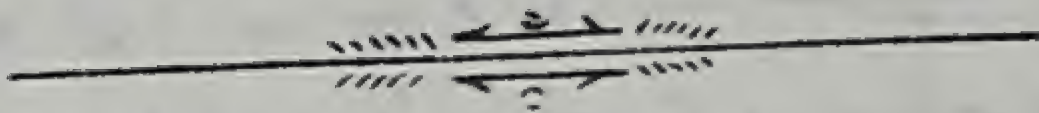
ہرچند رومۃ الکبریٰ کے معزز خاندانوں کا شجرۂ نسب پورے تسلسل کے ساتھ شاہِ نیوما تک جا پہنچتا ہے، تاہم خود اُس کے عہدِ بادشاہی کے متعلق مورّخوں میں سخت اختلافات ہیں۔ کلوڈئیس نام ایک مصنف اپنی کتاب "تنقیدِ سنین" میں تحریر کرتا ہے کہ جب غالوی حملہ آوروں نے شہر کو تاراج کیا تو روما کی تمام دستاویزیں اور دفتر بھی اسی عالمِ رست خیز میں برباد ہو گئے۔ اور اب جو کچھ بھی نامے اور اسناد پیش کی جاتی ہیں دراصل یہ سب مصنوعی ہیں اور مزاج شناس خوشامدیوں نے ان لوگوں کے خوش کرنے کے لیے انھیں تیار کر دی ہیں جو خلافِ اصلیت اپنا سلسلۂ نسب کسی قدیم اور نام ور مورثِ اعلیٰ سے ملانا چاہتے تھے، اسی طرح نیوما کے بارے میں ایک روایت یہ مشہور ہے کہ وہ حکیم فیثاغورث کا شاگرد اور ملاقاتی تھا۔ مگر بعض اشخاص اس کے خلاف ہیں اور بہ وثوق بیان کرتے ہیں کہ نیوما یونانی زبان سے آشنا تھا نہ یونانی علوم سے۔ اور حکمت و نکوئی میں جو درجہ اُس نے حاصل کیا وہ محض اس کی ذاتی قابلیت اور خداداد لیاقت کا نتیجہ تھا، یا یہ کہ اُسے کوئی غیر یونانی معلم ایسا مل گیا تھا، جو فیثاغورث سے بھی بڑھ کر تھا، بعضوں کا قول یہ ہے کہ فیثاغورث نیوما کا ہم عصر نہیں ہے، بلکہ کم سے کم پانچ پشت بعد کا آدمی ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ

اس نام کا ایک اور شخص جو اسپارٹا کا باشندہ تھا سیاحانہ ملکِ اطالیہ میں آیا ہو اور اس نے نیوما سے شناسائی حاصل کر کے نظامِ سلطنت قائم کرنے میں اُسے مدد دی ہو جس کی بدولت اکثر اسپارٹی طریقے رومی آئین و قوانین میں نظر آنے لگے۔ واضح رہے کہ اسپارٹا کا یہ فیثاغورث سولھویں اولمپی نمایش کے شرکا اور انعام جیتنے والوں میں ہی اور اسی سولھویں اولمپیاڈ[1] کے تیسرے سال نیوما نے تختِ رومہ پر جلوس کیا ہی لیکن جو کچھ بھی ہو، اس میں شبہہ نہیں کہ نیوما قومِ سباینی کا فرد ہی اور یہ قوم اپنے تئیں اسپارٹا والوں کی ہم نسل بتاتی ہی یعنی اسپارٹی مہاجرین کی اولاد میں ہونے کا دعویٰ کرتی ہی، واقعاتِ گزشتہ کے سنین، خصوصاً جب کہ اولمپی نمایشوں سے سمت لیا جاتے، زیادہ قابلِ اعتبار نہیں ہیں، کیوں کہ ان کی تعیین، بازی جیتنے والوں کی فہرستوں پر مبنی ہی جو ہپیاس نے بہت دن بعد شایع کی تھیں اور پوری طرح مستند نہیں ہیں، بہر حال ہم نیوما کی سوانح عمری ایک مناسب زمانے سے شروع کر کے، اس کی زندگی کے بڑے بڑے واقعات کو جو ہم تک پہنچے ہیں پیش کرتے ہیں۔

رومہ کی بنیاد کے سال سے شمار کریں تو اس کے ۳۷ ویں برس کا یہ واقعہ ہی کہ رومیولس نے جو اُن دنوں حکمراں تھا، بکریوں کی

---

[1] اولمپیاڈ وہ سمت ہی جو اولمپی نمایشوں سے یونانیوں میں موسوم اور مروج تھا۔ یہ نمایشیں ہر چار سال کے بعد ہوتی تھیں اور ان کی بنیاد تحقیقاتِ جدید کے رو سے ۷۷۶ سنہ قبلِ مسیح بتائی گئی ہی، ہر اولمپیاڈ گویا چار سال کی مدت ہوتی تھی اور اس کے بعد دوسرا اولمپیاڈ شروع ہوتا تھا۔ اس طرح سولھویں اولمپیاڈ کو سمجھنا چاہیے کہ ۷۱۲ سنہ قبلِ مسیح سے شروع ہوا، اور اس کا تیسرا سال جس کا کتاب میں حوالہ ہی ۷۰۹ سنہ ق م ٹھیرا۔ م

منڈی میں ارکانِ مجلس کے سامنے قربانی چڑھائی. یہ ماہِ جولائی کی پانچویں تاریخ کا ذکر ہی جو "کپ روٹائن نونز" کہلاتی ہی۔ قربانی کرتے میں یکایک آسمان تیرہ وتار ہوگیا اور خاک و باران کا ایسا زبردست طوفان آیا کہ عوام الناس خوف زدہ ہو کے بھاگے اور مجمع منتشر ہوگیا. اسی تلاطم میں رومیولس غائب ہوا اور پھر اُس کا یا اس کی لاش کا پتا نہ چلا کہ زمین کھا گئی یا آسمان، اس وقت اُمرا (یا ارکانِ مجلس) کی طرف سے لوگوں میں سخت شبہات پیدا ہوئے اور اس قسم کی افواہیں عوام میں پھیل گئیں کہ یہ لوگ بادشاہی سے تنگ آ گئے تھے خصوصاً آخری زمانے میں رومیولس کے حاکمانہ طرزِ عمل نے اُنھیں اس قدر بے زار کر دیا تھا کہ اُنھوں نے سازش کرکے اُسے مار ڈالا تاکہ حکومت واقتدار خود اُن کے قبضے میں آجائے، اِن شبہات کو زائل کرنے کی غرض سے اُمرا نے ایک حکم نافذ کیا کہ رومیولس کا دیوتا بنا کے مذہبی احترام کیا جائے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ شاہ موصوف مَرا نہیں بلکہ اب اُس نے ایک ربّانی برن اختیار کرلیا ہی. نیز ایک آب رؤ دار شہری پراکلس یا پروکوس نامی نے بہ حلف بیان کیا کہ مَیں نے رومیولس کو اپنے لباس اور اسلحہ سمیت آسمان پر اٹھایا جاتے دیکھا اور بلند ہوتے ہیں پکار کے یہ کہتے سُنا کہ آیندہ سے رومی ہمیں کیوری نَس کے نام سے یاد کریں"

یہ شبہات اور وسوسے رفع دفع ہوگئے تو ایک تازہ شورش نئے بادشاہ کے انتخاب کے متعلق پیدا ہوئی، حقیقت یہ ہی کہ رومہ کے اصلی (یا قدیم) باشندوں کو اور نئے بسنے والوں کو ابھی تک پوری طرح مِل جُل کر رہنا نہ آیا تھا اور اُن میں وہ اتحاد اور قومیت کا سچّا خیال

پیدا نہ ہوا تھا جو ایک مشترکہ حکومت کے لیے ضروری ہے۔ ان میں ابھی فرقے اور ذات پات کے نامبارک اختلافات موجود تھے اور خواص یعنی ارکانِ مجلس بھی رقابت اور حسد کے جذبات سے پاک نہ تھے۔ اور ہرچند اس پر سب کا اتفاق تھا کہ ایک حاکم یا بادشاہ بنایا جانا ضروری ہے لیکن یہ بات کہ وہ کون اور کس قوم کا شخص ہو، متنازعہ فیہ تھی۔ کیوں کہ وہ لوگ جنھوں نے رومیولس کے ساتھ شہر کی بنیاد ڈالی تھی اور اُسے بسایا تھا اور جو پہلے ہی سبائنی نوواردوں کو اپنے حصے میں سے زرعی اور سکنی زمینیں دے چکے تھے، اسے کسی طرح گوارا نہ کرتے تھے کہ یہ نئے شہری خود اپنے محسن میزبانوں پر حکومت چلانے کا حق طلب کریں۔ اِدھر سبائنی لوگوں کی حجت یہ تھی کہ جب ہمارا بادشاہ ٹے ٹی اس مرا تھا تو ہم نے امن پسندی کے ساتھ اکیلے رومیولس کی ماتحتی قبول کرلی تھی۔ لہٰذا اب انصافاً ہماری قوم کا آدمی بادشاہ منتخب ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ سبائنی روما میں آبسنے کو ہرگز اپنے کم تر ہونے کی دلیل نہ سمجھتے تھے نہ ان کے نزدیک شہر کی آبادی بڑھانے میں جو حصہ اُنھوں نے لیا وہ اصلی باشندوں سے کچھ کم تھا۔ کیوں کہ ان کی شرکت اور آمد کے بغیر روما اتنی چھوٹی بستی تھی کہ اس پر شہر کا اطلاق بھی صحیح نہ تھا۔

غرض دونو فریق اپنی اپنی بات پر جمے ہوئے تھے۔ لیکن اس نظر سے کہ مبادا کسی حاکم کی عدم موجودگی عام ہل چل یا بدنظمی کا سبب ہو انھوں نے باہم یہ قرار داد کرلی کہ ڈیڑھ سو ارکانِ مجلس میں سے باری باری ہر شخص ایک دن کے لیے بادشاہت یا حاکمِ اعلیٰ کے فرائض

انجام دے اور شاہانہ ماہی مراتب کے ساتھ چھ گھنٹے دن اور چھ گھنٹے رات میں مذہبی نذر و نیاز اور سرکاری کاروبار سرانجام کرے۔ مدعا یہ تھا کہ حکومت کی اس مساوی تقسیم سے امرا کی رقابت اور دشمنی کا (نئے بادشاہ کے انتخاب تک) سدِباب ہوجائے اور نیز عوام الناس بھی یہ دیکھ کر کہ آج جو شخص بادشاہ ہے دوسرے دن اُس کی حیثیت معمولی شہری کی رہ جائیگی حاسدانہ شورش و فساد مشتعل نہ کرسکیں۔ اس قسم کے طرز حکومت کو رومی حکومت منتظرہ (انٹررگنیم) کہتے ہیں۔ مگر اس معقول اور عارضی طریق حکمرانی کے باوجود امرا طعن سے محفوظ نہ رہ سکے اور بازاری لوگ ان کی نسبت اسی قسم کے شبہات پیدا کرتے رہے کہ گویا وہ حکومت خواص قائم کرنا چاہتے ہیں اور بادشاہ کا انتخاب ٹال ٹال کر سارے اختیارات باری باری سے اپنے قبضے میں رکھنا چاہتے ہیں۔ آخر کار فریقین نے باہم یہ طے کیا کہ انتخاب کرنے کا حق تو ایک فریق کو دیا جائے اور دوسرے فریق میں سے وہ شخص منتخب کیا جائے۔ یعنی یا تو رومی امرا اپنے حسب منشا ایک سبائنی بادشاہ کو منتخب کریں اور یا سبائنی ارکان کو اختیار ہو کہ رومیوں میں سے جس شخص کو چاہیں بادشاہ قرار دے دیں۔ اس تدبیر کو باہمی تنازعہ مٹانے کے لیے سب سے بہتر سمجھا گیا اور اس میں یہ بھی مصلحت رکھی گئی کہ جو شخص دوسرے فریق کی آرا کی بدولت بادشاہ ہوگا وہ اپنے انتخاب کرنے والوں کا تو اس لیے لحاظ کرے گا کہ انھوں نے اُسے بادشاہ بنایا اور دوسرے فریق کا پاس اُسے قدرتی طور پر اس لیے ہوگا کہ وہ خود اُنہی کا ایک فرد ہے۔ غرض یہ فیصلہ ہوگیا تو سبائنی جماعت نے انتخاب کرنے کا حق قدیم رومیوں کو دینا چاہا اور

ادھر خود رومیوں نے بھی اس بات کو ترجیح دی کہ ایک رومی بادشاہ کے بجائے جسے یہ منصب سبائنی گروہ کی عنایت سے حاصل ہو بہتر ہو کہ ہم خود ان میں سے ایک شخص کو اپنی مرضی کے موافق بادشاہ منتخب کریں، چناں چہ اس قرارداد کے بموجب انھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور فقط اپنے گروہ کی رائے سے نیوما پمپی لیس کو نامزد کیا جو سبائنی قوم کا ایک فرد اور اپنی صفات جمیلہ کی بدولت ایسا مشہور تھا کہ گو وہ شہر روم کا رہنے والا نہ تھا لیکن اس کا نام سنتے ہی سبائنی جماعت نے بھی اسی جوش مسرت کے ساتھ جو اس کے انتخاب کرنے والے رومیوں نے دکھایا تھا، اُسے منظور کرلیا۔

اس انتخاب کا اعلانِ عام ہونے کے بعد فریقین سے چیدہ چیدہ اشخاص مقرر ہوئے کہ وہ اُس کے پاس جائیں اور عنانِ حکومت ہاتھ میں لینے کی درخواست کریں نیوما ایک مشہور سبائنی شہر کیورس کا باشندہ تھا اور اسی کی وجہ سے رومی اور سبائنی لوگ اپنی مشترکہ قومیت "کیواری ٹس" بتاتے ہیں۔ وہ ایک نامی شخص پمپونئیس کا چوتھا اور سب سے چھوٹا بیٹا تھا اور (اسے ایک اشارہ غیبی سمجھنا چاہیے کہ) اپریل کی اکیسویں تاریخ کو پیدا ہوا جو رومۃ الکبریٰ کی بنیاد کا دن ہے۔ مبدء فیاض سے اُسے ایسی شریف طبیعت ودیعت ہوئی تھی جو شاذ و نادر کسی کو ملتی ہے۔ پھر حکمت کے مطالعے اور مجاہدۂ نفس کی مدد سے اس طبیعت کو ایسا پاک صاف اور اپنے قابو میں رکھا تھا کہ نہ صرف جذبات سافلہ سے بلکہ اس درشتی اور تندخوئی سے بھی وہ قطعاً مبرّا تھا جو وحشی اقوام میں قابلِ تعریف اوصاف

تصور کیے جاتے ہیں۔ نیوما کی دانست میں سچی بہادری اس میں تھی کہ آدمی کے جذبات کامل طور پر عقل کے ماتحت رہیں۔

عیش اور تن آسانی کو نیوما نے اپنے ہاں سے خانہ بدر کردیا تھا اور اگر لوگوں میں وہ ہم قوم اور غیر قوم سب کے لیے ایک بے لوث حکم اور مشیر تھا تو دوسری طرف تنہائی میں اُس کا تمام وقت، کسی دولت پرستی یا لہو ولعب کے بجائے آسمانی بادشاہوں کی عبادت میں گزرتا تھا، جن کی ذات اور ربانی قوتوں پہ وہ ازروے عقل غور و تدبر کرتا رہتا تھا۔ اسی نیک نامی کی بدولت شاہ ٹے ٹی اس نے اُسے داماد منتخب کیا اور اپنی اکلوتی بیٹی بیاہ دی تھی لیکن اس واقعے نے کوئی ایسا اثر اس کی طبیعت پہ نہ ڈالا تھا کہ وہ از راہ خود نمائی اپنے بلند مرتبہ خُسر کے ہاں روما جابسے اور اپنی قوم یا بڈھے باپ کا ساتھ چھوڑ دے۔ اور اس کی بیوی ٹے ٹیہ نے بھی میکے میں عزت اور تجمل شاہانہ کا لطف اٹھانے کے بجائے اسی بات کو ترجیح دی تھی کہ اپنے متوسط الحال شوہر کی خاموش زندگی میں اس کی شریک وغمگسار رہے۔ ٹے ٹیہ کی نسبت مشہور ہے کہ اپنی شادی کے تیرہ برس بعد اُس نے وفات پائی اور اُس کے بعد نیوما نے بھی لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا اور شہر سے باہر دیہات اور جنگلوں میں تنہا رہنے لگا۔ وہ اپنا وقت زیادہ تر ایسے غیر آباد مقامات، کنج اور میدانوں میں، بسر کرتا جو دیوتاؤں کے استھان مانے جاتے تھے۔ چناں چہ اسی وجہ سے یہ کہانی مشہور ہوگئی تھی کہ نیوما کسی رنج یا اختلال دماغ کے باعث تارک الدنیا نہیں ہوا ہے بلکہ درحقیقت وہ مافوق انسانی عشرتوں سے ہم کنار ہے

اور اجیریا دیوی کے حلقۂ عشق و وصل میں شریک کرلیا گیا ہی کہ جس ربانی سنجوگ کی بدولت اس کی زندگی ایسی مبارک اور محترم بنی اور اُسے یہ خدا داد عقل و دانش عطا ہوئی۔

مگر واضح رہے کہ یہ کہانی اُن قدیم افسانوں سے مشابہ ہی جو اہلِ فرغیہ اٹیس کے متعلق ، اہلِ بنفنبیہ ہیروڈوٹس کے بارے میں ، اور اہلِ ارکیڈیہ انڈی میان کی نسبت یقین کرتے تھے ، اور اب تک دہراتے ہیں - اسی طرح اور بھی ایسی مثالیں ہیں ، جن میں خاص خاص آدمیوں کا محبوب خداوندی ہونا بیان کیا گیا ہی - اور سچ یہ ہی کہ اگر خدا جو مویشی اور پرندوں کا نہیں بلکہ انسانوں کا چاہنے والا ہی اُس میں آئے یا پاک و دانش مند روحوں کے ساتھ کلمہ و کلام کا تعلق قائم کرنے میں تامل نہ کرے تو ایسے اچنبھے کی بات نہیں ہی اگرچہ اس میں شک نہیں کہ کسی دیوتا یا جن و پری کا انسانی شکل میں آکر جسمانی تعلقات عشق و مواصلت قائم کرنا ، ایسی بات ہی جس پر یقین لانا نہایت دشوار ہی اور عقلائے مصر کی یہ باریک تفریق کہ آسمانی ہستیوں کا عورتوں کے پیٹ میں بچہ ڈال دینا تو ممکن ہی مگر یہ ممکن نہیں کہ کوئی مرد اُن کے ساتھ جسمانی تعلقات قائم کرسکے ، کچھ دل کو نہیں لگتی - کیوں کہ ایک جنس کے ساتھ جو چیز واقع ہوگی ضرور ہی کہ دوسری کے ساتھ بھی ہو اور ایک مشترک عمل کا ہر دو فریق پر اثر ہونا ضروری ہی - بایں ہمہ یہ سمجھنا کچھ بے جا نہیں ہی کہ دیوتا انسانوں کی طرف محبت اور ہمدردی کا میلان رکھتے ہیں اور اس کا اظہار نیکوں کی حفاظت اور اُن کے نیک ارادوں میں امداد غیبی کے ذریعے ہوتا ہی اور اسی بنا پر وہ

لوگ جو فوربس، ہیاکنتھس اور اڈمی لس کو اپالو کا محبوب تصور کرتے ہیں، غلطی میں مبتلا نہیں ہیں۔ نہ وہ جن کا خیال ہو کہ ہیبولی ٹس سکیانی اسی برگزیدہ زمرے میں داخل تھا، تھے کہ جب کبھی وہ سکیان سے روانہ ہوتا تو پتھیہ کی نبتیہ یہ شعر پڑھا کرتی تھی جو کہ دیوتا کے لطف و کرم کی بیّن علامت ہو:-

"عزیز اپنا ہیپولیٹ پھر نکلتا ہو
اور اپنی جان سمندر پہ لے کے چلتا ہو"

سنا ہو کہ پان دیوتا پنڈار کا اس کے شعروں کی وجہ سے عاشق ہوگیا تھا اور ہسئیڈ اور آرکی لوخس مرنے کے بعد ملکات آسمانی کی خاطر خدا کے محبوب اور محترم بندے سمجھے گئے۔ یہ بھی روایت منقول ہو کہ سفاکلیس (ڈراما نویس) کی زندگی میں اس گولاپیس دیوتا اس کے ساتھ ساتھ سفر کرتا تھا جس کے کئی ثبوت ابھی تک موجود ہیں، اور نیز یہ کہ جب سفاکلیس مرا تو ایک اور دیوتا نے اس کے تجہیز و تکفین کا اہتمام کیا۔ اب اگر ان مثالوں کو سچ مانا جائے تو یہ تسلیم کرنے میں کوئی محال عقلی لازم نہیں آتا کہ اس قسم کی خدائی ہستیوں سے ذلیقس مینوس، زرتشت اور نیوما کو تقرب حاصل تھا کہ یہ سب لوگ بڑی بڑی سلطنتوں کے منتظم اور قوموں کے شریع و آئین بنانے والے تھے۔ بلکہ درحقیقت یہ ماننا قرین عقل معلوم ہوتا ہو کہ ایسے لوگوں کی مجالس اور مشوروں میں دیوتا خاص توجہ کے ساتھ شرکت کرتے ہیں تاکہ انھیں الہامی ہدایت و امداد حاصل ہو۔ برخلاف اس کے شاعروں اور مطربوں سے اگر ہوتا ہو تو اُن کا واسطہ محض تفریحی اور ایک روا روی

کے عالم میں ہوتا ہی۔ لیکن اس معاملے میں اختلافات رائے سے بے لیے بے کی لی ڈس کے الفاظ میں) "راستہ بہت کشادہ ہی"؛ کیوں کہ لکرگس اور نیوما وغیرہ شارعین کے بارے میں یہ قول بھی عقل و یقین سے خارج نہیں ہی کہ انھوں نے سرکش اور ضدی لوگوں کو قابو میں رکھنے کے لیے نئے نئے قوانین کے اجرا کے وقت اپنے تئیں خاصان خدا میں مشہور کر دیا تھا جو اگرچہ سچ بات نہ تھی پھر بھی بلاشک و شبہ انھیں لوگوں کے لیے مفید اور ضروری سمجھ کر اختیار کی گئی تھی جنھیں قانون پر چلانا مقصود تھا۔

رومہ کی بادشاہی پیش کرنے جس وقت ایلچی آئے تو اس وقت نیوما کی عمر چالیس برس کی تھی۔ ایلچیوں میں افسر اور گفتگو کرنے والے پراکیولس اور ویلی سس تھے۔ اور اوّل اوّل ان ہی دونوں میں سے کسی ایک کی نسبت بادشاہ منتخب ہونے کی امید تھی یعنی رومی پراکیولس کو بادشاہ بنانا چاہتے تھے اور سبائینی لوگ ویلی سس کو۔ نیوما سے وہ ملے تو یہ سمجھ کر کہ ایسا جلیل القدر منصب پیش کرنے وقت زیادہ تقریر یا ترغیب کی ضرورت نہ ہوگی۔ انھوں نے مختصر طور پر اپنا مطلب بیان کیا۔ لیکن امید کے خلاف انھیں معلوم ہوا کہ ایک ایسے شخص کو جو امن و تنہائی کی زندگی گزار رہا ہی اُس شہر کی حکومت پر آمادہ کرنا آسان نہیں جو کہ جنگ و خوں ریزی ہی کی بدولت آباد اور رونق پذیر ہوا تھا۔ نیوما نے اپنے باپ اور ایک رشتہ دار مرسیس کی موجودگی میں رومی ایلچیوں کو یہ جواب دیا کہ آدمی کی طرز زندگی میں ہر قسم کا انقلاب مخدوش سمجھا جاتا ہی اور خصوصاً ایسے شخص کے لیے جو موجودہ حالت پر پوری طرح قانع ہی اور

کسی شی کی ضرورت محسوس نہیں کرتا اپنی معاشرت کو بدلنا محض دیوانگی ہی کیوں کہ اس میں کچھ ہی خرابیاں کیوں نہ ہوں یہ کتنا بڑا فائدہ ہی کہ اس کے معائب و محاسن سے وہ پوری طرح واقف اور باخبر ہی، بہ نسبت اس نئی معاشرت کے جو ابھی تک غیر معلوم اور مشتبہ ہی۔ پھر اس حکومت کی دقتیں تو ایسی ہیں کہ انھیں غیر معلوم بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کیوں کہ اس کا پہلا مالک رومیولس تھا اور وہ اس شبہے سے نہ بچا کہ اس نے اپنے شریک ٹے ٹی اس کی جان لینے کی سازش کی۔ اُس کے بعد رومی مجلس پر بھی اسی قسم کے شکوک وارد ہوئے کہ اس نے غداری سے رومیولس کو قتل کرایا۔ اب اگر دیکھا جائے تو رومیولس کو میرے مقابلے میں ایک بڑا فائدہ یہ حاصل تھا کہ اس کی پیدائش خرقِ عادت اور پرورش ایک معجزہ سمجھی جاتی تھی حالانکہ مجھ میں ایسی کوئی خصوصیت نہیں۔ مَیں معمولی طور پر پیدا ہوا اور میری پرورش اور تربیت جن لوگوں سے کی انھیں بھی تم جانتے ہو۔ اس کے علاوہ خود وہ طبعی اوصاف جن کی وجہ سے میری تعریفیں ہوتی ہیں مجھے حکومت کے ناقابل بناتے ہیں۔ یعنی میرا شوق مطالعہ اور عزلت پسندی کاروبار سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی، میری امن پسندی اور غیر مصافی مشاغل کی طرف میلان، پھر اُن لوگوں کی صحبت میں رہنے کا جوش جو عبادت یا دوستانہ گفتگو کے لیے جمع ہوں اور جن کی عمر بالعموم کھیت کیار کے کام میں بسر ہوئی ہو۔ غرض یہ سب عادتیں جو کسی طرح مجھ سے نہیں چھوٹ سکتیں ایسی ہیں کہ اگر میں ایسے شہر کی حکومت قبول کر لوں جو شاید بادشاہ سے زیادہ ایک فوجی سردار کا محتاج اور ضرورت مند ہی اور پھر وہاں جاکر

دیوتاؤں کی بندگی اور جنگ سے نفرت اور انصاف و محبت کا سبق دینے لگوں تو میرا خیال ہو کہ سوائے اس کے کہ سب لوگ میرے اوپر ہنسیں میری بادشاہت کا کچھ نتیجہ نہ نکلے گا!"

یہ دیکھ کر کہ نیوما ان کی دعوت کو قبول کرنا نہیں چاہتا رومی ایلچیوں نے اور زیادہ اصرار کرنا شروع کیا کہ ہمیں ایسی حالت میں بے یار و مددگار نہ چھوڑو کہ اس کا نتیجہ وہی پہلی سی خانہ جنگی اور فتنہ و فساد ہوگا کیوں کہ تمھارے سوائے کوئی ایسا شخص نہیں ہو جس کو رومہ کے دونو گروہ بہ اتفاق بادشاہ تسلیم کرلیں۔ آخر میں اس کے باپ اور مرسیس نے بھی علیحدہ لے جاکر اسے بہت کچھ سمجھایا اور ایسی آتی دولت کو جو لوگوں کی طرف سے نہیں بلکہ منجانب اللہ کہنی چاہیے قبول کرلینے کی فہمائش کی۔ انھوں نے کہا ہرچند تم دولت اور رُپے کے خواہاں نہیں کہ جو کچھ اللہ نے دے رکھا ہو اس پر شاکر اور فارغ ہو اور نہ تم کو حکومت سے ناموری حاصل کرنے کا شوق ہو کہ وہ ناموری جو نکوئی کی بدولت تمھیں پہلے سے حاصل ہو یقیناً زیادہ بیش بہا ہو۔ بایں ہمہ تمھیں غور کرنا چاہیے کہ حکومت خود اللہ تعالیٰ کی ایک خدمت گزاری ہو جو اس وقت گویا تمھیں طلب کررہا ہو کہ آؤ اور اپنے انصاف و دانش کے کرشمے دکھاؤ کہ یہ اوصاف رائگاں اور بے کار جانے کے لیے نہیں دیے گئے ہیں۔ تمھیں چاہیے کہ ایسا منصب قبول کرنے سے انکار نہ کرو جو عقل مند کے واسطے شریفانہ اور بڑے کاموں کا میدان ہو اور جس کے ذریعے نہ صرف دیوتاؤں کی نذر و نیاز شان دار طریقے پر ادا کی جاسکتی ہیں

بلکہ لوگوں کو بھی صراط مستقیم و پرہیزگاری لا سکتے ہیں۔ حکومت کی وجہ سے ٹے ٹی اس اگرچہ غیر تھا مگر لوگوں میں محبوب تھا، اور رومیولس کی مرنے کے بعد بھی دیوتا بنا کے پرستش کی جاتی ہو۔ اور اب یہ بالکل ممکن ہو کہ اس قوم کا دل جنگ و جدال سے سیر ہو چکا ہو اور وہ اپنی پچھلی فتوح اور غنائم پر قائم ہوکر بالکل آمادہ ہو کہ کوئی امن پسند اور دادگستر بادشاہ انھیں امن و خوش حالی کے بے خار راستے پر ڈال دے۔ لیکن اگر، فرض کیا، وہ جنگ اور خونریزی کے پیاسے ہیں اور ان کا یہ جذبہ جنوں کے درجے تک ترقی کر گیا ہو تو اور کوئی فائدہ نہ سہی یہ فائدہ کیا کم ہو کہ ان کی زمام حکومت ایک ایسے ضابط شخص کے ہاتھ میں ہو جو اُن کے جوش کو پوری قوت سے دوسری طرف لگا دے اور تمھاری بدولت یہ نئی اور ترقی پذیر سلطنت ہماری (سبائنی) قوم کی دوست اور حلیف ہو جائے؟"

کہتے ہیں کہ ان دلائل اور فہمائشوں کی بعض نیک شگونوں سے بھی تائید ہوئی اور ادھر نیوما کے ہم وطنوں نے یہ خبر پاکر کہ رومی ایلچی اُسے اپنے ہاں کی بادشاہی پیش کرنا چاہتے ہیں اس سے بہت التجائیں اور اصرار کیا کہ وہ ضرور ان کے ساتھ چلا جائے اور رومی اور سبائنی علاقوں میں اتحاد اور آشتی کی ایک مبارک بنیاد قائم کردے۔

آخر نیوما کو ان کی درخواست ماننی پڑی اور دیوتاؤں کے نام پر قربانیاں چڑھاکر وہ (روما) روانہ ہُوا جہاں ارکانِ مجلس اور اہل شہر نے جوشِ اشتیاق سے بہت آگے بڑھ آئے تھے راستے میں اس کا استقبال کیا۔ عورتوں نے بھی اُس کے خیر مقدم میں نہایت گرم جوشی

دکھائی ، تمام مندروں میں نذر نیاز کا سامان کیا گیا اور سب نے وہ خوشیاں منائیں کہ گویا بادشاہ کے بجائے انھیں کوئی نئی بادشاہی ملی ہی۔ اس دھوم دھام کے ساتھ نیوما ایوان مجلس تک پہنچا اور ویٹی اس نے جو اپنی باری سے اُس روز حاکم منتظر (انٹرریکس) تھا اس کی بادشاہی کے لیے رہنمائیں طلب کیں اور وہ بالاتفاق بادشاہ تسلیم کیا گیا۔ پھر شاہانہ لباس اور ساز و سامان اس کے روبرو لائے لیکن دیوتاؤں کے مشورہ کرنے سے قبل، اس نے اُن کو پہننے سے انکار کیا۔ تب کاہنوں اور پروہتوں کے ہمراہ پہلے اُسے قلعے کے اوپر لے گئے جو ان دنوں ٹمارپیہ کی چٹان دیا پہاڑی) کہلاتا تھا یہاں کاہنوں کے افسر نے جنوب کی طرف منہ پھیر کر اُس کا مُنہ ڈھانک دیا اور خود پیچھے کھڑے ہوکر دایاں ہاتھ اُس کے سر پہ رکھا اور دعائیں مانگ مانگ کے ہر طرف نگاہ دوڑانی شروع کی کہ دیوتاؤں کی خوشنودی کی کوئی علامات ظاہر ہوں اس اثنا میں یہ دیکھنا بھی تعجب سے خالی نہ تھا کہ نیچے تمام اہل شہر کمال خاموشی اور ارادت مندانہ شان سے کھڑے تھے اور ایک بیم و رجا کے عالم میں اس وقت تک انتظار کرتے رہے کہ کچھ پرند جو مبارک سمجھے جاتے ہیں نمودار ہوئے اور دائیں طرف سے گزرے۔ تب نیوما نے لباس شاہانہ زیب تن کیا اور پہاڑی سے اُتر کر لوگوں میں آیا جنھوں نے ہاتھوں ہاتھ اُسے لیا اور نعرہ ہائے مسرت بلند کیے کہ وہ دیوتاؤں کا محبوب اور ہمارا دینی بادشاہ ہی۔

تخت شاہی پہ جلوس کرنے کے بعد نیوما نے پہلا کام یہ کیا کہ

تین سو سپاہیوں کے اُس دستے کو جو رومیولس نے اپنی حفاظت کے واسطے نوکر رکھے تھے (اور "سے لی ریں" کے نام سے موسوم تھے) موقوف کر دیا اور فرمایا کہ جنھوں نے مجھ پہ اعتماد کیا ہی میں اُن کو بے اعتبار نہ سمجھوں گا۔ اور نہ میں اُن پہ حکومت کرنا گوارا کروں گا جو مجھ پر بھروسہ نہ کریں۔ دوسرا کام اُس نے یہ کیا کہ رومیولس کی یادگار میں مریخ اور برجیس کے دو پجاری اور بڑھائے اور فلے من کیوری نالیس ان کا نام رکھا۔ زمانۂ قدیم میں پجاریوں کو رومی فلامینس کہتے تھے جو 'پلائینس' کا بگڑا ہوا ہی۔ یہ ایک خاص قسم کی ٹوپیوں کی وجہ سے جنھیں پے لی اس کہتے تھے، ان پجاریوں کا نام ہوگیا تھا۔ واضح رہے کہ اُن دنوں آج کل کی نسبت کہیں زیادہ یونانی الفاظ لاطینی میں ملے ہوئے تھے چناں چہ جوبا کا بیان ہی کہ شاہی چغہ جو لینا کہلاتا ہی یونانی لفظ 'کلینا' کی دوسری صورت ہی اور اسی طرح برجیس کے مندر کا وہ خدمت گار لڑکا جس کے ماں باپ دونو زندہ ہوں اور اور جسے کامی لس کہتے ہیں اسی لیے موسوم ہی کہ بعض اہل یونان کے ہاں عطارد کے لیے بھی اسی قسم کا نام ہی جس سے دیوتاؤں کے خدمت گزار ہونے کے معنی نکلتے ہیں ؛

غرض ان تدبیروں سے ریئوما نے جمہور کی محبت اور سردل عزیزی حاصل کرلی تو پھر بلا تاخیر وہ رومیوں کے درشت اور آہنی مزاج کو جس حد تک ممکن ہو نرم اور معتدل کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔ روما کی حالت اُس وقت نہایت خراب تھی اور شہروں پر

تپ لرزہ چڑھنے کا استعارہ جسے افلاطون نے رواج دیا ہے کبھی کسی مقام پر ایسا صادق نہ آتا ہوگا جیسا کہ اس وقت روما کے حال پر صادق آتا تھا۔ اس کی بنیاد جن لوگوں نے ڈالی وہ بڑی خوں خوار اور بے چین مخلوق تھی اور قسمت آزمائی کے لیے دور دور سے یہاں آ جمع ہوئی تھی۔ پھر ان کے شہر کی معاش اور نشو و نما کا انحصار اس پر رہا تھا کہ اپنے ہمسایوں سے لڑائیوں میں مصروف رہیں اور ان کے علاقوں میں یورشیں کرکے اپنا گزارہ کریں اور اس طرح نئے نئے خطروں میں پڑکر نئی طاقت حاصل کریں۔ میخوں کی طرح، جو موگری کی ضربیں کھاکر اور زیادہ مضبوطی سے زمین میں گڑ جاتی ہیں۔ ان حالات کو دیکھ کر نیوما نے جان لیا تھا کہ ایسے اکھڑ اور مغرور مزاجوں میں ملایمت پیدا کرکے امن پسند بنانا کچھ سہل کام نہیں ہے اور اسی خیال سے اس نے مذہبی پیرائے میں ان کی اصلاح کرنی چاہی اور کثرت سے قربانیاں اور تہوار ترتیب دیئے جن کے رقص و سرود اور دینی مراسم کا اہتمام اکثر بذاتِ خود کرتا تھا اور ان دین دارانہ مشاغل تفریح کے ذریعے چاہتا تھا کہ ان کی آتش مزاجی اور جنگ خوئی میں کچھ فرق پڑ جائے۔ اس کے علاوہ خرق عادت چیزوں سے اُن کے دلوں کو مرعوب اور مخوف کرنے کے لیے کبھی کبھی مذہبی تخویف کا پیرایہ اختیار کرتا اور کہتا کہ میں نے نہایت خوفناک آوازیں سُنیں اور عجیب و غریب صورتیں دیکھی ہیں۔ نیوما کے اس طریق عمل نے لوگوں کو یقین دلا دیا ہے کہ وہ حکیم فیثاغورث سے بہت اچھی شناسائی رکھتا تھا۔ کیوں کہ اس کا فلسفہ اور نیوما کی

حکمت علی دونو میں ٹبرا حصہ بندے اور معبود کے تعلقات کا ہی۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ نیوُما کا بیرونی لباس اور عالمانہ حرکات و سکنات بہت کچھ فیثاغورثی خیالات کی وجہ سے تھے۔ اور حکیم موصوف کی نسبت مشہور ہی کہ اُس نے ایک عقاب کو اشارے پر آنا اور اڑتے اڑتے اُس کے سامنے نیچے اُتر آنا سکھایا تھا۔ یا اولمپی نمائیشوں میں جب وہ لوگوں کے مجمعے میں سے گزر رہا تھا تو اُس نے اپنی ران اُنھیں دکھائی جو طلائی تھی۔ نیز بہت سے عجیب اور معجزہ نما کرشمے اُس سے ظاہر ہوئے کہ جن کی بنا پر ٹامین فلاسوی نے اُس کا یوں تمسخر اڑایا ہی کہ:

بُہت ہی ناز مداری کے شعبدوں پہ اُسے
بڑے وقار سے کرتا ہی بات بن بن کے"

اُسی کی طرح نیوما بھی ایک دیوی یا پہاڑ کی پری کی باتیں سنایا کرتا تھا (جس کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں) کہ گویا وہ اُسے چاہتی ہی اور تنہائی میں آکے ملا کرتی ہی۔ اس کا یہ بھی بیان تھا کہ ملکات ربانی سے مجھ کو بارہا ملاقات اور گفتگو کا شرف حاصل ہوا اور انھیں کی تعلیم کی بدولت یہ ملہمانہ مرتبہ ملا ہی۔ ان میں سب سے زیادہ جس قوت ملکی کے احترام کی اُس نے رومیوں کو نصیحت کی اس کا نام "ٹے سی ٹا" یعنی خاموشی تھا اور عجب نہیں کہ یہ بھی فیثاغورثی خاموشی کی تکریم و تقلید ہی میں ہو! بتوں کے متعلق بھی اس کی رائے حکیم موصوف کے اصول کے موافق ہی کیوں کہ فیثاغورث کے عقاید میں خدا کی پاک اور نادیدہ ہستی حواس جسمانی سے نہیں

محسوس کی جاسکتی اور صرف عقل و تدبر سے اس کا ادراک کرنا چاہیے۔ اسی عقیدے کے مطابق نیوما نے بتوں کا بنانا ممنوع کر دیا تھا اور کسی انسانی یا حیوانی شکل میں خدا کا پیش کیا جانا بالکل ناجائز تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک سو ستر برس کے عرصے تک رومہ کے مندر اور معابد بتوں سے پاک اور خالی تھے اور کوئی کھدی ہوئی مورت یا معمولی تصویر تک (کسی دیوتا کی) وہاں نہیں نظر آتی تھی۔ وہ لوگ اُس بلند اور سب سے بزرگ ذات کو ایسی ذلیل چیزوں سے مشابہت دینا سخت گناہ سمجھتے تھے اور سوائے ذہنی اور روحانی ادراک کے خدا تک رسائی کو ناممکن جانتے تھے۔ نیوُما کی نذر و نیاز کا طریقہ بھی فیثاغورثی شعایر سے ملتا جلتا ہے کہ خون بہانے کے بجائے وہ آٹے اور شراب اور دوسری نہایت کم قیمت اشیا کے ذریعے عمل میں آتی تھی۔ اسی طرح بعض اور خارجی شہادتیں اس امر کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں کہ نیُوما کو فیثاغورث سے قوی تعلق تھا۔ مطائب نویس اپی کارمس حلقۂ فیثاغورث کا قدیم مصنف ہے وہ اپنی کتاب میں (جو انٹی نمر کے نام سے منتسب ہے) تحریر کرتا ہے کہ حکیم موصوف کو رومہ کے شہری حقوق دیے گئے تھے اور یہ کہ نیُوما نے اپنے چار بیٹوں میں سے ایک کا نام مامیرقس رکھا تھا جو فیثاغورث کے ایک بیٹے کا نام ہے اسی مامیرقس کی اولاد میں رومی امرا کا خاندان اے میلی ہے جس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اُس کے پسندیدہ اور دل کش طرز گفتگو کو دیکھ کر بادشاہ نے اسے اے می لیئس کا لقب عطا کیا تھا۔ اس بحث کے متعلق اتنی بات مجھے بھی یاد ہے کہ جب میں رومہ میں تھا تو بہت سے لوگوں سے

یہ روایت سُنی کہ جس وقت رومیوں کو الہامی پیغام کے ذریعے یونانیوں کے دو سب سے شجاع اور سب سے دانا آدمیوں کے مجسمے نصب کرانے کی ہدایت ہوئی تو انھوں نے دو برنجی بُت نصب کرائے جن میں سے ایک الکی بیادیز اور دوسرا فیثا غورث کا تھا۔

لیکن اس قسم کے غیر ضروری اور غیر یقینی مباحث میں زیادہ موشگافیاں کرنا تضیع اوقات ہی لہٰذا ہم انھیں چھوڑ کر اب مذہبی علما کی اس جماعت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جن کی سب سے پہلے نیوما نے ترتیب کی۔ ان کا پہلا سردار وہ خود تھا اور ان کو پون ٹی فی سز کہتے تھے۔ یہ نام "پوٹین" بہ معنی طاقت ور سے مشتق ہی کہ ان علما کو قوت اور حکومت والے دیوتاؤں کی حضوری کا شرف حاصل تھا۔ بعض لوگوں کا قول ہی کہ اس سے مراد اُن کا اعتراضات سے مستثنیٰ ہونا ہی یعنی اگر وہ اُن معاملات میں جو اُن کے اختیارات سے باہر تھے دخل دیں تو بھی گرفت نہیں کی جاسکتی تھی۔ لیکن اس لفظ کی سب سے بے تکی وجہ تسمیہ وہ ہی جو سب سے زیادہ عام ہی یعنی کہا جاتا ہی کہ یہ 'پانز' سے مشتق ہی اور اس لیے پون ٹی ٹی فی کے معنی پُل بنانے والا ہوے۔ اور یہ اس لیے کہ سب سے زیادہ متبرک اور قدیم قربانیاں پُل پہ ادا کی جاتی تھیں اور اس کی نگرانی اور مرمت بھی دیگر مذہبی فرائض کے ساتھ انھیں علما کے سپرد ہوتی تھی۔ کہتے ہیں یہ پُل ایک الہامی ہدایت کے بموجب تمام و کمال لکڑی کا بنایا گیا تھا اور اس میں کیلیاں اور جوڑ وغیرہ سب لکڑی کے تھے اور اس کو گرانا نہ صرف خلاف قانون بلکہ گناہِ عظیم سمجھا جاتا تھا۔ بہت دن کے بعد امی لیس بخشی کے زمانے میں یہ

چوبی پل توڑ کر سنگی پل بنوایا گیا - لیکن لطف یہ ہی کہ جو لوگ اوپر کی روایت بیان کرتے ہیں اُنھیں اس سے بھی انکار نہیں کہ یہ چوبی پل نیوما کے وقت میں نہیں تھا بلکہ شاہ ان کس مرسیس نے اسے تکمیل کو پہنچایا اور یہ بادشاہ نیوما کا نواسا تھا -

ان علما میں پون تی فکس میکسی مس ، یا اُسقف اعلیٰ کے سپرد مسائل بیان کرنے کی خدمت تھی - مذہبی رسوم خواہ سرکاری ہوں یا غیر سرکاری اسی کے زیر ہدایت انجام پاتیں اور وہ اس بات کو جائز نہ رکھتا تھا کہ شعایر عام کے خلاف کوئی رسم کی جائے - اس کے علاوہ دعا اور عبادات کے متعلق بھی تمام ضروری مسئلے بتانا اسی کا فریضہ تھا ، اور مقدس کنواریوں کی نگرانی بھی وہی رکھتا تھا - اس آخر الذکر جماعت کا بانی بھی نیوما قرار دیا جاتا ہی کہ اسی نے ہمیشہ سلگنے والی آگ کی رسم ڈالی اور ان کنواریوں کو اس کا نگہبان مقرر کیا شاید یہ سمجھ کر کہ پاک اور مصفّا شعلوں کی محافظ بھی پاک اور اچھوتی کنواریاں ہی ہونی چاہئیں - یا شاید اس کی وجہ یہ ہوگی کہ آگ جو جلتی ہی اور پیدا کچھ نہیں کرتی کنوارپنے سے ایک مشابہت رکھتی ہی ، یونانی شہروں میں ، جیسے ڈیلفی یا ایتھنز جہاں کہیں یہ مقدس آتش کدہ رکھا جاتا ہی وہاں اس کی نگرانی کنواریوں کے بجائے ایسی بیوہ عورتوں کے سپرد کی جاتی ہی جو شادی کے قابل نہ رہی ہوں اور اگر کسی حادثے سے یہ آگ کبھی بجھ جائے (جیسے ارسٹی آن کے عہدِ جبر میں ایتھنز کا مقدس چراغ گُل ہوگیا تھا یا ایرانی اور پھر متھریڈیٹس کے حملے کے زمانے میں ڈیلفی کے مندر کو جب غنیم نے جلا ڈالا تو اس وقت ،

نہ صرف وہاں کا آتش کدہ سرد ہوگیا بلکہ قربان گاہ بھی ٹوٹی اور اس بلائے آسمانی کے گزر جانے کے بعد دوبارہ آگ روشن کرنے کی ضرورت پڑی) تو ایسے موقعوں پر یہ سمجھ کر کہ معمولی آگ یا شعلوں سے اُس کو زندہ کرنا اُس مقدس آگ کی اہانت کرنا ہو اسے صرف سورج کی پاک اور منوّر کرنوں سے جلایا جاتا جس کی صورت یہ ہوتی ہو کہ ایک محدب شیشہ لے کر مربع متساوی الاضلاع مثلث کو پھرا کر دائرہ بنا لیتے ہیں اور اُس کے محیط سے جو خطوط مرکز پر جمع ہوتے ہیں وہ سورج کے سامنے لانے سے کرنوں کو وسطی نقطے پر جمع کر دیتے ہیں جس کی اجتماعی حرارت ہوا کو لطیف کرکے ہر آتش پذیر، ہلکے اور خشک مادّے کو فوراً جلا دیتی ہو کیوں کہ یہ کرنیں اب آگ کے برابر قوت اور حرارت حاصل کر لیتی ہیں۔ بہر حال بعض لوگوں کا خیال ہو کہ یہ رومی کُمریاں صرف اسی آتش کدے کی حفاظت اور قیام کے لیے مقرر تھیں لیکن دوسرا قول یہ ہو کہ بعض مذہبی اسرار بھی انھیں معلوم تھے جو اپنی جماعت کے سوائے وہ کسی کو نہ بتاتی تھیں اور جن کے متعلق تمام وہ باتیں جو پوچھنی اور بتانی جائز ہیں ہم نے کامی لس کی سوانح عمری میں تحریر کردی ہیں۔ یہ بھی مرقوم ہو کہ وہ مقدس کنواریاں جنھیں سب سے اوّل اس خدمت پر نیوُمانے مامور کیا گی گے نیا اور وارے نیا تھیں اور اُن کی جانشین کانولیا اور تارپیہ ہوئیں۔ کچھ دن بعد سروِیس نے اس تعداد میں دو کا اضافہ کر دیا تھا اور یہ چار کی تعداد اس زمانے تک برقرار ہو۔

ان کے لیے نیوُما نے جو ضوابط بنائے وہ یہ تھے کہ سب سے

پہلے وہ تیس برس تک کنواری رہنے کی قسم کھائیں۔ اس مدت میں دس برس وہ اپنے فرائض کی تعلیم حاصل کرتی تھیں اور دس برس ان کو عملاً انجام دیتیں اور باقی کے دس دوسروں کی تعلیم اور تربیت کرنے میں صرف ہوتے تھے۔ اس طرح مقررہ مدت پوری کر چکنے کے بعد جائز تھا کہ وہ اپنی مقدس خدمت سے دست بردار ہو جائیں اور شادی کرکے جو مشغلۂ زندگی مناسب سمجھیں اختیار کرلیں۔ لیکن مشہور ہے کہ اس اجازت سے بہت کم فائدہ اُٹھایا جاتا تھا اور اگر کسی نے شادی بیاہ بھی کرلیا تو لوگوں کا مشاہدہ تھا کہ اس کا انجام اچھا نہ ہوا بلکہ ہمیشہ تکلیف اور پشیمانی نصیب ہوئی۔ اسی قسم کے مذہبی خدشے اور احتیاطیں تھیں جن کے وہم سے یہ عورتیں اکثر آخر دم تک تجرد کی سختی سے پابند رہتی تھیں۔

لیکن اس ایثار کے معاوضے میں اُنھیں بعض خصوصیتیں اور معقول رعایتیں بھی حاصل تھیں۔ مثلاً وہ اپنے باپ کی زندگی میں وصیت نامہ تحریر کرسکتی تھیں اور یہ وہ رعایت ہے جو تین بچے والی عورتوں کے سوا کسی عورت کو نہ دی جاتی تھی۔ پھر جب یہ عورتیں باہر نکلتیں تو اُن کے جلو میں علم بردار اور برقن داز وغیرہ ہوتے تھے اور اگر ایسی ہَوا خوری کی حالت میں کسی کشتنی مجرم کا سامنا ہو جاتا تو یہ قسم کھانے پر کہ وہ عمداً اور خاص اس مقصد سے اُدھر نہیں آئیں، اس کی جان بچ جاتی تھی۔ جس تام جھام پر سوار ہو کے وہ نکلتیں اُسے اگر کوئی زبردستی ہاتھ لگاتا تو سزائے قتل کا مستوجب قرار پاتا لیکن خود ان کنواریوں کو معمولی خطاؤں پر سوائے اسقف اعلیٰ کے کوئی سزا

نہ دے سکتا تھا جو خاطیہ کے کپڑے اُتروا کے تاریک مقام میں اور
بیچ میں پردہ ڈال کر اپنے ہاتھ سے تازیانے لگاتا تھا۔ لیکن وہ عورت
جو اپنی قسم توڑ دے زندہ گاڑ دی جاتی تھی۔ اور اس مقام کو جو
ایک ٹیلے کی صورت میں کالی نا دروازے کے قریب واقع ہے، لاطینی
زبان میں "اگر" کہتے تھے، اسی ٹیلے کے نیچے ایک کمرہ بنا ہوا ہے جس
میں سیڑھی کے ذریعے داخل ہوتے ہیں۔ کمرے میں ایک بچھونا بچھا کے
چراغ اور کچھ کھانے پینے کی چیزیں، روٹی، پانی، دودھ اور تیل،
رکھ دی جاتیں تاکہ وہ جسم جو دین کی مقدس ترین خدمت کے لیے وقف
اور ایسا محترم تھا، نہ کہا جائے کہ غذا کی نامیسری سے ہلاک ہوگیا۔
خود مجرمہ کو پہلے ڈولی میں بٹھاتے اور ہر طرف سے پردے لپیٹ کر
ڈوریاں باندھ دیتے تھے کہ اگر وہ کچھ بولے تو آواز باہر نہ نکل سکے۔
پھر اُسے چوک میں لاتے اور اس وقت میں بھی لوگ ادب سے اُس کو
راستہ دیتے اور جو ساتھ ہو لیتے وہ رنج و ماتم کی تصویر بنے بالکل خاموش
پیچھے پیچھے آتے تھے اور حقیقت میں اس سے زیادہ روح فرسا نظارہ
کیا ہوسکتا تھا کہ ایک جان دار کو زندہ درگو کیا جا رہا ہے۔ اور کوئی
دن ایسا نہ تھا جو شہر میں اس سے زیادہ رنج اور اُداسی کی کیفیت
طاری نظر آئے۔

جب ڈولی مقام سزا پر پہنچتی تو اُس کی ڈوریاں کاٹ دی جاتیں،
اور بڑا پجاری آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کے اپنی نسبت کچھ دعائیں
مانگتا پھر مجرمہ کو جو ابھی تک کپڑے میں لپٹی ہوئی ہوتی باہر نکال
کے سیڑھی پر کھڑا کر دیتا اور باقی پجاریوں سمیت اپنا منہ اُدھر سے

موڑ لیتا - پھر مُجرمہ کے اُتر کے حجرے میں داخل ہو جانے کے بعد سیڑھی اٹھالی جاتی اور حجرے کے منہ پر مٹی ڈال کر اس طرح اسے بند کر دیتے تھے کہ اس کی جگہ شناخت نہ کی جا سکے، بس یہ وہ سزا ہے جو دوشیزگی کا حلف توڑنے والیوں کو دی جاتی تھی ؞

یہ بھی مشہور ہے کہ نُیوُما نے وِسٹا کا مندر تعمیر کیا تھا جو مقدّس آگ کے رکھے جانے کے لیے مدوّر شکل کا تھا اور اس شکل سے کچھ زمین کا گول ہونا دکھانا مقصود نہ تھا بلکہ یہ گویا عالم کائنات کا ایک خاکہ تھا جس کے وسط میں فیثاغورثی گروہ آگ کا مقام قرار دیتا ہے اور اسی عنصر کو وِیسٹا اور وحدت کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ یہ گروہ زمین کو ساکن نہیں مانتا اور نہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ وہ ساری کائنات کے بیچ میں واقع ہے بلکہ اُس کے نزدیک زمین برابر مقام آتش کے گرد ایک مستدیر حرکت کر رہی ہے اور عناصر اوّلیہ میں شامل نہیں ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ اس رائے میں حکیم افلاطون بھی فیثاغورثیوں کا آخر زمانے میں مؤید ہو گیا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ زمین فضائے محیط میں ایک طرف کو بچی ہوئی ہے اور مرکزی اور اصلی مقام کسی اور اشرف و افضل جسم کے لیے مخصوص ہے۔

مذہبی علما کا ایک کام تجہیز و تدفین کے قومی شعایر بتانا بھی تھا. نُیوُما نے اُن کے دل نشین کر دیا تھا کہ اس خدمت کو بُرا یا ناپاک نہ سمجھیں بلکہ زمینی دیوتاؤں کی خدمت گزاری تصوّر کریں کہ ہماری زندگی کا بہتر حصّہ انھیں کے ہاتھوں میں جاتا ہے، ان تمام مراسم کی صدر نشین لبی ٹی نا دیوی تھی اور اس لیے اس کی پرستش کرنا زیادہ ضروری تھا۔

معلوم نہیں اس سے اُن کی مراد پراسٹرپینیا دیوی ہو یا (جیسا کہ بڑے بڑے رومی عالموں کا خیال ہو) زہرہ دیوی۔ اور اس نظریے کہ آدمی کی پیدائش اور خاتمہ ایک ہی قوت کے ماتحت مانا جائے زہرہ ہی زیادہ موزوں ہو۔

سوگ کے متعلق بھی مرنے والوں کی عمروں کے لحاظ سے نیوُما نے ضابطے باندھے ہیں۔ چناں چہ تین برس کے بچے کا کوئی سوگ نہیں رکھا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ تین سال سے دس سال تک ہر سال کے لیے ایک مہینہ سوگ کا مقرر تھا اور زیادہ سے زیادہ مدت دس مہینے کی تھی اور جن عورتوں کے شوہر مرجاتے وہ اس عرصے تک برابر بیوگی کا سوگ رکھتی تھیں۔ لیکن اس مدت سے پہلے کوئی شادی کرنا چاہے تو نیوما کے قوانین کے بموجب اُسے ایک گیابھن گائے کی قربانی کرنی ہوتی تھی۔

مذہبی علما کی چند اور جماعتیں بھی نیوُما ہی نے بنائی تھیں، جن میں سے میں دو کا ذکر کروں گا :۔ سالئی اور فک یال کہ ان کے فرائض سے نیوُما کی بلند خیالی اور زہد کا بہترین ثبوت مل سکتا ہو۔ فک یال یا "امن کے محافظ" معلوم ہوتا ہو اسی وجہ سے اس نام سے موسوم ہوئے کہ ان کا کام مشورے اور گفتگو سے تنازعات کا فیصلہ کرنا تھا۔ اور جب تک یہ جماعت مصالحت سے ناامیدی نہ ظاہر کردے ہتھیار اٹھانا ممنوع تھا۔ اس قسم کے فیصلے کو جس میں زور و زبردستی کے بجائے صرف گفتگو سے مصالحت ہوجائے اہل یونان بھی امن

لہ قدیم یونانیوں میں یہ دیوی زمین کی اور مُردوں کی مالکہ سمجھی جاتی تھی۔ مترجم

ہی کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ غرض جس وقت رومیوں کو کسی سے شکایت پیدا ہوتی یا نقصان پہنچتا تو وہ فکیالوں کو بطور نقیب اُس کے پاس بھیجتے اور اطمینان چاہتے تھے، لیکن اس میں کامیابی نہ ہوتی تو دیوتاؤں کو اپنا گواہ بنا کے اور اس دعا کے ساتھ کہ اگر ہم حق پہ نہ ہوں تو ہم پر اور ہمارے ملک پر اس کا وبال پڑے، جنگ کا اعلان کر دیتے تھے؛ ان علما کی رضامندی اور رائے کے خلاف سپاہی یا بادشاہ کسی کو لڑائی لڑنا جائز نہ تھا اور جب یہی لوگ اپنے تئیں پر سر حق بنا کے سپہ سالار کو اپنے فیصلے سے اطلاع دے دیتے تو اس وقت وہ جنگ کا فکر و انتظام شروع کرتا تھا، رومیوں کا عقیدہ ہو کہ اسی مذہبی دستور کی خلاف ورزی کرنے کے باعث انھیں غالویوں کے ہاتھوں ہلاکت و تباہی کا منہ دیکھنا پڑا۔ کیوں کہ جس وقت ان ملیچھوں نے کلوسیم کو محصور کر رکھا تھا تو محصورین کی وکالت کرنے فے بیس کو رومہ سے سفیر بنا کے بھیجا گیا۔ اسے روکھا جواب ملا تو فے بیس نے فیصلہ کیا کہ اب سفارت کی حیثیت ختم ہوگئی اور محصورین کے ساتھ مل کر جوشِ تہوّر میں غالویوں کے مقابلے کو نکلا اور اُن کے ایک بڑے بہادر سردار سے مبازرت کی۔ اس میں خوش نصیبی سے فے بیس کو غلبہ ہوا اور اپنے حریف کو قتل کرکے اُس نے مقتول کے اسلحہ پر قبضہ کر لیا لیکن غالوی اس کو پہچان گئے اور اس کی شکایت اہلِ رومہ سے کی کہ قانونِ اقوام کے خلاف انھیں کے ایک شہری نے امن کو توڑا ہو۔ جس وقت مجلس ملکی میں اس معاملے پر بحث ہوئی تو فکیالوں کی رائے تھی کہ فے بیس کو دشمن کے حوالے کر دینا چاہیے

لیکن وہ ان کا فیصلہ سُن کر بھاگا اور عوام الناس سے پناہ چاہی جن کی امداد سے وہ سزا پانے سے بچ گیا۔ تب غالوں کے لشکر نے رومہ پر حملہ کیا اور شہر پناہ کو فتح کر کے سارے شہر کو تاراج کر دیا، لیکن اس واقعے کو ہم نے کامی لس کی سوانح عمری میں پوری شرح و بسط کے ساتھ تحریر کر دیا ہی

دوسرے گروہ سالئی کی اصل حسب ذیل ہو :- نیُوما کی بادشاہی کے آٹھویں برس ایک خوفناک وبا نے جو سارے ملک اطالیہ میں پھیل گئی تھی رومہ کو بھی سخت نقصان پہنچایا اور اس وقت جب تمام اہل شہر نہایت مجبور اور ہراساں ہو رہے تھے مشہور ہی کہ پیتل کی ایک ڈھال آسمان سے نیُوما کے ہاتھوں میں گری اور اس نے اس کی شان نزول یہ بیان کی کہ اجیریا اور دیگر ملکات ربانی نے مجھے یقین دلایا ہی کہ خدا نے اس ڈھال کو ردِّ وبا اور شہر کی ناموس کے واسطے بھیجا ہی۔ پھر اس نے بیان کیا کہ مجھے اسی پیمانے اور طرز کی گیارہ ڈھالیں بنوانے کا حکم ہوا ہی تاکہ اصلی ڈھال کی کوئی شناخت نہ کر سکے اور وہ چوری نہ جائے اور دوسرے اس مقام اور کھیتوں کو ملکات کے نام وقت کر دیا جائے کہ جہاں وہ اکثر اس سے آ کر ملتی ہیں۔ نیز اسی مقام کے چشمے کو اس نے اور گہرا کر دیا کہ دوشیزگان آتش کدہ اس متبرک پانی میں اپنی مقدس چیزیں دھوئیں اور صاف کر لیا کریں، کہتے ہیں کہ جب ان تمام ہدایات پر عمل ہوا تو نیوما کے قول کی پوری تصدیق ہو گئی اور وبا کا زور ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد نیوما نے وہ ڈھال شہر کے باکمال صنّاعوں کو دکھائی اور ان سے

دیسی ہی گیارہ اور بنانے کی فرمائش کی۔ سب اس کام کے کرنے سے عاجز آگئے تھے مگر ایک صاحب کمال کاریگر ممورئیس وٹورئیس کی رسائی نے اس کو آسان کردیا اور وہ اس قدر مشابہ ڈھالیں بنا کے لایا کہ خود نیوما اصل اور نقل میں تمیز نہ کرسکا۔ پھر پجاریوں کے ایک خاص گروہ کو یہ ڈھالیں سونپ دی گئیں جنھیں سالئی کہتے ہیں۔ اس کے بارے میں بعض لوگوں نے یہ افسانہ بنایا ہے کہ فن رقص کا کوئی استاد سالیئس گزرا ہے جس کی پیدائش ساموتھریس یا مان ٹینیہ کے علاقے کی تھی اور اس نے ان پجاریوں کو ہتھیاروں کا ایک خاص ناچ ناچنا سکھایا تھا لہذا اُسی کے نام پر وہ جماعت سالئی کے نام سے موسوم ہوئی۔ لیکن اصل یہ ہے کہ اُن کا نام خود اس ناچ کی وجہ سے سالئی ہوا ہے اور اس کی تقریب یہ ہوتی ہے کہ مارچ کے مہینے میں یہ لوگ ان مقدس ڈھالوں کا جلوس شہر میں نکالتے ہیں۔ اُن کا لباس اونچے دامنوں کا ایک قرمزی کوٹ ہوتا ہے جس پر پیتل جڑی پیٹیاں باندھ لیتے ہیں۔ اُن کے سروں پر برنجی خود اور ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے خنجر ہوتے ہیں، جنھیں تھوڑی تھوڑی دیر میں وہ ڈھالوں سے ٹکراتے چلتے ہیں۔ لیکن اصل چیز ان کا ناچ ہے جسے سب مل کر بڑی خوبی سے ناچتے ہیں اور اپنی تیز چلت پھرت اور چکروں میں نئی نئی شکلیں کاٹ کر اپنی طاقت اور سبک پائی کا ثبوت دیتے ہیں۔ ان مقدس ڈھالوں کا نام انسی لیا ہے کیوں کہ معمولی ڈھالوں کی طرح اُن کا محیط گول نہیں ہوتا بلکہ دندانے دار ہوتا ہے اور ہر کٹاؤ کے اوپر کا سرا گول اور نیچے کا سرا جو بتدریج چوڑا ہوتا جاتا ہے، دوسرے

کناؤں سے جا ملتا ہی اور اس طرح اس کی شکل ایک دندانہ دار محیط کی سی بن جاتی ہی جسے یونانی میں ان سی لال کہتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ ان سن یعنی ابرو ہو سکتی ہی کہ جلوس میں یہ مقدس ڈھالیں ابرو ہی پر لے کر چلتے تھے، یہ جوبا کے اقوال ہیں جو لفظ مذکور کو یونانی الاصل ثابت کرنے کا مشتاق ہی۔ مگر ان کے علاوہ اور بھی کئی یونانی مادے اس غرض کے لیے پیش کیے جا سکتے ہیں (جنھیں ہم نے چھوڑ دیا) اس جلوس میں ڈھالیں بنانے والے والے صناع مموریس کو بھی فراموش نہیں کیا جاتا اور وہ گیت جو سالی اپنے سپاہیانہ رقص میں گاتے ہیں، اس کے بعض شعروں میں اس کا نام بھی آتا ہی اگرچہ بعض اشخاص نے یہ تاویل کی ہی کہ وہ اس کے ذکر میں " وٹوریم موی ام " نہیں کہتے بلکہ " وے ٹی رم مورنیم " کہتے ہیں جو 'یادِ ایامِ قدیم' کے مرادف ہی۔

ان علمائے مذہب کی اس ترتیب وتنظیم کے بعد نیوما نے وسٹا کے مندر کے پاس وہ عمارت بنائی جو اب تک " رگیہ " یا قصر شاہی کے نام سے موسوم ہی۔ اپنا وقت وہ زیادہ تر اسی جگہ بیٹھ کر گزارتا تھا اور یہیں خدا کی عبادت اور علما کو ضروری ہدایتیں اور مذہبی مسائل پر بحث مباحثہ کیا کرتا تھا۔ کیوری نالیس پہاڑی پر اس کا ایک اور مکان واقع تھا جس کا موقع اب تک لوگ دکھایا کرتے ہیں، نیوما کے عہد میں دستور تھا کہ مراسم نماز یا جلوس عام کے وقت نقیب پہلے سے پکار پکار کے لوگوں کو اس کی اطلاع دے دیتے تھے تاکہ لوگ اپنے اپنے کام چھوڑ کر اطمینان سے اس میں شرکت کر سکیں۔ اسی قسم کا ایک طریقہ فیثاغورثیوں سے منسوب ہی کہ ان کے ہاں لوگوں کا راہ چلتے میں شریک نماز ہو جانا یا عبادت کرنا ممنوع تھا، اور وہ چاہتے تھے کہ آدمی خاص اس فریضے کا ارادہ کرکے گھر سے

روانہ ہو - اسی طرح نیُوما کی بھی خواہش تھی کہ اس کے شہری مذہبی فرائض کے دیکھنے یا سننے میں بے توجہی یا سرسری طور سے شریک نہ ہوں بلکہ تمام مشاغل کو چھوڑ کر کمال حضور قلب کے ساتھ عبادت گزاری کریں اور مذہب کو ایک بہت اہم کام سمجھیں - اور یہ کہ ایسے اوقات میں شہر کے تمام گلی کوچے نماز کے واسطے خالی نظر آئیں اور وہ شور وغل جو پیشہ وروں کے کاروبار سے پیدا ہو جاتا ہے - قطعی طور پر بند ہو جائے - اس رواج کے بعض بعض نشان اب تک شہر رومہ میں باقی ہیں اور جس وقت قنصل فال دیکھتے یا قربانیاں شروع کرتے ہیں تو پکار کے لوگوں سے " ہوک ایگے " یعنی ادھر توجہ کرو، کہتے ہیں جس کے بعد تمام حاضرین خاموش اور اس طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، اسی طرح نیُوما کے دوسرے شعائر بھی فیثاغورثی اصولوں سے بہت کچھ مشابہت رکھتے ہیں۔ مثلاً فیثاغورثی کہتے ہیں " پس تو آگ کو تلوار سے مشتعل نہ کرے گا، جب تو سفر کو جائے تو پیچھے مڑکر نہ دیکھے اور آسمانی دیوتاؤں کی قربانیاں کرے تو ان کی تعداد طاق ہو اور زمینی دیوتاؤں کی قربانیوں کے لیے جفت "، حالانکہ یہ ایسی باتیں ہیں جو عام طور پر سمجھ میں نہیں آتیں اور نہ وہ لوگ ہی علانیہ ان کے فائدے سمجھاتے ہیں - اسی طرح نیُوما کی بھی بعض ہدایتیں ایسی ہیں جو بظاہر کوئی معنی نہیں رکھتیں -

" اور تو شراب انگوری سے نادید نہ کرے گا جب تک کہ انگور (کی بیل) چھانٹی نہ گئی ہو! کھانا کھائے بغیر کوئی قربانی کی رسم ادا نہ کی جائے گی، دیوتاؤں کی پرستش کے لیے تم سلام پھیرو - اور عبادت کے بعد بیٹھے رہو "

اب پہلی دو باتوں سے تو زمینداری اور کاشت کاری کا جزو مذہب ہونا مترشح ہوتا ہے اور چاروں طرف سلام پھیرنے سے کہتے ہیں کہ زمین کی مستدیر حرکت کا اشارہ نکلتا ہے۔ لیکن میری دانست میں اس سے سورج کا احترام مقصود ہے۔ یعنی جب عبادت گزار مندر میں جو شرقا رویہ ہوتا ہے داخل ہوگا تو ہمیشہ اس کی پشت نکلتے ہوئے سورج کی طرف رہے گی۔ پس سلام پھیر کر ادھر منہ کرنے سے یہ مطلب ہے کہ معبد میں نماز گزاری کے ساتھ ہی سورج دیوتا کی بھی پوجا ہوجائے۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ مصری پہیوں کی طرح اس رُخ بدلنے میں کوئی اور گہرے معنی پوشیدہ ہوں اور گردشِ ایام یا انسانی معاملات کی ناپائداری کا اشارہ اور یہ ظاہر کرنا مقصود ہو کہ خدا جو تبدیلی ہماری حالت میں پیدا کردے گا ہم اُس پر شاکر رہیں گے اور اُسی کو درست اور بہتر سمجھیں گے۔ عبادت کے بعد بیٹھنے کا منشا بھی لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ اُن کی نمازیں قبول ہوئیں اور جو خیر و برکت کی دعائیں انھوں نے مانگی تھیں اُن کے مستجاب ہونے کا یہ ایک نیک شگون تھا۔ نیز جس طرح ہر کام کے بعد ایک وقفے کی ضرورت ہے اسی طرح نماز کے بعد اُن کے نزدیک تھوڑی دیر ٹھیرا رہنا مناسب تھا کہ خدا اب اُنھیں کسی اور کام شروع کرنے کی توفیق عنایت کرے، علاوہ ازیں امرِ اوّل کی بھی اس میں تائید ہوتی ہے یعنی مقنن کا یہ منشا پورا ہوجاتا ہے کہ ہم اطمینان اور خاص توجہ کے ساتھ عبادت میں مصروف ہوں اور ہمیں اور کاموں کی جلدی یا گھبراہٹ نہ ہو بلکہ پوری فرصت اور انہماک سے نماز کی عادت پڑ جائے، یہی وہ ضابطے اور مذہبی تربیت تھی جس نے رومیوں کو غیر شعوری طور پر پکّا اطاعت گزار بنا دیا اور نُمپوما کی بزرگی اور تقدس کا وہ رُعب ان کے دلوں پر بیٹھا کہ جو

بات وہ کہتا اُس پر بلا چون وچرا ایمان لے آتے تھے اور کوئی معجزہ یا خرق عادت شے ایسی نہ تھی جس کا وہ نیوما سے ہوسکنا غیر ممکن جانتے ہوں۔
اُس کی نسبت یہ کہانی مشہور ہو کہ ایک مرتبہ اُس نے بہت سے شہریوں کی ضیافت کی۔ جس میں نہایت معمولی کھانا سیدھی سادی اور ادنیٰ درجے کی رکابیوں میں چنا ہوا تھا، مہمانوں کے دسترخوان پر بیٹھنے کے بعد نیوما نے اُن سے کہا کہ اس وقت وہ دیوی جو میری صلاح کار ہو اسی مقام پر میرے پاس آئی ہو۔ وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ یکا یک کمرے کا ساز و سامان بدل گیا اور میزوں پر اچھے سے اچھا گوشت اور قیمتی سے قیمتی ساغر آگئے اور اُسی ضیافت میں ایک شاہانہ شان وشوکت پیدا ہوگئی۔ لیکن جوپٹر دیوتا سے اس کی جو گفتگو ہونی بیان کی جاتی ہو وہ اس سے بھی عجیب ہو اور جتنے افسانے اب تک گھڑے گئے ہیں اُن سب پر فوق رکھتی ہو۔ بیان کرتے ہیں کہ ایون ٹاین کی پہاڑی کے آباد ہونے اور شہر کی چار دیواری میں لیے جانے سے قبل وہاں کے چشمے اور سایہ دار جنگلوں میں دو اوتار پھرا کرتے تھے اور اُن کا نام پی کس اور فانس تھا (یہ وہی بات ہو جو یونانیوں میں دوسا نیر یا غولوں کے بارے میں مشہور تھی اور وہ بھی جادو اور جڑی بوٹیوں کے زور سے کوہ آئیڈا پر شعبدے دکھاتے پھرتے تھے۔ صرف ملک دوسرا ہونے کا فرق تھا) نیوما نے ایک دن ان نیم دیوتاؤں کو دھوکا دینا چاہا اور جن چشموں سے وہ پانی پیتے تھے اُن میں شہد اور شراب ملادی۔ جب وہ اس چال میں آگئے تو انھوں نے اپنی شکلیں بدلنی شروع کیں اور طرح طرح کی خوفناک صورتوں میں اُس کے سامنے نمودار ہوئے۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ

اب وہ پوری طرح اس کے جال میں پھنس گئے اور اس سے رُست گاری ممکن نہیں، اُنھوں نے نیُوما کو بہت سی غیب کی باتیں بتادیں اور سب سے بڑھ کر ایک عمل کڑک چمک کو قابو میں لانے کا تعلیم کیا جو اب تک سر کے بال، پیاز اور مچھلیوں کے ذریعے کیا جاتا ہو۔ بعض لوگوں کا قول ہو کہ انھوں نے عمل نہیں بتایا تھا بلکہ جادو سے خود جوپٹر (برجیس) دیوتا کو آسمان پر سے نیچے کھینچ بلایا تھا جس نے نہایت غضب ناکی کے ساتھ سوالات کے جواب دیئے اور نیُوما سے کہا کہ اگر تم رعد و برق کو تابع کرنا چاہتے ہو تو اُس کے عمل میں سروں کی ضرورت پڑے گی" نیُوما نے تجاہل عارفانہ سے پوچھا "کیسے سروں کی؟ کیا پیاز کے؟ دُکھڑوں کی)" دیوتا نے جواب دیا "نہیں آدمی کے" لیکن نیُوما نے اس سفاکی کا پہلو بدلنے کے لیے کہا "آپ کا مطلب آدمی کے سروں کے بالوں سے ہو" جوپٹر نے کہا "نہیں زندہ ــــ" مگر نیُوما نے بات کاٹ کے جلدی سے کہہ دیا "ہاں زندہ مچھلیوں کے" یہ جواب سُن کر جو اجیریا کے پڑھائے ہوئے تھے، جوپٹر کا غصہ فرو ہوگیا اور وہ "ای لیوس" یعنی پرسند آسمان کو لوٹ گیا اور اسی یونانی لفظ کی وجہ سے اس واقعے کی یادگار میں وہ مقام بہ تغیر ہجہ ای لی سیم کہلانے لگا۔

یہ افسانے خواہ کسی قدر ہنسی کے لائق ہوں، اُن سے اُس وقت کے اعتقادات کا ضرور پتا چلتا ہو اور وہ مذہبی خیالات معلوم ہوتے ہیں جو لوگوں کی عادتوں میں جڑ پکڑ گئے تھے۔ اور خود نیُوما کو جس درجہ مذہبی معاملات میں شغف تھا اُس کا کچھ اندازہ اس روایت سے ہوگا کہ ایک مرتبہ جب اُسے کسی نے اطلاع دی کہ "غنیم قریب آتا جاتا ہو" تو اُس نے مسکرا کے جواب دیا "ہاں میں اس وقت

قربانیاں کر رہا ہوں ، اُس نے دو مندر تعمیر کرائے تھے جو ایمان اور منتھا کے ناموں سے موسوم ہوئے ۔ اور اُسی نے رومیوں کو سکھایا کہ ایمان کی قسم دنیا میں سب سے متبرک قسم ہی جسے وہ اب تک مانتے ہیں ۔ باقی رہا منتھا یا حدود کا دیوتا تو اس کے نام کی بھی اب تک قربانیاں سرحد کے پتھروں پہ چڑھائی جاتی ہیں ۔ پہلے وہ محض نذر و نیاز کی صورت میں ہوتی تھیں اور اب زندہ جانور ذبح کیے جاتے ہیں جو کہ نیومُا کے خلاف منشا بات ہی ۔ کیوں کہ اُس کے نزدیک یہ آخرالذکر دیوتا سرحدوں کا محافظ اور اس لیے اقوام کو اپنی اپنی جگہ قائم اور امن سے رکھنے کا ذمّہ دار تھا پس اُس کی نیاز میں قتل و خون کا کوئی لگاؤ نہ ہونا چاہیے تھا نیوُما کے ان حالات سے ایک اور بات بھی ثابت ہوتی ہی کہ وہی پہلا بادشاہ ہی جس نے رومی علاقے کی حد بندی کی ۔ ورنہ رومیولس ایسا کرتا تو خود اُس کی وہ زیادہ ستانیاں ظاہر ہو جاتیں جو اپنے ہمسایوں کی زمینیں چھین چھین کر اُس نے کی تھیں کیوں کہ حدود کا تعین اُن لوگوں کے مفید ہو سکتا ہی جو اُن پہ قائم رہنا چاہیں ۔ لیکن جن کا منشا ان حدود سے بڑھنا ہو اُس کے واسطے یہ تعین الٹا مضر اور گویا اُن کی خیانت پر ایک شہادت کا اضافہ کرتا ہی ۔ درحقیقت ابتدا میں جو زمینیں رومیوں کے حصے میں آئی تھیں وہ بہت کم تھیں رومیولس نے لڑائیاں لڑ لڑ کر اُنھیں وسعت دی ۔ اور اب یہی وہ نئے علاقے تھے جنھیں نیومُا نے اپنے شہر کی مفلس آبادی میں تقسیم کر دیا تاکہ وہ تنگ دستی جو ہمیشہ بد دیانتی کی طرف لے جاتی ہی دفع ہو اور زراعت کی بدولت اُن کی زمینیں اور عام حالت بہتر ہو جائے کیوں کہ زراعت اور

دیہاتی زندگی کے برابر کوئی مشغلہ امن پسندی کو تقویت دینے والا نہیں
ہو کہ ایک طرف تو اُن میں اپنے حقوق اور املاک کی مدافعت کرنے کی
پوری قابلیت باقی رہتی ہو اور دوسری طرف جبرو تعدی سے دوسروں
کا حق چھیننے کی ترنگ مٹ جاتی ہو۔ انھیں مصلحتوں کو پیش نظر رکھ کر
نیؤما نے اُن پر زراعت کا منتر پھونکا کہ وہ امن کی قدر کرنی سیکھیں پھر
معاشی فوائد سے زیادہ اخلاقی اصلاح کی غرض سے اُس نے زمینوں
کو چند حصّوں میں تقسیم کیا اور ہر حصّے کا نام پاگوس یا حلقہ قرار دیا اور
ہر ایک کی دیکھ بھال کے لیے اعلیٰ نگراں مقرر کیے۔ چونکہ اسے خود اپنے
ایک ایک حلقے میں پھرنے کا شوق تھا لہذا زمینوں کی حالت دیکھ کر وہ
ہر شخص کی کارگزاری اور عادتوں کا اندازہ کر لیتا تھا اور اسی ذاتی مشاہدے
کی بنا پر اُنھیں جو اپنا کام محنت و مستعدی کے ساتھ کرتے وہ مناصب و
اعزاز عطا کرتا اور سست و کاہل یا ترقی نہ کرنے والوں کو تاکید و تنبیہ
سے غیرت دلاتا تھا۔ لیکن نیؤما کے تمام کاموں میں سب سے قابل
تعریف یہ ہو کہ پیشے کے لحاظ سے لوگوں کو چھوٹے چھوٹے گروہوں میں
تقسیم کر دیا اور ایک نئے اتحاد کی بنیاد ڈالی۔ واضح رہے کہ شہر میں
کئی قومیں آباد تھیں، جن کا اختلاف کسی طرح نہ جاتا تھا اور اس لیے
ان میں باہم ہمیشہ فساد ہوتے رہتے تھے۔ اس حالت کو دیکھ کر جب
نیؤما نے غور کیا کہ کس طرح سخت اور مختلف جسم صرف پیس کر سفوف
بنا لیے جائیں تو آپس میں مل کر ایک مرکب بن سکتے ہیں، تو اس وقت
اپنی قوم کے بڑے بڑے گروہوں کو بھی اسی طرح چھوٹے چھوٹے حصّے میں
کر کے متحد کرنے کا خیال اس کے دل میں پیدا ہوا اور اس نے نئے اور

کم درجے کے امتیازات قائم کر کے اُن بڑے بڑے اور نسلی امتیازات کو مٹانا چاہا جو رومی قومیت کی شیرازہ بندی میں ابھی تک حارج تھے۔ چناں چہ اُس نے تمام قوموں کو چند پیشوں اور طبقوں میں منقسم کر دیا اور سُنار، لُہار، مُطرب، کُمھار، موچی، رنگ ساز اور چمڑے والوں کے الگ الگ گروہ قائم کیے اور باقی تمام پیشہ وروں کو ایک علٰحدہ گروہ میں رکھا۔ پھر ان سب کے لیے حسب ضرورت خاص خاص انتظامی مجلسوں عدالتوں اور مذہبی رسموں کا انتظام کیا اور اس طرح پہلی مرتبہ اُن نسلی اور قومی اختلافات کی قوت توڑی جن کی وجہ سے اب تک رومی سبائنی یا ٹے ٹئی اور رومیلی ناموں کے بڑے بڑے جتھے بنے ہوئے تھے۔ اب پہلی مرتبہ یہ نام جو دماغ اور زبانوں پر چڑھے ہوئے تھے چھٹنے شروع ہوئے اور رفتہ رفتہ یہ نئی تقسیم ایک عام اتحاد اور آپس میں شادی بیاہ کا ذریعہ بن گئی ؂

ریُوما کا ایک اور قابل ستایش کام اُس قانون کی تنسیخ یا ترمیم ہے جس کی وجہ سے رومی والدین کو اپنے بچّے فروخت کر دینے کی اجازت تھی۔ اب ریُوما نے شادی شدہ اولاد کو (بشرطے کہ شادی ان کے والدین کی پسند اور رضامندی سے ہوئی ہو) اس قانون سے مستثنیٰ کر دیا اور حقیقت میں یہ اُس بیوی کے واسطے بڑی سخت بات تھی کہ ایک آزاد مرد سے شادی کرنے کے بعد (اگر اُس کا خُسر اپنے بیٹے کو ناراض ہو کر بیچ دے تو) وہ ایک غلام کی زوجہ بن جائے۔

ریُوما نے شہور و سنین کا صحیح حساب رکھنے کے لیے جنتری بنانے کی کوشش بھی کی تھی اور گو وہ پوری صحت کے ساتھ نہ بنا سکا

تاہم اُس نے کچھ نہ کچھ غور و تحقیقات ضرور کی۔ رومیولس کے عہد میں تو یہ حال تھا کہ اُن کے مہینے جن کے دن نہ معین تھے نہ مساوی ایک دوسرے سے آگے بڑھ جاتے اور ان میں سے بعض کے بائیس[۲۲] دن ہوتے اور بعض کے پینتیس[۳۵] اور انھیں سالانہ فرق کا علم بھی نہ تھا جو سورج اور چاند کی گردشوں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے صرف ایک قاعدہ یہ بنا رکھا تھا کہ سال کے تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں اور اسی کے پابند تھے۔ آخر نیوُما نے اس گیارہ دن کے فرق کو معلوم کیا جو سورج اور چاند کی سالانہ گردش میں پڑتا ہے کیوں کہ چاند اپنا دور تین[۳] سو چوّن[۵۴] دن میں پورا کرتا ہے اور سورج تین[۳۶۵] سو پینسٹھ دن میں۔ اس فرق کو نکالنے کے لیے نیوُما نے ہر دوسرے سال ایک لوندھ کا مہینہ بڑھایا اور اس کے بائیس[۲۲] دن مقرر کیے۔ یہ ماہ فروری کے بعد (جسے قدیم رومی مرسی ڈی نس کہتے تھے) شامل کر لیا جاتا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ گزرنے پر اسی ترمیم کی وجہ سے بعض اور ترمیموں کی ضرورت پیش آئی، مہینوں کی ترتیب کو بھی نیوُما سے بدلا اور مارچ کو جو سال کا پہلا مہینہ تھا تیسرے نمبر پر رکھا اور جنوری فروری کو جو آخری یعنی گیارھویں اور بارھویں مہینے تھے شروع میں لگایا۔ اکثر اہل الرائے کا یہ خیال ہے کہ یہ مہینے خود اسی کے ایجاد کیے ہوے تھے ورنہ ابتدا میں رومی سال دس مہینے کا ہوتا تھا۔ اور بعض اجنبی قومیں ابھی تک صرف تین مہینے کا سال شمار کرتی ہیں۔ ایک زمانے میں اہل آرکیڈ (یونان) کے سال میں چار اور اہل اکرنانیہ کے چھ مہینے ہوتے تھے اور مصری سال بھی مشہور ہے کہ ابتدا میں فقط ایک اور بعد میں چار مہینے کا ہوتا تھا۔ اسی لیے یہ

لوگ سب سے نئے ملک میں رہنے کے باوجود سب سے قدیم قوم کہلانے کا فخر رکھتے تھے اور اپنے نسب ناموں میں سنین کی ایک غیر معمولی تعداد محسوب کرتے تھے کیوں کہ ان کا سال ہی ایک مہینے کا تھا۔ یہ امر کہ رومی سال ابتدا میں بارہ کے بجائے دس مہینے کا تھا، آخری مہینے، دسمبر، کے نام سے ظاہر ہے جس کے لغوی معنی ماہ دہم کے ہیں اور مارچ کا پہلا ہونا بھی یقینی امر ہے کہ اُس سے شمار کریں تو پانچویں مہینے کا نام کوان ٹی لس (ماہ پنجم) اور پھر سکس ٹی لس (ماہ ششم) وغیرہ بالکل سلسلے کے موافق ہے۔ حالاں کہ جنوری اور فروری کو اول سال میں محسوب کیا جائے تو کوان ٹی لس معناً پانچواں اور شمار میں ساتواں مہینہ ہوگا۔ یہ بھی قدرتی سی بات معلوم ہوتی ہے کہ جنگ جو رومیولس کا آغاز سال مریخ کے مہینے مارچ سے ہو، اور اس کا دوسرا مہینہ زہرہ یا افروڈائٹ دیوی کے نام کا مہینہ اپریل ہو۔ اسی میں زہرہ دیوی کی قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں اور اپریل کی پہلی تاریخ کو عورتیں عشق پیچہ کے سہرے سروں پر باندھ باندھ کے غسل کیا کرتی تھیں لیکن بعض لوگ اس وجہ تسمیہ کو تسلیم نہیں کرتے اور اپریل کو لاطینی لفظ "اپیریو" سے مشتق بتاتے ہیں جس کے معنے شگفتہ ہونے کے ہیں۔ اور اپریل خاص آغاز بہار کا مہینہ ہے جس میں غنچے پھوٹتے اور شگفتہ ہوتے ہیں۔ اگلا مہینہ مئی عطارد کی ماں مائیا کے نام سے انتساب رکھتا ہے اور جون، جونو (دیوی) سے ہے۔ مگر بعض ان کی وجہ تسمیہ میجورز اور جونیورز سے نکالتے ہیں جن کے معنی بڑی یا پہلی اور چھوٹی یا جوان عمر والوں کے ہیں، اس سے آگے مہینوں کے نام

ترتیب شمار کے مطابق ہیں یعنی پانچواں کوانٹیلیس (ماہ پنجم) چھٹا سکس ٹی لیس (ماہ ششم) اور سپٹمبر (ماہ ہفتم) اکتوبر (ماہ ہشتم) نومبر (ماہ نہم) اور دسمبر (ماہ دہم) ان میں پہلے کا نام جولیس سیزر کے نام پر اس وقت جولائی ہوا جب کہ اُس نے پمپی کو شکست دی، اور سکس ٹی لس بھی اُس کے جانشین "آگسٹس" (اغسطس) کے نام سے موسوم ہوگیا۔ اسی کی دیکھا دیکھی قیصر ڈومیشین نے بھی دو اگلے مہینوں کا نام اپنے ناموں پر جرمانی کس اور ڈومی شیانس رکھا تھا لیکن جب وہ مارا گیا تو پھر ان کے اصلی نام ستمبر و اکتوبر ہی بحال رہے۔ باقی سب سے آخر کے دو مہینے وہ ہیں جن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، نیوما نے جن مہینوں کو بڑھایا یا داخل کیا اُن میں فروری، فبروا سے مشتق ہے اور اسی لیے تطہیر کا مہینہ سمجھا جاتا ہے۔ اس میں وہ مُردوں کی فاتحہ دلواتے ہیں اور لُپر کالیہ کا تہوار مناتے ہیں جو کئی لحاظ سے تطہیر کی ایک رسم معلوم ہوتا ہے۔ جنوری جانوس کے نام پر ہے اور اسے نیوما نے عمداً مارچ پر مقدم رکھا ہے جس کی وجہ میرے نزدیک یہ ہے کہ وہ ہر موقع پر امن کی پابندی اور مشاغل کو جنگ جوئی اور اُس کے متعلقات پر فضیلت دینی چاہتا تھا اور اسی کے اظہار میں اُس نے مریخ (جلادِ فلک) پر جانوس کو ترجیح دی۔ یہ جانوس عہدِ قدیم کا کوئی اوتار ہو یا بادشاہ، اس میں شبہہ نہیں کہ ملکی امن اور باہمی اتحاد کا بڑا نامور حامی گزرا ہے اور اُن برگزیدہ نفوس میں سے ہے جنھوں نے انسان کو وحشیانہ اور بدوی زندگی سے مدنیت کی طرف کھینچا ہے۔ یہی دو حالتیں ظاہر کرنے کی غرض سے اُس کی مورت میں دو چہرے

بناتے ہیں جن میں ایک سے غیر اصلاحی حالت دکھانی مقصود ہوتی ہے اور دوسری سے اصلاحی جو شاہ موصوف (جانوس) کی کوششوں سے پیدا ہوئی۔ اُس کے مندر میں بھی رومیوں نے دو دروازے تعمیر کیے ہیں۔ یہ لڑائی کے دروازے کہلاتے ہیں کیوں کہ صرف لڑائی کے زمانے میں وہ کھُلے رہتے ہیں اور حالت امن میں بند کر دیے جاتے ہیں لیکن یہ صورت شاذ و نادر ہی وقوع میں آئی ہے اور جس قدر رومی سلطنت پھیلتی گئی ہے اُسی نسبت سے اُس کے دشمنوں کی تعداد بھی بڑھی اور اُسے بہت کم امن سے بیٹھنا نصیب ہوا ہے۔ اگسٹس سیزر کے زمانے میں جب اُسے انٹونی پر غلبہ حاصل ہوا تو یہ دروازے بند کر دیے گئے تھے اور اسی طرح پہلے اٹی لیئس اور مان لیئس کی قنصلی میں بھی ایک مرتبہ ایسا ہوا لیکن تھوڑے ہی دن بعد پھر لڑائیاں شروع ہوگئیں اور ان دروازوں کو کھول دینا پڑا۔ البتہ نیوما کا عہد حکومت ایسا گزرا ہے کہ جس میں ایک دن بھی یہ دروازے کھولنے کی ضرورت نہ پیش آئی اور جدال و قتال کا ایسا سدباب ہوا کہ کامل تینتالیس ۴۳ برس تک یہ دروازے بند رہے۔ حقیقت میں اس اعتدال پسند بادشاہ کی نرمی اور انصاف گستری نے نہ صرف رومیوں کو حلیم الطبع اور امن پسند قوم بنا دیا تھا بلکہ ہمسایہ قوموں کے خیالات کو بھی بالکل بدل دیا تھا اور کہنا چاہیے کہ اُس لطیف اور صحت بخش ہوا کے اثر سے جو رومہ سے چل رہی تھی اُن میں بھی وہی ذوق امن و انتظام پیدا ہوگیا تھا اور وہ بھی اُن مسرتوں میں رومیوں کے شریک بن گئے تھے جو اولاد کی پرورش دیوتاؤں کی پرستش اور ایک خاموش دیہاتی زندگی سے

حاصل ہوتی ہیں۔ تمام اطالیہ میں اس سرے سے اُس سرے تک تہوار، نمائشیں، میلے، اور دوستانہ ملاقاتیں اور پُر لطف مہماں نوازیاں ہوتی تھیں اور نیوُما کی دانائی سے انصاف اور نکوئی کی محبت اس طرح اُبل رہی تھی جس طرح چشمے سے پانی۔ اور اُس کی عالی ظرفی کا اثر مشک کی خوشبو کی طرح چاروں طرف پھیل گیا تھا۔ یہاں تک کہ شعرا کے مبالغے اصلیت کے اظہار سے عاجز اور حقیقت کے مقابلے میں پھیکے معلوم ہوتے تھے۔ مثلاً

ع لوہے کی ڈھالوں پہ وہاں تنتی ہیں جالا مکڑیاں

یا مثلاً:- تیغ دو دم اور برچھیوں کو زنگ آدھا کھا گیا
اور مدّتوں سے اب نہیں دیتی دَہاڑیں قرّنا
وہ وجہ اب مفقود ہی جو نیند دیتی تھی اُڑا

کیوں کہ نیوُما کے تمام زمانۂ حکومت میں نہ کوئی بیرونی لڑائی پیش آئی نہ کوئی خانہ جنگی یا بدعت و فساد پیدا ہوا نہ اُس کی ذات سے کوئی حسد یا بغض یا جاہ پرستوں کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں ہوئیں، خواہ اُن دیوتاؤں کے خوف سے جن کی نسبت خیال تھا کہ اُس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں، خواہ اُس کی نکوئی کی عزّت کے باعث، یا اُس خوش قسمتی کی بدولت جو اُن دنوں معصوم انسانوں کی محافظ ہوتی تھی، غرض کسی سبب سے ہو، نیوما کا عہد زندہ مثال اور بہترین تصدیق تھا اُس قول کی جسے بہت دن بعد افلاطون نے زبان سے نکالنے کی جرأت کی تھی اور فرمایا تھا کہ انسانی خرابیوں کے دفیعے اور علاج کی صرف ایک ہی اُمید ہو سکتی ہی اور وہ یہ کہ حسنِ اتفاق اور اسباب کے

مبارک سنجوگ سے ایک ہی شخص میں ایک فلسفی کی حکمت و دانش اور ایک بادشاہ کی قوت و اختیارات جمع ہوجائیں اور اس طرح نکوئی کا درجہ اتنا بلند ہوجائے کہ وہ بدی پر قابو اور حکومت رکھ سکے، ایک دانش مند شخص خود مبارک ذات ہے اور وہ سامعین بھی مبارک ہیں جو اس کے منہ سے جھڑنے والے پھولوں کو سونگھیں اور قبول کریں اور شاید عوام الناس کے لیے بھی جبر و تخویف کی ضرورت نہیں بلکہ اپنے بادشاہ کی ممتاز اور درخشاں مثال ہی اس کی تقلید پر آمادہ کردینے کو کافی ہے اور یقیناً بادشاہ کی پُر محبت اور پاک صاف، عدل و اعتدال سے تقویت پائی ہوئی زندگی بہت بڑی نعمت ہے جو انسانی کوشش سے میسر آسکتی ہے۔ اسے دیکھ کر رعایا میں نیکی کی قدر و منزلت کا پیدا ہونا بالکل قدرتی بات ہے اور اسی شے کا اُن کے علم و عمل میں راسخ کردینا ایک بادشاہ کی سچی عظمت و بزرگی سمجھی گئی ہے۔ نیوما کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ اس اصول کو جس قدر صفائی سے اُس نے سمجھا تھا شاید کسی نے نہ سمجھا ہوگا۔

رنیوُما کے ازدواج اور اولاد کے متعلق مصنفین میں مختلف بیانات ہیں۔ ایک گروہ تو سوائے ٹے ٹیہ کے اُس کے کوئی بیوی اور سوائے ایک بیٹی پمپی لیہ کے اور کوئی اولاد نہیں مانتا مگر دوسرے گروہ کا قول ہے کہ اس نے اپنے چار بیٹے پمپو، پی نس، کل پس اور ممیرحس چھوڑے جن کی اولاد میں رومہ کے چار معزز اور نامور خاندان اب تک موجود ہیں اور اپنے ناموں کے ساتھ رکیس، یعنی شاہ (یا خان) کا لفظ بڑھا لیتے ہیں۔ لیکن مؤرخوں کی ایک جماعت ان دونو روایتوں سے انکاری ہے اور اس کے نزدیک اُن چار خاندانوں کا نیوما کی اولاد میں ہونا بناوٹی

بات ہو جسے خوشامدی مصنفوں نے مصنوعی نسب نامے بنا کے مشہور کر دیا تھا۔ نیز یہ لوگ پمپی لیہ کو بھی ٹے ٹیہ کی بیٹی نہیں بتاتے بلکہ کہتے ہیں کہ وہ نیوُما کی دوسری بیوی لسریشیہ کے بطن سے تھی جس سے بادشاہ ہونے کے بعد اُس نے شادی کرلی تھی۔ بہرحال اس پر سب کا اتفاق ہو کہ اس لڑکی کی شادی اُس مرسیس کے بیٹے سے ہوئی تھی جو نیوُما کو بادشاہ پر رضامند کرکے رومہ لایا تھا اور خود بھی اسی کے ساتھ یہاں آبسا تھا پھر رکن مجلس منتخب ہوا اور جب نیوما نے وفات پائی اور مرسیس کو اپنے حریف ٹلس ہوس ٹی لیس کے مقابلے میں منصب بادشاہی نہ حاصل ہوسکا تو اُس نے مایوسی کے عالم میں اپنے تئیں ہلاک کرلیا تھا۔ لیکن بعد میں اُس کے بیٹے یعنی پمپی لیہ کے شوہر سے جو بیٹا انکس مرسیس پیدا ہوا وہ ہوس ٹی لیس کا جانشین بنایا گیا۔ نیوُما کی وفات کے وقت اس لڑکے کی عمر پانچ برس کی تھی۔

نیوُما اسّی برس تک زندہ رہا ور اس کے بعد بھی ؛ جیسا کہ پیزو نے لکھا ہو ، وہ کسی ناگہانی یا سخت مرض میں مبتلا ہوکر نہیں مرا بلکہ آہستہ آہستہ ضعیف ہوکر دنیا سے راہیِ ملکِ بقا ہوا ، پھر اس کی موت بھی اس کی پُرعظمت زندگی کی بہترین تکمیل تھی کہ اس کے جنازے کے ساتھ رومہ کی تمام ہمسایہ ریاستوں کے معززین حقوق دوستی اور مراسم اعزاز و احترام ادا کرنے کے واسطے موجود تھے اور اس پر پھولوں کے سہرے اور تحائف کی نذریں چڑھا رہے تھے۔ جنازہ ارکانِ مجلس کے کندھوں پر تھا اور اُن کے عقب میں

علماے مذہبی کا گروہ آرہا تھا جن کے بعد ہزارہا آدمیوں کا جلوس تھا اور اُنھیں میں عورتیں اور بچے اس طرح چیخ چیخ کے روتے جاتے تھے گویا وہ ایک عمر رسیدہ اور بوڑھے بادشاہ کا جنازہ نہ تھا بلکہ اُن کے کسی عزیز ترین رشتہ دار کا، جو عین عالم شباب میں اٹھالیا گیا ہو۔ اس کی میت مشہور ہی کہ جلائی نہیں گئی بلکہ اُس کی وصیت کے بہ موجب دو پتھر کے تابوت بنا کر ایک میں تو اُسے دفن کیا گیا اور دوسرے میں اُس کی اُن مقدس کتابوں کو جو یونانی شارعین کے دساتیر کی طرح اُس نے خود تحریر کی تھیں۔ لیکن ان کے مطالب کو اُس نے اپنی زندگی میں علما کے دلوں میں ایسا راسخ کر دیا تھا کہ اب اُن کے صحیح معنی پوری طرح ان کے دل نشین ہو گئے تھے۔ اسی لیے اُس نے حکم دے دیا تھا کہ مرنے کے بعد اُس کے ساتھ ہی ان کتابوں کو بھی دفن کر دیا جائے کہ اُن متبرک اصول کا بے جان تحریروں میں اشاعت و رواج پانا گویا اُن کی بے وقری کرنا تھا۔ کہتے ہیں کہ اسی دلیل سے فیثاغورثی گروہ بھی اپنے اصول تحریر میں لانے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ صرف ان کے حافظوں میں انھیں محفوظ رکھنا چاہتا ہی جو اس کی اہلیت رکھتے ہوں۔ اور مشہور ہی کہ جب ایک مرتبہ کسی نااہل کو اُن کے بعض دقیق مسائل ہندسی معلوم ہو گئے تو دیوتاؤں نے اس مذہبی خلاف ورزی اور شرارت پر سخت تنبیہ کی اور انھیں ایک خوفناک سزا کی دعید دی تھی، یہی وہ مثالیں ہیں جن سے نیوما اور فیثاغورث کی ہم خیالی اور طریق عمل میں یکسانیت کا پتا چلتا ہی اور اسی بنا پر جو لوگ ان دونو کی باہم واقفیت کا ہونا ثابت کرنے کی

کوشش کرتے ہیں، ہم انھیں قابل معافی جانتے ہیں۔
ولیریس ان ٹیاس لکھتا ہے کہ مذکورۂ بالا تابوت میں جو متبرک کتابیں مدفون تھیں ان کی تعداد بارہ تھی اور اسی قدر فلسفہ یونان کی کتابیں تھیں۔ فی بیئس اور کورنی لیئس کے عہد قنصلی میں نیوما کے چار سو برس بعد سخت بارش کے دنوں میں ایک ایسا سیلاب آیا جس نے مٹی کو بہا دیا اور وہ سنگی صندوق اپنی جگہ سے اکھڑ گئے اُس وقت ایک تابوت بالکل خالی ملا جس میں کسی انسانی جسم کی باقیات موجود نہ تھیں لیکن دوسرے میں وہ سب کتابیں محفوظ پائی گئیں اور انھیں قاضیٔ وقت پٹی لیئس نے مطالعہ کیا اور مجلس میں بہ حلف بیان کیا کہ ان کے مضامین کا لوگوں میں اشاعت پانا غیر مناسب ہوگا۔ پس وہ تمام جلدیں اُنھوں نے کومی ٹیم (کمیٹی گھر) میں لے جاکر جلادیں۔
قاعدہ ہے کہ مرنے کے بعد اچھوں کی اچھائیاں پوری شہرت حاصل کرتی ہیں۔ اور حاسدوں کی بد اندیشیاں زیادہ عرصے تک باقی نہیں رہ سکتیں۔ بعض خوش نصیب ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی زندگی ہی میں ان عداوتوں کو مٹتا دیکھ لیتے ہیں۔ مگر نیوما کی حالت ان سب سے جداگانہ ہے اور وہ ایسا بادشاہ ہے، جس کی شہرت اپنے جانشینوں کے طریق عمل اور انجاموں کی بدولت روز بروز ترقی پاتی گئی۔ کیوں کہ اس کے بعد پانچ بادشاہ ہوے جن میں سے آخری کو جمہور نے معزول کیا اور اُس نے جلاوطنی کے عالم میں وفات پائی۔ باقی چار میں سے تین ملکی سازشوں کا شکار ہوے اور باغیوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ چوتھا یعنی ہوس ٹی لیس جو نیوما کا پہلا

جانشین ہی ، طرزِ عمل کے لحاظ سے کوئی مناسبت اپنے پیش رو سے نہ رکھتا تھا - بلکہ اُس کی دین داری اور نیکیوں کا تمسخر اُڑاتا اور اُسے بُزدل ، دنی الطبع بتاکے لوگوں کو جنگ جوئی پر آمادہ کرتا تھا- بالآخر اُس کی یہ طفلانہ بدعنوانیاں ایک شدید اور موذی مرض نے روک دیں اور پھر وہ ایسی توہم پرستی میں مبتلا ہؤا جو نیوما کے تقوے سے بالکل مختلف تھی - نیز جب وہ برق زدگی کے صدمے سے مرا تو اوروں کو بھی ایسے ہی عبرت ناک انجام کے خدشات میں خوف زدہ چھوڑ گیا ÷

نیوُما کا موازنہ لکرگس کے ساتھ

لکرگس اور نیوُما پمپی لیئس کی سوانح عمریاں ختم کرنے کے بعد، اگرچہ یہ کام دشوار ہو تاہم اب ہم اُن امور کو پہلو بہ پہلو رکھیں گے جو اُن میں مختلف نظر آتے ہیں۔ جن باتوں میں وہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں وہ بالکل ظاہر و آشکارا ہیں یعنی اپنے حلم و اعتدال میں اپنی دین داری اور قابلیت نظم ونسق میں اور اس خصوصیت میں کہ دونو نے اپنے نظامِ ریاست اور قوانین تائیدِ الہٰی سے حاصل کیے تھے، بایں ہمہ ان کے اسباب ناموری میں کئی فرق ہیں کہ نیوُما وہ شخص ہو جس نے حکومت کو قبول کیا تھا اور لکرگس وہ ہو جس نے حکومت سے ہاتھ اٹھا لیا تھا۔ پہلے کو بے مانگے یہ منصب دیا گیا تھا اور دوسرے نے حاصل ہونے کے بعد اس کو چھوڑ دیا تھا۔ اسے ایک پردیسی اور معمولی آدمی کی حیثیت سے اٹھاکر لوگوں نے تخت بادشاہی پر سربلند کیا، اور اُس نے بادشاہی چھوڑ کر اپنی خوشی سے ایک معمولی حیثیت اختیار کرلی۔ بے شبہہ انصاف و معدلت کے ساتھ سلطنت لینا بڑی وجہ امتیاز ہو۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر وجہِ امتیاز یہ ہو کہ انصاف کو سلطنت پر ترجیح دی جائے بہرحال دونو حالتوں میں وہی ایک برگزیدگی تھی جس نے نیوُما کو بادشاہی پر پہنچایا اور لکرگس کو اس سے بے نیاز بنایا تھا۔ پھر جس طرح مطرب ستار کا سُر ملایا کرتے ہیں

ایک نے تو رومی قوم کی پر جوش اور حوصلہ مند طبیعتوں کو سب سے نچلے پردے پر لا کے چھوڑا اور دوسرے نے تعیّش و فساد کی پستیوں سے اہل اسپارٹہ کو ابھارا اور کھونٹیاں کس کے انھیں سب سے اونچا راگ سکھایا۔ ان میں زیادہ مشکل کام لکرگس کو درپیش تھا جس کے لیے وعظ و نصیحت اور ترغیب و فہمایش کافی نہ تھی۔ کیوں کہ اس کا مقصود کمر سے تلواریں کھلوانا اور جسموں سے زرہ بکتر اترونا نہ تھا بلکہ اپنے عیش پسند شہریوں سے سیم و زر پھکوانا اور نعمت و عشرت کے ساز و سامان چھڑوانا تھا۔ اُس کی یہ تعلیم و تلقین نہ تھی کہ اسلحہ کو بالائے طاق رکھ کر اُس کے ہم وطن تیر تہوار، مراسم نذر و نیاز ادا کرنے میں مصروف ہو جائیں بلکہ اُن سے یہ مشاغل اور لہو و لعب چھڑوا کر جفاکشی اور جنگی مشقوں کا عادی بنانا اُس کے مکنونِ خاطر تھا۔ اور یہی سبب ہے کہ اگر نیوما کو محض ہر دل عزیزی اور وعظ و پند کے ذریعے اپنا مقصد حاصل ہو گیا تو لکرگس کو ہزار دشواریاں اٹھانے کے بعد اپنی جان خطرے میں ڈال کر یہ کامیابی حاصل ہوئی، نرمی اور اخلاص نیوما کی فطرت خداداد کے جوہر تھے جن کی بدولت ایک تُند خو شعلہ مزاج قوم کی اُس نے اصلاح کی اور عدل و مصالحت کا پابند بنایا۔ حالانکہ اگر ہم ہلوت کے ساتھ بدسلوکی کو جو، نہایت غیر منصفانہ اور ظالمانہ طریق عمل تھا، لکرگس کے قوانین کا جزو سمجھیں تو ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ شرافتِ نفس اور مزاجاً یونانی ہونے میں نیوما کو اُس پر بدرجہا فوقیت حاصل ہے۔ کیوں کہ رومہ میں یہ دستور کہ زحل دیوتا کے تہوار پر اصلی اور واقعی غلام تک

اپنے مالکوں کے پاس بیٹھ کر گوشت کھاتے تھے تاکہ آزادی کی نعمتوں سے کچھ لذت یاب ہوسکیں ، اس کی ابتدا بھی نیوما ہی سے منسوب ہو اور لوگوں کے خیال میں اسی کی یہ خواہش تھی کہ جنھوں نے اپنی محنت اور امداد کی ہو انھیں بھی زمین کی سالانہ پیداوار سے کچھ حصہ دیا جائے ، ایک دوسرا قول یہ ہو کہ یہ رسم عہد زحل کی یادگار میں منائی جاتی تھی کہ اس زمانے میں آقا اور غلام میں کوئی امتیاز نہ تھا ، اور وہ سب کے سب بھائیوں کی طرح مساوات کی زندگی بسر کرتے تھے ۔

مجموعی طور پر دونو مقنّنوں کا مقصود ذہنی ایک معلوم ہوتا ہو یعنی اپنی اپنی قوم کو کفایت و اعتدال کا سبق دینا ۔ اور خوبیوں کے لحاظ سے دیکھا جائے تو لکرگس کی بڑی کوشش استقامت پیدا کرنا تھی اور نیوما کی علاوت سکھانا ۔ لیکن اگر ہم طبائع کے اُس اختلاف کو پیش نظر رکھیں جو رومہ اور اسپارٹہ میں نمایاں ہو تو غالباً یہ فرق بھی قابل حساب نہ رہے گا ۔ کیوں کہ نیوما کی امن و صلح کی تعلیم بُزدلی یا خوف کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اس لیے کہ زیادتی اور ناانصافی سے احتراز کیا جائے ۔ اور اسی طرح لکرگس نے جنگ جوئی کی تعلیم اس غرض سے نہ دی تھی کہ اس کی قوم دوسروں پر ظلم کرے بلکہ اس لیے کہ اپنی مدافعت کرسکے ۔

اپنی اپنی قوم کی عادتیں اعتدال پر لانے کی خاطر اور حسب ضرورت اُن کی افراط یا تفریط کو گھٹانے بڑھانے کی غرض سے دونو کو بڑی بڑی جدتیں کرنی پڑیں ۔ نیوما نے جو نظام سلطنت ترتیب دیا اُس میں

انتہائے جمہوریت کے تمام عناصر موجود تھے اور اس کی بوقلموں عمومیت میں سُنارہ موچی اور گویّے تک شامل کر لیے گئے تھے برخلاف اس کے لکرگس خواص پسند اور حکومت امیرانہ کا پکا حامی تھا۔ ادنیٰ درجے کے تمام پیشوں کو اُس نے پردیسیوں اور نوکروں کے ساتھ ملک سے جلاوطن کر دیا تھا اور سچے شہریوں کو نیزہ و سپر کے سوا کسی اوزار کی اور مریخ کی خدمت گزاری میں لڑائی کے سوا کسی اور بیوپار کی اجازت نہ دی تھی۔ اور نہ اپنے فوجی سرداروں کی اطاعت اور دشمنوں پر فتح حاصل کرنے کے علاوہ کسی علم و فن کی تعلیم روا رکھی تھی ہر قسم کا رُپے کمانا اُن کے لیے ممنوع تھا اور اس غرض سے تمام مسائل کو جن کا رُپے سے تعلق ہو مقنن نے اچھی طرح چھانا تھا اور باورچی خانے اور دسترخوان سے لگا کے نوکروں اور غلاموں تک کے بارے میں ضابطے بنائے تھے، لیکن نیوما نے ان میں سے کسی شے کو ہاتھ نہیں لگایا اور اُن کی غیر معتدل جنگ جوئی کا سدباب کرنے کے علاوہ لوگوں کو دولت حاصل کرنے کے تمام وسائل اختیار کرنے کی پوری آزادی دے دی تھی۔ اس معاملے میں جو عدم مساوات پیدا ہوتی ہے اُس کے رفع کرنے کی بھی نیوما نے کوئی کوشش نہیں کی تھی اور جائز رکھا تھا کہ جو شخص جس قدر چاہے دولت سمیٹ سمیٹ کر مال دار ہو جائے حالانکہ اس کا فرض تھا کہ ابتدا ہی میں، جب کہ لوگوں کی حالت زیادہ مختلف نہ تھی اور وہ تقریباً یکساں معاشرت رکھتے تھے، لکرگس کی طرح ایک طرف افلاس کی زیادتی روکنے کا انتظام کرتا اور اُدھر زرپرستی کی بلا کا پیش از پیش تدارک کہ جو کوئی معمولی

بلا نہیں بلکہ فی الحقیقت بعد کی تمام بڑی بڑی خرابیوں کا اصلی بیج اور پہلا آغاز ہے .. لیکن زمینوں کی از سرِ نو تقسیم کا مسئلہ ایسا ہے جس میں نہ لکرگس قابلِ الزام ہے کہ اُس نے تقسیم کی اور نہ نیومَا لائقِ اعتراض ہے کہ اُس نے نہیں کی۔ کیوں کہ اسپارٹہ کے نظام سلطنت کی بنیاد ہی اس مساوات پر رکھی گئی تھی بجائے کہ روما میں جو تقسیم پہلے سے موجود ہوگی خود اُس کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا اور اس کو بدلنے کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی ✽

مگر عورتوں اور بچّوں کے معاملے میں ، خصوصاً تعلقات زن وشو کو رقابت و حسد سے محفوظ رکھنے کے لیے جو حکمت عملی انھوں نے اختیار کی وہ آپس میں مختلف تھی .. ایک رومی شوہر کو قانوناً اختیار تھا کہ کافی بچّے ہونے کے بعد پسند آئے تو اپنے لاولد ہمسائے کی درخواست پر اپنی بیوی کو تھوڑے دن یا ہمیشہ کے لیے چھوڑ دے کہ وہ اُس ضرورتمند سے شادی کرلے۔ لیکن اسپارٹہ میں اپنی زوجہ کو دوسرے کے استعمال میں دے دینے کے باوجود قطع تعلق کرنا ضروری بات نہ تھی۔ یہی نہیں بلکہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں بہت سے اسپارٹی خود اپنے واسطے تندرست اور خوبصورت بچے حاصل کرنے کی غرض سے غیرمردوں کو اپنے ہاں مدعو کرتے تھے! اب سوال یہ ہے کہ ان دونو طریقوں میں اصولی فرق کیا ہے ؟ کیا اسپارٹی طریقے میں بیویوں کی جانب سے بالکل اور انتہا درجے کی بے پروائی مترشح نہیں ہوتی ؟

برخلاف اس کے رومی دستور میں شوہر کی مرضی کا زیادہ دخل ہے اور ہر ایسی تبدیلی پر ایک نئے معاہدہ کا پردہ ڈال کر تعلقات

زنا شوئی کی نازکی کا زیادہ لحاظ رکھا گیا ہی ، اسی پر منحصر نہیں ۔ نیوما کی جوان عورتوں کے متعلق عام ہدایتیں بھی اُن کی جنس اور حیا شعاری کے لحاظ سے زیادہ موزوں ہیں ۔ حالانکہ لکرگس کے ہاں اس قسم کی پابندیوں کا مطلق خیال نہیں کیا گیا ہی اور شعرا (مثلاً ابی قس) کو ان ہی وجوہ سے موقع ملا ہی کہ وہ اس کی ہم وطن عورتوں کو فینومے ری ڈس یعنی رانیں کھلی کہہ کہہ کر ذلیل کریں اور شوہروں کے واسطے اُن کے از خود رفتہ ہونے کا خاکہ اڑائیں جیسا کہ یوری پڈینر نے اڑایا ہی :-

"نکل کر گھروں سے جوانوں کے ساتھ
وہ کرتوں کے دامن اُڑاتی ہوئی
چلیں اپنی رانیں دکھاتی ہوئی ۔"

اور حقیقت میں وہاں ناکتخدا لڑکیوں کے کرتے کے دامن نیچے سے بے سلے ہوتے تھے جو چلنے میں الٹ جاتے تھے اور تمام ران برہنہ نظر آتی تھی ، سفاکلیس نے اس کو بہت واضح کرکے لکھا ہی :-

" وہی جس پہ عالم جوانی کا تھا
بدن سے چغہ جس کے لپٹا نہ تھا
اُلٹتا تھا جب دامنِ پیرہن
تو کھلتی تھیں رانیں — وہ ہرمیون تھی "

بیان کرتے ہیں کہ ان کی عورتیں اسی لیے بہت بے باک اور مردانہ مزاج ہوتی تھیں اور ایک طرف تو اپنے گھر کی غیر مشترک مالک اور شوہروں پر حاوی ہوتیں اور دوسری طرف اہم سے اہم معاملات

قومی میں حصّہ لیتیں اور رائے زنی کرتی تھیں ۔ لیکن عہد نیوُما کی
بیگمات کا حال دوسرا تھا ۔ رومیولس کے زمانے میں اُن کے ساتھ جو
زیادتی کی گئی تھی اس کے کفارے میں جس قسم کا اعزاز و اکرام کیا جاتا تھا وہ
اب تک بدستور تھا ہاں بہمہ انھیں شرم و حیا کی پابندی کی سخت تاکید
تھی ۔ معاملات میں کوئی دخل نہ دینے پاتی تھیں اور متانت اور عادتاً
خاموش رہنے پر بڑا زور دیا جاتا تھا ۔ شراب کو وہ ہاتھ نہ لگاسکتی تھیں
اور گفتگو صرف شوہر کی موجودگی میں کرسکتی تھیں ۔ ورنہ معمولی سے
معمولی مباحث میں حصہ لینا اُن کے لیے ناروا تھا ۔ یہاں تک کہ جب
ایک مرتبہ کسی عورت کو اتنا ہیاؤ پڑگیا کہ اُس نے عدالت میں اپنے مقدمے
کی خود پیروی کی تو اس کو ارکان مجلس نے بالکل خرق عادت شئے سمجھا
اور دیوتا سے دریافت کرایا کہ اس بدعت کا کیا نتیجہ ظہور میں آئے گا؟
اور حقیقت میں اُن کی عام روش اور مسکین مزاجی اُن واقعات سے بخوبی
ثابت ہوجاتی ہے جو اس بے باکی کرنے والیوں کی نسبت منقول ہیں ۔ یعنی
جس طرح یونانی مؤرخ اپنی کتابوں میں ان سفاک مجرموں کے نام درج
کرنا ضروری جانتے ہیں ، جنھوں نے سب سے اوّل خانہ جنگی کے واسطے
تلوار میان سے نکالی یا اپنے بھائیوں کو مارا یا قتل والدین کا ارتکاب کیا ،
اسی طرح رومی مصنّف کاروی لیئس کی مثال لکھتے ہیں کہ وہ پہلا شخص ہے
جس نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور شہر روما کی بنیاد پڑنے کے دوسو
تیس برس بعد اس قسم کا یہ پہلا واقعہ تھا ۔ یا مثلاً وہ پینیارئیس کی بیوی
تھالیہ کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ پہلی بہو ہے جو شاہ ٹارکوان سپربس کے
عہد میں اپنی ساس گیگانیہ سے لڑی تھی ، تعلقات ازدواجی میں

ایسی عمدگی اور خوش اسلوبی کا پیدا ہو جانا یقیناً مقنّن کی بڑی کامیابی کی دلیل ہے۔

لڑکیوں کی شادی بیاہ کے متعلق جو قواعد نیُوما اور لکرگس نے بنائے ہیں وہ بھی اپنی جگہ پر ان کی مختلف تعلیم کے مطابق حال ہیں۔ لکرگس نے شادی کا وقت سن بلوغ کو پہنچنے اور میلان زوجیت پیدا ہو جانے کے بعد مقرر کیا ہے، اس کے خیال میں ایک جبریہ یا غیر طبعی شادی سے جو خرابیاں یعنی باہم ناپسندیدگی یا خوف آگے چل کر رونما ہوتی ہیں ان کی بجائے ایسی موافق فطرت شادیاں ازدیاد محبت و اخلاص کا سبب ہوں گی۔ اور نیز اُن کے جسم ایام حمل کی سختیاں زیادہ آسانی سے جھیل سکیں گے اور اولاد کی نشوونما زیادہ عمدہ ہوگی جو کہ لکرگس کے نزدیک شادی کا مقصد وحید تھا، اس کے برخلاف رومی اپنی لڑکیوں کو بارہ برس یا اس سے بھی چھوٹی عمر میں بیاہ دیتے تھے اور اس میں یہ مصلحت تھی کہ ان کا غیر ملوث جسم اور دل ابھی سے اپنے آئندہ شوہروں کی تحویل میں دے دیا جائے اور اس میں شک نہیں کہ اگر لکرگس کا طریقہ، پرورش اولاد کے لحاظ سے، زیادہ قدرتی معلوم ہوتا ہے تو آخر الذکر، اس نظر سے کہ ان دونو (میاں بیوی) کا عمر بھر ساتھ ہوگا، اخلاقاً زیادہ مناسب ہے۔ لیکن جو کچھ ہو لکرگس کے وہ مفصل ضوابط جن میں بچّوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت، ان کا فوجی جماعتوں میں مل کر رہنا اور قواعد کی پابندیاں پھر ان کے کھیل کود ورزش اور کھانے پینے کے طریقے جو اس نے بنائے ہیں وہ سب ایسے مکمل اور جامع ہیں کہ اس کے مقابلے میں نیُوما ایک معمولی واضع قانون

رہ جاتا ہے کہ اُس نے ان تمام باتوں کو محض باپ کی منشا اور ضرورت پر چھوڑ دیا کہ خواہ وہ اپنے بیٹے کو کاشت کار بنائے، خواہ بڑھئی، سُنار یا مطرب۔ گویا قوم کے لیے ان کی ابتدائی تربیت یا قومی اغراض کے لیے یکساں نصاب تعلیم کا ہونا کوئی وقعت ہی نہیں رکھتا۔ اور گویا وہ سب جہازوں کے مسافروں کی طرح محض اتفاقاً اپنے ذاتی کاروبار کی وجہ سے یکجا ہو گئے ہیں اور فائدۂ عام کی خاطر صرف اس وقت مل کر کام کریں گے جب کہ خود اُن کی اغراض کسی خطرے میں ہوں، ورنہ معمولی ذاتی مقاصد کے سوائے اور کوئی شے ان کے مرکوز خاطر نہیں ہے۔

اگر ہم معمولی قانون سازوں پر اس لحاظ سے اعتراض نہ کریں کہ ان کے اختیارات یا علم میں کمی تھی، تو چنداں مضائقہ نہیں ہے لیکن جب نیوما کے مثل کوئی صاحب خرد شخص ایک نئی اور اطاعت پذیر قوم پر بادشاہی حاصل کرلے تو ہمارا یہ دیکھنا بالکل واجبی ہے کہ بچوں کی ابتدائی تعلیم کا اُس نے کیا انتظام کیا؟ کیوں کہ ایک دانش مند مقنن کے لیے اس سے بڑھ کر قابل توجہ کون شے ہوسکتی ہے کہ وہ اپنی آیندہ نسلوں کو قوم پرستی اور ایک مشترک نمونۂ شرافت کا سبق سکھائے اور عالمِ شیرخوارگی سے ایسے قالب میں ڈھالے کہ ان کے افکار و اعمال میں اتحاد کامل پیدا ہو جائے؟ لکرگس نے اس نصاب تربیت سے جو بڑا فائدہ اٹھایا وہ خود اُس کے قوانین کا تحفظ اور بقا تھی۔ اور اگر وہ ابتدا ہی سے اپنے ضوابط اور اصول اُن کے دلوں میں راسخ نہ کردے اور ان کے بچپن سے اپنے قومی نظام حکومت کا سچا پابند نہ بنادے

تو محض لوگوں کے قول و قسم سے اس کے قیام کا چنداں اطمینان نہ ہوسکتا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اُس کے بڑے بڑے آئین اور بنیادی اصول پانچ سو برس سے زیادہ عرصے تک زیرِ عمل اور کسی گہرے اور جمے ہوئے نقش کی طرح قوم کے دلوں پر منقوش رہے حالانکہ نیوما کا اصلی مُدعا اور مقصد اوّلین یعنی امن و مصالحت کا قیام، اُس کے ساتھ خاک میں مل گیا اور اس کی آنکھ بند ہوتے ہی مندر جانوس کے پھاٹک چوپٹ کھل گئے جس کے ساتھ ہی، اس طرح کہ گویا جنگ انھیں دیواروں میں مقید اور بند تھی، قتال و خوں ریزی کا ایک سیلاب ساری اطالیہ پر امنڈ آیا اور عدل و انسانیت کا قصر رفیع آناً فاناً ٹوٹ کر فنا ہوگیا۔ کیوں کہ اس کے در و دیوار میں اس پائدار مسالے کی کمی تھی جس کا نام تعلیم ہے۔ ممکن ہے اس موقع پر بعض لوگ دریافت کریں کہ کیا روما کو ان لڑائیوں کی وجہ سے فلاح اور ترقیاں نصیب نہ ہوئیں؟ اور حقیقت میں اگر کسی کے نزدیک ترقی اور بہتری، امن و امان کی محفوظ اور اُس شریفانہ اور آزاد زندگی کا نام نہیں جو کامل عدل و انصاف کا لازمہ ہوتی ہے، بلکہ زَر اور سامانِ تعیش کی افراط اور وسعت سلطنت کا نام ہے، تو مذکورۂ بالا سوال کا تشفی بخش جواب اُس کو دینا بڑی طوالت کا کام ہے لیکن اگر اس بحث کو نظر انداز کردیا جائے تو بھی یہ بات اسپارٹا کے لیے کم باعثِ فخر نہیں ہے کہ رومیوں کی سلطنت نے تو اُس وقت ترقی اور عروج پایا کہ جب اپنے مقنّن کے ضوابط ترک کردیے، لیکن اہلِ اسپارٹا اپنے مقنّن کے آئین و قوانین چھوڑتے ہی

اوج کمال سے تحت الثریٰ میں گر پڑے اور وہ تفوق قائم رہتا تو درکنار جو انھیں تمام یونان پر حاصل تھا، خود زندہ رہنا ان کے لیے مشکل ہوگیا، البتہ ریُوما کی یہ خصوصیتیں بڑی قابل تعجب اور تقریباً من جانب اللہ ماننی پڑتی ہیں کہ اوّل تو پردیسی ہونے کے باوجود اہل روما نے اس کو بہ منت بلایا اور سلطنت پیش کی اور دوسرے یہ کہ ہرچند اس نے نظام سلطنت کو بالکل بدل دیا اور تینتالیس برس تک ایک ایسے شہر پر حکومت کی جو قریب بدوی حالت میں تھا، بایں ہمہ سوائے صلاح و نصیحت کے اُسے آخر تک کسی جبر یا زبردستی کی ضرورت نہیں پڑی (حالانکہ لکرگس، عوام الناس کو مرعوب کرنے کے لیے مجبور ہوگیا تھا کہ مسلح معززین شہر کی امداد حاصل کرے) بلکہ صرف دانش و انصاف کی قوت سے اُس نے یگانے اور بیگانے کو متحد اور شیر و شکر کردیا ؎

سولَن

دوی مُوس نحوی نے آئین سولَن کے بارے میں اسل بیادیش کو جواب دیتے ہوئے کسی شخص فلوکلیس کا یہ قول نقل کیا ہو کہ سولن کے باپ کا نام یوفوریون تھا۔ لیکن جن لوگوں نے سولن کے متعلق کچھ تحریر کیا ہو، ان سب کا بیان اس روایت کے خلاف ہو کیوں کہ عام طور پر وہ سب متفق ہیں کہ سولن، اِکس کس تدلیس کا بیٹا تھا۔ جو شہر میں خاصا دولت مند اور ذی اثر مگر نسباً قُدرُدس جیسے، عالی تبار شخص کی اولاد میں تھا۔ سولَن کی ماں شاہ پی سس ٹراٹس کی قریبی بہن ہوتی تھی جس کی تصدیق ہراکلید کے بیان سے ہوتی ہو سولَن کی پی سس ٹراٹس سے بڑی دوستی تھی، جس کی وجہ شاہ موصوف کی صفات حمیدہ اور حسن صورت کے علاوہ یہ قرابت داری بھی تھی۔ اور میرے خیال میں یہی سبب تھا کہ جب آگے چل کر معاملات ملک داری میں ان کا اختلاف ہوا تو ان کی لڑائی بہت زیادہ نہ بڑھی اور ان کے دلوں میں پرانی محبت اور دوست داری کی گرمی باقی رہی کیوں کہ یہ بات سولن کی نظموں اور بعض قوانین سے ثابت ہو کہ وہ حسن و جذبات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ اسی طرح پی سس ٹراٹس کی نسبت لکھا ہو کہ وہ ایک شخص شارموس پر فریفتہ تھا؛ اسی نے دارالفنون میں "محبت" کا مجسمہ نذر دیا تھا

جہاں مشعلوں کی مقدس ووڑ میں دوڑنے والے اپنی مشعلیں روشن کرتے ہیں،

ہرمیپس لکھتا ہے کہ جب سولن کے باپ نے اپنی فیاضیوں اور بخششوں سے ساری جایداد تباہ کردی تو سولن نے جوانی میں سوداگری کا پیشہ اختیار کیا اور اگرچہ اس کے احباب مدد دینے کے لیے تیار تھے مگر اسے اُن کے آگے ہاتھ پسارتے شرم آئی۔ وہ تھا بھی تو اُس خاندان کا جو مدد لینے کے بجاے دست گیری کرنے کے زیادہ عادی تھے، بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ سوداگر نہیں تھا بلکہ اس لیے سیاحتیں کیا کرتا تھا کہ رُپے کمانے کے بجاے علم و تجربہ حاصل کرے۔ واقعی اس میں شک نہیں کہ وہ علم کا عاشق تھا۔ جب بڈھا ہوگیا تب اپنی نسبت اکثر کہا کرتا ؏

"بڑھتی ہے روز روز یاں پیری کے ساتھ آگہی"

دولت کی اسے کچھ زیادہ چاہت نہ تھی۔ دولت مند اور معمولی آدمی اس کی نظر میں برابر تھے۔ اپنے اشعار میں کہتا ہے کہ میں ایک سا سمجھتا ہوں اُس کو :-

"جس کی مٹھیاں سیم و زر سے بھری ہیں اور جو گھوڑوں کا بہت سے خچروں اور گیہوں کے بڑے بڑے کھتوں کا مالک ہے —— اور اس کو جو صرف مناسب غذا، صاف لباس، ایک نوعمر بیوی اور دو اک بچے رکھتا ہے کیونکہ یہ بھی ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ عمر بھی اس کی اتنی زیادہ نہیں کہ یہ چیزیں اس کے لیے بے جوڑ ہوجائیں"۔

ایک اور جگہ لکھتا ہے :-

"دولت مجھے پسند ہی مگر نہ ایسی جو ناجائز ذریعوں
سے حاصل کی گئی ہو۔ کیوں کہ اس کا خمیازہ بھی،
دیر میں سہی، کبھی نہ کبھی ضرور بھگتنا پڑے گا۔"

اور یہ بالکل ممکن ہی کہ ٹُنک داری کے ساتھ ایک نیک آدمی ضروریات زندگی کی طرف بھی تھوڑی بہت توجہ کرے اگرچہ اسے تکلفات کی کچھ خواہش نہ ہو۔

سولَن کے زمانے میں ہسیود کے بقول "کام کرنا کوئی ذلت نہ تھا" نہ تجارت کوئی بری شے تھی بلکہ یہ پیشہ نہایت شریف سمجھا جاتا تھا کہ اس کی بدولت غیر ملکیوں کی اچھی چیزیں اپنے وطن میں لاتے تھے اور نئے نئے تجربے حاصل کرتے تھے۔ اور اسی لیے سوداگری بادشاہوں سے تقرب حاصل کرنے کا بھی ایک وسیلہ سمجھی جاتی تھی۔ بعض سوداگر بڑے بڑے شہروں کی بنیاد رکھتے تھے جیسے پروٹیس شہر مسیلیہ کا بانی جو نواح رھون[1] کے غالوں میں نہایت ہر دل عزیز تھا۔ بعضوں کا بیان ہی کہ جہندس بقراط اور طالیس حکیم بھی تجارت کرتے تھے۔ اور افلاطون اپنے سفر کا خرچ مصر میں تیل بیچ بیچ کر چلایا کرتا تھا۔

سولَن کی فیاضی اور مزاج کے حکیمانہ ہونے کے بجائے عام پسند شاعری کا سبب یہی بتاتے ہیں کہ وہ بہت دن تک تجارت کرتا رہا۔ کیوں کہ مصائب و آلام اٹھانے کے بعد یہ فطرت انسانی کا اقتضا ہی کہ پھر کچھ خوش دلی اور عشرت کے سامان چاہتی ہی۔ مگر یہ بات کہ وہ اپنے کو امیر نہیں سمجھتا تھا بلکہ معمولی آدمی شمار کرتا تھا اس کے شعروں سے

---

[1] رھون، فرانس کا مشہور دریا ہی۔ م

ظاہر ہے :-

"بعض شریروں کے پاس دولت ہے اور بعض
نیک آدمی خالی ہاتھ ہیں۔ اس دولت کے عوض ہم
اپنی نیکی نہ دیں گے کہ وہ قائم رہنے والی چیز ہے اور
دولت اپنے مالک بدلتی رہتی ہے"

اوّل اوّل سولنؔ ادنیٰ موضوعات پر شعر کہتا تھا اور اس کی شاعری صرف بیکاری کا مشغلہ تھی لیکن بعد میں وہ اخلاقی اور سیاسی مضامین بھی اس میں داخل کرنے لگا ۔ اور یہ محض بطور واقعہ نگاری کے نہیں بلکہ کبھی اپنے کاموں کی تائید میں کبھی اتھنزلوں کی اصلاح وتنبیہ میں اور کبھی انھیں عمدہ سے عمدہ کاموں پر اُبھارنے کے لیے ہوتی تھی ، بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے قوانین تک کو رزمیہ نظم میں لکھنا چاہتا تھا بلکہ اس نے اس طرح لکھنا بھی شروع کر دیا تھا :-

"اپنے آئین کے لیے مانگتے ہیں ہم بہ نیاز
برکتیں جو کی تو مخلوق کی داد اور اعزاز"

فلسفے میں ، اس زمانے کے اکثر حکما کی طرح ، سولن زیادہ زور اس اخلاق اور ان اطوار پر دیتا تھا جن کا تعلق ملک داری سے ہے۔ طبیعیات میں وہ سیدھی سادی پرانی ڈگر پر چلتا تھا جیسا کہ ذیل کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے :-

"یہ بادل بناتے ہیں برف اور اولے
چمکتی ہے بجلی اگر رعد بولے
سلامت روی ہے سمندر میں لیکن

ہوا چھیڑ دے گی تو لے گا جھکولے"

گمان غالب یہ ہے کہ فلسفے کو جس نے پہلے پہل روز مرہ کی باتوں سے اٹھاکر فکریات تک پہنچایا وہ طالیس ہے ورنہ اس وقت تک جو لوگ فلسفی کہلاتے تھے ان کی بڑی لیاقت، امورِ ملکداری میں بصیرت، ہوتی تھی۔ مشہور ہے کہ ان سب فلاسفہ کو شاہ پیریاندر نے دو دفعہ، پہلے ڈیلفی اور پھر کورنتھہ میں جمع کیا۔ اور ان ہی جلسوں میں وہ ایک دوسرے سے روشناس ہوئے تھے۔ لیکن ان کا شہرہ زیادہ اس وجہ سے ہوا کہ جب ان کے پاس ایک تپائی بھیجی گئی تو ہر ایک نے خود اس کا قضیہ چکانے سے انکار کیا۔ اور بکمال منکسر مزاجی سے کسی دوسرے ہم عصر کا نام لے دیا کہ اس کے پاس یہ معاملہ لے جاؤ۔ قصہ اس تپائی کا یہ تھا کہ ایک مرتبہ کورنتھہ کے ماہی گیر مچھلیاں پکڑنے کے لیے پانی میں جال ڈال رہے تھے چند ملیشی مسافر بھی وہاں آنکلے اور انھوں نے بن دیکھے قیمت لگادی کہ اس دفعہ جو کچھ جال میں آئے وہ ہمارا۔ جب جال کھینچا گیا تو اس میں ایک سونے کی تپائی نکلی، جسے شہر ٹروائے فتح ہونے کے بعد شہزادی ہیلن نے ایک قدیم پیشین گوئی کی یاد میں، یہاں ڈال دیا تھا، اب ملیشیون نے اس پر دعوےٰ کیا اور ماہی گیروں نے دینے سے انکار۔ یہ جھگڑا یہاں تک بڑھا کہ دونو شہروں میں مخالفت پیدا ہوگئی اور نوبت لڑائی کی پہنچی۔ اپالو دیوتا کے مندر سے آخر یہ فیصلہ ہوا کہ اس معاملے میں سب سے عقل مند شخص کو حکم بنایا جائے۔ چناں چہ اس کو ملطہ میں طالیس کے بھیجا گیا اور فریقین نے اپنا اپنا دعوےٰ پیش کیا لیکن طالیس نے حکیم بیاس کو اپنے سے

دانش مند بتایا اور وہ تپائی اُس کے پاس بھجوائی۔ اُس نے کسی اور کے پاس لے جانے کی سفارش کی اور اسی طرح پھرتے پھرتے وہ تپائی دوبارہ طالیس کے پاس آئی اور آخر ملطہ سے منتقل ہوکر شہر تھیبز پہنچی جہاں اس کو اپالو دیوتا کے مندر پر چڑھا دیا گیا۔ تھوفراس طوس لکھتا ہی کہ پہلے یہ تپائی بیاس کے سامنے آئی اور پھر ڈیلفی کے مندر پر چڑھی۔ بہر حال اس واقعے کو سب نے اسی طرح بیان کیا ہی البتہ تپائی کی بجائے بعض کہتے ہیں کہ وہ ایک طلائی پیالہ تھا جسے شاہ کریسیس نے تحفۃً بھیجا تھا۔ اور ایک قول یہ ہی کہ اسے بطی کلیس چھوڑ گیا تھا۔

کہتے ہیں سولن کی اناکارسس اور طالیس سے بڑی دوستی تھی۔ بعض روایتوں میں ان کی ملاقات اور مکالمت بھی منقول ہی۔ مثلاً مشہور ہی کہ اناکارسس نے ایتھنز آکر سولن کا دروازہ کھٹکھٹایا اور کہلا بھیجا کہ ایک پردیسی آپ کا مہمان اور دوست بننے کے لیے آپ کے گھر آنا چاہتا ہی۔ سولن نے کہا کہ دوستی کے لیے تو اپنا وطن ہی زیادہ مناسب ہوتا ہی۔ اناکارسس نے جواب دیا کہ "تم اپنے وطن میں ہو، تم ہی مجھے دوست بنالو۔" یہ حاضر جوابی دیکھ کر سولن بھی متعجب ہوا پھر بڑی مہربانی سے اپنے گھر لے جاکر اُسے مہمان رکھا اگرچہ اُن دنوں وہ ملکی معاملات اور قانون سازی میں منہمک تھا۔ اناکارسس نے اس کے قانون دیکھے اور اچھی طرح ان کا مطلب سمجھا تو ہنسنے لگا کہ سولن اپنے اہلِ وطن کی بددیانتی اور حرص قانون کے زور سے روکنا چاہتا ہی۔ حالانکہ یہ تحریریں تارِ عنکبوت کی طرح ہیں جن میں کمزور و محتاج ضرور پھنس

جائیں گے لیکن طاقت ور اور رُوپے والے انھیں جب چاہیں توڑ پھینکیں گے ، سولن نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا کہ لوگ عہد کی پابندی کرتے ہیں بشرطیکہ انھیں اس کے توڑنے میں کوئی فائدہ نظر نہ آئے - پس میں اپنے قوانین اس طرح وضع کروں گا کہ میرے اہلِ وطن اس بات کو اچھی طرح جان لیں کہ قانون شکنی سے کوئی فائدہ نہیں اور انصاف پر قائم رہنا ہی زیادہ اچھا ہے - لیکن سولن کی یہ امید بر نہ آئی بلکہ اناکارسس ہی کا قیاس ٹھیک نکلا ، اس نے ایک بار ؟ ایتھنز کی مجلس ملکی دیکھ کر یہ بھی کہا تھا کہ یونان میں بڑی حیرت کے لائق یہ بات ہے کہ یہاں عقلاء تقریر کرتے ہیں اور حمقا و فیصلے کرتے ہیں -

کہتے ہیں سولن، طالیس سے ملنے ملطہ گیا تھا اور اس کے پاس رہا تو یہ دیکھ کر متعجب ہوا کہ طالیس کو نہ شادی کی پروا ہے نہ اولاد کی خواہش - اس وقت تو طالیس نے اس کا کچھ جواب نہ دیا ، لیکن تھوڑے دن کے بعد ایک پردیسی کو سکھا پڑھا کے لایا جس نے جھوٹ موٹ بیان کیا کہ میں دس روز ہوے ایتھنز سے چلا آیا ہوں -جب سولن نے وہاں کی خیر خبر دریافت کی تو سکھانے کے مطابق کہا :- " اور تو کوئی تازہ خبر نہیں ہاں جب میں چلا ہوں تو ایک نوجوان کے جنازے کی تجہیز و تکفین میں سارا شہر شریک تھا - کیوں کہ لوگ کہتے تھے کہ وہ کسی نہایت معزز اور نیک سیرت شخص کا بیٹا تھا اور اور اس کا باپ وطن سے دور کہیں سیاحی پر گیا ہوا تھا " سولن نے کہا" وہ شخص بھی کتنا بدنصیب ہے ! مگر اس کے نام کی بھی خبر ہے کہ

گیا ہو؟" مخاطب نے جواب دیا" میں نے نام سنا تو تھا مگر افسوس
اس وقت ذہن میں محفوظ نہیں رہا۔ ہاں یہ مجھے یاد ہو کہ اس شخص کے
عدل و دانش کی بڑی تعریفیں ہوتی تھیں"۔ غرض اس قسم کے مبہم
اتے پتوں سے سولن کو رفتہ رفتہ سخت تردد پیدا ہوگیا اور آخر وہ نہ
رہ سکا اور اپنا نام لے کے پوچھنے لگا کہ "کہیں وہ سولن کا بیٹا تو
نہیں تھا؟" اور جب پردیسی نے کہا کہ ہاں اُس کے باپ کا یہی نام
تھا تو سولن رنج کے مارے سر و سینہ پیٹنے لگا اور جیسا کہ اکثر ہوتا ہو
شور و شیون کرنے لگا۔ تب طالیس نے اس کا ہاتھ تھاما اور مسکرا
کے کہنے لگا کہ "سولن یہی چیز مجھ کو تاہل سے روکتی ہو جس کی برداشت
تم جیسے مستقل مزاج شخص سے بھی نہ بن پڑی۔ مگر اس اطلاع پر کچھ
رنج نہ کرو یہ سب بناوٹی باتیں تھیں"۔ یہ روایت ہرمی پس نے
پاتکوس سے لی ہو جو اپنی نسبت یہ ڈینگیں مارا کرتا تھا کہ مجھ میں
ای سوپ کی روح حلول کر آئی ہو۔

لیکن اسباب آسایش کو اس لیے تلاش نہ کرنا کہ اگر وہ کھوگئے تو
رنج ہوگا، بے عقلی اور چھوٹے دل کی بات ہو۔ کیوں کہ پھر تو اسی
خدشے سے دولت عزت حکمت کوئی شے بھی حاصل کرنے کے لائق نہ
رہے گی۔ یہاں تک کہ نکوکاری بھی کہ دنیا میں بہترین پونجی ہو
بعض اوقات علالت یا ادویہ کے اثر سے بیکار ہوجاتی ہو۔ اور طالیس
نے اگر شاگردی نہیں کی تو کیا ہؤا اُسے وطن اعزا اور احباب کے
افکار تو لگے ہوں گے بجز اس کے کہ وہ ان سب سے بھی بے تعلق
ہوگیا ہو، حالانکہ ہمیں معلوم ہؤا ہو اُس نے اپنے بھانجے کی بس توس

کو اپنا متبنّےٰ بیٹا بنا لیا تھا۔

بات یہ ہے خود روح لطف و کرم کا جوہر رکھتی ہے اور جس طرح سوچنے سمجھنے اور یاد رکھنے کی قوت ہے اسی طرح محبت کرنا بھی اس کے خواص میں داخل ہے پس جب کسی کا کوئی نہیں ہوتا جسے وہ پیار کرے تو از خود کسی غیر کی طرف مائل ہو کر اس کا شیدائی ہو جاتا ہے۔ اور بیگانی چیزیں درکنار ناروا اشیا تک اس کی التفات کو اپنی جانب کھینچتی ہیں۔ جیسے لاوارث جائیدادوں پر غیر دخیل ہو جاتے ہیں۔ پھر محبت ہی کے ساتھ تشویش و افکار آتے ہیں یہاں تک کہ ایسے لوگ جو توالد و تناسل کو بہت برے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، اکثر انھیں لونڈی غلاموں کے بچّے کی بیماری یا موت پر آنسو بہاتے اور کڑھتے دیکھا ہے۔ بعض کتے بلّی کی موت پر رنج کے مارے بے قرار ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ بہت سے خدا کے بندے ایسے بھی ہیں جو اپنے ہونہار بچّوں کی موت کا رنج مردانہ وار برداشت کرتے ہیں اور ہوش و دانائی کے ساتھ باقی عمر گزار دیتے ہیں، درحقیقت یہ محبت نہیں کمزوری ہے جو بے عقلوں کو تقدیری امور پر اس طرح بے قرار اور ایسی اذیّت و کرب میں مُبتلا کر دیتی ہے جس سے اُنھیں لحظہ بھر چین نہ ملے۔ ایسے لوگوں کی خوشی کو پامال کر دینے کے لیے تو محض آیندہ نقصان کا اندیشہ ہی کافی ہے۔ ہمیں ہرگز روا نہیں کہ دولت کے نقصان کے ڈر میں مفلسی کو پسند کریں یا لاولد رہ جانے کے خوف سے شادی ہی نہ کریں۔ بلکہ یہ نقصانات ہمیشہ ضبط اور عقل کے ساتھ برداشت کرنے چاہئیں۔ لیکن یہ بحث اتنی ہی کافی ہے۔

اب سنو کہ جس زمانے میں ایتھنز والے جزیرۂ سلامیس کے لیے اہل مگارا سے لڑتے لڑتے تھک گئے اور دشمنوں کا کچھ نہ بگاڑ سکے تو انھوں نے قانون بنایا کہ جو کوئی اب ایتھنز کو سلامیس پر قبضہ حاصل کرنے کی بذریعے تقریر یا تحریر ترغیب دے تو اُس کو سزائے موت دی جائے۔ اس بُزدلی پر سولن نہایت ناراض ہوا۔ اور یہ دیکھ کر، کہ ناراض تو اور بھی بہت سے نوجوان ہیں۔ لیکن قانون کے خوف سے ہاتھ پانو ہلاتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ اس نے اپنے آپ کو دیوانہ بنالیا۔ اور خود اس کے خاندان والوں نے شہر میں مشہور کردیا کہ اس کا دل اُلٹ گیا ہے۔ اس کے بعد اُس نے ایک مرثیہ لکھ کر اُسے حفظ کرلیا تاکہ سناتے وقت یہ معلوم ہو کہ ابھی فی البدیہہ کہا ہے۔ پھر ہاتھ میں ٹوپی لے کے چوک میں دوڑنے لگا اور جب بہت سے لوگ ارد گرد جمع ہو گئے تو ایک اونچی جگہ چڑھ کے اس نے اپنا مرثیہ پڑھنا شروع کیا۔ جس کا مطلع یہ تھا:-

"ہے پیاری سلامیس نے تم تک مجھے بھیجا
اور شعر مرے دیں گے تمھیں واں کا سندیسا"

نظم کا نام بھی "سلامیس" تھا۔ اس میں نہایت پُرلطف و پراثر، کل سَنو شعر تھے۔ جب یہ نظم گائی گئی تو سولن کے احباب نے اس کو بڑی داد دی۔ خصوصاً پی سس ٹراٹس نے شہر والوں کو بہت ابھارا کہ شاعر کی پیروی کریں۔ اور نتیجہ اس جوش و خروش کا یہ ہُوا کہ پہلا قانون منسوخ و مسترد ہوگیا اور سولن کی ماتحتی میں از سرِنو جنگ چھڑ گئی۔ اس کے بعد عام روایت یہ ہے کہ وہ پی سس ٹراٹس کے ہمراہ

مقام کولیاس تک جہاز میں آیا - یہاں گانو کی رسم کے مطابق بہت سی عورتیں سیرس دیوی پر قربانیاں چڑھانے جمع تھیں - ان کو دیکھ کر سولن کو یہ چال سوجھی کہ اپنا ایک خاص دوست سلامیس بھیجا، جس نے ظاہر کیا کہ وہ ایتھنز والوں سے بگڑ کر چلا آیا ہو ساتھ ہی اُنھیں اُکسایا کہ اگر ایتھنز کی ذی مرتبہ امیر زادیوں کو گرفتار کرنا چاہو تو ایسے میں وہ سب کولیاس پر جمع ہیں میرے ساتھ چلو تو آسانی سے اُن کو پکڑوائے دیتا ہوں' مگاریوں نے یہ سُن کر ایک جہاز میں فوج روانہ کی - اُدھر سولن نے جہاز کو آتے دیکھ کر عورتوں کو تو اسی دم وہاں سے روانہ کر دیا اور ان کی جگہ بے ڈاڑھی مونچھ کے چند نوجوانوں کو زنانہ لباس پہنا کر وہاں ناچنے گانے کا حکم دیا۔ اُن کے پاس خنجر بھی چھپے ہوئے تھے اور ہدایت یہ تھی کہ جب تک دشمن جہاز سے اُتر نہ آئیں اُس وقت تک وہ ساحل سے جانے کا ارادہ نہ کریں - غرض ایسی ایسی ترکیبوں سے مگاری چکمے میں آگئے اور ہر شخص اچھے سے اچھا شکار خود حاصل کرنے کے شوق میں بہ عجلت ساحل پر کودا اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سب پکڑے گئے اور اس کے بعد سولن جہاز لے کر سلامیس پر جا چڑھا اور مقام مذکور کو بہ آسانی فتح کر لیا۔

دوسری روایت یہ ہو کہ سلامیس کی تسخیر اس طرح عمل میں نہیں آئی بلکہ سب سے پہلے سولن کو ڈیلفی سے استخارے کے جواب میں یہ پیغام ملا کہ :

"جاؤ پہلے اپنے اُن مردانِ نامی کو مناؤ
غرب رؤ، سوتے ہیں جو سپیہ کی خاک پاک پر

اُن کی استرضا میں بھینٹ ابھی سے ابھی تم چڑھاؤ"

اس پر سولن راتوں رات جزیرہ سلامیس کی طرف جہازوں میں چل پڑا۔ سب سے پہلے تو اُس نے پی ری فی مس اور سکریوس سورماؤں کے نام کی قربانیاں چڑھائیں اور اس کے بعد پانچ سو رضاکار اپنے ساتھ کے لیے چھانٹے (ایک قانون کے ذریعے یہ بھی طے کرالیا کہ جو لوگ سلامیس کو فتح کریں گے، حکومت میں سب سے ممتاز مرتبہ انھیں دیا جائے گا) نیز ماہی گیروں کے کچھ ڈونگے اور چند تیس چپّو والی کشتیاں لے کر خلیج سلامیس میں مقام نیسی کے مقابل جا اُترا۔ مگاریوں کو جس وقت یہ خبر کچھ غلط کچھ صحیح پہنچی تو اُنھوں نے جلدی جلدی ہتھیار لگانے شروع کیے اور ایک جہاز کو بھی بھیجا کہ دشمن کی خبر لائے۔ یہ جہاز سولن کے ہاتھ پڑگیا اور اس نے مگاریوں کو محبوس کرکے ان کی جگہ اپنے آدمی اس جہاز پر مقرر کردیے۔ اُنھیں حکم دیا کہ جس قدر ممکن ہو خفیہ خفیہ جزیرے کی طرف بڑھیں اور خود اپنے سپاہیوں کو خشکی کی طرف سے لے جاکر مگاریوں سے لڑائی شروع کردی۔ عین اس وقت جب یہ دونو فوجیں ایک دوسری سے مصروف جنگ تھیں۔ وہ لوگ جو جہاز میں تھے بے روک ٹوک شہر تک پہنچ گئے اور اس پر بآسانی قابض ہوگئے۔

اس روایت کی تصدیق اس رسم سے بھی، جو بعد میں منائی جاتی رہی، ہوتی ہے:۔ یعنی ایک ایتھنزی جہاز بہت خاموشی اور اخفا کے ساتھ جزیرے کی طرف کھیا جاتا پھر اس کے ہتھیار بند سوار یک بارگی غل شور مچاتے ہوئے کود کود کے زمین پر اُترتے اور ایک نعرہ لگاکر راس کرادیمہ کی جانب دوڑتے اور خشکی کی طرف کے آنے والوں سے

اس جگہ آن کر مل جاتے تھے۔

علاوہ بریں اسی راس پر سولن نے مریخ دیوتا کے نام پر ایک مندر تعمیر کیا ہو کیوں کہ مگادیوں کو شکست دینے والا وہی ہو۔ اور اسی نے جو شکست خوردہ بچ نکلے تھے، ان کو خاص خاص شرائط پر امان دی تھی۔

لیکن اس کے بعد بھی لڑائی ہوتی رہی اور چونکہ فریقین کافی نقصان اٹھا چکے تھے۔ اس لیے انھوں نے اسپارٹا والوں کو اپنا پنچ بنایا مشہور ہو کہ جب یہ معاملہ پنچایت میں آیا تو سولن نے ہومر کے چند شعر برمحل پڑھ کر ان کے اثر سے بہت فایدہ اٹھایا۔ ان شعروں میں اس نے تھوڑا سا تصرف کرکے یہ بیت بھی اپنی طرف سے اضافہ کردی تھی :-

"اُدھر آن پہنچا بہادر اجاز
سلامیس سے لے کے بارہ جہاز
جوانوں کی اپنے جمائیں صفیں
جہاں فوجِ ایتھنز تھی جنگ میں!"

مگر ایتھنز والے اس روایت کو صحیح نہیں مانتے۔ اُن کا بیان ہو کہ سولن نے پنچوں پر یہ بات واضح کردی کہ اس جزیرے کو اس کے اصلی وارث، یعنی اجاز (یا اجاکس) کے بیٹے ہمیں دے چکے ہیں ان دونو کو اس کے بدلے میں ایتھنز کے شہری حقوق دیے گئے اور وہ اسی ریاست میں آباد ہوئے۔ موضع فلیدی بھی ان کو ملا تھا بلکہ بڑے بھائی فلیوس ہی کے نام پر یہ گانو موسوم ہوا (پی سس ٹراٹس

اسی جگہ کا باشندہ تھا، پھر سولن نے مگاریوں کے خلاف ایک دلیل یہ پیش کی کہ یہ اپنے مُردوں کو ایتھنز والوں کی طرح غروب رُو دفن کرنے لگے حالانکہ پہلے شرق رُو دفن کرتے تھے۔ لیکن ہیریاس مگاری نے اس دلیل کو جھٹلایا ہو۔ اس کا بیان ہو کہ ہم ہمیشہ مغرب کی طرف کروٹ لواکر مُردے دفن کرتے ہیں۔ البتہ ایتھنزیوں کے مانند ہر ایک نعش کے لیے الگ قبر نہیں بناتے بلکہ دو دو تین تین ایک قبر میں رکھ دیتے ہیں لیکن اپالو کے بعض الہامی اقوال نے بھی جن میں سلامیس کو "آی اونی" کہا گیا ہو۔ سولن کی بہت کچھ تائید کی۔ اس معاملے میں ہپکی داس، کرتیولای دس وغیرہ اسپارٹہ کے پانچ آدمی پنچ تھے۔

اس واقعے نے سولن کو بہت مشہور و با رسوخ کر دیا۔ اور جب اس نے ایک اور بین الاقوام جھگڑے میں ڈیلفی کے الہامی اقوال کی حمایت کی تو سارے یونان میں وہ نام آور ہوگیا اور اسی کی صلاح پر ڈیلفی کی وفاقی انجمن نے کِرایھہ والوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے جو وہاں کے مندر کو ناپاک کرنا چاہتے تھے۔ اس کی تصدیق ارسطو کے اس بیان سے ہوتی ہو جس میں اُس نے پتھیا کے کھیل جیتنے والوں کے نام گنوائے ہیں۔ لیکن اس لڑائی میں سولن نے سپہ سالاری نہیں کی تھی جیسا کہ ہرمی پس نے لکھا ہو۔ کیوں کہ مشہور خطیب اسکائی نس نے اس کا ذکر نہیں کیا اور ڈیلفی کے رجسٹروں میں بھی اس کے بجائے اس مہم کا سردار الکمیون کو لکھا ہو۔

ایتھنز کی اندرونی حالت اس زمانے میں کچھ اچھی نہ تھی کیلون کا پُرانا جھگڑا جو مگاکلس کے زمانے سے چلا اب تک چلا آتا تھا۔ کیلون اور اس کے ساتھی ایک سخت جرم کر کے منروا دیوی کے

مندر میں گھس گئے تھے۔ حاکم وقت مگاکلس نے انھیں بہلا پھسلا کر مندر کے باہر بلایا اور کہا کہ تم کو مارا نہیں جائے گا بلکہ مقدمہ عدالت میں پیش ہوگا۔ اس پر کیلون اور اس کے ساتھیوں نے ایک ڈورا منروا دیوی کی مورت سے باندھا اور اس کا ایک سرا ہاتھ میں پکڑے پکڑے مندر کے باہر آئے مگر عدالت تک پہنچنے سے پہلے یہ ڈورا از خود بیچ میں سے ٹوٹ گیا۔ اس سے مگاکلس وغیرہ نے یہ نتیجہ نکالا کہ دیوی نے ان کو اپنی حفاظت میں رکھنے سے گویا انکار کر دیا ہو۔ پس وہ سب کے سب گرفتار اور سنگ سار کر دیے گئے۔ جو دوبارہ بھاگ کر مندر میں گھسے انھیں خاص قربان گاہ پر تلوار کے گھاٹ اتارا گیا اور صرف وہ لوگ بچ گئے، جنھوں نے حکام عدالت کی بیویوں کی پناہ لی۔ لیکن بعد میں انھیں بھی نجس سمجھا جانے لگا۔ آگے چل کر کیلون کی یہی جماعت زور پکڑ گئی اور انھوں نے مگاکلس کے رشتے داروں سے جھگڑے فساد کرنے شروع کیے۔

یہ جھگڑے اس وقت جب کا ہم ذکر کر رہے ہیں، اپنے عروج پر تھے اور ان کی بدولت شہر والوں کی کئی ٹکڑیاں ہوگئی تھیں۔ سولن اپنی نام آوری کی وجہ سے اس میں پڑا اور اس نے ایتھنز کے اکابر کو بیچ میں ڈال کر ان جھگڑوں کا اس طرح تصفیہ کرنا چاہا کہ تمام حکام عدالت جن پر "توہین مذہب" کا الزام لگایا جاتا تھا، انھیں اس بات پر رضامند کر لیا کہ وہ تین سو اشرافوں کی عدالت میں اپنی صفائی پیش کر دیں۔ جب اس قرار داد کے مطابق مقدمہ پیش ہوا اور فلیہ کا ایک شخص میراں ان کے خلاف پیروکاری کے لیے کھڑا ہوا تو آخر میں وہ سب توہین مذہب کے مجرم پائے گئے اور جلاوطنی کا حکم صادر ہوا بلکہ جو لوگ ان میں سے مر چکے تھے ان کی لاشیں

تک قبروں میں سے کھدوا کر حدود مملکت کے باہر پھنکوا دی گئیں ، عین اس عالم میں کہ ایتھنز ان خانگی مناقشوں میں پھنسا ہوا تھا، مگارا والوں نے ان پر حملہ کیا اور نیسی اور سلامیس دوبارہ چھین لیے ۔ مزید براں خود شہر میں عجیب عجیب آسیب لوگوں کو نظر آنے لگے اور ان کے اوہام کو پجاریوں نے یہ کہہ کر اور بڑھا دیا کہ دیوتاؤں پر قربانیاں چڑھانے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی آج کل ناخوش ہیں اور ہمیں مبتلائے مصیبت سمجھتے ہیں اور جب تک ان کا کفارہ نہ کیا جائے عذاب کم نہ ہوگا ، تب اہل شہر نے کریٹ سے اپی منی دس کو بلوایا اور جو لوگ پریان در کو شامل نہیں کرتے ان کے نزدیک اپی منی دس یونان کے عقلائے سبعہ میں ساتواں عاقل ہے ۔ معلوم ہوتا ہے اُسے عام طور پر دیوتاؤں کا محبوب سمجھا جاتا تھا کیونکہ مافوق العادت اور مذہبی امور میں اس کی واقفیت مسلّم تھی ۔ اسی وجہ سے اس کے معاصر اُسے بلتہ پری کا بیٹا اور کوریس ثانی بھی کہتے تھے ۔
جب وہ ایتھنز آیا اور یہاں سولن سے اس کی شناسائی ہوگئی تو اُس نے سولن کو بہت مدد دی اور اس کے قوانین کے لیے راستہ تیار کردیا ۔ وہاں پوجا پاٹ میں اس نے آسانیاں پیدا کردیں اور وہاں کے لوگ موتی کا جس طرح سوگ مناتے تھے اور خصوصاً عورتوں سے جو وحشیانہ رسمیں کرائی جاتی تھیں ان کی تخفیف کچھ قربانیاں بڑھا کر کردی ۔ لیکن سب سے مفید کام اس نے یہ کیا کہ شہر کی صفائی اور تطہیر آگ اور روشنی سے کرائی ساتھ ہی بہت سی دینی عمارتوں کی بنیاد رکھی تاکہ لوگوں میں اخلاص و اتحاد بڑھے اور وہ عدل و انصاف کی قدر کرنا سیکھیں ، سُنا ہے منروا کی عمارت کو دیر تک غور سے دیکھنے کے بعد جو لوگ آس پاس کھڑے تھے ، اُن سے اُس نے کہا کہ :

"آدمی بھی مستقبل سمجھنے میں کس قدر اندھا ہوتا ہو۔ اگر ایتھنز ہی پہلے سے جان لیتے کہ یہ عمارت ان کے شہر میں کیا کیا آفتیں کھڑی کرے گی تو وہ اُس کو دانتوں سے توڑتے مگر قائم نہ رہنے دیتے" ایک اسی قسم کا خیال طالیس سے منسوب ہو۔ کہتے ہیں اُس نے اپنے دوستوں سے وصیت کی تھی کہ مجھے ملطہ کے بڑے سے بڑے اور کسی گم نام کونے میں دفن کر دینا۔ کیونکہ اس مقام کے دن بھی کبھی نہ کبھی پھریں گے اور وہاں ایک زمانے میں ملطہ والوں کے بازار لگا کریں گے۔

اپی منی دس کی ایتھنز میں بڑی عزت اور توقیر ہوئی۔ اور شہر کی طرف سے اسے نہایت بیش قیمت ہدیے پیش کیے گئے۔ اس نے درخواست کی کہ ایک شاخ مقدس زیتون کی مجھے بطور تحفہ مل جائے اور جب وہ مل گئی تو پھر وہ اپنے وطن لوٹ گیا۔

جب یہ کیلون کی شورش رفع دفع ہوگئی اور گنہ گار شہر بدر ہو چکے تو ریاست ایتھنز میں پھر وہی سیاسی اختلافات شروع ہو گئے۔ پہاڑی علاقے کے لوگ دستوری طریق حکومت کے طرف دار تھے۔ میدانی امرا کی حکومت کو ترجیح دیتے تھے اور ساحلی دونو کے بین بین تھے اور پہلی دونو جماعتوں کے سدراہ ہو جاتے تھے۔ اس کے سوا دولت مندوں اور مفلسوں کا باہمی فرق بھی انتہا درجے پر تھا۔ اور ان سب اختلافات نے شہر کی حالت اس درجے مخدوش کر دی تھی کہ سوائے شخصی اور مطلق العنان حکومت کے اس کا حل ہوتا نظر نہ آتا تھا۔ دولت مندوں کے قرض سے کوئی شخص بچا ہوا نہ تھا۔ اور یہ سب مقروض تھے یا تو اپنے قرض خواہوں کی زمین جوتتے اور ایک سدس ادا کرتے رہتے اور یا قرض میں اپنا جسم تک مکفول

کر دیتے یہ گویا قرض خواہ کو اختیار دیتا تھا کہ وہ جب چاہے انھیں اپنا غلام بنالے یا کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دے۔ بعض اوقات وہ انھیں اولاد بیچنے پر (جو قانوناً ممنوع نہ تھا) مجبور کرتا۔ اور ان ہی زیادتیوں سے عاجز آکر بہت سے مقروض گھر چھوڑ چھوڑ کے بھاگ جاتے لیکن جب نوبت یہاں تک پہنچی تو ان میں بہت سے جی دار اٹھ کھڑے اور ایک دوسرے کو ابھارنے لگے کہ اپنا ایک سردار منتخب کر کے ان مظالم کا سدباب کریں اور اپنے مقروض بھائیوں کو چھڑا کر ایک نئی حکومت قائم اور زمینوں کو از سرِ نو تقسیم کریں۔

اس وقت ایتھنز کے عقلا نے سولن کو مجبور کیا کہ وہ ان کے باہمی جھگڑے چکائے اور ملک کو تباہی سے بچائے؛ چونکہ سولن متنازعین میں سے کسی فرقے میں بھی نہ تھا۔ نہ وہ کسی کا قرض دار تھا نہ قرض خواہ اس لیے سب نے اس کو اپنا حکم منتخب کیا۔ اور اگرچہ فی نیاس بہ وثوق کہتا ہو کہ سولن نے ملک کو بچانے کی خاطر اپنی اپنی جگہ ہر فریق کو بہلا دیا تھا کہ وہ ان کے حسب منشا فیصلہ کر دے گا، لیکن خود سولن کا بیان اس کے خلاف ہو۔ وہ کہتا ہو کہ میں مال داروں کے غرور اور فریق ثانی کی حرص سے اس قدر اندیشہ مند تھا کہ اول اول اُن کے معاملات میں ہاتھ ڈالتے جھجکتا تھا۔ بہر کیف فلم بروٹس کے بعد وہ امیر منتخب ہوا اور پھر اسے ثالثی اور قانون سازی کے اختیارات دیے گئے۔ مال داروں نے اُس کو یوں منظور کیا کہ وہ خود خوش حال تھا اور غریبوں نے اس لیے ترجیح دی کہ وہ حق پسند اور دیانت دار تھا، اس کے انتخاب کے وقت خود اُس کا یہ قول لوگوں میں زبان زد تھا کہ "اگر ہر شی ہموار ہو

تو کوئی جھگڑا نہیں پیدا ہو سکتا" اس قول نے دونو فرقوں کو خوش کر دیا تھا۔ دولت مند تو اس کے یہ معنی لیتے تھے کہ ہر ایک کو اپنا اپنا حصہ ملنا چاہیے اور دوسرے اس کا مطلب یہ سمجھتے تھے کہ ہر شخص کو مساوی حصہ ملنا چاہیے، فریقین کی ایسی ایسی توقعات تھیں جب انھوں نے سولن پر زور دیا کہ حکومت اپنے ہاتھ میں لے اور پھر اپنی منشا کے مطابق جس طرح مناسب سمجھے معاملات کی درستی کرے۔ عوام الناس تو اس ڈر سے کہ قانون اور معقولیت بھی حالات موجودہ میں کارگر نہیں ہوگی، تیار تھے کہ کوئی دانا اور انصاف پسند شخص ان پر بادشاہت کرے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ سولن کے پاس ڈیلفی سے یہ فتویٰ آگیا تھا کہ :-

"جہازِ ملک کی پتوار ہاتھ میں لے لے
بہت اہالی ایتھنز ساتھ ہیں تیرے"

لیکن سب سے زیادہ سولن کو اس کے دوستوں نے ملامت کی کہ بادشاہی حاصل کرنے کا ایسا اچھا موقع چھوڑے دیتا ہو۔ حالانکہ جب وہ حاکم با اختیار منتخب کر لیا گیا تو پھر کیوں نہیں خطاب بادشاہی کا اعلان کر دیتا۔ جس کا اسے قانوناً بھی حق ہو گیا ہو، اس سے پہلے جزیرہ یوبا میں ٹینوڈس کو حاکم بنا کے وہاں والے یہ تماشا دیکھ چکے تھے اور اسی طرح کی واردات ہی تلین میں گزری تھی جہاں پٹاکوس کو بادشاہ بنا لیا گیا تھا۔ لیکن اس قسم کی کوئی مثال یا تحریص سولن کو صراط مستقیم سے نہ ڈگمگا سکی۔ بلکہ سنا ہو، اس نے کہا تو یہی کہ اگرچہ بادشاہی ایک دلکش طلسم ہو لیکن جو اس میں پھنس جاتا ہو پھر وہ کبھی باہر نہیں نکل سکتا۔ سولن نے اپنی منظوم بیاض میں بھی فوکوس کے نام یہ شعر

لکھے ہیں :-

"رکھا مُلک کو اپنے آزاد میں نے
نہ جایز رکھا غصب و بیداد میں نے
پشیمان کیوں ہوں، یقیں ہی بڑھے گی
نہ کی نیک نامی جو برباد میں نے!"

ان شعروں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہی کہ سولن اپنی قانون سازی سے قبل ہی مشہور اور نام ور آدمی تھا۔ اُس نے اپنے شعروں میں اُس تمسخر کا بھی ذکر کیا ہی جو اُس کے دوست بادشاہی نہ لے لینے پر کیا کرتے تھے۔ وہ جس طرح اُس کا خاکہ اُڑاتے تھے اس کو ان لفظوں میں نقل کیا ہی :-

"خیالی ہی، خبطی ہی، احمق ہی سولن
خدا داد دولت کو ٹھکرا رہا ہی
بھرا جال مچھلی سے بوجھل سمجھ کر
اسے کھینچنے یک سے گھبرا رہا ہی
مجھے کھال ہی اپنی کھنچنی گوارا
گھڑی بھر اگر مُلک ہاتھ آرہا ہی"

لیکن اگرچہ حکم رانی حاصل کرنے سے سولن نے انکار کیا تاہم اس معاملے میں وہ بالکل ہی نرم اور طاقت وروں کے ہاتھ میں موم کی ناک نہ تھا۔ نہ اُس نے اپنے قوانین میں ان کی کوئی رُو رعایت کی، جنھوں نے اس کو منتخب کیا تھا۔ جو چیز کہ پہلے سے اچھی تھی اُس کو اس نے بجنسہ اپنی حالت پر رہنے دیا۔ اور اس خیال سے

کہ کہیں ع "دھبا رہے کپڑے پہ نہ کپڑا باقی"
سخت اصلاحیں نہیں کیں۔ اور اس اندیشے سے کہ کہیں نظام سلطنت میں کوئی بڑا انقلاب پیدا کرنے کے بعد ایسی خرابیاں اٹھ کھڑی ہوں جو پھر اس کے قابو کی نہ رہیں۔ اور جو کچھ بُرا بھلا اس وقت ہی اس سے اور ابتر حالت ہو جائے، اس نے جتنی اصلاحیں کیں وہ سب ایسی تھیں جن پر، اس کے نزدیک، سلیم الطبع لوگ ترغیب سے اور سرکش جبر سے عمل کر سکتے تھے جیسا کہ وہ خود کہتا ہی :- ع

"لیا کام ایک ہی یاں زور اور انصاف، دونو سے"

تب ہی، جب اُس سے پوچھا گیا کہ "کیا تم نے جو قوانین بنائے وہ ایتھنز کے لیے بہترین دستور العمل ہیں؟" تو اُس نے جواب دیا:-
"بے شک بہتر سے بہتر دستور العمل جو وہ قبول کر سکتے تھے۔"

ایتھنز والوں میں جو طریقہ رائج ہی کہ وہ عیوب کو ایسے ناموں سے جن میں ذم کا پہلو نہ ہو جیسے کسبیوں کو ڈیرے دار (مسٹریس) خراج کو زر رسوم، جیل خانے کو بڑا گھر (چیمبر) کہ کے مخاطب کرنے لگتے ہیں شاید یہ تدبیر بھی **سولن** ہی نے شروع میں ایجاد کی تھی اور قرضوں کی تنسیخ کا نام "سی سکتھیا" یعنی گلو خلاصی یا سبک دوشی رکھا تھا۔ اور یہی کام سب سے پہلے اس نے کیا کہ جو قرضے باقی تھے ان کو معاف کرا کے آیندہ کے لیے اپنی ذات کو مکفول کرنے کی قطعی ممانعت کر دی۔ اگرچہ بعض لوگ جیسے **انڈروشن** بہ یقین کہتے ہیں کہ قرضوں کی تنسیخ عمل میں نہیں آئی تھی بلکہ صرف سود گھٹا دیا گیا تھا، جس سے لوگ نہایت خوش ہوئے اور انھوں نے اس نفع رسانی کا نام "سی سک تھیا" رکھا اور

اُن مفید اصلاحوں کو بھی جن کی رُو سے اُن کے اوزان اور سکّے کی قیمت بڑھ گئی تھی، اسی نام سے یاد کرنے لگے۔ چنانچہ اشرفی کو اُس نے تہتّر درہموں کے بجائے سو درہموں کا سکّہ معین کیا جس کی وجہ سے دَین داروں کو بہت سہولت ہوگئی کیوں کہ قرض اگر دو اشرفی (یا ڈیڑھ سو درہم) کا تھا تو نئے حساب کی رُو سے، اب وہ ڈیڑھ اشرفی سے بے باق ہوسکتا تھا۔ لیکن کثرت رائے اس طرف ہی کہ "سی سک تھیا" قرضوں کی تنسیخ کامل ہی کا نام ہو۔ یہی اس کے اُن شعروں سے بھی ظاہر ہوتا ہی جہاں وہ بہ فخر بیان کرتا ہو کہ:-

"وہ سنگ[1] کفالت کہ چھائے ہوئے تھے
پیاری زمیں کو چھپائے ہوئے تھے
یہ سِل اُس کے سینے سے میں نے اُٹھائی
دلائی غلامی سے اُس کو رہائی"

اور جو لوگ اسی قرضے کی بلا میں آزادی سے ہاتھ دھو چکے تھے انھیں سولن نے دور دور سے بلوایا، ان کی غریب الوطنی کا حال لکھا ہی:-

"رہے اتنے دن دور اپنے وطن سے
کہ اپنی زباں تک کو وہ بھول بیٹھے"

بہت سے خود ایتھنز میں ایسے لوگ اُس نے آزاد کرائے:

---

[1] کفالت ناموں کے بجائے یونان میں دستور تھا کہ پتھر کھیتوں میں یا مکانات میں گاڑ دیتے تھے اور ان پر قرض کی شرائط وغیرہ درج ہوتی تھیں۔ اسے انگریزی میں مارٹگیج سٹون سے ترجمہ کیا ہو۔ جس کے لفظی معنی سنگ کفالت کے ہوں گے۔ مترجم

(ع) "مشقت غلامی کی جو سہ رہے تھے"

جس زمانے میں سولن یہ قاعدے تیار کر رہا تھا ایک نہایت ناگوار واقعہ پیش آیا۔ یعنی جب وہ قرضوں کی تنسیخ کا ارادہ کرنے کے بعد اس کے نفاذ کی ترکیبیں سوچ رہا تھا تو اس نے اپنے تین دوستوں کونن، کلی نیاس اور ہپونی کوس سے جن پر اس کو پورا بھروسہ اور اطمینان تھا، تذکرۃً یہ کہہ دیا کہ میں اراضی کی تقسیم و تعیین کے جھگڑوں میں نہیں پڑوں گا بلکہ صرف قرضوں کے بار سے لوگوں کو سبک دوش کردوں گا۔ یہ سن کر اس کے دوستوں نے اس اطلاع سے فایدہ اٹھایا اور بہت سا روپیہ قرض لے کر زمینیں خرید لیں۔ اور جب قانون نافذ ہوگیا تو زمینیں ان کی ہوگئیں اور قرض کی ادائی سے وہ قانوناً چھوٹ گئے۔ اس واقعے نے سولن کو سخت بدنام کیا۔ اگرچہ وہ بےچارہ خود دھوکے میں آگیا تھا مگر لوگوں نے یہی شبہ کیا کہ اس کے ایما سے ایسا ہوا ہے۔ لیکن یہ بدگمانی رفع ہوگئی جب اس نے خود اپنا دیا ہوا روپیہ اپنے مقروض پر حسب قانون چھوڑ دیا۔ یہ رقم بعضوں نے پانچ ٹیلنٹ[1] (ایک طلائی سکہ) اور بعض نے پندرہ ٹیلنٹ تک بتائی ہے، مگر وہ تینوں دوست اس واقعے کے بعد سے مدۃ العمر "خیریو کپڈی" یعنی نادہند کہلائے۔

اس قانون نے ہر فریق کو ناخوش کر دیا۔ مال داروں کو تو شکوہ اپنے روپے جانے کا تھا مگر ناداروں کی شکایت یہ تھی کہ زمین کو کیوں نہ برابر تقسیم کرایا گیا جیسا کہ لکرگس نے اپنے قوانین میں کیا تھا۔ بے شبہ

---

[1] جو ہمارے ساڑھے تین ہزار روپے کے مساوی ہوتا ہے۔ م

لگرگس اپنی مملکت میں امن و حفاظت کے ساتھ امیر و غریب میں مساوات قائم رکھنے میں کامیاب ہوگیا تھا لیکن یہ کامیابی بہ آسانی حاصل نہ ہوئی تھی۔ اول تو وہ ہرکیولز کی گیارھویں پشت میں ہوتا تھا اور اسپارٹہ میں سالہا سال حکومت کرنے کے بعد اس قدر صاحب قوت اور مشہور ہو چکا تھا کہ اُس نے بہ زور اپنا منشا پورا کرلیا گو اس کشمکش میں کئی لڑائیاں لڑنی پڑیں، حتے کہ اس کی ایک آنکھ انھیں جھگڑوں میں جاتی رہی، بے چارے سولن میں اتنا بوتہ نہ تھا۔ وہ متوسط طبقے کا معمولی شہری تھا، تاہم اُس نے جو کچھ کیا وہ اپنی قوت سے بڑھ کر تھا۔ کیوں کہ اس کا جو کچھ زور تھا وہ اتنا کہ لوگ اُسے اچھا سمجھتے تھے اور اس کی قدر کرتے تھے مگر اس کے قوانین نے اُن کی اس مہر و محبت کو بھی متنغیر کردیا۔ اس لیے کہ وہ ان کی توقع کے موافق نہ تھے۔ سولن خود ان الفاظ میں اس کا ذکر کرتا ہی:۔

"وہ رکھتے تھے مجھ سے امیدیں بڑی
بہت شیخیاں ہانکتے تھے میری
ہوئیں جب نہ پوری تو سب پھر گئے
وہی دوست کرتے ہیں اب دشمنی

پھر آگے چل کر کہتا ہی کہ اگر یہی اختیارات میری جگہ کسی اور کو حاصل ہو جاتے تو:۔ ؎

"یہ ممکن نہ تھا صبر سے کام لے
ملائی ملے اور وہ چھوڑ دے"

غنیمت ہی کہ آخرکار یہ لوگ "قوانین سولن" کے قائل ہوگئے۔

اور اُنھوں نے خود غرضی اور باہمی منافرت کو خیرباد کہ کے سارے شہر کی جانب سے قربانی چڑھائی اور اس رسم کو بھی "سی سک تھیا" موسوم کیا۔ پھر انھوں نے بالاتفاق سولن کو حکومت کی اصلاح پر مقرر کیا اور اسے قانون سازی کے ساتھ پورا پورا اختیار دیا کہ عدالتوں، مجلسوں اور دوسرے محکموں کی جس طرح مناسب ہو از سرِنو تنظیم کرے اور ان کی تعداد، طریقِ عمل میں اصلاح کے علاوہ، جس آئین یا ادائی کو چاہے جاری رکھے اور جس کو چاہے توڑ دے۔

جب سولن کو اتنے اختیارات ملے تو سب سے پہلے اُس نے "قوانین ڈریکو[1]" منسوخ کیے۔ بجز اس قانون کے جو قتلِ عمد سے متعلق تھا۔ کیوں کہ وہ بہت سخت تھے اور ان میں خفیف جرائم کے لیے موت کی سزا تھی حتےٰ کہ سستی اور کاہلی کے مجرم بھی قابلِ دار شمار کیے گئے تھے۔ اور معمولی گاجر کے چوروں کے لیے بھی قتل یا توہینِ مذہب کرنے والوں کے برابر سزا مقرر تھی۔ اسی پر زمانۂ مابعد میں دمادس نے یہ پرمعنی بات کہی تھی کہ "ڈریکو نے روشنائی کے بجاے اپنے قوانین، خون سے تحریر کیے ہیں" خود بنانے والے سے جب دریافت کیا گیا کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کی تم نے اتنی سزا کیوں مقرر کی تو اُس نے جواب دیا کہ "یہ خفیف جرائم سزاے موت ہی کے مستحق ہیں، اور رہے بڑے جرم، تو ان کی سزا موت اس مجبوری سے مقرر کی گئی کہ کوئی اور بڑی سزا ہو نہ سکتی تھی۔

اس کے بعد سولن نے اس خیال سے کہ تعزیری عدالت اُمرا کے

---

[1] ایتھنز کا سب سے پہلا مقنن۔ جس کے قوانین کی سختی آج تک ضرب المثل ہو۔ مترجم

ہاتھ میں رہے لیکن حکومت کے اور شعبوں میں عوام الناس کا دخل ہو، سب کی جائداووں کی جانچ پڑتال کی اور انھیں، جو خشک و تر میوے کے پانچ سو پیمانے کی آمدنی رکھتے تھے، پہلے گروہ (پنٹاکوسی) میں رکھا۔ دوسرے گروہ میں وہ لوگ تھے جنھیں ایک گھوڑے کے رکھنے کا مقدور تھا یا تین سو پیمانے کی آمدنی تھی۔ تیسرے گروہ کا نام جو دو سو پیمانے کی آمدنی رکھتے تھے، زیوگیٹا تھا اور باقی سب کے سب تھیٹس یعنی عہدہ داری کے ناقابل لوگ تھے۔ مگر ٹکی انجمن میں پنچ بن سکتے تھے۔ اول اول تو یہ حق بہت بے حقیقت معلوم ہوتا تھا لیکن بعد میں ثابت ہوا کہ یہ بہت بڑی چیز ہو اور وہ قریب قریب ہر معاملے میں پنچ کی حیثیت سے حصہ لے سکتے ہیں یہاں تک کہ حاکم اعلیٰ (آرکن) کے فیصلوں کا مرافعہ بھی انجمن مذکور میں ہوسکتا تھا۔ مزید برآں سولن نے ان قوانین کو لکھا بھی تھا اس قدر پیچیدہ کہ اس کی دقتیں اور منشا سمجھنے کے لیے انجمن اور عدالتوں ہی سے چارہ جوئی کرنی پڑتی تھی اور وہی اختلاف رائے کی صورت میں حکم ہوتے تھے۔ جس سے انھیں قانون پر بڑا اختیار حاصل ہوگیا تھا۔ اسی کے بارے میں اس نے خود لکھا ہو:-

"عوام الناس کو میں نے وہ قوت دی جو پہلے انھیں حاصل نہ تھی۔ اسی طرح میرے مشورے نے دولت مندوں کو بے آبروی سے بچایا۔ میں ان دونو کے بیچ میں ایک مضبوط سپر بن گیا اور اس بات کا موقعہ نہ دیا کہ کوئی ایک دوسرے کے حقوق کو ہاتھ نہ لگا سکے"

کمزور غریبوں کے مزید تحفظ کے واسطے، اُس نے ضرر رسانی کے خلاف چارہ جوئی کرنے کی، عام اجازت دے دی۔ یعنی کوئی پٹے ضرب کھائے یا اور کسی زیادتی کا شکار ہو، تو ہر شخص جو مقدمہ چلانا چاہے اور اس کی قابلیت رکھتا ہو، ملزم پر نالش کرسکتا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ اعضائے جسمانی کی طرح ہر شخص اپنے بھائی کی تکلیف سے متاثر اور برافروختہ ہو۔ اس اصول کی خوبی میں اُس کا ایک مقولہ مشہور ہے؛ جب اس سے کسی نے پوچھا کہ بہترین منتظم شہر کون سا ہے: تو اُس نے جواب دیا، "وہ جس میں ظلم سے محفوظ رہنے والے بھی، ظالم کو سزا دلانے میں اتنی ہی سرگرمی دکھائیں جتنی کہ خود ظلم رسیدہ"

جب سولن نے حکام اعلیٰ کی پنچایت قائم کی جو "اریوپاگس" کے نام سے مشہور ہے اور جس میں وہ خود بھی ایک رکن تھا، تو اس کے ساتھ ہی عوام الناس کے لیے جو قرض سے چھٹکارا پاکر بیکار اور بے سرے سے ہوگئے تھے، چار سو ارکان کی ایک اور جماعت بھی اُس نے ترتیب دی۔ اس میں ہر چہار فرقوں کے سو سو آدمی شریک ہوتے تھے اور اس کا کام یہ تھا کہ ان تمام معاملات کی جانچ کرے جو صدر مجلس میں پیش ہونے والے ہوں، انھیں دونو مجلسوں کو سولن جہاز مملکت کے لنگر سمجھتا تھا جو طوفانی سے طوفانی زمانے میں توازن قائم رکھنے کے لیے کافی تھے، مجلس آریوپاگس کے متعلق عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اس کا بانی سولن ہے۔ اس کی تصدیق یوں ہوتی ہے کہ ڈریکو اپنے مجموعۂ قوانین میں اس کا کہیں ذکر نہیں کرتا بلکہ خون کے مقدمات کو افیٹؔ[1] کے متعلق کرتا ہے

[1] یہ خاص مجسٹریٹوں کا نام معلوم ہوتا ہے۔ م

مگر خود سولن کے تیرھویں باب کی آٹھویں دفعہ کی عبارت بلفظہ یہ ہے:-
"سولن کی حکومت سے پہلے جو لوگ ملکی حقوق سے محروم کردیے گئے تھے انھیں وہ حقوق واپس دے دیے جائیں۔ سوائے ان کے جو قتل یا بغاوت کے جرم میں شاہانِ پریٹینم یا افیٹ یا اریوپاگس کے حکم سے جلاوطن کیے گئے ہوں۔ اور قانون ہذا کے وقت تک جلاوطنی کے عالم میں ہوں" ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مجلس قوانین سولن کے قبل موجود تھی اگر موجود نہ ہوتی اور سولن ہی نے اس کی بنیاد رکھی ہو تو اس کے قوانین سے پہلے وہ کسی کو سزا جزا کیسے دے سکتی تھی؟ البتہ اس تحریر میں ممکن ہے کوئی لفظ اڑ گیا ہو یا سیاق عبارت کے نقص سے معنی میں الجھن پیدا ہوگئی ہو اور اصل مدعا کچھ اس قبیل کا ہو کہ:-
"۔۔۔ وہ مجرم جو ان جرایم کی پاداش میں سزایاب ہوئے ہوں، جو، اس قانون کے نفاذ کے وقت، "پریٹین، افیٹ، یا اریوپاگس کی دست اندازی اور سماعت میں داخل ہو" ۔۔۔ اب بھی اپنے حقوق سے محروم رہیں گے وغیرہ۔ اب پڑھنے والے کو اختیار ہے اپنے طور پر جو درست سمجھے قیاس کرے۔

قوانین سولن میں یہ قانون بالکل انوکھا بلکہ حیرت انگیز ہے کہ ہر وہ شخص جو کسی سیاسی شورش یا بغاوت میں غیر جانب دار رہے ملکی حقوق سے محروم کردیا جائے! اس سے معلوم ہوتا ہے سولن اس کے بہت خلاف تھا کہ کوئی شخص امن عام کی طرف سے بے حس اور بے خبر رہے اور ذاتی معاملات میں اس قدر انہماک رکھے کہ دین دنیا سے بے پروا ہوجائے بلکہ آپ زندم جہان زندم، پر فخر کرے کہ مجھے ملک کی شورش و اضطراب

سے کوئی واسطہ نہیں ہی۔ حالانکہ سولن کے نزدیک ہر شہری کا فرض ہی کہ وہ حق کی حمایت پر کمربستہ ہو اور حق داروں کے لیے لڑے، نہ یہ کہ بیچ کے الگ کھڑا ہو جائے اور اطمینان سے سیر دیکھے کہ ان میں غالب کون آتا ہی۔

سولن کا یہ قانون کہ، اگر کسی جایداد کی وارثہ کا شوہر نامرد ہو، تو وہ اس کے قریب ترین رشتہ دار سے تعلقات زنا شوئی قائم کرے، نہایت بیہودہ نظر آتا ہی لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اُن لوگوں کی روک ہی جو اپنا نقص جاننے کے باوجود جایداد کی خاطر مال دار بیویاں کر لیتے ہیں۔ اور اس طرح قوانین ملکی سے فائدہ اٹھاکر قانون فطرت کے خلاف کام کرتے ہیں۔ پس یا تو وہ اس حرکت سے باز رہیں گے یا اپنی طمع اور قانون شکنی کے عوض بے آبروئی اور ذلت برداشت کریں گے، اُدھر اس کے قریب ترین عزیز کی شرط لگانے سے یہ فایدہ ہی کہ اس عورت سے جو بچّے ہوں وہ اسی برائے نام شوہر کے خاندان سے ہوں گے۔

اسی قبیل کا دوسرا قانون یہ ہی کہ دولھا دلھن حجرۂ عروسی میں بند کیے جائیں اور دونو مل کر ایک ہی کھائیں۔ نیز ہر شوہر لازمی طور پر ہر مہینے میں تین دفعہ اپنی دولت مند بیوی کے پاس جائے۔ کیونکہ اگر اولاد نہ ہو تب بھی یہ ایسا اظہارِ محبت و احترام ہی جس کی ہر خوش اطوار و پارسا بیوی حق دار ہی۔ دوسرے یہ پابندی سارے چھوٹے موٹے جھگڑوں کو رفع کر دیتی ہی اور ان میں کسی سخت ناچاقی یا قطع تعلق کی نوبت نہیں آنے دیتی۔

شادیوں میں جہیز دینے کی سولن نے ممانعت کر دی۔ دلھن کو

تین جوڑے کپڑوں اور تھوڑے سے سامان خانہ داری کے سوا کچھ نہ ملتا تھا۔ کیوں کہ مقنّن کے نزدیک شادیوں کی بنیاد محض اخلاص و محبت پر اور بقائے نسل کے واسطے ہونی چاہیے نہ کہ دولت و مال کے لیے؛ جب شاہ ڈیونی سیوس کی ماں نے اس سے فرمائش کی کہ میری شادی اپنی رعایا میں کسی کے ساتھ کرا دے تو اس نے جواب دیا کہ "بے شک میں نے مطلق العنانی حاصل کرکے اپنے ملکی قوانین کو توڑ ڈالا لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک بے جوڑ شادی کرا کے قوانین قدرت کی بھی خلاف ورزی کروں" درحقیقت یہ بے قاعدگی کسی قومی حکومت میں روا نہیں رکھی جاسکتی۔ نہ ایسی بے جوڑ اور محبت سے خالی شادیوں کا کوئی فایدہ یا نتیجہ ہے۔ پس عجب کیا ہے اگر کوئی عقل مند حاکم یا مقنّن، بڈھے کو جوان عمر بیوی کرتے دیکھ کر، وہی فقرہ کہہ دے جو تماشے میں فلاک ٹے ٹس پر کسا جاتا ہے: ع

"بجا ہے! آپ کی صورت بھی شادی ہی کے لایق ہے"

یا وہ اگر کسی نو عمر آدمی کو کہن سال و مال دار عورت کا شوہر دیکھے جس پر مادہ تیتر کی طرح اپنے شوہر کی جگہ مٹاپا چڑھا جاتا ہو، تو اُسے رہائی دلا کر جوڑ والی کے ساتھ بیاہ دے؛ بس اس مضمون پر اتنا کافی ہے۔

سولن کا ایک اور قابل تعریف قانون وہ ہے جس میں مرے ہوئے لوگوں کی برائی کرنے کی ممانعت ہے۔ کیوں کہ مردوں کی عزت ثواب ہے اور جو گزر چکے، ان سے جھگڑے نکالنے ناروا ہیں۔ اس کے علاوہ عین حکمت عملی ہے کہ جس نے فساد اٹھایا ہو وہ اس کے مرنے کے بعد قائم نہ رہے اور دائمی اختلافات رک جائیں۔

سولن نے معبد اور عدالت کے محافظین اور

سرکاری عہدہ داروں کی برائی کرنا بھی ممنوع کر دیا اور خلاف ورزی کی سزا پانچ درہم جرمانہ مقرر کی جن میں سے تین درہم تو جس کی برائی ہوئی اُسے ملتے اور دو بیت المال میں داخل کر لیے جاتے۔ اصل یہ ہی کہ طبیعت پر کسی وقت بھی قابو نہ رکھ سکنا کمزوری اور بُری تربیت کی علامت ہی، اس کے ساتھ ہی ہمیشہ اعتدال دکھانا بھی مشکل اور بعضوں کے لیے ناممکن ہی اور اگر مقنن یہ چاہتا ہو کہ سزا، بجائے اس کے کہ بہتوں کو بے فائدہ ملے، صرف چند کو دی جائے جس کی غایت ان کی اصلاح ہو، تو اس کے قوانین میں تمام امکانات پر نظر ہونی چاہیے۔ سولن اپنے قانون وصیت کے سبب بھی بہت سراہا جاتا ہی۔ اس کی سب سے پہلے اُسی نے اجازت دی ورنہ کوئی وصیت کرنے کا مجاز نہ تھا اور متوفی کا سارا مال متاع اس کے خاندان میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ لیکن سولن نے لاولد اشخاص کو اختیار دیا کہ وہ جس کے نام چاہیں اپنی دولت ہبہ کر دیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہی کہ مقنّن دوستی کو رشتہ داری پر، اور محبت و موانست کو رسمی پابندیوں پر، بدرجہا فائق رکھتا ہی۔ نیز ہر شخص کی جائداد کو حقیقی معنوں میں اس کی ملکیت بنانا چاہتا ہی۔ لیکن سولن نے یہ اختیار غیر مشروط نہیں رکھا اور نہ وہ ایسی وصیتوں کو جائز کرتا ہی جو طیش و غضب جبر و قید خرفتگی یا بیماری کے عالم میں زوجہ کی ترغیب و التجا پر لکھی گئی ہوں۔ اس پابندی کی وجہ جو اس نے سوچی نہایت معقول تھی یعنی برائی کی ترغیب دینا اتنا ہی ناجائز ہی جتنا کہ زبردستی برائی کا ارتکاب کرانا۔ اور فریب و مجبوری، خوشامد و جبر میں ذرا ہی سا فرق ہی، کیوں کہ ہر دو عقل و انصاف کو معطّل کر سکتے ہیں۔

اُس نے سیر تفریح، عورتوں کے سوگ اور شادی غمی کے بھی قاعدے باندھے اور تمام نامناسب یا خلاف حیا حرکتیں ممنوع کر دیں۔ باہر جاتے وقت تین کپڑوں سے زیادہ پہننے کی کسی کو اجازت نہ تھی نہ ایک اوبل[1] سے زیادہ کوئی گوشت و شراب پر خرچ کر سکتی تھی نہ ایک ہاتھ[2] سے اونچی ٹوکری رکھ سکتی تھی۔ راتوں کو گھر سے نکلنے کی بھی ممانعت تھی البتہ وہ چرٹ میں مشعل کے ساتھ جا سکتی تھیں، موتیٰ پر اس قدر نالہ و شیون کرنا کہ دوسروں کو ترس آئے یا ایک کی نعش پر دوسرے مرے ہوؤں کو یاد کر کے بین کرنا، سولن نے ممنوع قرار دیا۔ قبر پر بیل کی قربانی چڑھانا جایز نہ تھا نہ تدفین میں تین کپڑوں سے زیادہ لگائے جا سکتے تھے نہ کوئی عورت زیارت قبور کر سکتی تھی۔ اپنے عزیزوں کی قبر پر بھی وہ دفن کرتے وقت کے سوائے نہیں جا سکتی تھی۔ تقریباً یہ سب وہی بندشیں ہیں جو ہمارے قوانین نے اب تک بحال رکھی ہیں البتہ ہمارے ہاں اتنی تصریح برمزید ہے کہ ایسی خطاکار عورتیں جو نالہ و ماتم میں جائز حدود سے نکل جاتی ہیں، سزا بھی بہت ہلکی اور نرم پاتی ہیں۔ اور ان سے احتساب کے واسطے بھی عورتیں ہی مقرر ہیں۔

یہ دیکھ کر کہ اٹی کا[3] میں چاروں طرف سے امن پسند لوگ آ آ کے بس رہے ہیں اور خود شہر کی آبادی بڑھنی چاہیے اور زمین کے غیر زرخیز اور بنجریلے ہونے کے علاوہ تجارت درآمد بھی مسدود ہے کیوں کہ باہر کے سوداگروں کو یہاں کوئی دساور اپنی جنس کے بدلے میں میسر نہیں آتی،

---

[1] ایک قدیم یونانی سکہ، ہماری دوانی سے کچھ ہی کم قیمت سمجھنا چاہیے۔ م [2] ہاتھ، کیوبٹ کا مرادف ہے۔ م [3] وہ علاقہ جس کا مرکزِ حکومت ایتھنز تھا۔ مترجم

سولن نے اپنے لوگوں کو تجارت کی طرف متوجہ کیا۔ اور یہ قانون وضع کیا کہ اگر کوئی باپ اپنی اولاد کو کسی پیشے کی تعلیم نہ دے تو اولاد پر بھی والدین کی خدمت گزاری اور امداد لازم نہیں۔

اس میں شک نہیں لکرگس نے تمام اسپارٹہ والوں کو سپاہی بنادیا تھا اور اتنا علاقہ گھیر کر، جس میں یوری پڈیز کے بقول "دُگنے تگنے آدمی اور سما سکتے تھے" اس کا دروازہ تمام پردیسیوں پر بند کردیا تھا، ساتھ ہی مزدوروں کی ایک علٰحدہ جماعت اس لیے بسالی تھی کہ اسپارٹہ کی ساری ضروریات پوری کرے اور سخت سے سخت محنت اٹھاکر اپنا پیٹ پالے۔ اس طرح اس کے تمام شہری بالکل بے فکر ہو گئے تھے اور اطمینان کے ساتھ صرف فن جنگ میں اپنے کو منہمک رکھتے تھے لیکن سولن نے ایسا نہیں کیا کہ وقتی حالات کو کھینچ تان کے اپنے قانون کے مطابق بناتا بلکہ اس نے خود قانون کو وقتی حالات کے مناسب وضع کیا اس کے ماسوا اپنی زمینوں کو اس نے دیکھا کہ نہایت ناقص اور کمزور ہیں ان میں صرف زراعت کرکے اس قدر کثیر آبادی اپنا پیٹ نہیں پال سکتی اور نہ یہ سب نکمے اور بے فکرے لوگ اس پیشے پر گزران کر سکتے ہیں۔ پس اس نے تجارت کو چمکانے کی کوشش کی اور اریوپاگس کے ارکان پر فرض کردیا کہ وہ ہر شخص کے طرز معاش کی نگرانی کریں اور نکموں کو سرزنش دیں۔

مگر اس سے بھی سخت یہ قانون تھا کہ (یون ٹی کوس کے الفاظ میں) بے نکاحی ماں کا (حرامی) بیٹا اپنے باپ کی کوئی مدد کرنے پر مجبور نہ ہو کیوں کہ ازدواج قانونی سے بچنے والا، اولاد کے لیے عورت

نہیں کرتا بلکہ محض لذاتِ نفسانی کے واسطے۔ پس یہ عین انصاف ہی کہ وہ اس فائدے سے محروم رہے جو اولاد سے باپ کو پہنچنا چاہیے خصوصاً ایسی حالت میں کہ اس کی وجہ سے خود اس کی اولاد کی پیدائش ذلیل اور موجب عار ہوگئی ہو۔

سولن کے وہ قوانین جو عورتوں کے بارے میں اس نے مرتب کیے عموماً بہت عجیب ہیں۔ ایک طرف تو وہ ہر شخص کو اختیار دیتا ہی کہ کسی کو زنا کرتے دیکھے تو خود قتل کر ڈالے۔ دوسری طرف زنا بالجبر کی سزا اُس نے صرف سو درہم جرمانہ مقرر کی ہی اور عورت کو زنا پر پھسلانے کا جرمانہ بیس درہم رکھا ہی۔ لیکن اس سے رنڈیاں مستثنیٰ ہیں جو علانیہ عصمت فروشی کرتی ہیں اور کھلے بندوں اس کا معاوضہ لیتی ہیں۔ بیٹی یا بہن کو فروخت کرنا ناجائز تھا۔ لیکن اگر وہ شادی ہونے سے پہلے بے حیا ہوں تو بیچ سکتے تھے۔ اب غور کیا جائے تو یہ نہایت نامعقول بات ہی کہ کبھی تو ایک جرم کی سزا اس قدر سخت ہو اور کبھی اتنی ہلکی۔ کبھی تو وہ اتنا سنگین سمجھا جائے کہ آدمی کی جان اس کا کفارہ ہو اور کبھی وہی فعل ایک دل لگی اور سو پچاس درہم جرمانہ اس کی کافی سزا رہ جائے یہ البتہ ممکن ہی کہ اس زمانے میں ایتھنز پر اتنی مفلسی چھائی ہوئی ہو کہ یہ چند سکّے تاوان بھرنے نہایت شدید سزا سمجھے جاتے ہوں۔ نذر نیاز میں ایک بشل[1] غلہ اور ایک بکری کی حیثیت مساوی سمجھی جاتی تھی، قیمت بھی دونو کی ایک درہم برابر تھی۔

خاکنائے (کورنتھ) کی نمائشوں میں جو جیتتا اس کا انعام سو درہم

---

[1] بشل من کے قریب قریب ایک پیمانہ ہی۔ مترجم

مقرر تھا اور اولمپیا کے ظفرمند (کرتبی)، کو پان سو درہم دیے جاتے۔ بھیڑیا مار کے لانے والے کا انعام پانچ درہم اور اس کے بچے پہ ایک درہم ملتا تھا، ڈِمِٹرِیَس اور فلےرِیان کا بیان ہو کہ یہ ایک بکری کی قیمت تھی اور بھیڑیے پر جو انعام تھا وہ بیل کی قیمت کے برابر تھا۔ سولن کے سولھویں تختے میں جو انعام درندوں پر مقرر ہیں وہ بہت زیادہ ہیں اور ہونے ہی چاہئیں پھر بھی موجودہ زمانے سے ان کی مقدار گھٹی ہوئی ہو۔ بھیڑیوں کے اہلِ ایتھنز خاص طور پہ شروع سے دشمن تھے۔ کیوں کہ ان کے میدان کھیتوں سے زیادہ چراگاہوں کے لیے موزوں تھے، ایتھنز کے قبائل کے بارے میں بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ ان کے نام اِئیون کی اولاد کے ناموں پر نہ تھے بلکہ اپنے پیشوں کے مطابق رکھے گئے تھے چنانچہ سپاہی پیشہ ہپلیٹ، اہلِ حرفہ ارگیڈ، کہلاتے تھے اور باقی دو میں کسان جی ڈیون ٹس اور چرواہے اور گڈریے ایجی کورس کے نام سے مشہور ہوئے۔

ملک میں دریا جھیلیں اور بڑے چشمے کم تھے زیادہ تر کنوؤں پر گزران تھی، لہٰذا ان کے برتنے کے متعلق یہ قانون تھا کہ جس جگہ سرکاری کنویں کھدے ہوئے تھے اس کے گرد یعنی نصف میل تک بسنے والے اس سے پانی کھینچ سکتے تھے۔ اور جو اس فاصلے سے باہر تھے اُن کو خود اپنا کنُواں بنانا ہوتا تھا۔ البتہ اگر دس فیتم[2] کھودنے پر بھی پانی نہ مل سکے تو انھیں اجازت تھی کہ اپنے ہمسایوں سے،

---

[1] یونان میں مقررہ اوقات پر تماشیں اور کرتب دکھانے والوں کے اکھاڑے جمتے تھے۔ ان میں اولمپی خاکنائے کے کھیل خصوصاً مشہور ہیں۔ مترجم [2] یہ ایک گز کی برابر کا پیمانہ ہوتا ہو۔ م

ساڑھے چار گیلن (تقریباً ستائیس سیر) پانی یومیہ لے لیں۔ دراصل سولن اپنے ہم وطنوں کی حاجتیں پوری کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ لیکن نکمے پن اور سستی کا روادار نہ تھا۔

اس نے باغبانی کے قواعد میں بڑی ہشیاری برتی ہو چنانچہ جو شخص نیا درخت نصب کرے اس کے لیے قانون تھا کہ اپنے ہمسائے کے کھیت سے کم از کم پونے دو گز پرے ہو مگر کھجور اور زیتون کے لیے تین گز کا فاصلہ چھوڑنا ضروری تھا۔ کیوں کہ ان درختوں کی جڑیں زیادہ دور تک پھیلتی ہیں اور بعض درختوں کو ان کے پاس ہونے سے بہت نقصان پہنچتا ہو۔ یہ ان کی ساری غذا خود کھا جاتے ہیں اور بعض اوقات اپنے انجرات کی وجہ سے سخت مضر ہوتے ہیں۔ گڑھا یا نالی کھودنے کے لیے ضروری تھا کہ برابر والے کھیت سے اتنے فاصلے پر رکھے جائیں، جتنی کہ ان کی گہرائی ہو۔ اور شہد کی مکھیاں پالنی ہوں تو دوسرے کے پلاؤ چھتوں سے سو گز کے فاصلے پر نیا چھتا بنا سکتے تھے۔

سولن نے تیل کے سوائے کوئی دوسرا میوہ غیر ملکوں میں دساور بھیجنے کی اجازت نہیں دی تھی اور اس کی خلاف ورزی پر والئی شہر مجرم کے ملعون ہونے کا فتویٰ دیتا تھا ورنہ خود اسے مجرم کی طرف سے سو درہم جرمانہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ یہ قانون سولن کے پہلے تختے پر مرقوم ہو اور یہ قطعی تردید ہو اُن لوگوں کی جو یقین نہیں کرتے کہ کھجور کی تجارت برآمد ایک زمانے میں ناجائز تھی یا چھپے چوری بیچنے والوں کی مخبری، "سائی کوفن سی"[1] کہلاتی تھی۔

---

[1] اس لفظ کے آج کل معنی خوشامد کے آتے ہیں لیکن لفظی معنی "کھجور دکھانے" کے ہیں۔ م

اس نے جانوروں سے چوٹ لگنے کے بارے میں بھی قانون بنایا اس کی رُو سے اگر کسی کا کتا دوسرے کے کاٹ کھائے تو مالک اپنے کتے کی گردن میں ڈیڑھ گز کی لکڑیاں باندھ کر شخص گزیدہ کے حوالے کردے - واقعی آدمی کی حفاظت کی یہ بہت عمدہ تدبیر ہو ، پردیسیوں کے آبسنے کے قانون میں بہت سی گنجلکیں ہیں ۔ متقنن صرف ان کو آزاد شہری بننے کا حق دیتا ہو جنھیں اپنے وطن سے عمر بھر کو دیس نکالا ملا ہو یا جو اپنے سارے کنبے سمیت تجارت کی غرض سے ایتھنز میں آبسیں۔ اس کا مطلب غیرملکیوں کی آمد روکنا نہیں بلکہ اُنھیں ملکی حقوق سے مستقل طور پر متمتع ہونے کی ترغیب ہو ۔ اس کے علاوہ سولن نے یہ بھی سوچا ہوگا کہ اچھے اور وفادار شہری وہی غیرملکی بن سکتے ہیں جو اپنے گھروں سے نکال دیے گئے ہوں ، یا اپنی خوشی سے ترک وطن کر آئیں۔

سرکاری ضیافتوں کے بارے میں بھی اس کا قانون نرالا ہو۔ ان عام محفلوں میں جو شخص بار بار آے یا جو دعوت قبول نہ کرے مستوجب سزا تھا۔ کیوں کہ سولن کے نزدیک پہلا شخص حریص ہو اور دوسرا حکومت کی تحقیر کرتا ہو۔

سولن نے اپنے قوانین سو برس کے لیے بنائے اور انھیں چوبی تختوں پر لکھوایا۔ ان کو اکسونے کہتے تھے اور یہ ٹوٹ کر مستطیل صندوقوں میں رکھے جا سکتے تھے۔ میرے زمانے میں ان کی گلی سڑی باقیات ، پری ٹنم یعنی ایتھنز کے ایوان عام میں موجود تھیں۔ انھیں کا نام ارسطو نے سیربس بتایا ہو اور کراتی نوس شاعر کے ناٹک میں بھی ان کا ذکر آیا ہو ۔

"سولن اور ڈریکو کے وہ سیربس جو خاص طرح
ایک دال کی ہنڈیا کا ایندھن بن سکتے ہیں"

لیکن بعض مصنفوں کا خیال یہ ہے کہ سیربس صرف اُن قوانین کے تختوں کو کہتے ہیں، جن میں رسوم مذہبی یا قربانیوں وغیرہ کا ذکر ہے۔ ورنہ باقی سب کا نام "اکسونے" ہے۔

مجلس ملکی نے ان قوانین کی پابندی کرنے کا متفقہ حلف اٹھایا۔ باقی اور سب نے فرداً فرداً بیچ منڈی میں جو پتھر گڑا تھا وہاں قسمیں کھائیں کہ اگر ہم ان قوانین کو توڑیں گے تو اس کے کفارے میں اپنی برابر سونے کا بت ڈیلفی پر چڑھائیں گے۔

سولن نے بے قاعدہ قمری مہینوں میں بھی ردّ و بدل کی۔ اُس نے دیکھا کہ چاند سورج کے ساتھ ساتھ طلوع و غروب نہیں ہوتا بلکہ اکثر اس کے برابر آکے اسی دن آگے ہوجاتا ہے۔ اسی قِران کے دن کو اس نے ماہ نو کی پہلی تاریخ مقرر کیا، اور بیس تاریخ کے بعد جو دن قِران سے پہلے آتے ہیں انھیں وہ "پُرانے دن" کہتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی نے سب سے پہلے ہومر کا مصرعہ "ماہ کا اوّل ماہ کا آخر" سمجھا۔

جب سولن کا مجموعۂ قوانین مرتب اور نافذ ہوگیا تو اس کے پاس روز لوگ آنے شروع ہوئے، کوئی تعریف کرتا اور کوئی اس کے قوانین کے نقص بیان کرتا ایک کہتا یہ بات اس میں سے گھٹا دو، دوسرا کہتا یہ نکتہ تم سے رہ گیا اس کو بڑھا دو۔ بہت سے ایسے نقاد بھی آتے جو عبارت کی پیچیدگیوں کی شکایت کرتے اور اس سے بعض دفعات کی

تشریح چاہتے ۔ سولن نے دیکھا کہ یہ فرمائشیں فضول ہیں اور انکار کرتے رہنے سے بھی لوگ ناخوش ہوتے ہیں ، تب وہ بہت زِچ ہُوا ، اور اس پریشانی اور طرح طرح کی تعریض و جرح سے بچنے کے لیے کیونکہ خود اسی کے بقول

"بڑے معاملات میں ہر جماعت کو خوش رکھنا"

تقریباً محال ہے ، اُس نے سیاحی کے بہانے ایک تجارتی کشتی خریدی اور دس سال کی رخصت لے کر باہر چلا گیا ۔ اس اثنا میں اسے امید تھی کہ کہ میرے قوانین بخوبی لوگوں کے دل نشین ہو جائیں گے ۔

سولن کا پہلا سفر مصر کا تھا ۔ جہاں ، جیسا کہ خود لکھتا ہے ، وہ "خوبصورت بحرِ روم کے ساحل پہ نیل کے کنارے" رہتا تھا ۔ اُس نے یہاں سنوخنس باشندۂ ہیلوپولس اور علمائے دین میں سب سے بڑے فاضل سون کیس سے کچھ دن درس لیا ۔ افلاطون کا بیان ہے کہ شخص آخر ہی سے اس نے "اٹلانٹک" (ایک منظوم قصّے کا نام ہے) کی داستان سیکھی تھی اور منظوم کر کے یونانیوں کے علم میں لانا چاہتا تھا ۔ مصر سے وہ جزیرۂ قبرص گیا ۔ یہاں کے ایک رئیس فلوکپ رس نے اس کی بہت آؤ بھگت کی ۔ یہ رئیس دریائے کلیریس کے کنارے ایک شہر میں رہتا تھا جسے تھی سس کے بیٹے دموفون نے تعمیر کیا تھا ۔ شہر کے مضبوط اور جنگی لحاظ سے باموقع ہونے میں شک نہیں ، لیکن اس میں گنجائش بہت کم تھی اور راستہ بھی نہایت دشوار گزار واقع ہوا تھا ، سولن نے فلوکپ رس کو آمادہ کیا کہ وہ اس کے بجائے نیچے کے فراخ میدان میں ایک نیا اور وسیع تر شہر بنائے ،

اس کے بننے اور آباد ہونے تک خود سولن وہاں ٹھیرا رہا اور جنگی استحکامات اور اسباب آسایش درست کرنے میں اس سے بہت امداد ملی چنانچہ یہ شہر بھی ایسا بنا کہ ہر سمت سے لوگ اس میں بسنے کے لیے اُمنڈ آئے اور دوسرے بادشاہوں نے بھی اسی نمونے پر شہر بنانے شروع کیے اسی شکرگزاری میں نیا شہر اصلی نام (اِپیا کے بجائے رئیس کے حکم سے سولی (سولن سے) موسوم کیا جانے لگا سولن نے اپنے مرثیوں میں ایک جگہ فلوکپ رس سے خطاب اور نئے شہر کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :-

"تختِ شہی پہ تو رہے، عمر تری دراز ہو
تیرے ہی نام و نسل سے "سولی" کو امتیاز ہو
آج جہاز تا ہوں میں تیرے گمن جزیرے سے
بامراد وہ مجھے بھیجے یہاں خدا کرے
پھولے پھلے سدا ترے عہد میں شہرِ نو، تمہا
اس کو ترقیاں نصیب مجھ کو بخیر لوٹنا"

سولن کی شاہ کریسس سے ملاقات اور گفتگو کا واقعہ بعضوں کے نزدیک سنین تاریخ سے درست نہیں نکلتا۔ لیکن میں تو محض اس پرانی تقویم کے سبب سے جس میں ہزار ہا کوششوں کے باوجود بیسیوں اختلافات اور الجھنیں اب تک موجود ہیں، اس مشہور و مصدق بیان کو غلط نہیں مان سکتا، دراتیاً بھی وہ سولن کی بلند خیالی، دانائی اور طبیعت کے عین مطابق ہے۔ یہ حکایت یوں ہے کہ جب سولن، کریسس کے بلانے پر اس کے دربار میں پہنچا تو اس کی یہ حالت ہوئی جیسے

کوئی اندرون ملک کا رہنے والا اول ہی اول سمندر کو دیکھے یعنی جس طرح ایسا شخص ہر بڑے دریا کو سمندر تصوّر کرتا ہو اسی طرح سولن بھی درباری ایوان سے گزرتے وقت وہاں کے امیروں کے زرین لباس اور خدم وحشم کو دیکھ کر ہر ایک کو سمجھتا جاتا تھا کہ بادشاہ یہی ہوگا ، حتّٰی کہ وہ خاص کریسس تک آپہنچا جو کہ دنیا کا بہترین اور قیمتی سے قیمتی سے لباس جواہر نگار پہنے بیٹھا تھا۔ اس کے گرد نفائس وجواہرات کا دریا لہریں مار رہا تھا اور اس کے تجمّل و احتشام کو بڑھا رہا تھا۔ سولن اس سارے کارخانے کو دیکھتا بھالتا آگے آیا اس نے بادشاہ کے خلاف توقع اسباب عشرت و گراں بہا سامان کی ذرا بھی داد نہ دی نہ وہ اس سے کچھ مرعوب ہُوا ، اس کے برعکس لوگوں کو ،جو نہایت غور سے اسے بھانپ رہے تھے ، یہ معلوم ہُوا کہ وہ دربار کی ساری بھڑک اور جگمگاہٹ کو حقارت سے دیکھتا ہو ، تب شاہ کریسس نے حکم دیا کہ سلطنت کے تمام جواہر خانے کھول دیے جائیں اور سولن کو (اگرچہ خود اس کی خواہش نہ تھی) وہ تمام بے بہا ظروف و سماط ، فروش و ملبوسات دکھائے جائیں جو تعیش و تموّل کا اَن مول سرمایہ تھے ۔ مگر اس کا مہمان ان چیزوں کے دیکھے بغیر ہی پہلی نظر میں اپنے معزّز میزبان کی لیاقت وطبیعت کا اندازہ کرچکا تھا، اور جب وہ پھر کر واپس آیا اور بادشاہ نے اس سے سوال کیا کہ "سچ کہنا تمھارے علم میں کوئی اور شخص بھی ایسا ہو جو مابدولت سے زیادہ شادماں و بامراد ہو؟ " تو سولن نے جواب دیا کہ " ہاں ہمارے شہر میں تلوس نام ایک شخص ایسا گزرا ہو ، جو نہایت نیک کردار اور

دیانت دار آدمی تھا، اُس کے کئی بچے اور اچھی خاصی جائداد تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ موت بھی اس کو اُس وقت آئی جب کہ وہ اپنے ملک کے واسطے لڑ رہا تھا

یہ جواب سُن کر کریسس بہت بیزار ہُوا اور سولن کو سمجھنے لگا کہ بالکل گنوار اور بے وقوف ہی جو ایسے ادنےٰ درجے کے آدمی کا مقابلہ بادشاہوں سے اور زر و جواہر قوت و سلطنت کی اس طرح ناقدری کرتا ہی۔ تاہم اُس نے دوبارہ دریافت کیا کہ اس کے سوا کوئی اور شخص بھی زیادہ خوش نصیب ہُوا ہی؟ سولن نے کہا۔ 'ہاں 'کلیوبس اور بیتون بھی (تم سے اچھے) تھے۔ یہ دونو بھائی ایک دوسرے سے بڑی محبت کرتے تھے اور اپنی ماں کے بہت مطیع و فرماں بردار تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب بیلوں کے آنے میں دیر ہوئی تو یہ دونو بھائی خود اپنی ماں کی گاڑی میں جُت گئے۔ اور اُسے جونو کے مندر تک اسی طرح لائے۔ یہ دیکھ کر ان کے ہمسائے تک کہنے لگے کہ ان کی ماں حقیقت میں بڑی خوش نصیب ہوی ہی جسے ایسے بچّے ملے۔ اور خود کلیوبس اور بیتون کی ماں بھی اس وقت خوشی کے مارے پھولے نہ سماتی تھی۔ اس کے بعد جب وہ مذہبی مراسم کے مطابق قربانیاں چڑھا چکے اور آرام سے سو رہے تو پھر بیدار نہیں ہوے بلکہ اُسی خوشی اور عزت کے عالم میں ان کی روح اطمینان کے ساتھ ملک جاودان کو سدھار گئی تب کریسس نے خفا ہوکر کہا " کیا تیرے نزدیک ہم بالکل بدبخت اور ناشاد لوگ ہیں؟"

سولن نہ اس کی دل شکنی کرنی چاہتا تھا اور نہ چاپلوسی،

اس نے سوال کا جواب یہ دیا کہ " اے بادشاہ، دیوتاؤں نے یونان والوں کو ہر نعمت بحد اوسط و اعتدال عنایت کی ہو اور اُن کی ذہانت اور دانائی کا بھی یہی حال ہو کہ وہ بادشاہوں یا بڑے آدمیوں کی سی نہیں بلکہ متوسط درجے کے خوش وقت و شادکام لوگوں کے مناسب حال ہو۔ اور یہی وجہ ہو کہ ہم ثروت و اقبال کو دیکھ کر فلاکت و ادبار کو نظر سے ہٹنے نہیں دیتے، اور نہ تو اپنی موجودہ خوشیوں پر زیادہ مغرور ہوتے ہیں اور نہ دوسروں کے عیش و شادمانی کی زیادہ ستایش کرتے ہیں کیوں کہ یہ تغیر پذیر حالتیں ہیں۔ اور ممکن ہو تھوڑے ہی دن بعد بدل جائیں۔ مستقبل کی خبر کس کو ہو اور کون بتا سکتا ہو کہ اس میں کیا کیا تبدیلیاں اور گردشیں چھپی ہوئی ہیں۔ پس ہم صرف اس کو بامراد اور اقبال مند کہتے ہیں جو آخر تک خدا کی مہربانی سے ایسا ہی رہے۔ جو ابھی تک فانی اور تغیّر پذیر دنیا میں موجود ہو، ہم اُسے خوش نصیب کہنا احتیاط اور سچائی کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اسی طرح، جس طرح کسی پہلوان کو غالب و فتح مند پکار دینا جو ابھی تک اکھاڑے میں ہو"

اس کے بعد سولن دربار سے رخصت کر دیا گیا۔ اُس سے علم یا فائدے کے بجائے کریسس کو ہوئی تو کچھ کوفت ہوئی [1]

الیسوپ جس نے کہانیاں لکھی ہیں اُس زمانے میں سارڈیس[2] میں کریسس کا بلایا ہوا مہمان تھا اور اس کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی۔

---

[1] مشہور یونانی مصنّف، جس نے محاضرات اور حکایات لکھی ہیں اور اب تک ترجمہ ہوکر سارے یورپ میں مقبول ہیں۔ مترجم [2] کریسس کا پایہ تخت۔ م

اُس نے جو سولن کے ساتھ یہ بے لطفی کا برتاؤ دیکھا تو دل میں رنجیدہ ہُوا اور سولن کو اس نے نصیحت کی کہ بادشاہوں کے ساتھ کم باتیں کرنی چاہئیں اور ایسی جو بے محل اور ان پر گراں نہ ہوں۔ سولن نے کہا "نہیں یوں کہو کہ کم ہونی چاہئیں یا معقول ہونی چاہئیں"

غرض اس ملاقات سے تو کریسس کچھ خوش نہ ہوا بلکہ سولن سے بیزار ہوگیا، لیکن جب کورش (خسروِ ایران) نے اس کو شکست دے کر سلطنت چھین لی اور گرفتار کرکے زندہ جلوانے کا حکم دیا تو چِتا پر پہنچ کر شاہ موصوف اور ایرانیوں کے سامنے وہ تین دفعہ پوری قوّت سے چلّایا "او سولن!"

یہ کیفیت دیکھ کے کورش نہایت حیران ہوا اور اس نے آدمی بھیج کر دریافت کرایا کہ یہ کس شخص یا دیوتا کا نام ہے جسے تو اس عالم یاس میں پکارتا ہے۔ تب کریسس نے اپنی ملاقات کے تمام قصّے سے اس کو آگاہ کیا اور کہا: "سولن یونان کے حکما میں سے تھا۔ میں نے اس کو اپنے دربار میں طلب کیا استفادے یا تدریس کی غرض سے نہیں بلکہ اپنی دولت و شان دکھانے کے لیے۔ مگر اب معلوم ہُوا کہ اُن چیزوں کی مسرت ایسی خوش گوار نہ تھی جتنی کہ ان کے تلف ہوجانے کی تکلیف تلخ ہے، کیوں کہ جب تک وہ میرے پاس تھیں تو یہ صرف ایک رائے تھی کہ وہ اچھی ہیں لیکن ان کے چلے جانے کے بعد جو غم و اذیت آج ہے وہ حقیقی ہے۔ یہی نکتہ تھا جو سولن نے مجھے بتانا چاہا تھا۔ یعنی وہ شان وشوکت دیکھ کر اُس نے اس نکبت پر بھی نظر ڈال لی تھی اور مجھے سمجھایا تھا کہ فانی اور ناپائدار حال پر غرور و تکیہ

کرنے کے بجائے زندگی کے انجام کا فکر کروں"
کورش نے جو کریسس سے زیادہ دانش مند تھا جب یہ سُنا اور سولن کے قول کی صداقت بچشم خود دیکھی تو کریسس کو معاف ہی نہیں کیا بلکہ جیتے جی نہایت آبرو کرتا رہا۔ اور اس طرح سولن کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اس کی ایک ہی بات نے ایک بادشاہ کی جان بچائی اور دوسرے بادشاہ کو سبق دیا۔

سولن کے ایتھنز چلے جانے کے بعد لوگوں میں جھگڑا شروع ہوا ایک میون کا بیٹا مگا کلیز ساحل والوں کا سردار تھا۔ میدانیوں میں لکرگس کی چلتی تھی اور پی سس ٹراٹس پہاڑی جتھے کا رہنما تھا جن میں زیادہ تر غریب نادار لوگ شامل تھے جنھیں دولت مندوں سے سخت عداوت تھی ۔ اس فرقہ بندی نے نوبت یہاں تک پہنچا دی تھی کہ گو شہر میں نئے قوانین پر عمل ہوتا تھا لیکن ہر فریق کے دل میں یہ تھا کہ حکومت میں انقلاب ہو اور کسی طرح ہم باقی حریفوں سے بڑھ جائیں" اس متلاطم زمانے میں سولن واپس وطن آیا اور سب نے یکساں اس کی عزت و توقیر کی۔ اگرچہ ضعیفی کی وجہ سے وہ پہلی سی محنت اور تقریریں نہیں کرسکتا تھا تاہم اس نے ہر گروہ کے سرداروں کو بلا کے ان کے اختلافات رفع کرنے کی کوشش کی، ان تینوں میں صلح و صفائی پر سب سے زیادہ آمادگی پی سس ٹراٹس نے ظاہر کی۔ بحث و مباحثے میں وہ نہایت نرمی برتتا تھا غریبوں کی وہی حمایت لیتا تھا اور اختلاف کرنے میں بڑی معقولیت اور اعتدال دکھاتا۔ اور جو شے قدرت نے اسے دی نہ تھی اس کی بھی وہ نقالی

کر لیتا تھا۔ مختصر یہ کہ سب میں زیادہ بھروسے کا آدمی وہی معلوم ہوتا تھا اس کی عقل مندی اور عدل پسندی پر یقین تھا کہ جو کچھ طے ہوجائے گا اُس کے خلاف نہ خود کرے گا نہ بہ خوشی کسی اور کو کرنے دے گا، اس کے متعلق یہ دھوکا تھا جس میں کثیر التعداد لوگ پڑے ہوئے تھے مگر سولن بہت جلد اس کی طبیعت کو سمجھ گیا اور سب سے پہلے اسی نے پی سس ٹراٹس کے خود غرضانہ مقصد کو تاڑا۔ لیکن دشمن ہوجانے کے بجائے چاہا کہ اُسے شرمائے اور اس کی ہوس پرستی کی اصلاح کرے پس وہ پی سس ٹراٹس اور دوسروں کے سامنے کہا کرتا کہ "جو شخص سب سے زیادہ ممتاز ہوجانے کی خواہش کو اپنے دل سے نکال دے اور انانیت و مطلق العنانی کے وسوسوں کا قرار واقعی علاج کرلے اس سے بڑھ کر نیک اور اچھا شہری کوئی نہیں ہوسکتا"

اسی زمانے میں تس پیس شاعر نے المیہ قصوں کے نئے ناٹک دکھانے شروع کیے تھے اور خلقت ان کے دیکھنے کی بے انتہا شائق تھی اگرچہ یہ شاعر اس میدان میں صرف اکیلے ہونے کے سبب مشہور ہوگیا تھا تاہم سولن کو نئی شے دیکھنے اور سُننے کا اشتیاق سوانگ دیکھنے لے گیا۔ (پرانے رواج کے مطابق خود ناٹک نویس بھی سوانگ کیا کرتے تھے۔) کیوں کہ بڑھاپے اور بیکاری میں سولن قدرتاً ناچ رنگ اور شراب کباب ہی کا زیادہ مائل ہوگیا تھا۔ جب تماشا ختم ہُوا تو سولن شاعر مذکور کی طرف مخاطب ہُوا اور پوچھا کہ "تم کو اتنے آدمیوں کے مجمعے میں اس قدر جھوٹ کا پُل باندھتے شرم نہیں آئی؟" اور جب

تس پیس نے عذر کیا کہ تماشوں میں ایسا مبالغہ کرنے کا چنداں مضایقہ نہیں تو سولن اپنی جریب زمین پر مار کر بولا " واللہ اگر ہم ایسے تماشے دیکھتے اور پسند کرتے رہے تو یہی مبالغے اور غلط بیانیاں ہمارے معاملات میں پیدا ہو جائیں گی"

تھوڑے دن بعد پی سس ٹراٹس نے فریب کھیلا اور اپنے آپ کو خود زخمی کر کے چرٹ پر بازار میں نکلا اور لوگوں کو اشتعال دیا کہ گویا محض عوام کی حمایت کے سبب وہ اپنے ملکی دشمنوں کے ہاتھ سے اس طرح مجروح ہوا ہے، تو بہت سے لوگ جوش میں آکے رونے لگے، اس وقت سولن نے پی سس ٹراٹس کے قریب آکر کہا: "او بقراط کے بیٹے! تو نے ہومر کے الی سس[1] کی نقل تو کی مگر بہت بری طرح کی! جو کام اس نے دشمن کو دھوکا دینے کے لیے کیا تھا، وہی فریب تو اپنے دوستوں کو بے وقوف بنانے کے لیے کر رہا ہے"

اس کے بعد لوگ مکار پی سس کی حفاظت و حمایت پر تیار ہوے اور ایک بڑا اجتماع کیا۔ اس جلسے میں ایک شہری ارسٹون نے تجویز کی کہ پی سس کو اپنے ہمراہ پچاس برق انداز رکھنے کی اجازت دی جاے جو اس کی جان کی حفاظت کریں۔ اس تجویز کی سولن نے مخالفت کی اور جو کچھ اس نے کہا وہ قریب قریب بجنسہٖ ہمارے لیے اپنی نظموں میں چھوڑ گیا ہے۔ مثلاً لکھتا ہے :۔

" تم اس کے فقرے میں کیوں آگئے ہو لوگو؟
فقط وہ لفظ ہیں، جن کی ہے یہ خلش تم کو!"

---

[1] یہ ایک سپہ سالار کا نام ہے جس کا ہومر نے اپنے نغمے میں ذکر کیا ہے۔ مترجم

یا دوسری جگہ ہی کہ :-

"سہی کہ منفرداً تم میں ہو ہر اک چالاک۔
جو سب نے مل کے مگر کوئی ایک رائے دی
تو وہ صدا کسی بے عقل سادہ لوح کی تھی!"

لیکن جب اسے یہ نظر آیا کہ نادار لوگ پی سِس کی خواہش پوری کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور سخت ہنگامہ برپا کر رہے ہیں۔ نیز مال دار لوگ خوف زدہ ہوکر اپنے کو جوکھوں میں ڈالنا نہیں چاہتے، تو وہ بھی اُس جلسے سے یہ کہہ کر چل دیا کہ: "میں بہتوں سے زیادہ سمجھ دار ہوں اور باقی سب سے بڑھ کر دلیر" مطلب یہ کہ عوام جو پی سِس کے فریب میں آگئے تھے وہ اُن سے زیادہ اس کے مکر کو سمجھتا تھا اور مابقی سے جو اس مکاری کو جاننے کے باوجود آواز بلند کرتے ڈرتے تھے، وہی زیادہ دلیر تھا کہ اُس نے جابرانہ حکومت کے قیام کی مخالفت کی

غرض لوگوں نے پی سِس کو برق اندازوں کی اجازت تو قانونی طور پر دے دی مگر پھر پلٹ کر نہ پوچھا کہ ان کی تعداد کس قدر ہو؟ حالانکہ اُس نے پچاس سے کہیں زیادہ جتنے چاہے آدمی رکھ لیے اور لوگوں کو ہوش آیا تو اُس وقت جب کہ وہ شہر کے بالاحصار پر زبردستی قابض ہوگیا، تب تو شہر میں کھل بلی مچ گئی۔ مگا کلیز اپنے خاندان سمیت اُسی وقت بھاگ گیا۔ لیکن سولن اس ضعیفی کے عالم میں بھی جب کہ اس کا کوئی رفیق اور پشتی لینے والا نہ تھا خاموش نہ رہا بلکہ بیچ بازار میں کھڑے ہوکے اُس نے ایک زبردست تقریر کی، ایک طرف تو ان کی دناءت اور غفلت پر سخت اعتراض کیے اور دوسری طرف للکارا کہ خبردار اپنی آزادی کو

ایسا سستا نہ بیچو۔

اس کا یہ شہرۂ آفاق مقولہ بھی اس تقریر میں تھا کہ "ابتدا ہی میں مطلق العنانی اور شخصیت کا تدارک کرنا بے شک بہت آسان کام تھا۔ لیکن اب، جب کہ شخصی حکومت نے جڑ پکڑ لی ہی اس کا استیصال کہیں زیادہ عظمت و شان رکھتا ہی!"

لیکن جب اُس نے دیکھا کہ خوف سے کوئی اُس کا ساتھ نہیں دیتا تو وہ گھر لوٹ آیا اور اپنے تمام ہتھیار گھر میں سے لاکر ڈیوڑھی کے اگلے برآمدے میں رکھ دیے اور یہ کہہ کر کہ:۔

"میں اپنے ملک اور قوانین کے قائم رکھنے کے لیے جو کچھ
کرسکتا تھا، کرچکا"

اُس نے آیندہ سے معاملات میں دخل دینا ترک کر دیا۔

اُس کے یار دوستوں نے ہر چند کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ، مگر اُس نے انکار کیا اور برابر شعر لکھ لکھ کر ایتھنزیوں کو لعنت ملامت کرتا رہا۔ اس طرح:۔

"نصیبوں کو نہ رونا آفتیں گر تم پہ اب آئیں
کہ وہ اچھے ہیں، اور ساری خطائیں خود تمھاری ہیں
قلعے خود دیدیے جب ایک غاصب شخص کو تم نے
تواب اپنے غلاموں سے وہ جو چاہے سو کر ڈالے"

اکثر دوستوں نے اس سے کہا کہ ایسی باتوں سے مارے جاؤ گے۔ اور وہ کون شی ہی جس کے بل بوتے پر تم غاصب کے خلاف ایسی سخت سخت نظمیں لکھتے ہو؟ سولن نے جواب دیا: "میرا بڑھاپا"

مگر جب پی سس ٹراٹس نے مطلق العنانی اور بادشاہت حاصل کرلی تو سولن کو آزار پہنچانے کے بجائے نہایت محبت اور احترام سے بار بار اپنے پاس بلایا اور اس قدر اس کی عزت آبرو کی کہ وہ اس کا شرمندۂ احسان ہوگیا اور اس کے کاروبار میں کبھی کبھی صلاح مشورہ دینے لگا۔ اس کے بعض اچھے کاموں کو سولن پسند بھی کرتا تھا۔ کیوں کہ پی سس ٹراٹس نے قوانین سولن کا بہت بڑا حصہ جوں کا توں قائم رکھا۔ خود اس کی پابندی کی اور دوسروں سے بزور کرائی۔ یہاں تک کہ جب ایک مرتبہ اس پر قتل عمد کا الزام لگایا گیا تو مطلق العنان بادشاہ ہونے کے باوجود حسب ضابطہ خود عدالت میں جواب دہی کے واسطے حاضر ہوا مگر مدعی نے گریز کی اور سامنے نہ آیا۔

اس کے سوا اس نے کئی قانون خود اضافہ کیے۔ ایک ان میں سے یہ تھا کہ لڑائی میں جو لوگ اپاہج اور لنگڑے لولے ہوجائیں ان کی معاش کا سلطنت انتظام کرے، پون تی کوس کا بیان ہو کہ اس قانون میں بھی پی سس نے سولن کی پیروی کی ہو، کیوں کہ ایک زخمی فوجی کے لیے سولن نے ایسا ہی کیا تھا، سفراطس نے لکھا ہو کہ کاہلی اور نکمے پن کے روکنے کا جو قانون سولن سے منسوب ہو وہ بھی درحقیقت پی سس کا وضع کردہ ہو۔ اس قانون کا یہ فائدہ ہوا کہ ملک میں پیداوار اور شہر میں خوش حالی بڑھ گئی۔

سولن نے اٹلانٹک جزیرے کی جو داستان یا تاریخ حکماے سیس سے سن کر، اپنے ہم وطنوں کے لیے، نظم کرنی شروع کی تھی، وہ چھوڑ دی۔ وقت کی کوتاہی سے نہیں بلکہ بقول افلاطون ضعیف العمری

کی وجہ سے اور مضمون کی وسعت و طوالت کے باعث، ورنہ اس کے اشعار سے ظاہر ہو کہ اسے کافی فرصت حاصل تھی۔ مثلاً لکھتا ہو:

"بڑھتی ہو روز روز یہاں پیری کے ساتھ آگہی"

یا دوسری جگہ ہو کہ:-

"مشغلۂ سُرور زا اوروں کی طرح ہو مرا
شعر و شراب و حُسن کی خوب بہار لوٹنا"

جزیرۂ اٹلانٹک کی داستان کو افلاطون نے سولن کا ترکہ سمجھ کر دعوئے وراثت کے ساتھ چاہا تھا کہ ترقی دے اور پورا کر دے، چناں چہ اس میں جا بجا ایسے خوش نما گل بوٹے لگائے، جو کسی اور کہانی، کتھا یا مثنوی میں نہیں مل سکتے۔ لیکن آخر عمر میں شروع کرنے کے باعث وہ بھی اس کو ناتمام ہی چھوڑ کر مر گیا۔ اور پڑھنے والوں کو جو حصّہ موجود ہو وہ پڑھ کر اس قدر غیر معمولی لُطف و کیفیت آتی ہو کہ اُس کے ناتمام رہ جانے کا قلق چوگنا بڑھ جاتا ہو۔ کیوں کہ جس طرح ایتھنز میں صرف جوپیٹراولمپس کا شان دار مندر غیر مکمل رہ گیا، اسی طرح افلاطون کے تمام علمی کارناموں میں ادھوری رہی تو یہی جزیرۂ "اٹلانٹک" کی نظم۔

سولن کے متعلق پلوٹارک کے بیان سے یقین ہوتا ہو کہ وہ پی سس ٹراٹس کے غصب بادشاہت کے بعد عرصے تک زندہ رہا۔ لیکن فنےنیاس کہتا ہو کہ اس واقعے کے بعد دو سال بھی وہ نہیں جیا۔ بلکہ ہو جی ٹرالسٹ کے

زمانۂ آرکنی میں مرگیا۔ یہ شخص کومیس آرکن کا جانشین تھا
اور اس کا زمانہ عین پی سِس کی دست درازی کا زمانہ ہے۔
یہ روایت کہ سولن کی ارتھی پھونک کر اس کی خاکستر،
سلامیس کے ارد گرد بکھیر دی گئی تھی، غلط معلوم ہوتی ہے لیکن
اس کو علاوہ دیگر ثقات کے حکیم ارسطو تک نے نقل کیا ہے

ویلریس پبلی کولا

سولن کا ذکر تم سُن چکے - اب اس کے مقابلے میں ہم پبلی کولا
کا حال لکھتے ہیں، جس کی خدمات اور قابلیت کے صلے میں رومی قوم
نے اُسے اصلی نام پبلیس ویلریس کے بجائے اس معزز خطاب
(پبلی کولا) سے مشہور کیا ہو - وہ اس ویلریس کی اولاد میں تھا جو شہر
رومہ کے پہلے باشندوں میں ایک نامور شخص گزرا ہو کیونکہ اسی نے
رومی اور سبائینی لوگوں کے اختلافات رفع کیے تھے اور ان میں باہم
اتحاد کرا دینے والوں میں سب سے بڑا حصّہ لیا اور طرفین کے بادشاہوں کو
امن و مصالحت پر آمادہ کردیا تھا۔ اُسی کی نسل میں پبلیس ویلریس ہی
وہ رومہ کی پہلی بادشاہت کے آخری ایام میں پیدا ہؤا اور اپنی فصاحت
اور دولت سے بڑی شہرت حاصل کی، کیوں کہ دولت کو وہ ہمیشہ غربا کی
فیاضانہ امداد میں، اور فصاحت کو دیانت اور آزادی کے ساتھ، عدل و
انصاف کی راہ میں خرچ کرتا تھا اور اس طرز عمل سے گویا اس توقع کو
مستحکم کرتا تھا کہ اگر جمہوری حکومت قائم ہوئی تو قوم میں سب سے سربرآوردہ
آدمی وہی ہوگا، جب تخت شاہی پر شریر "مارکواس ٹنس سُپربس نے
ناجائز طور سے قبضہ پایا اور اس منصب کو شاہانہ دادگستری کے بجائے
ظلم و سرکشی کا آلہ بنایا تو لوگوں میں اس کی حکومت سے سخت نفرت پیدا
ہوگئی اور لُس ریشیا کی موت کو جس نے اپنی عصمت دری کے بعد

اپنے تئیں ہلاک کر لیا تھا) بہترین موقع سمجھ کر وہ اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اس تحریک میں شریک ہوکر سب سے پہلے لوسیس بروٹس ویلریئیس کے پاس پہنچا اور اُسی کی پرجوش مدد سے بادشاہت کا خاتمہ کیا۔ جب لوگوں کو معزول بادشاہ کی جگہ اپنا ایک سردار منتخب کرنے کا خیال ہوا تو ویلریئیس نے مان لیا کہ جمہوریت کا بانی بروٹس ہے اور منصب سرداری اسی کا حق ہو لیکن شخصی حکومت سے وہ اتنے بیزار ہو گئے تھے کہ ایک حاکم کی بجائے انھیں یہ کہیں زیادہ بہتر معلوم ہوا کہ اقتدار اعلیٰ دو قنصلوں میں تقسیم کیا جائے۔ اس وقت ویل رئیس کو اپنی ان امیدوں میں کہ وہ بروٹس کا شریک حکومت اور قنصل مقرر کیا جائے گا، کامیابی نہ ہوئی۔ کیوں کہ بروٹس کی کوششوں کے باوجود لوگوں نے ویل رئیس کے بجائے ٹارکوای نس کولاٹی نس کو قنصل منتخب کیا جو لُسریشیا کا شوہر تھا۔ وہ ذاتی قابلیتوں میں کسی طرح ویل رئیس پر ترجیح نہ رکھتا تھا۔ مگر امرا کو بڑا خوف اس بات کا تھا کہ مبادا معزول بادشاہ جو برابر رومہ میں اور اس کے باہر جوڑ توڑ کر رہا تھا، دوبارہ دخل پائے۔ پس انھوں نے ایسے سردار کو قنصل بنانا پسند کیا جو بادشاہوں سے شدید ترین نفرت رکھتا ہو اور کبھی اُن سے صلح پر مائل نہ ہو سکے۔

اب ویل رئیس کو اس بات کا ملال ہوا کہ قومی خدمت کرنے کی جو تمنا اُسے تھی وہ محض اس بنا پر مشتبہ سمجھی گئی کہ اُسے ذاتی طور پر مطلق العنان جابروں کی زیادتی سے کوئی ضرر نہیں پہنچا تھا، پس وہ مجلس ملکی اور وکالت سے کنارہ کش ہو گیا اور لوگوں کے معاملات سے اپنے تئیں علیحدہ کر لیا۔ اس علیحدگی نے لوگوں میں بڑا چرچا اور اندیشہ پھیلایا کہ کہیں غصے

میں وہ بادشاہوں کی جانب نہ مائل ہو جائے اور سلطنت کو ، جو جدید انقلاب کی وجہ سے ہنوز غیر مستقل حالت میں تھی ، تباہ کرا دے؛ بروٹس کو بعض دوسرے شہریوں کی طرف سے ایسے شکوک تھے اور اس نے مجلس کے سامنے قربان گاہ پر ان کا امتحان کرنا چاہا۔ حلف لینے کے لیے جو دن مقرر ہوا تھا، ویل رئیس بھی نہایت خوشی سے اس روز مجلس میں آیا اور سب سے پہلا شخص جس نے حلف اٹھایا کہ ہم کبھی ٹارکوان کی شرائط نہ مانیں گے اور کبھی اس کی اطاعت نہ قبول کریں گے بلکہ آخر دم تک اپنی آزادی قائم رکھیں گے ، وہی تھا۔ اس واقعے سے اہلِ مجلس اور قنصلوں کو بڑا اطمینان ہو گیا اور ویل رئیس نے بھی اپنی آیندہ کوشش و کارگزاری سے اس عہد کی صداقت ثابت کر دی۔ کیونکہ جب معزول بادشاہ کے پاس ایلچی صلح کی شرطیں لے کر آئے جن میں لوگوں کو رجھانے کے لیے بڑے بڑے وعدے تھے کہ گویا آیندہ وہ تمام زیادتیاں اور جبر چھوڑ دے گا اور صرف انصاف و اعتدال کو اپنا دستور العمل بنائے گا تو قنصل آمادہ ہو گئے تھے کہ جلسۂ عام میں سفارت سے گفتگو کی جائے لیکن ویل رئیس نے سخت مخالفت کی اور کسی طرح اجازت نہ دی کہ ادنیٰ درجے کے لوگ جنھیں جبر و استبداد سے زیادہ جنگ و خوں ریزی کا خوف تھا ایسی ترغیبات اور نئے نئے وعدے سُننے کا موقع پائیں۔ اس کے بعد دوبارہ سفیر آئے جنھوں نے ظاہر کیا کہ (معزول) بادشاہ تخت سے دست کش ہو جانے پر آمادہ ہے اور اگر اس کی اور اس کے رفقا و احباب کی جایدادیں اور روپیہ واپس دے دیا جائے کہ جلاوطنی میں وہ بسر اوقات کر سکیں تو اس صورت میں

وہ اہل روما سے جنگ نہ کریں گے ، اس درخواست کو اکثر قبول کرنے پر مائل تھے خصوصاً کولاٹی نس بہت چاہتا تھا کہ یہ معاملہ اسی طرح طے پا جائے لیکن تُند خو بروٹس ایسی باتوں کو ماننے والا نہ تھا وہ عدالت عام میں گھس آیا اور چلایا کہ میرا منصب قنصل غداری پر کمر بستہ ہے اور اُن ظالموں کو ، جنھیں جلاوطنی میں اسباب معاش فراہم کر دینا بھی شدید جُرم ہے ، جنگی تیاریوں کے لیے مالی امداد پہنچانے پر تیار ہے !

اس واقعے پر اہل شہر نے ایک جلسہ منعقد کیا اور اس میں سب سے پہلے جس نے تقریر کی وہ کے اس منوکس ایک غیر سرکاری آدمی تھا ۔ اس نے اہل روما سے التجا کی اور بروٹس کو بھی یہی صلاح دی کہ ٹارکوان کی تمام املاک و جایداد ضبط کر لینی چاہیے اور بجائے اس کے کہ وہ اور اُس کے رفقا اس رُپے کو ہمارے خلاف استعمال کر سکیں خود ہم کو ان ظالموں کے خلاف اس سے کام لینا چاہیے ، لیکن شہر والوں نے متفقہ طور پر یہی فیصلہ کیا کہ جب تک ہماری وہ محبوب آزادی برقرار ہے ، جس کے لیے ہم نے ہتھیار اٹھائے تھے ، اس وقت تک رُپے کو امن پر ترجیح دینا کسی طرح درست نہیں بلکہ مناسب یہی ہے کہ شاہ پرستوں کے مال متاع انھیں واپس دے دیئے جائیں ، مگر یہ املاک کا سوال درحقیقت ٹارکوان کے منصوبے کا محض ایک جزو تھا اور اس مطالبے سے اصلی مقصود لوگوں کے خیالات کا جانچنا تھا ، چنانچہ اس تمہید کے بعد اُس کے سفرا نے ایک سازش کی بنیاد ڈالی اور اس کے اسباب و املاک کو کچھ لدوانے جانے اور کچھ فروخت کر دینے کے بہانے اپنا جانا ملتوی کرتے رہے یہاں تک کہ

آخر میں انھوں نے رومہ کے دو ممتاز ترین خاندانوں کو ملالیا - ان میں ایک تو اکوتی تھا جس کے تین افراد ارکان مجلس تھے اور دوسرا وٹلی جس سے بروٹس کا بھی قریبی رشتہ تھا کیوں کہ ان کی بہن اس کو بیاہی ہوئی تھی اور اسی بیوی سے اس کے کئی بچے تھے - انھیں میں سے دو کو جو ہم عمری اور رشتہ داری کی وجہ سے ان کے بے تکلف دوست اور ہم نشین تھے - وٹلی والوں نے ساتھ مل جانے کی ترغیب دی - اور اغوا کیا کہ اپنے باپ (بروٹس) کی بے رحمی اور دیوانگی سے رہائی حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہوسکتا ہے کہ عالی خاندان ٹارکوان کی شاہانہ امیدوں میں شرکت کرلی جائے، واضح رہے کہ بروٹس کے مجرموں کے ساتھ مطلق رعایت و رحم نہ کرنے کا نام انھوں نے بے رحمی رکھا تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ جابر بادشاہوں سے محفوظ رہنے کے لیے جو مجنونانہ طرز اس نے بنائی تھی اس کی وجہ سے اب تک، گو برائے نام، دیوانگی بھی اس سے منسوب کی جاتی تھی - بہرحال بروٹس کے لڑکے ان باتوں میں آگئے اور اکوتی کے ساتھ مشورہ کرنے آئے، وہ بڑا سخت عہد و پیمان کرنا چاہتے تھے، جس میں ایک مقتول شخص کا خون چکھ کر اور انتڑیاں چھوکر حلف اٹھائے جانے کی تجویز تھی - اس مقصد کے لیے اکوتی کے مکان میں جمع ہونا قرار پایا تھا اور خاص وہ عمارت بھی قدرتی طور پر ایسی ہی انتخاب کی گئی تھی کہ جس میں روشنی کم آتی ہو اور لوگوں کی آمد و رفت نہ ہو - اسی جگہ ونڈی سئیس نام ایک غلام نے اپنے تئیں چھپا رکھا تھا اور اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ اسے سازش کا علم ہوگیا تھا یا خاص اسی غرض سے وہ وہاں موجود تھا بلکہ محض اتفاقیہ طور پر وہ اس مکان کے اندر تھا کہ دفعتاً یہ سازشی اس میں داخل

ہوے اور ان کی عجلت اور دھن دیکھ کر وہ سامنے آنے سے ڈر گیا اور ایک بڑے صندوق کے پیچھے چھپ رہا، جہاں سے وہ ان کی کارروائیاں اور تمام گفتگو سمجھ سکتا تھا۔ اہل سازش کی تجویز یہ تھی کہ قنصلوں کو مار ڈالا جائے اور یہی انھوں نے ٹارکوان کو خطوں میں لکھا تھا اور یہ خطوط اُس کے سفرا کو دیے گئے تھے جو وہیں اکوتی کے مکانوں میں مقیم اور اس گفتگو کے وقت موجود تھے۔

اہل سازش کے رخصت ہونے کے بعد وِنڈی سیئس بھی مکان سے باہر نکل آیا، لیکن نہایت حیران تھا کہ اس معاملے میں کیا کرے؟ کیونکہ بروٹس کے سامنے اس کے بیٹوں پر سازش کا الزام لگانا یا کولاٹی نس کے آگے اس کے بھانجے بھتیجوں کو ایسے قبیح جرم کا مجرم بتانا، نہایت دشوار بات معلوم ہوتی تھی اور فی الحقیقت تھی بھی۔ مگر ان دونو شخصوں کے علاوہ وہ کسی ایسے رومی سے واقف نہ تھا جسے اس قدر نازک اور اہم راز سناتا۔ بایں ہمہ اس اتفاقیہ علم ہو جانے کا اس کے دل پر ایک بھاری بوجھ تھا اور وہ خاموش بھی نہ رہ سکتا تھا پس ویل رئیس کی خدمت میں حاضر ہوا، جس کی مشہور آزاد خیالی اور تحمل مزاجی نے اس کی ہمت بندھا دی تھی اور شہر بھر میں وہی ایسا شخص تھا جس تک ہر ایک حاجت مند کی باآسانی رسائی ہو سکتی تھی اور جس کے دروازے کبھی کم حیثیت اور غریب لوگوں پر بند نہ ہوتے تھے۔ جس وقت وِنڈی سیئس اس کے پاس پہنچا اور اس کی بیوی اور بھائی مرقس کی موجودگی میں اس خوفناک سازش کا حال کھولا تو ویل رئیس ششدر رہ گیا اور وِنڈی سیئس کو اس نے اپنے گھر جانے کی اجازت نہ دی بلکہ ایک کمرے میں بند کر کے اپنی بیوی کو اُس کی

نگہبانی سپرد کی اور ایک طرف تو اپنے بھائی کو شاہ معزول کے محلات کی جانب روانہ کیا کہ اس کے سامان میں جو کچھ تحریریں مل سکیں اُن پر قبضہ اور اُس کے سفرا کے نوکروں کو گرفتار کرلے، ادھر خود رفقا اور دوستوں اور نوکروں کا ایک گروہ ہمراہ لے کر اکوتی کے مکانات پر جا پہنچا کہ اس کے خاندان کے جو لوگ شریک سازش تھے ان کی تلاشی لے۔ اتفاق سے یہ اشخاص اس وقت گھر پر نہ تھے لہذا ویل رئیس کو زبردستی اُن کے مکانات میں گھسنا پڑا اور وہاں اُس نے وہ خط پکڑ لیے جو ابھی تک سفرا کی اقامت گاہ میں پڑے تھے۔ اُسی وقت اکوتی بھی نہایت عجلت کے ساتھ واپس لوٹے اور مکان کے پھاٹک پر خطوط چھین لینے کی کوشش میں زدوکوب پر اُتر آئے۔ ویل رئیس کی جماعت نے بھی مقابلہ کیا اور اپنی عباؤں سے مخالفین کے گلے پھانس لیے پھر لڑتے بھڑتے آخرکار اپنے قیدیوں سمیت گلیوں میں سے نکل کر عدالتِ عام تک آئے۔ اسی قسم کی لڑائی بادشاہ کے محل پر واقع ہوئی جہاں مرقس نے چند دیگر خطوط پر قبضہ کرلیا جو اہلِ سازش اسباب کے ساتھ بھیج دینا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ شاہ معزول کے ملازم بھی اُس نے گرفتار کیے اور گھسیٹتا ہوا عدالت تک لے آیا جب قنصلوں نے وہ ہنگامہ جو ان واقعات سے پیدا ہوگیا تھا فرو کردیا تو ویل رئیس کے حکم سے ونڈی سیس غلام بلوایا گیا اور الزامات سنائے گئے اور خط کھولے گئے جن کا غدار اہلِ سازش کوئی جواب نہ دے سکے۔ اس وقت حاضرین میں سے اکثر رنج و غم کی تصویر بنے خاموش کھڑے تھے اور بعض بعض محض بروٹس کی محبت کے اقتضا سے (مجرموں کے لیے) جلاوطنی کا لفظ کہہ اٹھتے تھے۔ کولاٹی نس قنصل

کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور ویل ریس سکوت میں کھڑا تھا اور ان باتوں سے کچھ رحم کی امید بندھتی تھی۔ اتنے میں بروٹس نے اپنے بیٹوں کو نام لے کے پکارا کہ "او ٹےٹس تے، یا اوٹائی بیریس تو، کیا تم دونو اپنی براءت کے لیے کوئی صفائی نہیں پیش کر سکتے؟" یہی سوال اس نے تین مرتبہ اپنے بیٹوں سے کیا اور جب تینوں دفعہ کوئی جواب نہ ملا تو وہ عدالت کے نوج داروں (لکٹرز[1]) کی طرف مڑا اور چلایا کہ اب صرف یہ باقی ہے کہ تم اپنا فرض پورا کرو!" اس حکم کے ملتے ہی انھوں نے ٹےٹیس اور ٹائی بیریس دونو لڑکوں کو پکڑلیا اور کپڑے اتار کر مشکیں باندھ دیں پھر اپنے دُرّوں سے ان کے جسم کی کھال ادھیڑ دی۔ یہ ایسا منظر تھا کہ حاضرین اس کے دیکھنے کی تاب نہ لا سکے لیکن خود بروٹس کی نسبت مشہور ہے کہ جس طرح بیٹھا تھا اسی طرح بیٹھا رہا نہ اُس نے نظر اُدھر سے ہٹائی نہ اپنے خشم آلود چہرے پر کوئی ملامیت یا رحم آمیز تبدیلی پیدا ہونے دی بلکہ تیز تیز نگاہوں سے بیٹوں کو پٹتا دیکھتا رہا یہاں تک کہ نوج داروں نے ان بدنصیب مجرموں کو زمین پہ لٹا دیا اور تبر سے ان کے سر کاٹ ڈالے۔ اس وقت بروٹس باقی ماندہ معاملات کا فیصلہ اپنے شریک کے سُپرد کر کے، بہ اطمینان رخصت ہوگیا۔ فی الحقیقت بروٹس کا یہ فعل ایسا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ اعلیٰ ترین تعریف یا سخت ترین مذمت دونو کا مستوجب ٹھیر سکتا ہے۔ کیونکہ یا تو اُس کی انتہاے عدالت نے اُسے معمولی اور انفرادی جذبات غم و افسوس سے ارفع اور مافوق کر دیا تھا اور یا انتہاے قساوت نے اس کے یہ

---

[1] لکٹر کی خدمت رفتہ رفتہ رومہ میں ایک معزز عہدہ بن گئی تھی تاہم اس کا ابتدا سے کام یہ تھا کہ سرکاری مجرموں کو سزا دے اور کشتنی اشخاص بھی اسی کے ہاتھوں قتل ہوتے تھے۔ م

احساسات مٹا دیے تھے۔ مگر ان دونو اسباب میں سے جو سبب بھی ہو، بہر حال وہ خلافِ معمول و عادت ضرور تھا یعنی وہ صفت ملکوتی کا کرشمہ تھا یا جذبۂ بہیمیت کا۔ لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ اپنی کمزوری رائے سے اس کو قصور وار ٹھیرانے کے بجائے قرینِ صواب یہی ہے کہ ہم اس کی عظمت و بزرگی کا اعتراف کرلیں۔ اہلِ رومہ کی دانست میں بھی بروٹس نے قیامِ سلطنت کے واسطے یہ اتنا بڑا کام کیا کہ بانیٔ شہر رومیولس سے بھی نہ بن پڑتا ۔

بروٹس کے جانے کے بعد بڑی دیر تک سناٹا چھایا رہا جب لوگ اس واقعے پر جو ان کے سامنے گزرا تھا غور کرتے تو ان کا دل کانپ جاتا اور خوف و ہیبت سے مبہوت رہ جاتے۔ لیکن کولاٹینس کی سہل پسندی اور بے پروائی نے دوسرے ملزموں کی ہمت بندھا دی اور انھوں نے جواب دہی کے واسطے کچھ مہلت کی درخواست کے ساتھ ہی یہ مطالبہ کیا کہ ہمارا غلام ونڈی سئیس ہمارے مخالفین کے پاس نہ رہے بلکہ ہمارے حوالے کردیا جاے۔ کولاٹینس اس کو مان لینے پر مایل معلوم ہوتا تھا اور کچہری برخواست کردینی چاہتا تھا مگر ویلریئس نے کسی طرح گوارا نہ کیا کہ ونڈی سئیس کہ جو اُس کے آدمیوں کے بیچ میں کھڑا تھا اکوتی کے حوالے کردیا جاے یا عدالت بغیر غداروں کو سزا دیے برخواست ہوجاے۔ پس اُس نے ملزموں پر دستِ سیاست بڑھایا اور بروٹس کو امداد کے لیے بلایا۔ پھر بہ آواز بلند کولاٹینس کے طرزِ عمل پر اعتراض کیا کہ ہر چند یہ شخص اپنے شریکِ منصب کو دیکھ چکا ہے کہ مجبور ہوکر اُسے اپنے بیٹوں کی جانیں لینی پڑیں مگر خود دو چار عورتوں کو خوش کرنے کے لیے آمادہ ہے کہ ایسے قوم فروش غداروں

کو زندہ چھوڑ دے ۔ یہ سُن کر کولاٹی نس بہت بگڑا اور اُس نے حکم دیا کہ وِنڈی سیس کو چھین لیا جائے ، جس کی تعمیل میں فوج دار آگے بڑھے اور جنھوں نے روکنا چاہا انھیں ڈنڈوں سے مارا ۔ ان کے مقابلے میں ویلریس کے رفقا اڑے ہوئے تھے اور لوگ بروٹس کی دُہائیاں دے رہے تھے کہ وہ آگیا اور جب ہر طرف خاموشی ہوگئی تو کہنے لگا کہ اپنے بیٹوں کے متعلق فیصلہ کرنا تو میرے لیے ٹھیک اور مناسب تھا لیکن باقی کارروائی میں نے آزاد شہریوں کی کثرت رائے پر چھوڑ دی تھی ۔ اب ہر شخص جو چاہتا ہو تقریر کرے اور مجمع کو اپنا ہم خیال بنائے ۔" لیکن تقریر کی وہاں کچھ ضرورت نہ تھی کیونکہ جب رائے لی گئی تو ملزموں کو سب نے بالاتفاق مستوجب سزا قرار دیا چنانچہ وہ قتل کر دیے گئے ۔

اس میں شک نہیں کہ کولاٹی نس پہلے سے لوگوں میں شک کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا تھا جس کی وجہ ایک تو شاہِ معزول سے اس کی قرابت داری تھی دوسرے اس کے نام کا جزو اول بھی اتفاق سے ٹارکوان تھا اور لوگوں کو اس لفظ سے اتنی نفرت تھی کہ وہ اس کا سننا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ اب جب یہ واقعہ گزرا اور اُسے ہر شخص بیزار نظر آیا تو اُس نے قنصلی سے دست برداری کرلی۔ اور شہر سے باہر چلا گیا ۔ نئے انتخابات پر اس کا عہدہ بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ ویلریس کو ملا جو گویا اُس کی قوم پرستی کا ایک واجبی انعام تھا ۔ اور چونکہ اپنی آخری کارگزاری میں وہ وِنڈی سیس غلام کو بھی حصے دار سمجھتا تھا ، لہذا اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ اُسے آزاد شہری بنا کر رائے دینے کا حق بھی عنایت کیا کہ جس قبیلے یا گروہ میں چاہے اپنا نام درج کرالے ۔ واضح رہے کہ پہلے یہ حق تمام احرار کو حاصل نہ تھا اور عرصۂ دراز کے بعد صرف اپیس نے

جسے ہر دل عزیزی کی بہت تلاش تھی، ایسا قاعدہ جاری کیا تھا۔ یہ لکھنا بھی فایدے سے خالی نہیں کہ اسی وِنڈی سَیئس کو آزادی ملنے کی یادگار میں اب تک کامل آزادی دیے جانے کو اصطلاحاً وِنڈکٹا کہتے ہیں۔

یہ ہوچکا تو شاہی مال و اسباب کو لوٹنے کی اور محلات کو برباد کردینے کی اجازت دے دی گئی۔ وہ خوش منظر مقام جسے میدانِ مریخ کہتے ہیں، اس کا جو حصّہ ٹارکوِاِن کی ملکیت تھا اسے دیوتا کے نام پر وقف کردیا گیا تھا مگر چونکہ اس وقت فصل تیار کھڑی تھی اور بالیں ابھی تک کھلیان میں نہیں اٹھائی گئی تھیں، انھیں استعمال کرنا یا گیہوں نکالنا مذہبی احکام کے خلاف تصوّر کیا اور جوں کا توں کاٹ کر دریا میں بہا دیا اور اسی دن سے زمینِ مریخ دیوتا کا وقف لاثمیک قرار دے دی گئی۔ جو شاخیں دریا میں ڈالی گئی تھیں ان کا اتنا ڈھیر لگ گیا تھا کہ وہاں سے پانی کا بہاؤ اُنھیں نہ بہا سکا اور وہ ایک دوسرے میں الجھ کر ایسا بند بن گئیں کہ بہ کثرت مٹّی اور کوڑا وہاں جمع ہوگیا۔ رفتہ رفتہ یہ سب چیزیں پانی کے زور سے دب کر مضبوط اور وزنی ہوگئیں اور دریا میں ایک ٹاپو سا بن گیا جو آج کل شہر کے قریب ایک مقدّس مقام سمجھا جاتا ہو اور جس پر متعدد دیول اور سیر کے لیے روشیں بنائی گئی ہیں۔ لاطینی زبان میں اس کو انتردو پانٹی کہتے ہیں۔

بعضوں کا خیال ہو کہ ٹاپو ٹارکوِاِن شاہِ معزول کے کھیتوں کی وجہ سے نہیں بنا بلکہ اُس وقت پیدا ہوا تھا جب کہ ٹارکوانیہ نام ایک مُرلی نے اپنے کھیت لوگوں کے لیے وقف کردیے اور اس فیاضی کے صلے میں بڑا اعزاز حاصل کیا تھا۔ چنانچہ من جملہ اور رعاتیوں کے اُسے یہ بھی شرف دیا گیا تھا کہ جنس اناث میں صرف اس کی شہادت قانوناً جایز سمجھی گئی تھی۔ نیز اُسے شادی

کرنے کی آزادی بھی مل گئی تھی لیکن اس نے اس رعایت سے عملاً فایدہ اٹھانا پسند نہیں کیا یہ ہے وہ کہانی جو بعض لوگ ٹارکوانیہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔

بادشاہِ معزول کو جب سازش کے وسیلے سے سلطنت حاصل کرنے میں مایوسی ہوئی تو وہ قوم ٹسکن سے طالب امداد ہوا۔ ان لوگوں نے اس کی بڑی خاطر تواضع کی اور ایک لشکرِ کثیر کے ساتھ اُسے دوبارہ بادشاہی دلانے چلے۔ ادھر سے اہلِ روما اپنے قنصلوں کی ماتحتی میں مقابلے کو نکلے اور بعض مقدّس مقامات میں (جن میں ایک ارسین کنج اور ایک ای سووین چراگاہ کہلاتی ہے) پڑاؤ ڈالا۔ دوسرے دن جب لڑائی شروع ہوئی تو ٹارکوانِ کے بیٹے آرون اور رومی قنصل بروٹس کا مقابلہ ہوا وہ محض اتفاقیہ آمنے سامنے نہ ہوگئے تھے بلکہ طیش و نفرت کی وجہ سے عمداً ایک دوسرے کی تلاش میں تھے اور اگر ایک اپنے ملک سے دشمنی کا اور جابرانہ حکومت کا بدلہ لینا چاہتا تھا تو دوسرا اپنی جلاوطنی کے جوشِ انتقام سے بھرا ہوا تھا۔ غرض دونو نے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑایا اور انتہاے غیظ و غضب کے عالم میں، اپنی جان کا خیال یا کوئی احتیاط کیے بغیر ایسے زور سے ٹکرائے کہ دونو مرکر گر پڑے۔ اور یہ خوفناک مقاتلہ دوسروں کے لیے کچھ اچھی نظیر نہ ہوا یعنی اس قسم کی ازخود رفتگی میں دونو فوجیں ایک دوسری سے ٹکرائیں اور دشمن کو نقصان پہنچانے کے ساتھ خود بھی شدید نقصان اٹھاتی رہیں حتّٰے کہ ایک طوفان نے انھیں الگ کردیا۔ اس وقت ولی رئیس اس لیے زیادہ متفکّر تھا کہ آج کی لڑائی کا کوئی نتیجہ نہ معلوم کرسکا۔ ساتھ ہی اُس نے دیکھا کہ دشمن کے نقصاناتِ کثیر پہ لوگ جس قدر خوش ہیں اسی قدر اپنے

مقتولین کی تعداد سے افسردہ ہوئے جاتے ہیں۔ کیوں کہ فی الواقع دونو طرف کا نقصان بالکل مساوی نظر آتا تھا۔ البتہ اس تذبذب میں ہر فریق اپنے تئیں شکست خوردہ سمجھتا تھا کیوں کہ دشمن کی ہزیمت یقینی نہ تھی اور اپنی فتح کی کوئی دلیل نظر نہ آتی تھی۔ بہر حال جب رات ہوئی (اور ہر شخص قیاس کرسکتا ہو کہ اس خوں ریزی کے بعد جو رات آئی ہوگی وہ کیسی ہوگی) اور فریقین آرام کرنے لیٹے تو مشہور ہو کہ وہ کنج لرزہ اور یہ آواز کہ یقیناً ندائے آسمانی تھی، پیدا ہوئی کہ رومیوں کی نسبت ٹسکنون کا ایک آدمی زیادہ مارا گیا ہو۔ یہ اعلانِ غیب سنتے ہی رومیوں نے خوشی کے نعرے بلند کیے اور اُدھر ٹسکنوں پر ایسی ہیبت اور سراسیمگی چھائی کہ خیمے چھوڑ چھوڑ کے جانے لگے اور قریب قریب تتر بتر ہوگئے پانچ ہزار کی تعداد میں جو لوگ باقی رہ گئے تھے ان پر رومیوں نے حملہ کیا اور سب کو قید کرکے ان کا پڑاؤ لوٹ لیا۔ پھر انھوں نے مقتولین کا شمار کیا تو گیارہ ہزار تین سو ٹسکن مردہ پائے گئے اور یہ تعداد رومی مقتولوں سے بقدر ایک کے زیادہ تھی۔ یہ لڑائی فروری کے آخری دنوں میں واقع ہوئی اور اس کے اعزاز میں وِیل رئیس نے جلوسِ فتح نکالا اور وہی پہلا سردار ہو جو اس موقع پر چار گھوڑوں کی رتھ میں بیٹھ کر نکلا بعض کا گمان ہو کہ اس جدت سے لوگوں نے برا مانا ہوگا یا حسد کیا ہوگا۔ حالانکہ وہ نظارہ نہایت شاندار تھا اور تماشائیوں نے دل سے پسند کیا ورنہ اس کا رواج زمانۂ مابعد میں اس شوق و جوشِ مسابقت کے ساتھ قایم نہ رہ سکتا تھا۔ اسی طرح وِیل رئیس نے جو احترام اپنے مردہ ساتھی برونٹس کا کیا اور جنازے پر تقریر کرنے کی رسم نکالی وہ بھی لوگوں نے پسند

کی ۔ کیوں کہ اس موقع پر جو خطبہ اُس نے بروٹس کی یادگار میں پڑھا وہ رومیوں کو اس قدر اچھا معلوم ہوا اور اس کی اتنی قدر ہوئی کہ آیندہ سے بڑے بڑے آدمیوں کا یہ معمول ہوگیا کہ اپنے نامور ہم وطنوں کی تجہیز و تکفین کے وقت تقریروں میں اُن کی خوبیاں بیان کرتے تھے ۔ اسی بنا پر رومیوں کا دعوٰی ہی کہ یہ دستور یونانیوں سے بھی پہلے ان کے ہاں جاری ہوا لیکن اگر انکسامن خطیب کا قول مانا جاے تو یہ بات درست نہیں بلکہ سولن اس رسم کا بانی قرار پاتا ہی۔

لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ان پسندیدہ باتوں کے علاوہ ویل رئیس کے بعض طریقے لوگوں پر شاق گزرے ۔ مثلاً ایک یہی امر انھیں ناگوار ہوا کہ بروٹس بھی جسے ان کی آزادی کا بانی کہنا چاہیے ، جب تک رہا شرکت میں حکومت کرتا رہا اور کبھی اُس نے ساری ذمہ داری اپنے ہاتھوں میں نہیں لی ۔ بلکہ پہلے ایک شخص کو پھر دوسرے کو شریکِ حکومت بنائے رکھا ۔ حالانکہ ویل رئیس نے (مشہور تھا کہ) تمام اقتدار اپنی ذات میں جمع کرلیا ہی اور وہ بروٹس کے بجائے ٹارکوان کا جانشین معلوم ہوتا ہی اکثر لوگوں کا قول تھا کہ بروٹس کی یادگار میں وہ چاہے جتنی تقریریں کرے لیکن اصل یہ ہی کہ جب چوبداروں اور تبرداروں کے جھرمٹ میں وہ اپنے اس محل سے نکلتا ہی جو شاہِ معزول کے منہدم قصر سے بھی زیادہ شاندار ہی ، تو ظاہر ہوجاتا ہی کہ وہ ٹارکوان کا مقلد ہی ۔ اس میں کلام نہیں کہ ویل رئیس کا مکان جو چوک میں سب سے اوپر نکلا ہوا تھا ، اور جس پر سے چوک کی پوری سیر ہوسکتی تھی ، نہایت رفیع الشان نظر آتا تھا اس کی ڈیوڑھی بڑی لمبی اور پیچیدہ بنی ہوئی تھی اور ویل رئیس کا اُتر کے

نیچے آنا ایک شاہانہ نظّارہ ہوتا تھا ۔ لیکن اس موقع پر اُس نے دنیا کو
یہ اخلاقی سبق دیا کہ صاحبانِ قوت و اقتدار کے واسطے احسن یہی ہی کہ وہ
اپنے کان خوشامد کے بجائے سچّی بات سننے کے لیے کھلے رکھیں ۔ چنانچہ
جب اُسے اپنے ہُوا خواہوں سے معلوم ہوا کہ لوگ اُس سے ناراض ہیں
تو حجتیں نہیں نکالیں نہ اس کا بُرا مانا بلکہ ابھی کہ رات باقی تھی بہت
سے مزدوروں کو بلواکر اُس نے حکم دیا کہ ہمارا مکان توڑ کر زمین کی برابر
کر دیا جائے ۔ جب صبح ہوئی اور ایک مجمع کثیر نے آکر یہ حال دیکھا تو وہ
حیران رہ گئے اور ویلی رئیس کی عالی ظرفی پر عش عش کرنے لگے انھیں
اس بات کا بھی کسی آدمی کے ضایع ہوجانے کی طرح نہایت ملال ہوا کہ
ایسا وسیع اور خوب صورت مکان محض اُن کے بے بنیاد شکوک کی بدولت
غارت ہوگیا اور صاحب مکان یعنی اُن کے قنصل کو خانہ بربادوں کے مانند
اپنے دوستوں سے رہنے کے لیے جگہ مانگنی پڑی کیوں کہ واقعی جب تک
لوگوں نے دوسرا مقام اُسے نہ دیا اور وہاں دوسرا مکان، جسے رفعت وشان
میں پہلے سے کچھ نسبت نہ تھی، تیار نہ ہوگیا، اس وقت تک ویلی رئیس
کو مانگے تانگے کے مکانوں میں گزارہ کرنا پڑا۔ اس کا یہ دوسرا مکان اس
جگہ پر تھا جہاں اب ویکا پوٹا کے نام کا مندر واقع ہی ۔

اِس کے بعد اُس نے کوشش کی کہ اپنے تئیں اور حکومت کو پُر
رُعب و خوفناک کے بجائے جمہور کے لیے مانوس و خوش گوار بنائے چنانچہ
تبر کو موقوف کیا اور اپنے جلو کے سپاہیوں کے پاس صرف عصے رہنے دیے
یہ بھی، جس وقت وہ جلسے میں آتا تو لوگوں کے سامنے تعظیماً جھکا دیے جاتے
تھے، تاکہ بہتر سے بہتر طریقے پر معلوم ہوجائے کہ حکومت جمہوری ہی۔ اُس کے

اس قاعدے کی اب تک تفصیل پیروی کرتے ہیں۔ لیکن اس پر بھی اکثر اشخاص یہی سمجھتے رہے کہ یہ انکسار صرف بدنامی سے بچنے کے واسطے اختیار کیا ہو ورنہ جتنا وہ اپنی ظاہری شان و شوکت کو گھٹاتا ہو اتنا ہی اصلی قوت کو زیادہ حاصل کرتا جاتا ہو۔ بایں ہمہ جمہور اس کی بڑی خوشی سے اطاعت کرتے رہے جس کا بہترین ثبوت یہ ہو کہ انھوں نے اُسے پبلی کولا کا لقب دیا (جس کے معنی محبِ قوم کے ہیں) اور آخر میں وہ اسی لقب سے مشہور ہوا اور اس لیے ہم بھی باقی ماندہ سوانح عمری میں اس کے سوا دوسرا نام نہیں استعمال کریں گے۔

پبلی کولا نے پوری آزادی دی کہ قنصلی کے انتخاب کے واسطے جو شخص چاہے کوشش کرے، لیکن اس خوف سے کہ مبادا اُس کا ساتھی جہالت یا رقابت کی وجہ سے اس کے بعض ضروری منصوبوں کے پورا ہونے میں حارج آئے، اُس نے شریکِ حکومت بنانے سے قبل اپنے ذاتی حکم سے چند نہایت اہم اور کارآمد قوانین رایج کیے۔ سب سے اوّل تو اس نے اعضائے مجلس کی کمی پوری کی یعنی جن ارکان کو شاہِ معزول نے مروا دیا تھا یا جو پچھلی لڑائی میں کام آگئے تھے ان کی خالی اسامیوں کو پُر کیا اور لکھا ہو کہ ایک سو چونسٹھ ممبر اپنے ہاتھ سے فہرست میں درج کیے۔ بعد ازاں اس نے کئی قوانین بنائے جن سے جمہور کی آزادی میں اضافہ ہو خصوصاً ایک وہ تھا، جس کی رُو سے ملزم قنصلوں کے فیصلے کا لوگوں سے مرافعہ کر سکتا تھا اور دوسرے نے جمہور کی اجازت بغیر کوئی سرکاری عہدہ (یا مجسٹریٹی) حاصل کرنے کی سزا موت مقرر کی تھی۔ تیسرے میں غریب

شہریوں کا محصول کم کر کے ان کی ہمت افزائی کی گئی تھی۔ ایک اور
قنصلوں کی نافرمانی کے متعلق تھا اور یہ بھی نہایت مقبول ہوا کیونکہ
اس میں امرا کا زور توڑ کر عوام کی آسانی کے لیے یہ قاعدہ بنایا گیا
تھا کہ جو شخص قنصلوں کا کہنا نہ مانے اس پر زیادہ سے زیادہ دس بیل اور
دو بکریاں جرمانہ کیا جائے اور بکری کی قیمت ان دنوں دس روبل اور بیل
کی سو روبل مقرر تھی۔ واضح رہے کہ اس زمانے میں رومیوں کی
بڑی دولت یہی مویشی تھی اور روپیہ ان کے یہاں اس قدر رائج نہ تھا
اسی باعث اب تک املاک کے لیے پیکیولیا کا لفظ بولتے ہیں جو پیکوس
بمعنی مویشی سے مشتق ہے۔ ان کے قدیم سکّوں پر بھی بیل، بکری اور سوّر
کی تصویر ٹھپّہ کی جاتی تھی اور ان دنوں اپنے بچّوں کے نام بھی وہ
اسی قسم کے رکھتے تھے جیسے سوئلی، ببولکی، کیپ راری (کیپری بمعنی
بکری سے) پورسنی (پورسی بمعنی سوّر سے)۔

اس اعتدال اور نرمی کے باوجود ایک سخت جرم ایسا تھا جس کی
سزا بھی اس نے بہت سخت مقرر کی یعنی اس نے جائز قرار دیا کہ جو
شخص چاہے ایسے آدمی کو جو استبداد اور شخصی سلطنت کی ہوس کرے
قتل کر دے اور بعد میں مقتول کے جرم کا ثبوت دے کر قصاص سے
محفوظ ہو جائے۔ ضرورت اس اجازت کی یہ تھی کہ ہرچند ایسا جرم بالعموم
مخفی نہیں رکھا جا سکتا تاہم ممکن ہے کہ کوئی شخص علانیہ مطلق العنانی کے
لیے کوشاں ہو اور یہ سمجھ کر کہ کامیابی پا لینے کے بعد بزور مخالفت کو
دبا دے گا، ارتکاب کی تیاریاں کرتا رہے۔ پس ایسی صورت میں،
غاصب کی جان لینا، قبل اس کے کہ وہ صحیح معنوں میں ارتکابِ جرم
کرے اس نے مُباح کر دیا۔

ایک اور ضابطے کی وجہ سے بھی پبلی کولا کا بڑا نام ہوا، جو سرکاری خزانے کے بارے میں تھا۔ اصل یہ ہے کہ وہ رقم جو اہلِ ملک غیر معمولی مصارفِ جنگ کے لیے جمع کرتے تھے پبلی کولا خود رکھنی نہ چاہتا تھا نہ اُسے یہ پسند تھا کہ وہ اس کے کسی دوست کی تحویل میں رکھی جائے۔ پس اس نے زحل دیوتا کا مندر اس بیت المال کے لیے مخصوص کر دیا اور اسی مقام پر آج کے دن تک اہلِ رومہ اپنا سرکاری روپیہ رکھتے ہیں ساتھ ہی اس نے یہ حق بھی جمہور کو دیا کہ وہ جن دو آدمیوں کو چاہیں اپنا امین یا بخشی (کوالیسٹر) منتخب کریں۔ چنانچہ پبلیس وٹوریس اور مرقس منوکیس اس منصب پر سب سے اوّل مرتبہ منتخب ہوے۔ اور ایک رقم کثیر ان کی نگرانی میں جمع ہو گئی کیوں کہ ان دونو نے یتیم و بیوگان کو مستثنیٰ کرنے کے بعد جو محصول تشخیص کیا تھا اس کی مقدار ایک لاکھ تیس ہزار تک پہنچتی تھی۔ جب یہ انتظامات مکمل ہو چکے تو پبلی کولا نے لسریشیا کے باپ لُکش اَرِیٹیس کو اپنا شریکِ قنصلی بننے کی اجازت دے دی اور نیز معمر ہونے کی وجہ سے اُس کو فوقیت دی یعنی قنصلی بر قنداز اور ماہی مراتب اسی کو دے دیے چنانچہ معمری کا یہ لحاظ ہمارے عہد تک قایم اور باقی ہو۔ لیکن تھوڑے دن کے بعد جب لُکش اَرِیٹیس مر گیا تو نئے انتخاب کے مطابق مرقس ہوریس اس منصب پر سرفراز ہوا۔ اور اختتامِ سال تک وہی پبلی کولا کی شرکت میں کام کرتا رہا۔

اب، اس وقت کہ شاہِ معزول دوسری مرتبہ رومہ کے خلاف ٹسکنی میں جنگ کی تیاریاں کر رہا تھا، کہتے ہیں ایک حیرت انگیز شگون دیکھنے میں آیا۔ واضح ہو کہ جب اپنی بادشاہت کے زمانے میں ٹارکوان

بالا حصار کی عمارات تیار کرا رہا تھا تو اس کی تکمیل سے کچھ پہلے اُسے یہ خیال (خواہ کسی الہامی پیغام کے ذریعے یا محض اپنی رائے سے) پیدا ہوا کہ اس کے بُرج کے سرے پر ایک مٹی کی رتھ کھڑی کی جائے۔ چنانچہ شہر وی آمے کے ٹسکن کاریگروں کو اس کے بنانے کا حکم دیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد اس کی سلطنت چھن گئی اور وہ روما سے نکال دیا گیا۔ ادھر جب ٹسکنوں نے اس رتھ کو بھٹی میں ڈالا تو بجائے اس کے کہ اس کی مٹی اپنی گرمی سے خشک ہوکر جم جاتی۔ وہ خود بخود پھولنی شروع ہوئی اور خشک ہوتے ہوتے اس قدر پھیل گئی کہ سخت ہوجانے کے بعد بھٹی کی دیواریں اور چھت توڑنے کے باوجود بڑی دقتوں سے باہر آئی اور وہاں کے رمالوں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ جن کے قبضے میں یہ رتھ رہے گی وہ امدادِ آسمانی سے نہایت کامیاب اور مقتدر ہوجائیں گے۔ اسی بنا پر ٹسکنون نے ارادہ کرلیا کہ اسے رومیوں کے حوالے نہ کیا جائے، چنانچہ جب انھوں نے مطالبہ کیا تو کہلا بھیجا کہ اس کا حق دار ہوسکتا ہے تو ٹمارکوان ہوسکتا ہے نہ کہ وہ لوگ جنھوں نے اُسے خارج البلد کردیا۔ اس واقعے کے تھوڑے دن بعد شہر وی آمے میں معمول کے موافق بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ایک گھڑ دوڑ ہوئی، اور جب وہ رتھ والا جس نے بازی جیتی تھی، پھولوں کا سہرا پہنے اطمینان کے ساتھ اپنی رتھ کو حلقے سے باہر لے جارہا تھا، اس وقت اس کے گھوڑے بغیر کسی ظاہری سبب کے چمکے اور اتفاقاً یا بہ ایمائے خداوندی روما کی سمت پوری طاقت سے، رتھ اور رتھ بان کو لے کے بھاگے۔ نہ رتھ بان کا کچھ زور چلا نہ اس کی آوازیں اور غل شور کام آیا۔ گھوڑے اپنے زور میں آسے

روما تک لے آئے اور قلعے ہی کے سامنے لا کے اُسے اس دروازے کے قریب گرایا جسے راٹومینا کہتے ہیں۔ اس وقوعے نے اہلِ وی آئے کو سخت متحیّر اور خوف زدہ کیا اور اب انھیں یہی مناسب معلوم ہوا کہ وہ مٹی کی رتھ اہلِ روما کے حوالے کر دیں۔

قلعے میں برجلیس (جوپٹر) دیوتا کا وہ عالی شان مندر جس کے بنانے کی فرمارا طوس کے بیٹے ٹارگوان نے سابینی قوموں سے لڑتے وقت منّت مانی تھی، اس کے پوتے یا بیٹے ٹارگوان سپربس کے عہد میں قریب قریب اتمام کو پہنچ گیا تھا، لیکن اُسے دیوتا پر چڑھانے کی رسم ہنوز ادا نہیں ہوئی تھی کہ اس کی بادشاہت جاتی رہی اور اب اس کی تعمیر اور آراستگی کامل ہو جانے کے بعد پبلی کولا کو بڑی آرزو تھی کہ اس شاندار نذرانے کی رسم اُس کے ہاتھوں ادا ہو۔ لیکن امرا کو اس اعزاز کا رشک ہوا۔ پبلی کولا، کیا بلحاظ اپنے جنگی کارناموں کے اور کیا نہایت مفید قوانین بنانے کی وجہ سے، ایک حد تک اس عزّت کا مستحق تھا، تاہم اُس کے ہم وطنوں کو ناگوار ہوا کہ تمام عزّتیں اُس کے حصّے میں آجائیں۔ چنانچہ اُنھوں نے ہوریشیئس کو رسم کی اجازت لینے پر ابھارا اور پبلی کولا کی عدم موجودگی میں، جب کہ وہ کسی فوجی مہم پر گیا ہوا تھا، یہ کام بالاتفاق ہوریشیئس کے سپرد کر دیا اور ساتھ ہی اُسے رسم ادا کرنے کے لیے قلعے میں لے آئے گویا پبلی کولا کی موجودگی میں انھیں خوف تھا کہ یہ کارروائی نہ کر سکیں گے۔ مگر بعض مصنّفین لکھتے ہیں کہ اس واقعے کی یہ صورت نہ تھی بلکہ غالباً انھوں نے جس وقت پبلی کولا کا اُس کے خلاف منشا مہم لے جانا تجویز کیا تھا اُسی وقت رسم کی ادائی ہوریشیئس کے لیے

منظور کردی تھی - اس قیاس کی تائید کسی قدر اس واقعے سے بھی ہوتی ہے، جو رسم کے وقت پیش آیا۔ یعنی جب ستمبر کی تیرھویں تاریخ (جو مگت نیان مہینے میں ماہِ کامل کے دن آتی ہے) لوگ قلعے میں جمع ہوئے اور خاموشی ہوجانے کے بعد ہورشیئس ابتدائی رسمیں ادا کرچکا اور پھر دستور کے موافق (عمارت کے) دروازے تھام کر وہ الفاظ کہنے شروع کیے جو ایسے نذرانے کے وقت کہے جاتے ہیں، تو پبلی کولا کا بھائی مرقس کہ اسی مقصد کے لیے پہلے سے دروازوں کے پاس آکر کھڑا ہوگیا تھا، موقع پاکر چلایا کہ "اے قنصل تیرے بیٹے کی لاش پڑاؤ میں پڑی ہے!" یہ سنتے ہی تمام حاضرین سناٹے میں آگئے لیکن ہورشیئس ذرا بھی ہراساں نہ ہُوا بلکہ یہ مختصر جواب دے کر کہ لاش کو جدھر تمھارا جی چاہے پھینک دو، میں سوگ کرنے والوں میں نہیں ہوں" وہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہوگیا اور رسم نذرانہ پوری کی - واضح رہے کہ یہ خبر سچّی نہ تھی اور مرقس کو امید تھی کہ اس فریب سے شاید اس تقریب میں کھنڈت پڑجائے گی - لیکن ہورشیئس نے، خواہ اس فریب کو تاڑ کر خواہ سچ سمجھنے کے باوجود، کسی قسم کا اضطراب نہیں ظاہر کیا جس سے ثابت ہے کہ وہ اپنے نفس پر کیسی حیرت انگیز قدرت رکھتا تھا۔

یہ لکھنا بھی دل چسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جو کچھ اس مندر پر گزری تھی وہی اس نام کے دوسرے مندر پر گزری - یعنی اس کو جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ ٹارکوائن نے بنایا تھا اور ہورشیئس نے دیوتا پر چڑھایا - پھر خانہ جنگی کے زمانے میں یہ جل گیا تو سِلّا نے دوسرا بنوایا مگر وہ بھی تکمیل سے پہلے مرگیا اور رسم نذرانہ کی عزت کٹولس کے واسطے چھوڑ گیا۔ یہ دوسرا

مندر وٹلی کی شورش کے وقت مسمار کر دیا گیا اور پھر رومی شہنشاہ وس پیشین نے، اسی کامیابی کے ساتھ جو اُسے اور کاموں میں نصیب ہوئی تھی، تیسری مرتبہ تعمیر کرایا اور اس کی تکمیل تک زندہ بھی رہا اور خوش قسمتی سے اُس کا تلف ہونا نہ دیکھنے پایا جو تھوڑے ہی دن بعد واقع ہوا۔ اس معاملے میں سلا سے اس کا نصیب بہر حال اچھا ہو کہ اُس نے جو شے بنوائی تھی اُسے پروان چڑھا سکا اور اُس نے جو کچھ بنوایا اس کی تکمیل دیکھی اور خرابی نہ دیکھی۔ کیوں کہ وس پیشین کے مرتے ہی اُس مندر میں آگ لگ گئی اور وہ بالکل برباد ہوگیا۔ چوتھی مرتبہ شاہنشاہ ڈومیشین نے اس کی تعمیر کرائی اور جیسا بنوایا تھا اب تک موجود ہو کہتے ہیں ٹارکوان کے عہد میں اس پر چالیس ہزار نقرئی پونڈ لاگت آئی تھی۔ لیکن آج کل تو محال ہو کہ رومہ کا کوئی دولت مند سے دولت مند شہری محض اُس سونے کے پانی کی قیمت بھی ادا کر سکے جو اُس پر پھرا ہوا ہو اور جس کا خرچ بارہ ہزار ٹیلنٹ[1] تک پہنچتا ہو۔ اُس کے ستون پن تلیقی سنگ مرمر سے بنائے گئے تھے اور اُن کی مٹائی ان کی لمبائی کے نہایت موزوں تھی اور ہم نے انھیں ایتھنز میں دیکھا تھا۔ لیکن وہاں سے جب رومہ آئے اور انھیں از سر نو تراش کر یہاں لگایا گیا۔ تو ان کے بیل بوٹوں نے ان کی زیبائش کو اتنا نہیں بڑھایا جتنا کہ جسامت کم ہو جانے کی وجہ سے اُن کا تناسب بگڑا، اور وہ پتلے پتلے بدنما ہو گئے۔ ان مصارفِ کثیر پر اگر کسی کو تعجب ہوا اور وہ خود ڈومیشین کے محل کی کسی غلام گردش یا ایوان یا حمام یا حرم سرا کو دیکھنے جائے تو یقین ہو کہ اپی کارمس کا یہ شعر بے ساختہ

---

[1] ٹیلنٹ ایک قدیم سکہ جس کا ایک ہمارے ساڑھے تین ہزار روپے کے برابر ہوتا ہو۔ م

اس کی زبان پر جاری ہو جائے گا کہ :-

" جو سچ پوچھو تو فیّاضی نہ یہ کوئی سخاوت ہی
خدا کی نعمتیں، بلکہ، اُڑا دینے کی ایک لت ہی "

اور وہ یہ کہے گا کہ نہ یہ اظہارِ تجمل ہی اور نہ کچھ شانِ بزرگی بلکہ محض عمارتیں بناتے چلے جانے کا ایک جنون ہی اور یا میڈاس کی طرح ہر شے کو سونے اور پتھر میں بدل دینے کی ہوس، لیکن بس اس مضمون پر اتنا ہی کافی ہی -

پچھلے معرکے میں جب ٹارکوان کو شکست ہوئی اور بروٹس کے ساتھ لڑائی میں اس کا بیٹا بھی مارا گیا تو وہ بھاگ کر کلوسیم چلا آیا اور لارس پرسینا سے امداد چاہی جو ان دنوں اطالیہ کے قوی ترین بادشاہوں میں ایک قابل اور فیّاض بادشاہ تھا - اس نے ٹارکوان کو مدد دینے کا اقرار کیا اور فوراً روما کو سفیر بھیجے کہ اپنے بادشاہ کو وہاں کے لوگ دوبارہ بلاکر سلطنت حوالے کردیں - رومیوں کے جواب صاف دینے پر شاہِ موصوف نے بلا توقف اعلانِ جنگ کردیا اور فریقِ مخالف کو اپنے حملے کے وقت اور مقام سے اطلاع دے کر ایک فوجِ کثیر لیے ہوئے روما کی طرف بڑھا - پبلی کولا دوبارہ قنصل مقرر کیا جاچکا تھا اور ٹیٹس لسرشیس اس کا شریکِ حکومت منتخب ہوا تھا - روما میں واپس آنے کے بعد یہ دکھانے کو کہ اہلِ روما پرسینا سے بھی زیادہ اولوالعزم ہیں اُس نے عین دشمن کے قریب آجانے کے وقت ایک قصبے کی بنیاد ڈالی جس کا نام سگلوریا تھا اور اس کی فصیلیں بڑے خرچ سے تیار کرا کے وہاں سات سو آبادکار بسائے - گویا اُنھیں لڑائی کے متعلق کوئی تردّد ہی

نہیں تھا! لیکن دشمن نے پہلے ہی تیز و تند حملے میں نوآباد مدافعین کے
پانو اکھاڑ دیے اور اُنھیں سگلوریا سے روما بھاگنا پڑا۔ اور بے شبہ
حملہ آور اُنھیں مفرورین کے تعقب میں خود بھی روما میں داخل ہوجاتے
اگر ہپلی کولا پھاٹک سے نکل کر خود حملہ نہ کرتا۔ اُسی نے جاکر لڑائی
کو کچھ دیر کے لیے تھام لیا اور دریاے ٹیبر کے کنارے دشمن کے بے شمار
سپاہیوں کو روکا۔ لیکن جب اس کے کئی شدید زخم آئے اور سنبھلا نہ جاسکا
تو لوگ اُسے میدان سے ہٹا لائے۔ یہی حال تقدیر سے لسرشیئیس کا
ہوگیا اور ان دونو کی عدم موجودگی نے رومیوں کو ایسا بے دل کیا کہ وہ
پناہ لینے کے لیے شہر کی طرف ہٹنے لگے۔ اس وقت روما کی حالت کمال
نازک ہوگئی تھی۔ دریا تک دشمن آپہنچا تھا اور شہر میں پہنچنے کے لیے صرف
ایک کاٹھ کا پُل اُسے عبور کرنا باقی تھا۔ اس حال میں ہورشیئیس کاکلس
نے نکل کر اُسے روکا اور صرف ہرمی نس اور لارٹیس دو رفیقوں کے
ساتھ جو روما کے معزز ترین شہریوں میں تھے، وہ حملہ آوروں کے مقابلے
میں جم گیا۔ ہورشیئیس کو کاکلس اس لیے کہتے ہیں کہ لڑائیوں میں اس
کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی مگر ایک روایت یہ ہو کہ اس کی ناک اس قدر
بیٹھ گئی تھی کہ بیچ میں فصل نہ رہنے کی وجہ سے دونو آنکھیں ایک نظر آتی تھیں
اسی وجہ سے لوگ اُسے کاے کلوپس (یعنی "عفریت") کا لقب دینا
چاہتے تھے جو بگڑ کر کاکلس رہ گیا۔ بہرحال یہ شخص پُل پر قایم رہا اور
اس وقت تک کہ پیچھے سے پُل توڑ دیا گیا، اُس نے دشمنوں کو روکے رکھا
اور جب پُل ٹوٹ گیا تو زرہ بکتر سمیت دریا میں کود کر دوسری جانب
تیر آیا حالانکہ ایک ٹسکن برچھے سے اس کا بازو مجروح ہوگیا تھا۔ اس

شجاعت کے صلے میں پبلی کولا نے تجویز کی کہ ہر شہری اُسے اپنا ایک دن کا کھانا نذر دے اور پھر اتنی زمین جس میں وہ ایک دن میں ہل پھیر دے۔ اس کے علاوہ اس کے اعزاز میں اور زخم سے لولے ہو جانے کی یادگار میں ایک برنجی مجسمہ بھی ولکن کے مندر میں نصب کرادیا ۔

لیکن اب پرسینا کے محاصرہ کرلینے کی وجہ سے شہر میں قحط شروع ہوگیا تھا۔ ادھر ٹسکنون کی ایک تازہ دم فوج مضافات پر تاخت کر رہی تھی۔ اس وقت پبلی کولا، جو تیسری مرتبہ قنصل منتخب کیا گیا تھا پرسینا کی فوجوں سے صرف قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرتا رہا، لیکن ٹسکنون کی نئی فوج سے لڑنے وہ چھپ کر شہر سے نکلا اور ایک ہی حملے میں ان کے پانچ ہزار آدمی قتل کیے اور انھیں بھاگنے پر مجبور کیا۔

اب ہم موکیئس کا قصہ لکھتے ہیں جسے مختلف طریق سے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن ہم انھیں روایتوں کی پیروی کریں گے جو عام طور پر صحیح تسلیم کی جاتی ہیں۔ یہ شخص بہت سے عمدہ اوصاف سے متصف اور شجاعت میں مشہور تھا۔ اس نے پرسینا کے قتل کا عزم مصمم کیا۔ اور ٹسکنون کا بھیس بدل کے انھیں کی زبان بولتا ہوا محاصرین کے لشکر میں اس مقام تک آپہنچا جہاں بادشاہ اپنے سرداروں سمیت دربار کیا کرتا تھا۔ لیکن پرسینا کی اُسے شناخت نہ تھی اور گرفتار ہو جانے کے خوف سے کسی سے دریافت بھی نہ کرسکتا تھا۔ پس اس نے تلوار نکالی اور ایک شخص پر، جو اس کے خیال میں سب سے زیادہ بادشاہ معلوم ہوتا تھا، حربہ کیا، وار کرتے ہی میں اسے لوگوں نے گرفتار کرلیا اور جب اس سے سوالات کیے جارہے تھے اُس وقت بادشاہ کے سامنے جو

کوئی قربانی کرنی چاہتا تھا؛ ایک بہت بڑے کنجے میں آگ لائی گئی، اس جلتی آگ میں موکیئس نے ازخود اپنا ہاتھ گھسا دیا اور اُسے جلنے میں کمال اطمینان و دلیری کے ساتھ، پرسینا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا رہا۔ یہ حیرت انگیز دلاوری بادشاہ کو متاثر کیے بغیر نہ رہی اُس نے خوش ہوکر اُسے معاف کردیا اور اپنی جگہ پر سے بیٹھے بیٹھے اس کی تلوار اُسے واپس دینے لگا۔ یہ تلوار موکیئس نے اپنے بائیں ہاتھ سے لی۔ (اور اسی واقعے سے "اس کی دولا" یعنی ذوالیسار کے نام سے موسوم ہوا) اور کہنے لگا کہ پرسینا کے خوف کو میں نے مغلوب کرلیا ہو لیکن اس کی عالی ہمتی سے ہار جانے کا مجھے اعتراف ہو اور شکرگزاری مجھے مجبور کرتی ہو کہ وہ راز اس پر کھول دوں جو کوئی عقوبت یا سزا نہ کھلوا سکتی تھی"۔ پھر اُس نے یقین دلایا کہ تین سو رومی سوار رومی بادشاہ کی جان لینے کے ارادے سے اُس کے اُردو کے آس پاس موجود ہیں اور موقعے کی تاک میں لگے ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے "برقُرے قرعہ" میں اس کام کے لیے مقرر کیا گیا تھا اور اب مجھے اپنی ناکامی کی مطلق پشیمانی نہیں ہو کیوں کہ پرسینا جیسا عمدہ اور بہادر شخص اس لائق ہو کہ رومیوں کا دوست بنایا جائے نہ کہ دشمن"۔ موکیئس کی اس بات کو پرسینا نے باور کرلیا۔ اور پھر صلح کی طرف بھی اپنا میلان ظاہر کیا، جس کی وجہ میرے نزدیک یہ نہ تھی کہ وہ ان تین سو آدمیوں سے خوف زدہ ہوگیا تھا بلکہ غالباً وہ اپنے دشمنوں کی شجاعت کا گرویدہ ہوتا جاتا تھا، (اور اس وصف کی عملی قدردانی پر آمادہ تھا) اس رومی کا نام تمام

مصنفین نے موکینس اسکی دولا ہی لکھا ہو لیکن آتھی دورش اپنی ایک
ایک کتاب میں جو سیرز کی بہن اوک سے ڈویہ کے نام سے تحریر کی ہو
دعوے کرتا ہو کہ موکینس ، پوسٹومس بھی کہلاتا ہو ۔
ادھر ہبلی کولا جسے پرسینا کی دشمنی کا اتنا خوف نہ تھا جتنی کہ اس
کے ساتھ اتحاد ہوجانے سے خوشی ہوئی ، اس بات پر تیار ہوگیا کہ ٹارکوان
شاہِ معزول کے جھگڑے میں پرسینا ہی کو پنچ بنائے ۔ اور اس کی ظالمانہ
کارروائیاں دکھانے پر اور اس کی معزولی کو حق بجانب ثابت کرنے پر کئی
مرتبہ آمادگی بھی ظاہر کی ۔ لیکن ٹارکوان نے نہایت نخوت سے اس قرارداد
کو رد کردیا اور کہا کہ میں کسی کو اپنے معاملے میں حکم تسلیم نہیں کرتا خصوصاً
پرسینا تو اس منصب کا مستحق ہو ہی نہیں سکتا کہ اس نے اپنے عہد سے
انحراف کیا ہو (یعنی رومیوں سے صلح کرنی چاہتا ہو) یہ جواب سُن کر پرسینا
ناراض اور اس کے دعاوی کے حق بجانب ہونے سے بدگمان ہوگیا نیز
اپنے بیٹے آرون کی کوششوں سے جو رومیوں کا سرگرم طرف دار تھا اس
نے ان شرائط پر اُن سے صلح کرلی کہ تمام زمین جو اہلِ روما نے ٹسکنون
سے حاصل کرلی تھی واپس دے دی جائے گی ، ان کے قیدی چھوڑ دیے
جائیں گے اور اس کے مقابلے میں رومیوں کے جو بناہ گزیں پرسینا کے
ساتھ تھے وہ اپنے وطن کو واپس جائیں گے ۔ اس معاہدے کی ضمانت میں
رومیوں نے اپنے امرا کے دس لڑکے اور دس لڑکیاں بطور یرغمال ٹسکنون
کے پاس بھجوا دیے اور انھیں میں ہبلی کولا کی بیٹی ویل ریا بھی تھی ۔
یرغمالوں کے پہنچنے کے بعد پرسینا نے جنگی کارروائیوں سے ہاتھ اٹھایا
اور یہ (دھی لڑکیاں (اس کے پڑاؤ سے) دریا میں اس مقام پر نہانے

آئیں - جہاں موڑ کی وجہ سے کھاڑی بن گئی ہو ، اور پانی نسبتاً ساکن ہوگیا ہو - جب انھوں نے دیکھا کہ اُن کے ساتھ کوئی نگہبان نہیں ہو اور نہ کوئی آدمی ادھر آجارہا ہو تو انھیں باوجود دریا کی گہرائی اور تیز بہاؤ کے ، یہ جسارت ہوئی کہ اُسے تیر کر پار ہوجائیں - بعضوں کا قول ہو کہ اُن میں ایک لڑکی کلیلیہ گھوڑے پر سوار تھی اور اُسی نے پہلے گھوڑا ڈال کر اوروں کو اپنے پیچھے آنے کی ترغیب دی تھی - لیکن بخیریت عبور کر آنے کے بعد جب یہ لڑکیاں پبلی کولا کے سامنے آئیں تو نہ اُس نے ان کی تعریف کی نہ اس طرح چلا آنا پسند کیا - بلکہ اس کو تردد ہوا کہ ان لڑکیوں کی دلیری رومیوں کی غداری پر نہ محمول کی جائے اور وہ پرسینا کے مقابلے میں بے وفا نہ سمجھا جائے - چنانچہ اُس نے اُنھیں حراست میں لے کر دوبارہ پرسینا کے پاس بھجوادیا لیکن اس واقعے کی اطلاع تارکوان کے آدمیوں کو بھی ہوگئی - وہ دریا کے پار گھات میں چھپ کر بیٹھ گئے اور جب یہ لڑکیاں اور ان کا بدرقہ وہاں سے گزرا اُس وقت انھوں نے اپنی کمین گاہ سے نکل کر حملہ کیا اور سب کو چاروں طرف سے گھیر لیا لڑائی چھڑتے ہی پبلی کولا کی بیٹی ولیریا اپنے تین نوکروں کی مدد سے دشمنوں پر جھپٹی اور بچ کر صحیح سلامت بھاگ گئی - مگر اس کے ہمراہیوں کے گھر جانے کی خبر سنتے ہی آروَن ان کو بچانے کے لیے لپکا اور دشمن کو بھگا کر رومیوں کو بچا لایا - مراجعت کے بعد جب پرسینا کے آگے یہ لڑکیاں لائی گئیں اور دریافت کرنے پر اُسے معلوم ہوا کہ اس فعل کی اصل بانی کلیلیہ تھی تو وہ خوش ہوا اور اس کی طرف دیکھ کر

مسکرایا پھر خاص اپنا ایک گھوڑا منگایا اور اُسے نہایت تکلف سے سجاکر کلیلیہ کو تحفۃً عنایت کیا۔ اسی بات کو وہ لوگ، جو کہتے ہیں کہ کلیلیہ گھوڑے پر سوار دریا سے اتری تھی، شہادت میں پیش کرتے ہیں، لیکن فریق ثانی کہتا ہو کہ یہ محض بہادری کے صلے میں لشکن بادشاہ نے اس کی عزت بڑھائی تھی۔ مگر ساکرا نام سٹرک پر پلاٹیم کے راستے میں ایک اسپ سوار مورت بھی کھڑی ہو جسے بعض لوگ کلیلیہ کا بُت بتاتے ہیں اور بعض ویلریا کا۔ القصّہ جب پرسینا کی رومیوں سے اس طرح صفائی ہوگئی تو اُس نے ایک اور طریق سے اُن پر اپنی فیاضی کا اظہار کیا یعنی سپاہیوں کو حکم دیا کہ اپنے تمام خیمے جن میں غلہ اور دوسری اجناس بھری ہوئی تھیں، رومیوں کے لیے بجنسہٖ چھوڑکر گھروں کو لوٹ جائیں اور سوائے ہتھیاروں کے کوئی شے اپنے ساتھ نہ لیں! یہی واقعہ ہو جس کی بنا پر آج تک جب اسباب کا نیلام ہوتا ہو تو پہلی بولی پُرسینا کی بولی جاتی ہو، جس سے اُس کی مہربانی کی ایک دوامی یادگار قایم رکھنی مقصود ہو۔ نیز ایوانِ مجلس میں، سادہ اور قدیم طرز پر بنا ہُوا ایک برنجی مجسمہ بھی اس کا نصب ہو۔

اس کے بعد سبائینی قوم کے لوگوں نے رومی علاقوں پر تاخت شروع کی اور پبلی کولا کا بھائی ویلِ رِئیس اور ٹبرٹس اُس سال قنصل منتخب ہوے۔ محض اپنے بھائی ہی کی امداد اور مشورے سے ویل رئیس نے دو لڑائیاں جیتیں اور ان میں سے آخری میدان داری میں، بغیر ایک رومی کا نقصان اٹھائے، اس نے تیرہ ہزار دشمنوں کو

قتل کیا! اس واقعے نے اس کو نہایت نام آور بنا دیا اور جلوس فتح کے علاوہ اس کے اعزاز میں اہلِ رومہ نے سرکاری خرچ سے پلاٹیم میں ایک مکان اس کے لیے بنوا دیا، اور دستورِ عام کے خلاف اس مکان کے دروازے باہر بازار کے رُخ کھلتے ہوئے رکھے، تاکہ جب وہ کھلوائے جائیں، تو بازار کے آنے جانے والوں کو راستہ دینا پڑے اور وہ ایک طرف ہٹ جائیں، اور اس سے ویلریئس کی دائمی تعظیم کا اظہار ہو اور دکھا دیا جائے کہ اس کے ہم وطن اس کی خدمات کی کیسی قدر کرتے ہیں، دروازوں کے باہر کی طرف کھلنے کا رواج مشہور ہے کہ قدیم یونانیوں میں بھی نہایت عام تھا اور اس کا ثبوت ڈراموں سے ملتا ہے جن میں گھر سے باہر جانے والے دروازوں کے اندر شور کرتے دکھائے جاتے ہیں، تاکہ رہ گیروں کو دروازہ کھلنے کی خبر ہو جائے اور وہ اِدھر اُدھر رُک کر کھڑے ہو جائیں۔ اور کواڑوں کے ایکا ایکی گلی میں کھلنے سے لوگوں کے چوٹ پھیٹ نہ آ جائے۔

اس سے ایک سال بعد، جب سبائینی اور لاطینی قومیں متحد ہو کر رومیوں سے جنگ پر آمادہ معلوم ہوتی تھیں، ہبلی کولا چوتھی مرتبہ قنصل مقرر ہوا۔ شہر میں اِن دنوں ایک عام مرض اسقاطِ حمل کا پھیل گیا تھا اور کوئی ولادت بھی صحیح وقت پر نہیں ہوئی تھی، جس سے اوہام پرست مخلوق میں سخت انتشار اور خوف طاری ہو گیا تھا۔ مگر ہبلی کولا نے اپنی قدیم کاہنہ عورتوں (سیبل) کی کتابوں سے مدد لی، پلوٹو دیوتاؤں کے نام قربانیاں چڑھائیں اور اپالو کے بعض بعض کھیلوں کی تجدید کر کے اہلِ شہر کو دیوتاؤں کی طرف سے مطمئن کر دیا اور جب اس

سے فراغت ہوئی تو انسانوں کے لائے ہوئے خطرات کی جانب متوجہ ہوا۔ باحوال ظاہر اس مرتبہ دومیوں کے خلاف بڑے پیمانے پر تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ لیکن سبانیوں میں ایپیس کلاسس ایک نہایت دولت مند اور قوی ہیکل شخص تھا اور خصوصیت کے ساتھ اُسے اپنی فصاحت اور شریفانہ عادات سے ناموری حاصل ہوئی تھی۔ ساتھ ہی، جیسا کہ عام طور پر بڑے آدمیوں کا مقدر ہوتا ہو، وہ حاسدوں کے حسد سے محفوظ نہ تھا۔ بالخصوص جب اُس نے لڑائی کی مخالفت اور بظاہر دومیوں کی طرف داری کی تو دشمنوں کو بدنام کرنے بڑا موقع ہاتھ آیا اور لوگ خیال کرنے لگے کہ وہ خود شاہی اقتدار حاصل کرنا چاہتا ہو۔ اس وقت کلاسس جو ملزم بن کر عدالت میں جانے سے خائف تھا، اپنی بھلائی اسی میں سمجھا کہ جنگ روکنے کے لیے اپنے طرف داروں سمیت اُٹھ کھڑا ہو اور ہنگامہ مچا دے۔ اس قسم کے اندرونی جھگڑوں سے جو نتایج پیدا ہوتے ہیں، کلاسس اُن سے بے خبر نہ تھا اور اُدھر پیلی کولا کی نگاہیں بھی اپنے مخالفوں پر لگی ہوئی تھیں۔ نہ صرف کمال ہوشیاری کے ساتھ اُس نے اسبابِ شورش معلوم کر لیے تھے بلکہ ان کو ترقی اور تقویت دینے میں بھی وہ نہ چوکا اور کلاسس کے پاس ایلچیوں کی معرفت یہ پیغام بھیجا کہ پیلی کولا کو تمھاری حق پسندی اور انصاف کا کامل یقین ہو اور ہرچند وہ اس بات کو انسانیت اور شرافت کے خلاف سمجھتا ہو کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی ضرر رسیدہ کیوں نہ ہو، اپنے ہم وطنوں سے انتقام لینے کی کوشش کرے، تاہم اگر محض حفاظت خود اختیاری کے لیے تم پسند کرو تو اپنے

مخالفین کا ساتھ چھوڑ کر رومہ چلے آؤ جہاں سرکاری اور خانگی طور پر
تمھاری وہی مدارات کی جائے گی جو تمھارے معزز رُتبے اور اہلِ رومہ
کی حیثیت کے لائق ہے۔

جب اپیلیس کو یہ پیغام ملا اور غور کرنے کے بعد اپنی مجبوریوں
کے لحاظ سے بہترین طریقِ عمل یہی نظر آیا تو اُس نے اپنے دوستوں
کو بھی ساتھ دینے کی صلاح دی اور اسی طرح انھوں نے دوسروں کو
اپنا شریک بنایا یہاں تک کہ جب وہ رومہ چلا تو سبا ینی قوم کے پانچ
ہزار سب سے زیادہ معقول اور اعتدال پسند گھر اہل و اعیال سمیت اُس
کے ہمراہ تھے۔ ان کے آنے کی خبر سن کر پبلی کولا فوراً استقبال کے لیے
آیا اور بڑے لطف و مدارات کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ شہر میں لے
گیا۔ جہاں انھیں تمام شہری حقوق دیے گئے اور فی کس دو ایکڑ
زمین دریائے اینیو کے کنارے ملی لیکن کلاسس کو پچیس ایکڑ
زمین کے علاوہ مجلس کی رکنیت سے بھی سربلند کیا گیا۔ یہ گویا اُس
ملکی اقتدار کی ابتدا تھی جس کو وہ بہت دانائی سے کام میں لایا اور
آیندہ بلند ترین مدارجِ شہرت و رسوخ پر پہنچا اور اپنے بعد اپنا
خاندان (کلاڈین) یادگار چھوڑ گیا جو رومہ بھر میں کسی خاندان
سے کم درجے نہ تھا۔

ان لوگوں کے چلے آنے سے سبا ینی قوم کے اختلافات رفع
اور ان میں سکون ہوگیا تھا۔ لیکن ان کا سردار اس بات کا روادار
نہ ہوا کہ اس کی قوم لڑائی اور رومیوں سے انتقام لینے کا خیال
چھوڑ دے۔ اور کلاسس کا جلا وطنی کے ذریعے وہ مقصد حاصل ہوجا

جو وطن میں رہ کر اُسے حاصل نہ ہو سکتا تھا۔ اسی غصے میں وہ ایک فوج عظیم لے کر روانہ ہوا اور قصبۂ فدا بینی کے سامنے خیمے ڈالے۔ پھر دو ہزار آدمیوں کو دومہ کے قریب گھنے جنگلوں کی کمین میں بٹھا دیا اور یہ منصوبہ باندھا کہ دن ہوتے ہی سواروں کی ایک مختصر جماعت مضافات کو تاراج کرنے نکلے اور شہر کے قریب تک پہنچ کر واپس ہو جائے اور دشمن کو اپنے تعاقب میں کمین گاہ تک لگا لائے۔ لیکن حملہ آوروں کے لشکر سے جو لوگ بھاگ بھاگ کر رومیوں میں جا ملے تھے۔ ان کے ذریعے ہیلی کولا کو بہت جلد ان تمام ارادوں کا علم ہو گیا اور اسی لحاظ سے اُس نے اپنی فوجیں تقسیم کیں۔ اپنے داماد بالبس کو اُس نے حکم دیا کہ تین ہزار سپاہی لے جا کر شام کو اُن پہاڑیوں پر قابض ہو جائے جن کے نیچے دشمن گھات میں چھپ کر بیٹھے تھے، اور اُن کی نقل و حرکت سے خبردار رہے۔ پھر سبائینی سواروں کے مقابلے کے واسطے اُس نے اپنے شریکِ عہدہ لُس رسے شیئس کو مقرر کیا اور نہایت تیز پا اور دلیر سوار اُس کی ماتحتی میں دیے اور باقی ماندہ فوج لے کر وہ خود بڑھا اور دشمن کے پڑاؤ کو گھیر لیا۔ اتفاق سے اُس روز بہت گہری کُہر چھائی تھی اور صبح ہونے بھی نہ پائی تھی کہ بال بس کی جماعت پہاڑی سے نعرے لگاتی ہوئی سبائینی کمین گاہ پر جا پڑی۔ اور لُس رسے شیئس نے نیم مسلح سواروں پر اور خود ہیلی کولا نے دشمنوں کے پڑاؤ پر حملہ کر دیا۔ اس تدبیر سے تمام حملہ آور مصیبت میں گرفتار ہو گئے رومیوں نے ان کے بھاگتے میں بلا وقت ہزاروں کو تلوار کے گھاٹ

اُتارا اور خود اُن کی فراری اور غلط فہمی ان پر تباہی لائی کیونکہ حصۂ لشکر نے ، دوسروں کو محفوظ سمجھ کر ، خود جم کر لڑنے کا خیال چھوڑ دیا اور پڑاؤ والے کمیں گاہ کی طرف چلے اور کمیں گاہ کے لوگ بھاگ بھاگ کر پڑاؤ کی جانب آنے لگے ، اس طرح مفرورین سے مفرورین ، دو چار ہوئے اور معلوم ہوا کہ جن سے مدد ملنے کی توقع تھی وہ خود مدد کے محتاج بھاگے آ رہے ہیں ! بایں ہمہ فلامینی کے قریب ہونے کی وجہ سے اُن کے اکثر آدمی بچ گئے ، خصوصاً وہ جو پڑاؤ میں تھے ، ورنہ جو اس بستی کی پناہ نہ لے سکا اور نہ پہنچا وہ یا میدان میں مارا گیا اور یا گرفتار ہو گیا ، اگرچہ رومی اس قسم کی کامیابیاں بالعموم کسی دیوتا کے نام سے منسوب کر دیا کرتے تھے لیکن اس فتح کو انھوں نے خاص اپنے فوجی سردار کی لیاقت پر محمول کیا اور لوگوں نے سپاہیوں کو کہتے سُنا کہ اگرچہ ہمارے دشمن دست و پا بستہ نہ تھے پھر بھی پیلی کولا نے گویا اُنھیں اندھا اور لنگڑا کر کے ہمارے حوالے کر دیا تھا کہ جس طرح چاہیں مار ڈالیں ،، مزید برآں جو مال غنیمت اور قیدی لوگوں کے ہاتھ آئے اُس نے اُن کو بڑا مال دار کر دیا۔

ان فتح مندیوں کی تکمیل کے بعد ، شہر کو اپنے جانشین قنصلوں کی حفاظت میں سونپ کر ، پیلی کولا نے وفات پائی ، اور ایک ایسی زندگی کا دور ختم کیا جو حیاتِ انسانی کی تمام خوبیوں کا اور بہترین افعال کا ، مجموعہ تھی ، لوگوں نے اس جوش کے ساتھ گویا جیتے جی اُسے کوئی صلہ اُس کی وطن پرستیوں کا نہیں ملا اور اب تک ان پر قرض باقی ، بالاتفاق طے کیا کہ اس کی تجہیز و تکفین قوم کی طرف سے ہو اور ہر شخص

اپنی (روزانہ ؟) آمدنی کا ایک ربع اُس کے مصارف کے لیے ادا کرے اس کے علاوہ عورتوں نے آپس میں یہ قرار داد کرلی کہ اُس کا سوگ پورے ایک سال تک قایم رکھیں گے، جو اس کے اظہارِ احترام کی ایک نمایاں یادگار ہو۔

لوگوں کی خواہش کے بموجب وہ شہر ہی کے اندر اُس حصّے میں دفن کیا گیا جسے ویلیا کہتے ہیں اور اس کی اولاد کو بھی یہ خاص حق دیا گیا کہ وہاں اپنے مردے دفن کرسکتی ہو، مگر اب اُن کے خاندان کا کوئی شخص وہاں نہیں رکھا جاتا بلکہ صرف نعش کو لے جا کے وہاں دھر دیتے ہیں اور تھوڑی دیر میں کوئی اُس کے نیچے مشعل روشن کرتا ہو اور پھر فوراً ہٹا لیتا ہو جس سے متوفّی کے وہاں دفن ہونے کا استحقاق اور پھر اس عزّت سے دست کش ہوجانے کا اظہار مقصود ہو۔ اس کے بعد میّت کو وہاں سے اُٹھاکر لے جاتے ہیں۔

سولن اور پبلی کولا کا موازنہ

اس موازنے میں یہ بات، جو اور سوانح عمریوں میں نہیں نظر آئے گی، خاص طور پر قابلِ لحاظ ہو کہ ان دونوں میں ایک اپنے مقابل کا مقلد معلوم ہوتا ہو اور دوسرا، پہلے کی نظیر و برہان ہو، سولن نے جو فقرہ شاہ کریسس کے سامنے ٹیلس کی خوش نصیبی کے بارے میں کہا تھا، وہ پبلی کولا کے حال پر بہت صادق آتا ہو (گویا پبلی کولا کی زندگی سولن کے عین منشا اور معیار کے مطابق تھی) فی الحقیقت اگر غور سے دیکھو تو گو ٹیلس اپنی نیک زندگی اور شریفانہ موت کی وجہ سے (سولن کے قول کے موافق) سب سے اقبال مند شخص تھا، تاہم نہ تو خود سولن نے اپنی نظموں میں اس کی مدح و ستائش یادگار چھوڑی ہو، نہ اہلِ وطن میں کوئی اقتدار ٹیلس یا اس کی اولاد کو ایسا حاصل ہوا کہ جو کسی خاص شہرت و یادگار کا مستحق ہوتا۔ حالانکہ پبلی کولا کی زندگی، کیا بلحاظ اُس کی صفات کے اور کیا بلحاظ اُس اقتدار کے جو اُسے حاصل تھا، رومیوں میں سب سے ممتاز اور مشہور تھی، اور مرنے کے بعد آج بھی کہ اُسے وفات پائے چھ سو برس ہو چکے ہیں روما کے تین نامور خاندان یعنی پبلی کولی، میسلی اور ویلیری اُس کے نام کو اپنے مراتب و اعزاز کا سرچشمہ مانتے ہیں۔ اس کے علاوہ اگر ٹیلس لڑائی میں اپنی جگہ پر جا رہا اور ایک بہادر سپاہی کی طرح لڑکر دشمن کے ہاتھ سے مارا گیا

تو پبلی کولا اس معاملے میں بھی اُس سے زیادہ خوش قسمت ہو کہ خود مرنے کے بجائے دشمنوں کو اُس نے مارا اور اپنی سرداری میں اپنے وطن کو مظفر و منصور دیکھا۔ پھر ان عزتوں اور فتح مندیوں ہی کے باعث اس کا انجام بھی، سولن کی دلی تمنا کے موافق، بہت اچھا ہوا، کیوں کہ ممنارمس نے حیاتِ انسانی کے دوامی ہونے کی جو حسرت کی تھی اُس کے جواب میں سولن اپنے اشعار میں ایک جگہ بے اختیار ہوکر کہتا ہو:-

"نہیں نہیں مجھے اس طرح مرنے دو کہ میرا سوگ کیا
جائے اور خدا کرے کہ میری زندگی کا خاتمہ آہِ سرد اور
دوستوں کے نالہ و ماتم کا محل ہو"

تو اس قسم کی اقبال مندی بھی پبلی کولا ہی کے حصّے میں آئی، کیونکہ اس کی موت نے نہ صرف دوست آشناؤں کو رُلایا بلکہ شہر بھر سے ایک عام رنج و ماتم کرایا، خصوصاً عورتوں نے اس کے مرنے کا ایسا ہی سوگ کیا جیسا کہ باپ یا بھائی یا بیٹے کی موت پر کیا جاتا ہو۔

ایک اور جگہ سولن کہتا ہو کہ "دولت، بے شبہ مجھے پسند ہو، پر نہ وہ دولت جو بُرے ذریعوں سے حاصل کی گئی ہو" اس لیے کہ اُس کا انجام ہمیشہ بُرا ہوتا ہو۔ اب پبلی کولا کی دولت پر خیال کرو تو وہ نہ صرف جائز طریقے سے اُس نے پائی تھی بلکہ ہمیشہ غریبوں اور حاجت مندوں کے فایدے کے لیے فیاضانہ طور پر صرف کی جاتی تھی۔ پس اگر سولن اپنے حکیمانہ اقوال ہی کی بدولت دانش مند ترین آدمی مانا جاتا ہو تو پبلی کولا کے اقبال ترین شخص ہونے میں شبہ نہیں۔ کیوں کہ سولن کے تصوّر میں جو سب سے بڑی اور کامل صفت

یا خوبی ہو وہ پوری طرح پبلی کولا کو حاصل ہوئی ، اُس نے اُس سے کام لیا اور مرتے دم تک اس کا فایدہ اٹھایا ؛

لیکن اگر ، اس طرح ، سولن نے پبلی کولا کی ناموری میں اضافہ کیا ہو تو پبلی کولا نے بھی اپنے جمہوری آئین وضوابط بنانے میں سولن کو نمونہ بناکر اس کی شہرت بڑھا دی ہو۔ مثلاً عہدۂ قنصلی کے اختیارات اور دعوے محدود کرنے میں اُس نے جو کچھ قواعد جاری کیے ہیں وہ تمام وکمال سولن کے قوانین کا چربہ ہیں اس کے علاوہ بعض قوانین اُس نے بجنسہ روما کو منتقل کر دیے ہیں ، جیسے لوگوں کو اپنے عہدہ دار انتخاب کرنے کا حق دینا یا مجرموں کو جمہور کے سامنے مرافعہ پیش کرنے کی اجازت ، جس کو سولن نے اپنے ہاں جوری کی صورت میں قایم کیا تھا ۔ سولن کی طرح پبلی کولا نے اپنے ہاں کسی نئی مجلس ملکی کی بنیاد نہیں ڈالی تاہم قدیم مجلس کے اعضا کی تقریباً دگنی تعداد کر دینے سے اُسے مزید تقویت ضرور دی۔ عہدۂ بخشی یا کوالیسٹر کے قایم کرنے کی بنیاد بھی اسی قسم کی ہو۔ مقصود یہ تھا کہ حاکم اعلیٰ ، اگر اچھی نیت کا شخص ہو تو مالی کاموں میں اُس کی توجہ نہ بٹے اور وہ زیادہ ضروری کاروبار میں مصروف رہ سکے " یا اگر کوئی بُرا شخص اس عہدے پر آجائے تو بھی حکومت اور مالئے پر اختیار نہ ہونے کی وجہ سے اُسے بے انصافی کرنے کی ترغیب نہ پیدا ہو " واضح رہے کہ پبلی کولا میں استبداد اور شخصی بادشاہی سے نفرت کا مادہ نسبتاً بہت زیادہ تھا ۔ قانون سولن کی رُو سے ایسے مجرم کو جو بادشاہ بننے کی کوشش کرے صرف جرم ثابت ہونے کے بعد سزا دی جاسکتی تھی لیکن

پبلی کولا نے عدالتی تحقیقات سے پہلے ایسی کوشش کرنے والے کے واسطے موت کا فتوے دے دیا تھا ۔ سولن کی ایک بڑی وجہ عظمت یہ بھی ہو کہ جب اُسے شاہانہ اختیارات حاصل کرنے کا پورا موقع مل گیا تھا اس وقت اُس نے اُنھیں لینا پسند نہ کیا مگر پبلی کولا بھی اس معاملے میں کم تعریف کا مستحق نہیں کہ مطلق العنانی پا جانے کے بعد اُس نے اپنے منصب کو ایک جمہوری عہدہ بنا دیا ۔ اور اپنی قوتوں سے جو اسے حاصل تھیں کوئی اور کام نہ لیا ۔ بایں ہمہ یہ شرف سولن ہی کو دینا چاہیے کہ اُس نے پبلی کولا سے بہت پہلے لکھ دیا تھا کہ :۔

" لوگوں کی نگاہ میں سب سے اچھے حاکم وہ ہوتے ہیں
جو نہ اُنھیں ستائیں نہ اُن کی خوشامد کریں "؛

قرضوں کی تنسیخ صرف سولن کا حصّہ تھی اور اس تدبیر کو اُس نے لوگوں کی آزادی قایم کرنے کا ایک بڑا ذریعہ بنایا تھا ۔ کیوں کہ تمام قوانینِ مساوات بنانے بیکار ہیں اگر لوگ ناداری اور قرض کے دباؤ سے اپنے حقوق کا فایدہ نہ اٹھا سکیں اور حاکموں کے انتخاب یا عدالتوں میں بھی (جو درحقیقت مساوات اور آزادی کی مقدّس درگاہیں ہیں) وہ دولت مندوں کے اشارے پر چلیں اور ان کا کہنا ماننے پر مجبور ہوں ۔ اس قانون کے نفاذ میں ایک اور غیر معمولی کامیابی یہ ہوئی کہ گو ایسے قرض بالعموم بغیر زبردستی کیے منسوخ نہیں ہوتے ، تاہم اس موقع پر جب یہ خطرناک اور قومی علاج تجویز کیا گیا تو اس پر عمل کرنے میں کوئی بھی دقّت پیش نہ آئی ۔ بلکہ جو زیادتیاں پہلے سے ہو رہی تھیں اُن کا اس قانون نے انسداد کر دیا ۔ قاعدۂ عام کے بموجب جو بددلی یا بیزاری

ایسی تبدیلیوں سے پیدا ہوتی ہے وہ اس قانون سے بھی اگر ہوئی ہو تو سولن کی ذاتی لیاقت اور بزرگی کے آگے ہیچ ہوکر رہ گئی، اس میں شبہ نہیں کہ سولن کی حکومت کا آغاز بہت زیادہ تعریف اور نام وری پانے کا مستحق ہے کیوں کہ اُس نے جو کچھ کیا وہ بالکل نیا اور بدیع تھا اور اس میں نہ کسی کی تقلید اُس نے کی تھی نہ کسی دوست یا رفیق کی مدد لی تھی بلکہ اپنے تمام کارناموں کو تنِ تنہا درجہ اتمام کو پہنچایا تھا۔ بایں ہمہ خاتمہ پبلی کولا کی زندگی کا اُس سے خوش تر اور بہتر ہے اس لیے کہ سولن کی جمہوری حکومت خود اس کی زندگی میں تار تار ہوگئی حالانکہ پبلی کولا نے جو نظام قایم کیا تھا وہ صدیوں تک برقرار رہا۔ سولن نے جب اپنے قوانین بنا لیے اور تختوں پر انھیں کندہ کرا دیا تو وہ انھیں ایسی حالت میں چھوڑ کر ایتھنز سے رخصت ہوا کہ اُن قوانین کا کوئی محافظ موجود نہ تھا اس کے برخلاف پبلی کولا عہدے یا بے عہدے ہر حال میں حکومت کے استحکام کی کوشش کرتا رہا۔ اس کے علاوہ سولن، پی سس ٹراٹس کے غاصبانہ ارادوں کا علم رکھنے کے باوجود اس کا کوئی انسداد نہ کر سکا بلکہ مطلق العنانی کی ابتدائی منزل ہی میں اس سے دب جانے پر مجبور ہوگیا، بجائے کہ پبلی کولا نے اس شخصی بادشاہی کے قدم اکھاڑے جو عرصہ دراز سے قایم اور جمی ہوئی تھی۔ گویا سولن کی مثل صفات کے ساتھ خدا نے اُسے وہ اقبال اور قوت بھی عنایت کی تھی جو اُن سے عملی کام لینے کے لیے لازمی ہے۔

اب جنگی کارناموں کو دیکھا جائے تو ہر چند سولن کی نسبت

ہم لکھ چکے ہیں کہ صرف ایک مرتبہ اہلِ مگادا کی لڑائی میں فوج کی سپہ سالاری اس کے سپرد تھی، لیکن دیماجس متوطن پلاٹیہ اس سے بھی انکار کرتا ہو، حالانکہ پبلی کولا متعدد معرکوں میں، کیا سپاہی اور کیا سردار دونو حیثیتوں سے، لڑا اور فتح مند ہؤا۔ ملکی سیاسیات میں بھی بچارے سولن کو جو اپنے ہم وطنوں کو سلامیس کے برخلاف ابھارنا چاہتا تھا، سوائے اس کے کچھ چارۂ کار نہیں نظر آیا کہ بناوٹ سے دیوانہ بن جائے اور ایک سوانگ سا بنا کے لائے برعکس اس کے پبلی کولا نے ابتدا ہی سے اپنے تئیں بڑے سے بڑے خطرے میں ڈالا، طمار کو ان کی مخالفت میں ہتھیار اٹھائے، سازش کا حال معلوم کیا اور (پھر اس لحاظ سے کہ غداروں کی گرفتاری اور سزا دہانی میں شریکِ غالب وہی تھا) اس نے نہ صرف اہلِ استبداد کو شہر سے دفع کرایا بلکہ ان کی تمام امیدیں بھی خاک میں ملادیں۔ اور جس طرح جنگ و قتال، اور جاں بازی کے موقعوں پر اس نے نہایت مضبوطی اور دلیری کا اظہار کیا اسی طرح ایسے پُرامن موقعوں پر جہاں شیریں زبانی، فہمایش یا رواداری ضروری ہو اس نے جو لیاقت دکھائی وہ اور بھی قابلِ تعریف ہو اور اسی کی بدولت اس نے پرسینا جیسے خطرناک اور زبردست دشمن کے ساتھ از سرِ نو اتحاد و مصالحت قایم کی۔

ممکن ہو بعض لوگ یہ اعتراض کریں کہ سلامیس جو اہل اتھنز کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا سولن نے اپنی کوششوں سے پھر تسخیر کرایا حالانکہ پبلی کولا نے خود اس علاقے کا ایک حصہ جس پر رومی اس وقت قابض تھے دشمنوں کے حوالے کر دیا۔ لیکن اس قسم کی

کارروائیوں پر جو کچھ رائے لگائی جائے وہ ان کا محل و موقع نظر میں رکھ کر لگانی چاہیے۔ ایک کامیاب مدبر کا فعل ہمیشہ وقتی اور موجودہ حالات کے اعتبار سے ہوتا ہی، کبھی وہ ایک جزو دے کر کل کو بچاتا ہی اور کبھی ایک چھوٹے معاملے میں دب کر بڑے معاملے کو اپنے موافق مطلب بنا لیتا ہی۔ اس اعتبار سے پبلی کولا نے وہ علاقہ دے کر جو تھوڑے ہی دن پہلے رومیوں نے زبردستی قبضے میں کرلیا تھا، اپنے اصلی ترکے کو چھینے جانے سے بچا لیا اور مزیدبرآں ان کے لیے جو اپنے شہر ہی کا بچ جانا بہت غنیمت سمجھے تھے دشمن کے کثیر ذخایر بھی حاصل کرلیے، اور جنگ کے فیصلے کا اختیار خود پرسینا کو دے کر اس نے نہ صرف ایک قسم کی فتح حاصل کی بلکہ وہ (مال یا سامان) بھی پالیا جو فتح کی خاطر بخوشی دے دیتا۔ یعنی خود ان کے دشمن نے لڑائی ختم کردی اور رومیوں کی شرافت اور شجاعانہ طرزِ عمل سے، جس کا نقش رومی قنصل نے اس کے دل پر بٹھا دیا تھا اتنا متاثر ہوا کہ اہلِ شہر کے لیے بخوشی اپنا تمام غلّہ اور سامان چھوڑ گیا۔

ایتھنز کا مشہور مدبّر

ثمس طاکلس

ثمس طاکلس، کسی قدر مجہول النسب ہونے کی وجہ سے کوئی معزّز خاندانی شخص نہیں ہو، اس کا باپ نیوکلس شرفائے ایتھنز میں سے نہ تھا بلکہ لیون ٹس قوم سے ، فری رہی کا قصباتی تھا اس کی ماں بھی کہا جاتا ہو کہ ادنیٰ درجے کی تھی ۔ قطعہ :-

غریب اُبُرتناں ہوں، تھرسی کی بیٹی
مجھے نہیں ہو شرف نسلِ پاک یونان سے
یہاں کی عورتیں جو چاہیں مجھ کو طعنے دیں
بلا سے ۔میرا ثمس طاکلس تو بیٹا ہو!

مگر فی نیس نے لکھا ہو کہ نہ اس کی ماں تھریس کی تھی نہ اس کا نام اُبُرتناں تھا بلکہ وہ کاریا کی رہنے والی تھی اور اُس کا نام یوٹرپی تھا۔ اسی قول کی تائید میں نیانتیس نے یہاں تک صراحت کی ہو کہ وہ علاقۂ کاریا میں قصبہ ہالی کرناسس کی پیدائش ہو یہ واقعہ بھی لکھنے کے لایق ہو کہ ایتھنز کے ایک خاص اکھاڑے اسی نوشارجسؔ[۱]) میں تمام حرامی اور ایسے لڑکے حکماً جمع ہوا کرتے تھے

---

[۱] یہ ایک اکھاڑہ شہر کے باہر ہرقل کی یادگار میں بنا یا گیا تھا کیونکہ ہرقل بھی دیوتاؤں میں کم نسب تھا۔ اس لیے کہ اس کی ماں آدم زاد تھی باپ دیوتا، پس وہ دوغلا ہوا۔ م

جن کے والدین میں سے ایک ایتھنز کا ہو اور ایک کسی اور مقام کا،
تمس طاکلس نے اس مقصد کو اُلٹ پلٹ کر دینے کے لیے یہ ترکیب
نکالی کہ ایتھنز کے چند صاحب نسب امیرزادوں کو ترغیب دے کے
اپنے ساتھ اس اکھاڑے میں لے گیا کہ آؤ وہاں تیل کی مالش اور کسرت
کریں گے۔ اس طریق سے اس نے کمال چالاکی سے شریف و رذیل،
دوغلے اور ایتھنزی اصیل کا فرق مٹا دیا۔

لیکن اس میں شبہ نہیں کہ تمس طاکلس، لی سومیڈی خاندان سے
تعلق رکھتا تھا۔ کیوں کہ یہ متحقق ہو کہ اسی نے فلیہ کا مندر ایرانیوں کے
جلانے کے بعد از سرِ نو تعمیر کیا اور طرح طرح کی تصاویر و نفائس سے
اس کی شان و خوبی بڑھائی۔ اور یہ مندر خاندانِ مذکور ہی کی ملکیت
میں تھا۔

اس کی نسبت یہ قول متفق علیہ ہو کہ لڑکپن میں وہ مزاج کا جھلّا،
نہایت بے باک، کمال ذہین اور عالی ہمت تھا۔ اُسے بڑے کام کرنے
کا اس قدر شوق تھا کہ مدرسے کی چھٹیوں میں گھر پر بھی کھیل کود میں
اور بچّوں کی طرح وقت رائیگاں نہ کھوتا بلکہ ہمیشہ نئی نئی باتیں نکالتا رہتا
اور بڑی بڑی تقریریں مرتب کرتا جن کا مضمون عام طور پر اپنے ساتھیوں
کی حمایت ہوتی تھی یا مخالفت۔ اسی غیر معمولی میلان پر اس کا اُستاد
اکثر کہا کرتا کہ "بھئی لڑکے تو معمولی شخص بن کر نہیں رہ سکتا۔ تو
ضرور نامور ہوگا۔ بھلائی میں ہو یا برائی میں" جب اُسے رکھ رکھاؤ
یا ادب آداب کی تعلیم دی جاتی یا اخلاق سکھائے جاتے تو وہ اُسے
بہت بے پروائی اور بے دلی کے ساتھ سنتا مگر انتظامی معاملات یا

یا عقل و فہم کی کوئی بات ہوتی تو اس پر اقتضائے سن کے خلاف پوری
پوری توجہ کرتا اور انھی چیزوں سے ذوق طبعی رکھنے کے سبب اس میں
ایک بھاری بھرکم پن پیدا ہوگیا تھا۔ یہی اسباب تھے۔ جب وہ بڑا ہوا اور
ان لوگوں کے ساتھ اسے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا جو اپنے تئیں بڑا
صاحب ذوق سمجھتے اور ایسے لہو و لعب میں مشغول رکھتے تھے جنھیں
عام طور پر شریفانہ اور مہذب سمجھا جاتا ہے، تو اسے بڑی مشکل پیش
آنے لگی۔ وہ لوگ اس کی خشک مزاجی پر طعن تشنیع کرتے۔ اور
اس وقت تمس طاکلس کو اس بے باکانہ جواب کے سوا کچھ کہتے نہ بن
پڑتا کہ بے شک میں تمھارے دوتارے اور ستار نہیں بجا سکتا لیکن
کسی ذلیل اور گمنام کھیڑے کی مجھے حکومت مل جائے تو دیکھو کہ کس طرح
اس کو بام رفعت و عظمت پر پہنچا دیتا ہوں۔

سٹیسمبروٹس نے لکھا ہے کہ وہ مشہور خطیب انکسا غورث کے
سننے والوں میں تھا۔ اور فلسفۂ طبعی کی تعلیم اس نے ملی سس سے
پائی تھی حالانکہ یہ قول سنین کے لحاظ سے درست نہیں معلوم ہوتا۔ ملی سس
وہ شخص ہے جو پری کلیس کے محاصرے کے وقت سیمین محصورین کا
سپہ سالار تھا۔ اسی طرح انکساغورث بھی پری کلیس کا بہت گہرا دوست
تھا۔ جو طاکلس سے بہت بعد کا آدمی ہے۔ پس اوپر کا بیان کسی طرح
ٹھیک نہیں بیٹھتا اور تاویل اس کی نظر نہیں آتی مگر یہ کہ ملی سس کو سفلیس
سمجھا جائے۔ جو خطیب یا فلسفۂ طبعی کا ماہر تو نہ تھا مگر حکمت کا معلم تھا
اور طاکلس اس کے مداحوں میں تھا، حکمت اس زمانے میں سیاست
اور عملی کاروبار میں خاص درک رکھنے کو کہتے تھے۔ یہی دونو چیزیں مل کر

فلسفے کی ایک خاص شاخ بن گئی تھیں جس کی بنیاد سولن کے زمانے میں پڑی اور پھر اس کا ایک علحدہ گروہ قایم ہوگیا۔ لیکن جو لوگ بعد میں آئے اُنھوں نے اسی میں وکالت اور قانونی ایچ پیچ کو بھی شامل کرلیا۔ اور اس کا عملی حصّہ محض کج بحثی اور لفّاظی سے بدل گیا۔ یہی متاخر ہیں جو سوفسطائی کے نام سے مشہور ہوئے۔

طاکلس نے سفیلیس کے پاس، اس وقت جانا شروع کیا ہو جب کہ وہ سیاسی میدان میں داخل ہوچکا تھا۔

اوائلِ شباب میں وہ نہ صالح تھا نہ محتاط۔ وہ محض فطری جذبات کی پیروی کرتا تھا جو عقل و تربیت کے بغیر اکثر ایسے خراب و پُرخار راستوں میں لا پھنساتے ہیں کہ پھر نکلنا دشوار ہوجاتا ہو، چنانچہ خود طاکلس جب ہوش میں آیا تو اقرار کیا کرتا تھا کہ بے شبہ وحشی بچھیرے صرف اسی وقت عمدہ گھوڑے بن سکتے ہیں جب کہ اُنھیں اڑگھڑے میں نکال کے خوب اچھی طرح سدھایا جائے۔ مگر ان بنیادوں پر جن لوگوں نے اس کی بدکرداریوں کے افسانے گھڑ لیے ہیں اور جو بیان کرتے ہیں کہ باپ نے طاکلس کو عاق کردیا تھا اور اُس کی ماں بیٹے کی رسوائیوں کے غم میں گھل گھل کے مرگئی، یہ سب اتہام ہو۔ اس جماعت کے علاوہ ایک گروہ کی روایت یہ ہو کہ اُس کے باپ نے اُسے ملکی کاروبار میں پڑنے سے طرح طرح سے روکا تھا اور یہ دکھانے کو کہ عوام الناس کام نکل جانے کے بعد اپنے رہ نماؤں کی کیسی ناقدری کرتے ہیں، اُس نے دو کشتیاں بیٹے کو لے جاکر دکھلائی تھیں جو ساحل پر خالی اور خراب خستہ کس مپرسی کی حالت میں پڑی ہوئی تھیں۔

جو کچھ بھی ہو اس میں شک نہیں کہ تمس طاکلس کو اول سے ملکی معاملات میں نہایت شغف اور نام آوری کی دلی تمنا تھی۔ بڑے بن جانے کی آرزو کی بدولت ہی شہر کے بڑے بڑے بارسوخ آدمیوں کو اس سے بیر پڑگیا تھا، خصوصاً لیسی ماجس کے بیٹے ارسطیدس کو جس نے ہمیشہ اس کی مخالفت کی حالانکہ اس کی وجہ اوّل اوّل محض جوانی کی ترنگ تھی یعنی، ارسٹن فلسفی کی روایت کے بموجب، وہ دونو حسین سٹے سی لوس پر فریفتہ تھے اور اسی رقابت نے انھیں معاملات سیاسی میں بھی آخر تک ایک دوسرے کا حریف بنائے رکھا۔ اس مخالفت کی ایک وجہ ان کے اخلاق وطبیعت کا فرق بھی تھا۔ کیونکہ ارسطیدس نرم مزاج اور نہایت شریف سیرت شخص تھا۔ وہ قومی معاملات میں کبھی ذاتی ہردل عزیزی یا شہرت حاصل کرنے کی غرض سے حصہ نہ لیتا بلکہ کمال دیانت و احتیاط کے ساتھ لوگوں کی بھلائی اور سلطنت کی بہبود کے واسطے کام کرتا۔ پس جب تمس طاکلس کو وہ دیکھتا کہ لوگوں کو نئی نئی بدعتوں کی طرف مایل کر رہا ہے اور اپنے ذاتی رسوخ کو بڑھا رہا ہے تو مجبوراً اس کی مخالفت کرتا تھا۔ واقعی، کہتے ہیں، تمس طاکلس تو، عزت و جلال کا شوقِ مجسم بن گیا تھا۔ اُسے بڑے بڑے کام کرنے کا اس درجے جنون تھا کہ جب میراتھان کی شہرۂ آفاق لڑائی میں مل ٹیاڈس کی حیرت انگیز ہوشیاری اور کارگزاری کا ہر جگہ چرچا ہوا تو صرف نوجوان طاکلس تھا جو ہر وقت متفکر اور خاموش نظر آتا تھا۔ اُس نے یار دوستوں کی صحبت میں آنا جانا بھی چھوڑ دیا تھا اور راتوں کی نیند اپنے اوپر حرام کرلی تھی۔

پھر جب لوگوں کو اس پر تعجب ہوا اور کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو طاکلس نے صرف یہ جواب دیا کہ "ملٹیاڈس کی فتح مندیوں نے میری نیند اڑا دی ہے"۔

میرا تھان کے بعد عام طور پر لوگ تو یہ سمجھنے لگے تھے کہ اب جنگ ختم ہو جائے گی مگر طاکلس کے نزدیک وہ بزرگ تر مقابلوں کی محض ابتدا تھی اور یونان کی خوش نصیبی سے طاکلس برابر، اپنے ہیں آیندہ مصائب کے لیے تیار کرتا رہا۔ جو کچھ آنے والا تھا اُسے وہ پہلے سمجھ گیا تھا اور اپنے شہر کو بھی اس وقت کے لیے اس نے مستعد کرلیا تھا۔

اُس زمانے میں اہلِ ایتھنز، لوریم کی کانوں سے جو چاندی نکلتی تھی اُسے آپس میں تقسیم کرلیا کرتے تھے طاکلس نے پہلا کام یہ کیا کہ لوگوں کو اس تقسیم سے روکا اور اس تجویز کی جسارت کی یہ روپیہ جہاز سازی اور جزائر ایجین سے لڑائی لڑنے میں لگایا جائے، یہ جزائر والے سارے یونان میں مُرفہ الحال اور اپنے جہازوں کی کثرت سے سمندر کے بادشاہ تھے۔ اس طرح اسے ایران یا دارائے ایران کا خوف دلانے کی بھی ضرورت نہیں پڑی۔ کیوں کہ یہ بہت دور کی بات تھی اور ایرانی حملے کا اس وقت لوگوں کو نہ زیادہ یقین تھا نہ خطرہ۔ لیکن ایجین والوں کے خلاف طیش و رقابت کی آگ بھڑکانے میں اُسے خاطر خواہ کامیابی ہوگئی چنانچہ اُس رُپے سے سو جہاز تیار ہوئے اور یہی وہ بیڑا تھا جو بعد میں زرکسیز کی فوج سے لڑا۔ اسی ابتدا سے رفتہ رفتہ اس نے شہر کی بحری فوج بڑھائی۔ اسے یقین تھا کہ برّی قوت میں ایتھنز اپنے اسپارٹی ہمسایوں سے

کسی طرح نہ بڑھ سکے گا۔ البتہ جہازوں سے ایرانی حملے کو روکنا اور یونان پر اپنا تفوق قائم کر دینا ممکن تھا۔ پس افلاطون کے الفاظ میں، اُس نے بتدریج اپنے سپاہیوں کو جہازی اور ملّاح بنا کے سمندر میں بکھیر دیا۔ اور اسی پر یہ طعنہ سنا کہ "آپ کی بدولت ایتھنز کے نیزہ و سپر ٹوٹے اور وہ پتوار اور تختہ جہاز پر اُتر آئے"۔ طاکلس نے یہ تجویزیں مجلس ملکی میں مل ٹیاڈس کے علی الرغم منظور کرالیں۔ جیسا کہ ٹیسم بروٹس نے بیان کیا ہو۔ رہا یہ کہ یہ تبدیلی اچھی تھی یا بُری اور اس سے ملک کو فائدہ پہنچا یا نقصان اس میں اختلاف کی گنجائش ہو مگر اس میں شبہ نہیں کہ اُس وقت یونان کی نجات سمندر ہی کی طرف سے آئی اور ایتھنز تباہی کے بعد دوبارہ آباد ہُوا تو وہ بھی انھیں کشتیوں کی بدولت اور اس کی شہادت کوئی اور دے نہ دے خود زرکسیز کی گواہی کافی ہو جو زمین پر فتح کامل حاصل کرنے کے بعد اپنی بحری شکست سے گھبرا کے بھاگا اور یونان سے لڑنے کی ہمت ٹوٹ گئی اور میں تو جانتا ہوں کہ اُس نے جو اپنے جرنیل، مردانوش کو اپنے پیچھے یونان میں چھوڑا اس کی وجہ بھی کچھ یہ امید نہ تھی کہ دشمن مغلوب و مفتوح ہو جائے گا بلکہ یہ غرض تھی کہ وہ اس کا تعاقب کرنے سے مانع آئے۔

کہتے ہیں تمس طاکلس رُپے جوڑنے کا بہت شوقین تھا۔ اس کی وجہ بعضوں نے یہ بتائی ہو کہ اس نے بڑے پیمانے پر مسافر نوازی اور نذر نیاز کی غرض سے اتنی کثیر دولت و جائداد فراہم کی تھی لیکن اور لوگ اُسے حریص اور سخت کنجوس بتاتے ہیں بلکہ یہاں تک الزام

لگاتے ہیں کہ اُسے جو اجناس ہدیّۃً بھی ملتی تھیں وہ انھیں فروخت کروایا کرتا تھا اس نے ایک مرتبہ ڈفی لیڈیس کو یہ دھکی دی کہ اپنے عزیزوں سے تجھ پر دیوانی مقدمات دائر کرا کے اس قدر پریشان کروں گا کہ تھوڑے دن میں تیرا سارا گھر بار کاٹھ کا گھوڑا بن جائے گا (یعنی کوڑیوں کے مول بکتا پھرے گا)

شہرت حاصل کرنے کے خبط میں ثمس طاکلس کی کوئی شخص برابری نہیں کرسکتا۔ لڑکپن کے زمانے سے، جب اُسے دنیا میں کوئی نہ جانتا تھا، اس کی یہ حالت تھی کہ اِپس کلیس سَرنگیئے ہی کی خوشامد کرتا تھا کہ میرے گھر آکر سارنگی بجایا کر کیوں کہ اُس زمانے میں وہ بہت مقبول گوّیا تھا اور اس کے مشتاق سارنگی سننے بکثرت آتے تھے۔ طاکلس کا مطلب اسے اپنے گھر بلانے سے صرف یہی ہوتا تھا کہ اس کے سبب لوگ طاکلس کا نام جان جائیں اور پتا پوچھتے اس کے گھر آیا کریں!

اولمپیا کی نمائش میں جب وہ آیا تو اتنے نوکر چاکر ڈیرے خیمے لایا کہ وہاں کے بڑے بڑے امرا کے پاس بھی نہ ہوں گے۔ چنانچہ اسی دولت نمائی اور شیخی کی وجہ سے تمام یونانی اُس سے ناراض ہو گئے کہ ایسا ٹھاٹ اور خدم و حشم خاندانی امیر زادوں کو تو زیب بھی دیتا ہے لیکن ایسے گم نام و نشان کہ وجاہت لوگوں کو یہ شان و شوکت دکھانا بالکل چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔

اس زمانے میں ناٹک والوں کے مقابلے اپنے اپنے امرا کی سرپرستی میں بڑے زور کے ہوتے تھے۔ ایک بار طاکلس کا ناٹک جیت گیا۔ اُس نے اس کی یادگار

میں ایک تختی پر یہ کتبہ کرایا " اس ناٹک کا انصرام کرنے والا تمس طاکلس باشندۂ فریری تھا فری نیکس نے اس کو لکھا اور حاکم شہر اُن دنوں اڈی مانٹس تھا"۔

عوام الناس طاکلس کے بہت گرویدہ تھے۔ وہ ہر شخص کا نام لے کر اُسے سلام کرنے میں سبقت کرتا اور ہمیشہ لوگوں کے خانگی معاملات میں انصاف دکھاتا، اس کی سپہ سالاری کے زمانے میں بھی جب سمونیڈیس شاعر نے کوئی ناواجب رعایت چاہی تو طاکلس نے جواب دیا "سمونیڈیس اگر تمھارے اشعار کی تقطیع درست نہ نکلی تو تم اچھے شاعر نہیں کہلا سکتے اسی طرح کسی کی خاطر سے میں ضابطے غلط بنا دوں تو میں اچھا افسر نہیں ہوسکتا" پھر ایک اور موقع پر ہنسی ہنسی میں کہنے لگا کہ تم سے کودنتھہ جیسے شہر والوں کی ہجو اڑانے میں بڑی حماقت ظاہر ہوئی کیونکہ اُن پر تمھاری کہی ہوئی پھبتیاں، خود تمھارے چہرے پر زیادہ پھبتی ہیں۔

تدریجی ترقی کرکے اور لوگوں میں اثر بڑھا کے آخر وہ اس لایق ہوگیا کہ اپنے جتھے سے فریق مخالف کو شکست دے اور فتوائے عام[1] کے قاعدے سے ارس طیڈس کو جلا وطن کرادے۔ یہ اُس زمانے کا ذکر ہے جب دارائے عجم یونان پر چڑھائی کر رہا تھا اور ایتھنز میں کھچڑیاں پک رہی تھیں کہ اس کے مقابلے میں اپنی فوج کی قیادت

---

[1] ایتھنز میں یہ قاعدہ تھا کہ جب کوئی شخص سلطنت کے لیے مخدوش سمجھا جاتا تو تمام خاص و عام سے اس بارے میں رائے لی جاتی اگر چھ ہزار رائیں خلاف میں ہوتیں تو وہ شخص جلا وطن کردیا جاتا تھا۔ اس طریق کو 'آسٹرے سزم' کہتے تھے۔ لفظاً اس کے معنی "گھونگھے بازی" کے ہیں۔ اور وجہ تسمیہ اس کی یہ ہے کہ اُن دنوں گھونگھوں سے رائے دی جاتی تھی ۔م

کس کو دی جائے ، آنے والے خطرے کی ہیبت دلوں پر ایسی چھائی ہوئی تھی کہ کئی اشخاص نے اپنے نام امیدواری سے ہٹا لیے تھے صرف ایک شخص اے پی کاڈیس سپہ سالاری کا البتہ خواہش مند تھا ۔ وہ ایک خوش گفتار باپ یوفی میڈیس کا بیٹا اور خود ایک عام پسند مقرر تھا لیکن دل کا بودا اور رُپے کا غلام تھا ، اسُی کی نسبت امید تھی کہ کثرت رائے سے بازی لے جائے گا ۔ مگر کہتے ہیں تمس طاکلس نے اس ڈر سے کہ اگر وہ کامیاب ہوگیا تو بنا بنایا منصوبہ بگڑ جائے گا اس کو رُپے دے دلاکر دست کش ہوجانے پر راضی کرلیا ۔

جب شاہ ایران نے یونان میں اپنے قاصد ایک ترجمان کے ہمراہ بھیج کر مٹی اور پانی بطور نشان اطاعت کے طلب کیا تو تمس طاکلس نے لوگوں کی رضامندی سے ترجمان کو پکڑوا کے اس جرم میں مروا دیا کہ اس نے ملیچھوں[1] کے احکام و اقوال یونانی زبان میں شایع کیے تھے ۔ طاکلس کی اس کارگزاری کو یونان میں بہت سراہا گیا اور اسی طرح جب اس نے ارتھمیس کو ، جو یونانیوں کو ملانے کے لیے شاہ ایران سے سونا لایا تھا ، نسلاً بعد نسلٍ حقوق شہریت سے محروم اور سخت ذلیل و خوار کیا تو اس کی بڑی تعریفیں ہوئیں ۔ لیکن واقعی سب سے بڑھ کر قابل ستایش کام جو اس نے کیا وہ یہ تھا کہ یونانیوں کی خانہ جنگی شادی اور ان کے اختلافات رفع کرکے عہد کرایا کہ جب تک ایرانیوں سے لڑائی رہے گی باہمی نفاق و عداوت کو قطعاً راہ نہ دیں گے ، اسُ کے

---

[1] ملیچھ یہاں ترجمہ ہے "باربے رین" کا یونانی اس لفظ کو غیر زبان (اور غیر ملکیوں) کے لیے ازراہ تذلیل بولتے تھے ۔ قریب قریب اسی طرح جس طرح عرب تمام باہر والوں کو عجمی (گونگا) اور یہودی ہیدن یعنی ناپاک کہتے تھے ۔ م

اس معرکہ آرا کام میں جیلوس، ارکیڈی نے بھی اس کی بڑی مدد کی۔
جب ایتھنز کی فوج کی سپہ سالاری تھمس طاکلس کو مل گئی تو اس نے شہر والوں کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ شہر چھوڑ کر جہازوں میں آجائیں اور یونان سے بہت آگے بڑھ کر دشمن کا بحری مقابلہ کریں۔ لیکن جب کثرت رائے اس کے خلاف نکلی تو طاکلس اسپارٹی افواج کے ساتھ لشکر لے کر درۂ ٹیمپ پر جا پہنچا تاکہ ایرانی حملہ آوروں کو یہیں کے یہیں روک کر ساری تھسلی کو محفوظ کرلے جو اُس وقت تک شاہ ایران کے ساتھ نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس ارادے میں کچھ کامیابی نہیں ہوئی، یونانی فوجوں کو واپس لوٹنا پڑا اور جب معلوم ہوگیا کہ نہ صرف تھسلی بلکہ جزیرہ بیوشیہ بھی دارائے عجم سے مل گیا ہو۔ تو اہلِ ایتھنز نے طاکلس کی پہلی صلاح مان لی اور ایک بیڑا خلیج ارتمی کی نگہبانی کے لیے روانہ کیا۔ اس مقام پر تمام یونانی ریاستوں کی امدادی فوجیں جمع ہوئیں۔ افواج بری کی سپہ سالاری اسپارٹہ والوں کو ملی اور امیر البحری کے لیے بھی انھیں کا آدمی یوری بیاڈس تجویز ہوا۔ اس فیصلے کو ایتھنز والوں نے جن کے جہاز سب سے زیادہ تھے نہ مانا مگر جب بات زیادہ بڑھ چلی تو تھمس طاکلس نے موقع کی نازکی سمجھ کر خود اپنی سرداری یوری بیاڈس کے حوالے کردی اور اپنے ہم وطنوں کو سمجھایا کہ اگر اس موقع پر بہادری اور مردانگی دکھائی تو اس بات کا میں ذمہ لیتا ہوں کہ آیندہ سارے یونانی از خود تمھاری سرداری قبول کرلیں گے، اور اسی اعتدال سے ثابت ہو کہ طاکلس ہی یونان کو بچانے کا باعث ہوا اور اسی کی بدولت ایتھنز کو دشمن سے

بہادری میں اور اپنے رفیقوں سے دانائی میں فوقیت لے جانے کی نام وری حاصل ہوئی ۔

جس وقت ایرانیوں کا مہیب جنگی بیڑا مقام افیٹا پر پہنچا، تو یوری بیاڈیس جہازوں کی تعداد کثیر دیکھ کر ششدر رہ گیا، پھر جب اس نے سنا کہ دو سو جہاز اور جزیرۂ سکینھس کے پیچھے سے چکر کاٹ کر آرہے ہیں تو اُس نے فوراً اندرون یونان کے رُخ ہٹ جانے کا عزم کرلیا، تاکہ وہاں ان کی بحری فوج کو بری لشکر سے بھی مدد مل سکے ۔ کیوں کہ اس کے نزدیک ایرانیوں پر سمندر میں کامیاب حملہ کرنا محال تھا اُس کا یہ ارادہ سُن کر یوبیہ والے بہت ڈرے کہ کہیں وہ ہمارے (شمالی) علاقے کو دشمن کے حوالے کرکے نہ چل دے. انھوں نے پلاگن کو بہت سا روپیہ دے کر طاکلس کے پاس علٰحدگی میں گفتگو کرنے کے لیے بھیجا اور ہیروڈوٹس کے قول کے مطابق طاکلس نے یہ رقم لے کر یوری بیاڈس کو دی ۔ یوری بیاڈیس سے اس معاملے میں سب سے زیادہ مخالفت اس کے ہم وطنوں میں ارکی ٹلس نے کی ۔ یہ شخص "دینی" کشتی کا ناخدا تھا اور چوں کہ ملاحوں کی رسد رسانی کے لیے روپیہ نہیں رہا تھا، اس لیے واپس جانا چاہتا تھا ۔ لیکن تھمس طاکلس نے اس کے ہمراہیوں کے خلاف ایتھنز والوں کو ایسا جوش دلایا کہ انھوں نے گھس کے ساری کشتیاں لوٹ لیں اور ایک وقت کی خوراک بھی اُس کے پاس باقی نہ چھوڑی ۔ اس کا ارکی ٹلس نے بہت بُرا مانا ۔ تھوڑی ہی دیر میں طاکلس نے اس کے پاس اس وقت کا کھانا اور ایک صندوق میں جس کے نیچے چاندی کے کچھ سکے بھی تھے بھجوا دیا ۔ اور یہ پیغام دیا کہ اس رات

کو تو یہ کھانا کھاؤ اور صبح کو، جو رقم بھیجی جاتی ہو اُس سے کام نکالو۔ اگر اس کے خلاف کیا تو میں مشہور کر دوں گا کہ تم دشمن سے مل گئے ہو اور اسی نے یہ خوراک اور رقم تمھارے پاس بھجوائی ہو ؂ یہ حکایت فانیاس نے اسی طرح بیان کی ہو۔

یوبیہ کی کھائیوں میں جو لڑائیاں ایرانیوں سے ہوئیں اگرچہ وہ فیصلہ کن اور بہت معرکہ آرا نہ تھیں تاہم یونانیوں کو ان میں بہت کارآمد تجربہ حاصل ہوا، کیوں کہ حقیقی خطرے کی آزمایش کرنے کے بعد وہ سمجھ گئے کہ جہازوں کی کثرت دشمن کے زیور و جواہرات، نعرہائے رجز یا فتح مندی کے وحشیانہ گیت اُن کے لیے کوئی شَے نہیں جو لڑنا جانتے ہوں اور بھڑ بھڑ کے کٹ مرنے پر تلے ہوں۔ اُن کے دلوں سے ان سب چیزوں کا ڈر نکل گیا اور وہ دشمن سے دو بدو لڑنے پر اور زیادہ آمادہ ہو گئے۔ معلوم ہوتا ہو اسی کیفیت کو دیکھ کر پنڈار نے جنگ ارتمی کے بارے میں لکھا ہو اور بہت سچ لکھا ہو کہ :-

"سپوتوں نے رکھا، ایتھنز کے، وہ سنگ بنیادی
یہیں، جس پر کھڑی ہو آج تک محبوب "آزادی"

اور اس میں کیا شک ہو کہ فتح و نصرت کی پہلی سیڑھی ہمت بڑھ جانا ہو۔ ارتمی، یوبیہ کے علاقے میں کھلے ساحل پر واقع ہو اور اس کے تقریباً بالکل مقابل اولی ذن کی بستی ہو۔ ان وہسے آنا دیوی کے نام کا ایک مندر ڈان (طلوع الشمس) بنا ہوا ہو۔ گردا گرد بہت سے درخت اور سنگ مرمر کے ستون لگے ہوئے ہیں جنھیں ہاتھ سے ملو تو زعفرانی رنگت اور خوشبو نکلتی ہو۔ انھیں میں سے ایک ستون پر یہ اشعار کندہ ہیں:-

"قبیلے کے قبیلے ایشیا سے جب کہ چڑھ آئے
ہوئے ان سے مقابل اس جگہ ایتھنز کے جائے
وہ، سرکش میدیوں کو کرچکے جب زیر تب گاڑا
یہ کتبہ، ارتمی پر اپنے اس کار نمایاں کا"

اسی ساحل پر اب تک ایک مقام نظر آتا ہے جہاں ریت کے ایک ٹیلے کے اندر لوگ سیاہ مٹی نکالتے ہیں جو راکھ یا کسی آتش زدہ شئ کی باقیات معلوم ہوتی ہے۔ اسی جگہ لوگوں کا گمان ہے کہ شکستہ جہاز اور مردے جلے تھے۔

لیکن جب ارتمی پر تھرموپلی سے خبر آئی کہ شاہ لیونی ڈس مارا گیا اور ایرانیوں نے تمام خشکی کے راستوں پر قبضہ پالیا تو اُس وقت انھوں نے اپنی فوجیں اندرون یونان کی طرف ہٹالیں۔ اور ہٹنے میں سب سے معزز اور مخدوش جگہ یعنی عقب کی حفاظت ایتھنز والوں کو ملی جو پچھلی لڑائی میں بہت سے کار نمایاں کرکے پھولے نہیں سماتے تھے۔

جہازوں کے لوٹتے وقت راستے میں جو جو بندر اور لنگر اندازی کے مقامات آئے اُن کا طاکلس نے خاص طور پر دھیان رکھا اور تمام اُترنے کے موقعے دیکھ کے پتھروں پر، جو وہاں ملے یا نہ ملے تو اُس نے خود رکھوا دیے، بڑے بڑے حروف کھُدوا دیے۔ اور مقامات آب کشی پر بھی ایسا ہی کیا۔ ان کتبوں میں اُس نے اہل آئی اونیہ

---

[1] یہی وہ مشہور درہ ہے جہاں شاہ اسپارٹا، لیونی ڈس نے ہزار بارہ سو آدمیوں سے ایران کے انبوہ عظیم کو روکا تھا۔ اور ان میں سے ایک ایک شخص جب تک نہ مرلیا ایرانی لشکر آگے نہ بڑھ سکا۔ م

کو خطاب کیا تھا کہ وہ میدیوں کا ساتھ چھوڑ دیں اور ممکن ہو تو اپنے
ہم قوم یونانیوں سے آملیں جنھوں نے اپنی آزادی کی خاطر جان و مال
ہر شئے کی بازی لگا دی ہے۔ آخر تو وہ ان کی نسل سے ہیں، اور ان کی
نو آبادیاں یونانیوں ہی نے بسائی اور پھیلائی تھیں۔ لیکن اگر وہ ایسا
نہ کرسکیں تب بھی ایرانیوں کی لڑائیوں میں رکاوٹیں اور خلل ضرور
ڈالیں، ان کتبوں سے ثمس طاکلس کو امید تھی کہ آئی اونیہ والے
ایرانیوں سے بگڑ جائیں گے۔ ورنہ کچھ تھوڑا بہت فساد کھڑا کر دیں گے۔
جس سے ان کی وفاداری اہل ایران کی نگاہ میں مشتبہ ضرور ہوجائے گی۔

اس اثنا میں زرکسیز، ڈورس سے گزر علاقہ فوکیس پر حملہ آور
ہوا اور گو وہ آگ لگا لگا کے اہل فوکیس کی بستیاں تباہ کر رہا تھا،
لیکن یونانیوں نے ان کی کوئی دست گیری نہ کی اور ہرچند
اہل ایتھنز نے ان کی منت سماجت کی کہ ایرانیوں کے
اٹی کا[1] میں داخل ہونے سے پہلے بیوشیہ میں ان سے مقابلہ کیا جائے
اور جس طرح وہ خود اپنے علاقے سے بڑھ کر ارتمی سیم لڑے تھے ان کے ملک
کو بچانے کی بھی اسی طرح دوسرے کوشش کریں۔ مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی
ان کے حلیف صرف پلی پونی سس کو بچانے کی فکر میں تھے اور اس کی (گزرگاہ)
خاکنائے پر تمام فوجیں جمع کر کے اس تپلے راستے کو سمندر سے سمندر تک،
دیوار کھینچ کر بند کرنا چاہتے تھے۔ یہ ایسی بے وفائی تھی جس نے ایتھنز
والوں کو سخت غصہ دلایا اس کے ساتھ ہی وہ اپنی بے کسی سے نہایت
دل شکستہ اور مغموم ہوئے کیوں کہ اتنی کثیر فوج سے لڑنا بیکار تھا اور اس

---

[1] یعنی ایتھنز کا علاقہ۔ م

کے سوا کوئی سبیل نجات کی نہ تھی کہ شہر چھوڑ کے سب کے سب جہازوں میں پناہ لیں۔ لیکن اس پر یہ سمجھ کر لوگ نہیں جمتے تھے کہ شہر کی بربادی کے بعد اگر کوئی فتح بھی حاصل کرلی تو کیا نتیجہ ہوگا۔ ساتھ ہی انھیں یہ وہم تھا کہ اپنے دیوتاؤں کے مقدس استھان اور بزرگوں کی قبریں اور یادگاریں اس طرح اپنے غضب ناک دشمنوں کے حوالے کردیں تو پھر نجات کیوں کر ہوسکے گی؟

اس تذبذب کے عالم میں جب **طاکلس** کسی عقلی دلیل سے انھیں راہ پر نہ لاسکا تو اس نے دوسری تدبیر اختیار کی اور خرق عادت کراماتیں دکھاکر ناٹک والوں کی سی شعبدہ بازی شروع کی منروا کا سانپ مندر کے اندرونی حصے میں رکھا تھا، غائب ہوگیا جو چڑھاوے اس کے لیے آئے تھے، پجاریوں نے بیان کیا کہ بے چھوُے پڑے رہے۔ ساتھ ہی **طاکلس** کے اشارے سے انھوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ دیوی نے شہر چھوڑ دیا اور اُن سے پہلے سمندر کی طرف اڑ گئی۔ اس کے علاوہ **طاکلس** نے دیوی کا وہ پرانا قول بار بار یاد دلایا۔ جس میں ایتھنز والوں کو "کاٹھ کی دیواروں پر بھروسہ" کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اُس کا قول تھا کہ کاٹھ کی دیواروں سے سوائے جہازوں کے اور کوئی مطلب نہیں ہوسکتا۔ اسی الہامی پیشین گوئی میں جزیرہ سلامیس کو "ربانی" کا خطاب دیا گیا تھا، اور اس سے بھی **طاکلس** کہتا تھا کہ یہی مراد تھی کہ کسی دن یونانیوں کی خوش نصیبی اور اقبال مندی اسی جزیرے سے منسوب کی جائے گی۔ اگر یہ نہ ہوتا تو اس کا نام ایسا اچھا ہونے کے بجائے اس کی شومی اور نحوست کا

اظہار کیا جاتا ؟ آخر اُس کی رائے غالب آئی - منروا "ملکۂ ایتھنز" کی حفاظت میں شہر خالی کر دینے کا فرمان اس نے جاری کرالیا - جو لڑ سکتے تھے انھیں جہازوں میں بیٹھ جانے کا حکم نافذ ہوا اور ہر شخص کو ہدایت کی گئی کہ جس جگہ کو محفوظ سمجھے اپنی عورتوں بچوں اور غلاموں کو وہاں بھیج دے - اس فرمان کی باضابطہ تصدیق ہوتے ہی اکثر ایتھنز والوں نے اپنے والدین اور بیوی بچوں کو ٹروی زن بھیج دیا - جہاں لوگوں نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور بستی کی طرف سے ان کی مہمانی کی تحریک منظور ہوئی ، جس کے بموجب دو سکتے (روبل) فی کس روزینہ مقرر کیا گیا ، بچوں کو اجازت تھی کہ جہاں سے چاہیں پھل توڑیں نیز ان کی تعلیم کے لیے تنخواہ دار استاد مقرر کر دیے گئے - یہ تحریک نکاغورث نے پیش کی تھی ۔

ایتھنز میں اس وقت کوئی بیت المال یا سرکاری خزانہ نہ تھا - لیکن ، جیسا کہ ارسطو نے لکھا ہے ، مجلس آریو پے گس نے فی کس آٹھ درہم تقسیم کیے تھے - جس سے بیڑے کے لیے خوب آدمی فراہم ہو گئے" مگر کلی دموتس اس کو بھی تمس طاکلس کی چال بتاتا ہے - کہتے ہیں جب ایتھنزی بندرگاہ پائی رئیس کو چلے تو مدوزا دیوی کے سر کی ڈھال کہیں کھو گئی اور طاکلس نے اس کو ڈھونڈھنے کے بہانے سے سب کے گھروں کی تلاشی لی اور جو مخفی روپیہ لوگوں کے اسباب میں اس کے ہاتھ پڑا وہ سب اس نے سلطنت کے کاموں میں لگا دیا - یہی روپیہ تھا جس سے اس سمندری سفر میں ملاح اور سپاہیوں کا خرچ چلا ۔

شہر ایتھنز کے خالی ہونے کا نظارہ بھی دیکھنے کے لائق تھا - نہیں

اپنے بچے اور بوڑھے والدین کی روانگی پر روتے دیکھ کر ترس بھی آتا تھا اور جوان و توی لوگوں کے ضبط وسکون کے ساتھ انھیں سوار کرا کے جہازوں پر بٹھنے پر آفرین و صد رحمت کہنے کو بھی جی چاہتا تھا۔ لیکن سب سے زیادہ دل کڑھنے کی بات یہ تھی کہ بعض ضعیف العمر لوگ مجبوراً شہر ہی میں چھوڑ دیئے گئے۔ اور علیٰ ہذا پالتو جانور (کتے، بلی) بھی ساتھ نہ لے جائے جا سکے تھے۔ یہ وفا کے مارے اپنے مالکوں کو بچھڑتے دیکھ کر بے تاب ہوئے جاتے تھے اور طرح طرح سے چیختے چلاتے تھے بلکہ کہتے ہیں پری کلس کے باپ زن تی فس کے پاس ایک کتا تھا، جو کسی طرح اپنے مالک سے جدا نہ کیا جا سکا۔ اور آخر جب وہ جہاز میں بیٹھ گیا تو کتا بھی سمندر میں کود پڑا اور تیرتا ہوا جزیرہ سلامیس تک آ پہنچا اور یہیں غش کھا کے گرا اور مرگیا۔ اسی واقعے سے یہ مقام "کتے کی قبر" مشہور ہی۔

اس نازک موقع پر دوسری کارگزاریوں کے علاوہ طاکلس کا یہ کام بھی کچھ چھوٹی بات نہ تھی کہ اس نے ارسطی ڈس کو واپس بلوا لیا (نکلوایا بھی خود اسی نے دیا اس کے گروہ نے) تھا اور اب یہ تجویز بھی اسی نے کی کہ جو لوگ جلا وطن کیے گئے ہیں وہ اس وقت اپنے قول و فعل سے یونان اور اپنے ہم وطنوں کی اعانت کرنے کے واسطے بلا لیے جائیں، درحقیقت لوگوں کو ارسطی دس کے نہ ہونے کا قلق تھا اور یہ اندیشہ بھی لگا ہوا تھا کہ کہیں وہ ایرانیوں سے نہ جا ملے۔ اور اپنا بدلہ لینے کے لیے سارے یونان کو نہ نقصان پہنچا دے۔

یونانی بیڑے کا امیرالبحر، اسپارٹہ کی عظمت کی وجہ سے

یوری بیاڈیس ہوتے تو ہوگیا تھا، لیکن دل کا کمزور تھا اور خاکنائے کو دنتھہ
میں جہاں تری فوج پڑی تھی، جہازوں کو لے جانا چاہتا تھا۔ اس سے
طاکلس مانع آیا۔ اور جب یوری بیاڈیس نے اس کی بے صبری پر
ڈانٹا کہ " جو لوگ اولمپی دوڑ میں (وقت سے) پہلے بھاگ پڑتے ہیں، ان
کی چابکوں سے خبر لی جاتی ہو " تو طاکلس نے وہ جواب دیا جو اب
زبان زد خاص و عام ہوگیا ہو۔ اس نے کہا " اور وہ جو پیچھے رہ جاتے
ہیں، انعام نہیں پاتے " پھر جب بیاڈیس نے لکڑی اس طرح اٹھائی
جیسے اُسے مارنے والا ہو تو طاکلس نے کہا " جی چاہے تو مارنا مگر بات
سُن لو " اس حلم و اعتدال پر بیاڈیس کو بہت تعجب ہوا اور جب
اُس نے توجہ کے ساتھ طاکلس کا کہنا سنا تو ایک حد تک اس کی بات
مان لی۔ ایک اور شخص نے جو پاس ہی کھڑا تھا کہا کہ " جن کو، اب شہر
جانے کا خطرہ ہو نہ گھر کھونے کا، انھیں نہیں پھبتا کہ دوسروں کو بھی
اپنے دیار و وطن چھوڑ بیٹھنے کی ترغیب دیں " تمس طاکلس نے یہ
جواب دیا کہ " اے فرومایہ ہم نے بے شک اپنے گھر اور دیواریں،
چھوڑ دیں اور بے جان و بے حس چیزوں کے لیے غلام بننا پسند نہ کیا،
لیکن اب بھی ہمارا شہر، جس میں دو سو جہاز ہیں، یونان میں سب
سے بڑا ہو اور تمھاری مدافعت کے لیے یہاں موجود ہو۔ اگر تم نے دغا
دی اور اب کے بھی بھاگ گئے تو بہت جلد یونانی سُن لیں گے کہ
ایتھنز والوں کے پاس اتنا ہی بڑا اور عمدہ علاقہ اور ویسا ہی آزاد شہر
آگیا جیسا کہ ان کے پاس سے گیا تھا " یہ فقرے سُن کر بیاڈیس کو
بھی شک پیدا ہوگیا کہ اگر اب اُلٹے پھرے تو ایتھنز والے ضرور ہم سے

لگ ہوجائیں گے ۔ ارِی ٹیریا کے ایک شخص نے مخالفت کرنی شروع کی تو طاکلس اس پر پلٹ پڑا اور کہنے لگا " تم بھی لڑائی پر رائے زنی کرتے ہو؟ جھینگا مچھلی جیسی تمھاری حالت ہو، ہاتھ میں تلوار مگر دل میں جرأت نہیں، تم کیا رائے دوگے؟" بعض لوگ کہتے ہیں، جب تمس طاکلس تختۂ جہاز پر کھڑا یہ تقریریں کر رہا تھا ایک اُلّو داہنی جانب سے آیا اور مستول کے سرے پر بیٹھ گیا۔ یہ ایسا شگون نیک تھا جس نے سب کو اس کا ہم رائے بنا دیا اور انھوں نے اس کی رائے کے مطابق فوراً لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں، لیکن جس وقت دشمن کا بیڑا فیلرم کے بندرگاہ پر (اٹّی کا کے ساحلی علاقے میں) نظر آیا اور اُس کے جہازوں کی کثرت نے سارے کنارے کو نظر سے چھپا دیا نیز جب اُنھیں بادشاہ اپنی پوری بڑی فوج سمیت آتا دکھائی دیا اور ایرانیوں کی کل قوت وہاں مجتمع نظر آئی تو تمس طاکلس کے صلاح مشورے سب فراموش ہوگئے۔ پلی پونی سس والوں کو وہی خاکنائے کی سُدھ بندھ گئی۔ اس کے خلاف کسی نے کہا بھی تو انھوں نے برا مانا اور جہاز والوں کو ہدایتیں پہنچ گئیں کہ راتوں رات فلاں فلاں راستے سے روانہ ہوجائیں۔

تمس طاکلس یہ دیکھ کر، کہ یونانی ایسا عمدہ موقع تنگ سمندر اور کھاڑیوں کا چھوڑے دیتے ہیں، اور یہاں سے جاکر غالباً اپنے اپنے گھروں کو بھاگ جائیں گے، نہایت پریشان ہوا اور اس عالم میں اُس نے وہ تدبیر سوچی جو سکی نوس کے ذریعے عمل میں آئی۔ سکینوس ایک ایرانی اسیر جنگ تھا مگر تمس طاکلس سے اُسے بہت اُنس ہوگیا

تھا اور اس کے بچوں پر نوکر تھا۔ اس موقع پر اسی شخص کو اس نے اپنے طور پر زرکسیز کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ تمس طاکلس ایتھنز کا امیرالبحر تمھارا طرف دار ہوگیا ہے اور اسی لیے سب سے پہلے یہ اطلاع دینی چاہتا ہے کہ یونانی آج رات کو بھاگنے کا ارادہ کر رہے ہیں پس اس کی رائے ہے کہ ان کا آگا روک کر بھاگنے کی گھبراہٹ میں ان پر حملہ کیا جائے اور انھیں بڑی کمک ملنے سے پہلے یہیں سمندر میں تباہ کر دیا جائے۔ زرکسیز یہ پیغام سُن کر اس قدر خوش ہوا گویا وہ کسی خالص خیرخواہ نے بھیجا ہو۔ اور اسُی وقت اپنے سرداروں کو احکام بھیج دیے کہ دو سو جہازوں سے تمام جزائر اور خلیجوں کے راستے روک کر فوراً یونانیوں کو محاصرہ میں کرلیا جائے۔ بعد ازاں باقی بیڑا اطمینان سے ان پر حملہ کرے۔ جب اس کی تعمیل ہوگئی تو سب سے پہلے ارسطی دس نے ایرانی جہازوں کا حصار کرنا معلوم کیا اور سیدھا طاکلس کے ڈیرے میں پہنچا۔ پاس دوست داری سے نہیں، کیونکہ اسی کی بدولت ارسطی دس کو جلاوطنی کا مُنہ دیکھنا نصیب ہوا تھا۔ بلکہ محض آگاہ کرنے کہ دشمن ان کو گھیر رہا ہے۔ تمس طاکلس بھی اس کے اس طرح آنے سے بہت متاثر ہوا اور چوں کہ اس کی شرافت سے واقف تھا لہٰذا سکینوس کے بھیجنے کا راز اس سے کہہ دیا، اور التجا کی کہ چوں کہ اس کی رائے کا یونانی بہت لحاظ کرتے ہیں، پس وہ بھی انھیں دشمن سے ان تنگ کھاڑیوں میں لڑنے کی ترغیب دے کر طاکلس کی تائید کرے۔ ارسطیدس نے اپنے سیاسی حریف کی چالاکی پر تحسین و آفرین کی اور دوسرے جہازوں کے سرداروں کے پاس جا جا کے انھیں لڑائی پر آمادہ کرنے لگا۔ لیکن ابھی تک

نہ انھیں یقین تھا نہ وہ آمادہ جنگ ہوئے تھے کہ ٹینس کا ایک جہاز، جس کا کپتان ہین ٹیس تھا، ایرانیوں کا ساتھ چھوڑ کر یونانیوں سے آملا۔ اور اس نے بھی تصدیق کی کہ تمام راستے اور خلیجیں دشمن نے روک لی ہیں تب تو انھیں سخت غصہ آیا اور ضرورت نے لڑنے کا اور بھی اشتعال دیا۔

پَو پھٹتے ہی زرکسیز ایک اونچی جگہ پر، اپنے بیڑے کی ترتیب و صف بندی دیکھنے چڑھا۔ فانوڈِموس کہتا ہے کہ وہ ہرقل کے دیول پر، جو پہاڑی راس پر بنا ہوا تھا، آکے بیٹھا تھا، عین اس جگہ جہاں جزیرہ سلامیس کو ایک پتلے دھارے نے اٹی کا کے ساحل سے جدا کیا ہے؛ مگر اکس تودروس کا بیان ہے کہ اس کی نشست مگاری علاقے میں، اُن پہاڑوں پر تھی جو "سینگوں" کے نام سے مشہور ہیں۔ یہاں وہ سونے کی کرسی پر متمکن تھا اور گرد وپیش بہت سے منشی لڑائی کے تمام واقعات لکھنے کے لیے بیٹھے تھے۔

جس وقت امیر البحر کے جہاز کے قریب طاکلس بھینٹ چڑھانے والا تھا، تین قیدی اس کے سامنے لائے گئے، یہ نہایت خوش رو، بیش قیمت لباس زرین پہنے ہوئے تھے اور معلوم ہوا کہ سندوس ہمشیرہ زرکسیز کے بچے ہیں۔ جونھیں کہ ان کو یوفرین ٹی ڈس کاہن نے دیکھا، اور اس کے ساتھ ہی قربان گاہ کی آگ سے غیر معمولی لپٹ نکلتی مشاہدہ کی، نیز داھنے پر کوئی چھینک پڑا جو ایک فال نیک سمجھی جاتی تھی، تو اس نے تمس طاکلس کا ہاتھ پکڑ کے ہدایت کی کہ انھیں تینوں قیدیوں کی قربانی چڑھا دے اور اُنھیں باکوس دیوتا (یعنی کُشندہ) کی درگاہ میں چڑھاتے وقت

فتح و نصرت کی دعا مانگے تاکہ مدافعت کے علاوہ یونانی اپنے دشمنوں سے لڑائی بھی جیت سکیں ۔ طاکلس اس ظالم کی یہ عجیب پیشین گوئی سن کر نہایت پریشان ہوا ، لیکن عوام الناس، جو خطرات و مہالک میں معقول ذرائع کے بجائے ، ہمیشہ خلاف عقل و عادت چیزوں پر عقیدہ اور بھروسہ کرلیا کرتے ہیں ، ایک آواز ہوکر باکوس باکوس پکارے اور قیدیوں کو قربان گاہ کے سامنے لے جاکے زبردستی بھینٹ چڑھوائی ، جس طرح کہ کاہن مذکور نے بتائی تھی ۔

یہ روایت فانیاس لسبی کی ہو جو فلسفے اور تاریخ کا بڑا ماہر گزرا ہو،
دشمن کے جہازوں[1] کی تعداد اسکای لس شاعر نے اپنے المیہ (ناٹک) "اہل عجم" میں وثوق کے ساتھ اس طرح لکھی ہو:-

"ہمارے علم میں اس معرکے میں زرکسیز ہزار جنگی
جہاز لے کر آیا تھا ۔ اور ان میں دو سو سات جہاز
سب سے تیز اور اعلیٰ درجے کے تھے ۔"

ایتھنز والوں کے ایک سو اسّی جہاز تھے ۔ ہر ایک پر چار تیر انداز چودہ تیغ آزما، کل اٹھارہ لڑنے والے تھے ۔

تمس طاکلس نے جس دانش مندی سے لڑائی کا مقام پسند کیا تھا وہی دانائی اس نے آغاز جنگ کا وقت انتخاب کرنے میں دکھائی یعنی نہ تو خود بڑھ کر ایرانیوں پر حملہ کیا نہ دن چڑھے تک لڑائی شروع کی۔ کیوں کہ اسی وقت سمندری ہوا میں تیزی پیدا ہوتی تھی اور خلیج میں

---

[1] جہازوں سے مراد ہر جگہ ایسے جہاز سمجھنے چاہییں، جو آج کل کی چھوٹی کشتیوں کے برابر ہوتے تھے ۔ مترجم

موجوں کا زور بڑھ جاتا تھا۔ یہ بات یونانی کشتیوں کے لیے جو نیچی نیچی اور سطح سمندر سے بہت کم اٹھی ہوئی تھیں، چنداں تکلیف دہ نہ تھی، مگر ایرانیوں کو اس سے بہت نقصان پہنچا۔ اُن کے جہاز بھاری بھاری اور اونچے بنے ہوئے تھے، موجیں اُن کی چلت پھرت میں حارج ہوتی تھیں۔ اور یونانیوں کے پلٹ پلٹ کے حملے کرتا انھیں پریشان کیے دیتا تھا، ان حملوں میں سب یونانی طاکلس کے جہاز اور حرکات کی تقلید کر رہے تھے۔ ایک تو انھیں اس کی مہارت کاملہ پر بھروسہ تھا دوسرے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس کے مقابلے میں خود امیرالبحر اریامی نس، زرکسیز کا قابل ترین اور شجاع بھائی، اپنے جہاز پر کھڑا تیر باران کر رہا تھا اور اس کے مستحکم و عظیم جہاز کے تیر کسی قلعے کی فصیلوں سے آتے معلوم ہوتے تھے، جس وقت کہ جہاز سے جہاز ٹکرایا اور دونو کے برنجی سرے ہل گئے تو ان کے باہم جڑتے ہی اریامینس نے چاہا کہ یونانی جہاز پر چڑھ جائے۔ اس وقت امی نیاس، اور سوسی کلیس یونانیوں نے جھپٹ کر برچھیوں سے حملہ کیا اور اُسے مار کر سمندر میں پھینک دیا۔ اس کی لاش شکستہ جہازوں میں بہتی، ارٹمیزیا میں پہچانی اور زرکسیز کے پاس لائی گئی۔

روایت ہے کہ عین لڑائی میں شہر الیوسس پر ایک آگ کا شعلہ ہوا میں نمودار ہوا، اور بہت سی صدائیں میدان تریاسیہ سے بلند ہوئیں اور سمندر تک ایسا شور سُنا گیا جیسے بہت سے جنگ آزما، نادیدہ ایاکوس دیوتا کے ساتھ آرہے ہوں، پھر اسی مقام پر دُھند سی اُٹھتی اور بڑھتی معلوم ہوئی جو آگے پھیل کر جہازوں پر آگری۔

بعض لوگوں کو یقین ہو کہ انھوں نے ارواح کو انسانوں کی صورت میں، مسلح دیکھا، جن کے ہاتھ جزیرۂ ای جینا سے بڑھ کر ایرانی جہازوں کی خبر لاتے تھے۔ ان کا خیال ہو یہ قوم اسیڈی کے لوگ تھے جنھیں لڑائی سے پہلے یونانیوں نے مدد کے لیے پکارا تھا۔

پہلا شخص جس نے دشمن کا جہاز پکڑا، ایتھنزی کپتان لی کومیدیس تھا۔ اس نے فوراً اس کا جھنڈا کاٹ کے اُسے سہرے والے اپالو کے نام پر پُن کر دیا۔

چونکہ ایرانی پتلے دھارے میں لڑائی لڑ رہے تھے، اس لیے مقابلے میں ان کا سارا بیڑا ایک ہی دفعہ میں نہیں آسکتا تھا۔ ان کا نظم درہم برہم ہوگیا تھا۔ پس یونانی درحقیقت برابر ہی کی قوت سے اُن کے ساتھ لڑتے رہے، یہاں تک کہ شام کے قریب انھوں نے بزور دشمن کو پسپا کر دیا اور سای مونی ڈس کے لفظوں میں، وہ شہرۂ آفاق فتح جلیلہ حاصل کی، جو یونانی یا غیر یونانی کسی نے اب تک سمندر کی لڑائی میں نہ پائی تھی۔ یہ بے شبہ لڑنے والوں کے جوش، متحدہ شجاعت، اور سب سے بڑھ کر تھمس طاکلس کی لیاقت و ہوش مندی کا کرشمہ تھا۔

اس بحری معرکے نے زرکسیز کو سخت برافروختہ کیا اور اُس نے اس بدبختی کی جھنجھلاہٹ میں، ارادہ کیا کہ مٹی اور بڑی بڑی چٹانوں سے خلیج کو پاٹ کر جزیرہ سلامیس تک پشتہ باندھ دے اور اس پر سے فوج کو لے جا کے یونانیوں سے لڑائے۔

ادھر تھمس طاکلس ایک اور ہی فکر میں تھا۔ اس نے ارسطیدیس

کی رائے آزمانے کے لیے اُس کو بُلا کے پوچھا کہ "یہاں سے ہلس پونٹ[1] تک بذریعہ جہاز جاکر وہ پُل جو زرکسیز نے باندھا ہی توڑ دیا جائے تو کیسا؟ اس طرح کہ ایشیا، یورپ میں قید ہوکے رہ جائے!"

ارسطی وس نے اس خیال کو ناپسند کیا۔ وہ کہنے لگا کہ اس وقت تک ہمارا مقابلہ ایسے دشمن سے ہوا ہی جو فتح اور لڑائی سے زیادہ اپنے سیر تماشے اور تفریح کا شایق ہی، لیکن اگر اس کو یونان میں بند کرکے ہم نے لڑنے مرنے پر مجبور کردیا، تو وہ جس کے پاس اتنی بے تعداد فوجیں ہیں، پھر آرام سے سونے کا چھتر لگا کے لڑائی کی سیر دیکھتا نہ بنیھے گا۔ بلکہ ضرورت اُسے ہر کام کرنے پر آمادہ کردے گی۔ وہ جان دینے اور جان لینے پر تل جائے گا۔ وہ اپنی پچھلی غلطیوں کی اصلاح کرلے گا اور آیندہ میدان جنگ میں خود آن کر سپاہیوں کو لڑائے گا تاکہ جو اُس نے بے پروائی سے پہلے کھو دیا، اُسے مستعدی سے اب از سرنو حاصل کرلے۔ نظر بریں، طاکلس! یہ کسی طرح ہمارے مفید نہیں کہ اُس کا پُل توڑ دیں۔ ہمیں تو اُلٹا بن پڑے تو، ایک اور پُل اُسے بنا دینا چاہیے کہ جس قدر جلد ہو سکے وہ یہاں سے دفع ہو جائے۔" اس تقریر کو سُن کر طاکلس نے کہا اگر یہ ہی تو ہمیں بے تامل اپنی تمام لیاقت و چالاکی اس سے پیچھا چھڑانے میں صرف کردینی چاہیے۔ اس مطلب کے لیے اس نے ایرانی اسیرانِ جنگ

---

[1] جسے آبنائے مارموره بھی کہتے ہیں۔ درداینال کی شمالی انتہا ہی۔ پانی کی یہی پتلی لکیر یورپ کو ایشیا سے جدا کرتی ہی، یہیں ایرانیوں نے چڑھائی کرتے وقت کشتیوں کا پل باندھ کر اپنی فوج تراقیہ (تھریس) کے میدانوں میں اتاری تھی۔ ۱۲م

میں ارناجس نام ایک شاہی خواجہ سرا کو چھانٹا اور دارائے عجم کی خدمت میں اس کی معرفت کہلا بھیجا کہ یونانی بحری فتح پاکر، اب آبنائے مرمرا جانے کی سوچ رہے ہیں تاکہ وہاں کا (کشتیوں کا) پل توڑ ڈالیں۔ لیکن طاکلس شاہی خیر خواہ ہو اسی لیے وہ اس پہ یہ راز کھولے دیتا ہو تاکہ وہ بغیر تاخیر ایشیا کی سمت روانہ ہوجائے اور بخیریت اپنی مملکت میں جا پہنچے۔ ساتھ ہی اس کو چاہیے کہ یونانی افواج متحدہ کو تعاقب سے روکنے اور یہیں الجھائے رکھنے کا بھی انتظام کرتا جائے"

جب یہ پیغام زرکسیز نے سنا تو سخت خوف زدہ ہُوا اور یونان کو جلد سے جلد خیرباد کہ کے اُلٹا بھاگا۔ اس معاملے میں جو عاقبت اندیشی طاکلس اور ارسطی دس نے دکھائی اس کی تصدیق پلا تیہ کی لڑائی میں ہوگئی، جہاں مردانوش نے ایرانی افواج کے ایک بہت چھوٹے حصے سے سارے یونان کو ہلاکت کے قریب پہنچا دیا تھا۔

ہرودوٹس لکھتا ہو کہ یونان کی تمام بستیوں میں اجینیا کے سر لڑائی میں اولیت کا سہرا رہا اور انفرادی لحاظ سے تمس طاکلس کی کارگزاری سب سے بڑھ کر سمجھی گئی اگرچہ اس کا اعتراف حسد کی وجہ سے کسی نے بخوشی نہ کیا ہوگا۔ بہرحال جب وہ واپسی میں پیلی پونی سس کے علاقے میں داخل ہوئے تو بہت سے سرداروں سے بہ حلف رائے لی گئی کہ سب سے لایق کون شخص ہو، اس وقت ہر ایک نے پہلی رائے تو اپنی نسبت دی اور دوسرا بہترین سپہ سالار تمس طاکلس کو تسلیم کیا۔ اسپارٹہ والے اُسے اپنے ہمراہ اسپارٹہ لے گئے۔

اور یہاں شجاعت کا انعام تو یوری بیادیس کو ملا مگر عقل و تدبیر کی قدردانی میں تمس طاکلس کو انھوں نے زیتون کا تاج دیا اور شہر کی بہترین رتھ اُسے دے کر، تین سو نوجوانوں کو اپنے ملک کی حدود تک اس کے ساتھ مشایعت کے لیے بھیجا۔ اس کے بعد جب اُلمپیہ کی نمایش میں اس سال تمس طاکلس گھڑ دوڑ کے میدان میں داخل ہوا تو تماشائیوں نے باقی تمام مقابلہ کرنے والوں کو چھوڑ دیا، اور اسی کے پیچھے ہو لیے۔ اُنھیں دن بھر سوائے اس کے کوئی شغل نہ تھا کہ اُسے خود دیکھتے اجنبی لوگوں کو دکھاتے، تعریفیں کرتے تالیاں پیٹتے اور طرح طرح سے اپنی مسرت کا اظہار کرتے تھے۔ یہاں تک کہ خود طاکلس اس قدرشناسی سے نہایت مسرور ہُوا اور اپنے دوستوں سے کہنے لگا کہ آج یونان کی خاطر جو کام میں نے کیے تھے اُن کا پورا صلہ مل گیا۔

حقیقت میں اعزاز و امتیاز کا اُسے بے حد شوق تھا اور یہ بات اس کے سوانح سے اچھی طرح ظاہر ہوجاتی ہے، جن دنوں وہ ایتھنز کا امیرالبحر منتخب ہُوا تو یہ طرز اختیار کیا کہ کوئی کام الگ الگ اور اپنے اپنے وقت پر انجام نہ دیتا۔ خواہ وہ سلطنت کا ہو خواہ اس کے نج کا۔ بلکہ ان سب کو شام تک ملتوی رکھتا اور شام کو جب جہاز روانہ ہونے کا وقت آتا اور لوگ اس کے پاس آتے جاتے تو اس وقت اپنی شان اور مصروفیت اور اعلیٰ ذمہ داری دکھانے کے لیے سارا کام اکٹھا لے کر بیٹھتا تاکہ لوگوں میں اُس کا چرچا ہو، سمندر کے کنارے لاشوں کو پڑا دیکھ کر، جو اکثر زیور پہنے ہوئے تھیں، خود تو بے پروائی سے گزرتا چلا گیا مگر اپنے ایک دوست سے کہنے لگا، "تم ان زیورات

کو ے لو ، کیوں کہ تم تمس طاکلس نہیں ہو"

ایک خوب صورت جوان انٹی فان ٹیس سے بھی ، جو پہلے اس سے الگ الگ رہتا تھا مگر جب وہ بڑا آدمی ہوگیا تو اُس کی خوشا درآمد کرنے لگا ، طاکلس نے اس طرح اظہار تبختر کیا کہ " میاں صاحب زادے! زمانے نے تم کو بھی کچھ سکھا دیا اور مجھ کو بھی "

اس کا قول تھا کہ ایتھنز کے لوگ نہ میری قدر پہچانتے ہیں نہ سچی عزت کرتے ہیں بلکہ سایہ دار درخت کی طرح مجھ سے یہ کام لیتے ہیں کہ جب موسم خراب ہوا تو اس کے نیچے آرام لے لیا اور جب بارش یا دھوپ نکل گئی تو پتے نوچے اور شاخیں کاٹ ڈالیں "

قصبۂ سریفس کے کسی شخص نے ایک بار اس سے یہ کہہ دیا کہ تم نے جو بزرگی اور عزت پائی ہے وہ ذاتی لیاقت سے نہیں بلکہ اپنے وطن کے نام ور ہونے کی وجہ سے ہے۔ طاکلس نے اس کا یہ جواب دیا کہ " بے شک آپ سچ فرماتے ہیں ۔ میں سریفس کا ہوتا تو مجھے یہ عزت نہ ملتی ۔ مگر آپ بھی اگر ایتھنز کے ہوتے تو یہ عزت نہ پاتے ! "

فوجی سرداروں میں ایک شخص اپنے کو سمجھتا تھا کہ میں نے ایتھنز کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دی ہیں ۔ اور ازراہِ مشیخت تمس طاکلس سے اپنے کاموں کا مقابلہ کیا کرتا تھا ۔ طاکلس نے اس کو یہ نقل سُنائی کہ ایک مرتبہ عید اور ٹر میں کچھ چشمک ہوگئی ۔ ٹر نے عید پر یہ الزام لگایا کہ تجھ میں ہنگامہ ، گھبراہٹ ، جلدی جلدی کپڑے بدلنے کے سوا کیا رکھا ہے ۔ مجھے دیکھ ، جب آتی ہوں تو ہر شخص کس اطمینان سے تہوار کا لطف اٹھاتا ہے " عید نے جواب دیا " بات تو ٹھیک ہے مگر میں

پہلے نہ آیا کرتی تو تمھارا وجود بھی دُنیا میں نہ ہوتا!" پھر کہنے لگا :-
"تمس طاکلس تم سے اوّل نہ ہوتا تو تم بتاؤ کہ تم کہاں ہوتے؟"

اپنے بیٹے سے جو اپنے خرچ کے لیے ماں سے اور اس کے ذریعے اپنے باپ سے ہمیشہ رُپے اینٹھ لیا کرتا تھا، تمس طاکلس ایک دن ہنس کے کہنے لگا کہ یونان میں سب سے زیادہ قوت تیری ہے "کیوں کہ یونان پر ایتھنز کا حکم چلتا ہے اور ایتھنز پر میری حکومت ہے، میں تیری ماں کا تابع ہوں اور وہ تیرے قبضے میں ہے!"

اس کی جدت پسندیوں کی کیفیت یہ تھی کہ جب کچھ زمین فروخت کرنے کی ضرورت ہوئی تو ڈھنڈورے والے کو حکم دیا کہ وہ اس اطلاع کے ساتھ یہ بھی پکار دے کہ بکنے والی زمین کے ہمسائے میں بھی اچھے لوگ رہتے ہیں۔

اپنی بیٹی کے دو منگیتروں میں اُس نے دولت پر صاحب لیاقت شخص کو ترجیح دی اور کہا کہ "میرے نزدیک بے دولت آدمی اُس دولت سے بہتر ہے جس کا مالک مردِ قابل نہ ہو"

تمس طاکلس کے مقولے اس قسم کے ہوتے تھے۔

ان واقعات کے بعد جو پہلے بیان ہوئے، طاکلس نے ایتھنز کو تمام مخالفین کے علی الرغم از سرِ نو تعمیر و مستحکم کرنا شروع کیا۔ تھیوفومس کا بیان ہے کہ اس نے مخالفت روکنے کے لیے اسپارٹہ کے حکام کو رشوت دے دی تھی۔ لیکن عام روایت یہ ہے کہ اُس نے یہ مطلب اُنھیں فریب دے کے، نکال لیا یعنی وہ سفارت کے بہانے خود اسپارٹہ گیا اور جب وہاں والوں نے الزام لگایا کہ ایتھنزی (خلاف معاہدۂ قدیم)

نئی فصیلیں بنا رہے ہیں ، اور اجینا کی طرف سے بھی یہی اعتراض اٹھایا گیا تو طاکلس نے واقعے کی صحت ہی سے انکار کیا اور کہا یقین نہ آئے تو وہ اپنے آدمیوں کو بھیج کے صحت کرالیں ! اس جھوٹ سے اس کا مطلب یہ تھا کہ دیر لگے اور ایتھنز کو زیادہ وقفہ فصیل کی تیاری کا مل جائے ۔ نیز اس کے قبضے میں اسپارٹہ کے آدمی بھی بطور یرغمال پہنچ جائیں تاکہ خود طاکلس ان کی زیادتی سے محفوظ ہوجائے ۔ چناں چہ جب اہل اسپارٹہ کو حقیقت حال سے آگہی ہوئی تو انھوں نے طاکلس کو کسی قسم کی ایذا نہ پہنچائی بلکہ اُس وقت اپنے غصّے کو ضبط کر کے اُس کو واپس بھجوا دیا ۔

اس کے بعد اُس نے پائی رئیس کو عمدہ بندرگاہ بنانے کی طرف توجہ کی ۔ اس مقام کے قدرتی مواقع اور فوائد اس کی نگاہ میں تھے ۔ اس کے علاوہ وہ شہر کو براہ راست سمندر سے ملا دینا چاہتا ۔ یہ گویا پُرانے ایتھنزی بادشاہوں کے بالکل برعکس کارروائی تھی کیونکہ انھوں نے اپنی رعایا کو سمندر سے علٰحدہ رکھنا چاہا تھا اور جہازرانی کے بجائے کاشت کاری اور زمیں داری پر انحصار رکھا تھا اور اسی غرض سے یہ کہانی مشہور کر دی تھی کہ سمندر کے دیوتا نیپچون اور منروا دیوی میں ایتھنز کی حکومت پر جھگڑا ہؤا جس میں منروا ، نیپچون کے رو برو زیتون کا درخت پیش کر کے مقدمہ جیت گئی ، تھس طاکلس نے اس کے خلاف ، ارسطوفان کے الفاظ میں ، نہ صرف شہر کو سمندر سے ملا دیا بلکہ اس کو بالکل بندرگاہ کا جزو اور دست نگر کر دیا ۔ اور اس طرح خشکی کا مدار پانی پر رکھا ۔ جس سے عوام الناس کا زور اور طاقت ،

امرا کے خلاف، بہت زیادہ ہوگئی، اور حکومت کی باگ ملاحوں اور جہاز رانوں کے قبضے میں چلی گئی۔ چناں چہ جب "تیس[1] جابروں" نے ایتھنز پر قابو پایا تو مجلس کی نشستوں کا رُخ سمندر کی طرف سے پھروا کر خشکی کی جانب کرادیا۔ اس میں یہی نکتہ تھا، ان کے نزدیک جمہوریت کی بنیاد بحری سلطنت بننے سے پڑی ورنہ مزارعین کی جماعت حکومت[2] خواص کی مخالف نہ تھی۔

لیکن تھمس طاکلس بحری اقتدار کی ابھی نہ معلوم کیا کیا ترکیبیں سوچ رہا تھا۔ اس نے زرکسیز کے جانے کے بعد، جب یونان کا متحدہ بیڑا پگاسی پر سرما گزار تھا، ایک عام تقریر میں ایتھنز والوں سے بیان کیا کہ میں نے ان کے فائدے اور سلامتی کے لیے ایک ایسا کام کرنے کا ارادہ کیا ہو جسے میں عام طور پر ظاہر نہیں کر سکتا۔ اس پر لوگوں نے فرمایش کی کہ وہ صرف ارسطی دس کو اپنا ارادہ بتا دے اور وہ بھی اس کو پسند کرلے، تو عمل میں لے آئے، یہ ارادہ تھمس طاکلس نے ارسطی دس پر ظاہر کردیا کہ میں یونانی بیڑے کو جلا دینا چاہتا ہوں (تاکہ یونان بھر میں سوائے ایتھنز کے اور کسی ریاست پاس جہاز نہ رہیں) ارسطی دس نے باہر آکر لوگوں سے طاکلس کی عیاری ان الفاظ میں ظاہر کی کہ اس کی تجویز مصلحت کے لحاظ سے تو بہترین کام ہو لیکن اس سے بڑھ کر موجب ننگ فعل کوئی نہ ہوگا۔ یہ سن کر ایتھنز والوں نے

---

[1] Thirty tyrants ان کا مفصل ذکر کہ کس طرح ساری حکومت پر حاوی ہو گئے تھے آگے آئے گا۔ Tyrant کے اصلی معنی خود مختار بادشاہ کے ہیں ۔ م

[2] حکومت خواص oligarchy یعنی صرف چند صاحب اثر لوگوں کی حکومت ۔ م

تمس طاکلس کو روک دیا کہ آیندہ ایسی بات کا خیال دل میں نہ لائے۔

اسپارٹہ والوں نے تمام ریاست ہائے یونان کی مجلس عام میں اسی سال ایک تجویز پیش کی تھی کہ اُن ریاستوں کے نمایندے جو نہ اتحاد میں شریک ہوئے نہ ایرانیوں کے خلاف لڑائی لڑے، اس مجلس سے خارج کر دیے جائیں۔ اس پر طاکلس کو اندیشہ ہوا کہ اگر ساری تھسلی اور تھیبیہ، آرگس وغیرہ ریاستیں اس تجویز کے بموجب نکال دی گئیں تو پھر اسپارٹہ کے لوگ ساری مجلس پر چھا جائیں گے اور جو کچھ جی میں آئے گا کرالیں گے۔ لہذا اس نے ان کی مخالفت کی اور اہل مجلس پہ زور دیا کہ وہ ایسی تجویز کو قبول نہ کریں کہ جس کے رُو سے سارا یونان مجلس سے خارج ہوا جاتا ہے اور صرف کتنیس ریاستیں جنھوں نے جنگ میں حصہ لیا، باقی رہ جاتی ہیں۔ ان میں بھی بہت سی بالکل چھوٹی ہیں۔ پس نتیجہ یہ ہوگا کہ صرف دو تین بڑے بڑے شہروں کی رائے مجلس میں غالب آجائے گی اور وہی جو چاہیں گے کرالیا کریں گے۔ اس واقعے نے اہل اسپارٹہ کو طاکلس سے سخت ناراض کر دیا اور انھوں نے کامین کو اعزاز اور اپنی عنایات کا مورد بنا کے تقویت دی تاکہ معاملات ملکی میں وہ طاکلس کا حریف ہو جائے۔

کئی جزائر ایتھنز کے حلیف تھے۔ طاکلس ان میں بھی جا جا کے (سرکاری) زر تحصیل کرنے کی وجہ سے سخت تکلیف رساں شخص سمجھا جاتا تھا۔ ہیروڈوٹس نے لکھا ہے کہ جزیرہ انڈروس سے تحصیل زر کے وقت اُس نے یہ بات کہی تھی کہ "میں اپنے ہمراہ دو دیویاں لایا

ہوں! ترغیب اور زبردستی" اس کا جواب انھوں نے یہ دیا کہ ہمیں بھی رُپے دینے سے مانع دو دیویاں ہیں:۔ "افلاس اور غیر امکانی" ٹموک رین باشندۂ روڈس نے اس حرکت پر طاکلس کی بڑی بُری طرح ہجو کی ہو کہ اس نے رُپے لے کر جو جلاوطن کیے گئے تھے، اُنھیں تو واپس بُلا لیا مگر خود اس شاعر کو دھتا بتا دی حالانکہ وہ طاکلس کا دوست بھی تھا اور مہمان بھی۔ چناں چہ لکھتا ہو:۔

"لوگو! شاہیر قدیم کی جا ہے جتنی
مدحت سرائی کرو، میں تو یہی کہوں گا
کہ ان میں سب سے صادق القول شخص
میں نے ارسطی دس کو پایا جو بابرکت
مدینۃ الحکما سے آیا تھا۔ رہا تش طاکلس
وہ تو ایک قابل نفرت جھوٹا، دغا باز،
اور فریبی شخص ہو جس نے چند ناپاک
سکّوں کے لیے، اپنے دوست ٹموک رین
سے بے مروّتی کی اور گوارا نہ کیا کہ وہ
اپنے وطن روڈس کے ساحل پر قدم
دھر سکے!
تین ٹیلنٹ چاندی وصول کرتے ہی وہ
(مخلوق کی لعنتیں لیے) واپس ہوگیا۔
مگر اس طرح کہ راستے میں کسی کو یہاں
چھوڑا کسی کو وہاں مارا اور کسی کو نکال دیا

اور اپنی ہمیانی کو رُوئی سے اور زیادہ بھر لیا۔
پھر خاکنلامے (ایتھنز) پر پہنچ کے خوشی
میں ایک بڑی ضیافت دی، جس میں
باسی گوشت کے سوا کچھ نہ تھا، اسی کو
لوگوں نے (مجبوراً، اس کی ہنسی اڑانے
کے باوجود) زہر مار کیا اور دعائیں مانگیں
کہ خدایا سال آئندہ اُسے ایسی دعوت
دینی نہ نصیب ہو"

لیکن جب تمس طاکلس کو حکم جلاوطنی دیا گیا تو اس وقت ٹموک رین نے اس کی مذمت میں اور زیادہ غلو کیا اور ایک نہایت وحشیانہ اور نامناسب ہجو لکھی جس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:۔

"او شاعری کی دیوی یونان میں گشت کر کے
ہر ہر جگہ پہ جا کے، اس نظم کو سُنا دے
یہ حسب حال بھی ہے یہ راست راست بھی ہے"

مشہور یہ ہے کہ ٹموک رین کے بارے میں یہ سوال اٹھایا گیا تھا کہ آیا اُسے ایرانیوں کی طرف داری کے جرم میں جلاوطن کر دیا جائے یا نہیں؟ اس وقت تمس طاکلس نے اس کے خلاف رائے دی تھی، پس جب خود تمس طاکلس پر، اہل عجم سے ساز باز رکھنے کا، الزام قائم ہوا، تو ٹموک رین نے اس پر یہ شعر لکھے:۔

"عجم کا خیر طلب اب ٹموک رین ہی نہیں
بہت سے اور بھی عیّار چھپ رہے ہیں یہیں

ہزار شکر لنڈورا نہیں ہوں میں ہی یہاں
ہیں بلکہ اور بھی کچھ دُم کٹائی لومڑیاں"

جب ایتھنز میں لوگ اُس کی بُرائی زیادہ شوق کے ساتھ سننے لگے اور یہ چرچا بڑھ چلا تو تمس طاکلس مجبور ہوا کہ بار بار انھیں اپنی خدمات یاد دلائے اور اپنے مخالفوں سے پوچھے کہ کیا ایک ہی شخص سے اتنے کثیر فائدے اُٹھاتے اٹھاتے وہ بالکل تھک گئے؟ لیکن ان خودستائیوں نے لوگوں کو زیادہ بیزار کر دیا۔ اُس پر طرّہ یہ ہوا کہ اُس نے ڈی آنا دیوی کا مندر تعمیر کرایا اور اس کا عرف ارسطوبل (یعنی ناصح مشفق) تجویز کیا۔ اس سے لوگوں نے بہت بُرا مانا کیوں کہ اس میں یہ اشارہ تھا کہ تمس طاکلس نہ صرف ایتھنز کا بلکہ سارے یونان کا بہترین مشیر اور ناصح مشفق ہے، یہ مندر تمس طاکلس کے مکان کے پاس میلٹ کے علاقے میں بنا ہوا ہے، جہاں اب تک سزائے موت پانے والوں کی لاشیں لے جاتے ہیں اور جن مجرموں کو پھانسی یا سولی پر چڑھایا جاتا ہے ان کے کپڑے وغیرہ اسی مقام پر اتارتے ہیں۔ اسی مندر میں تمس طاکلس کی چھوٹی سی مورت بھی رکھی ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف نہایت اعلیٰ صفات سے متصف تھا بلکہ صورت بھی بڑی بارعب و دلیرانہ رکھتا تھا۔

آخر ایتھنزیوں نے اس کو جلاوطن کر کے چھوڑا۔ اس کی عزت اور وقعت خاک میں ملانے کے لیے بھی، اسی فتوے عام کا ہتھیار استعمال کیا گیا۔ جس سے وہ اُن مشاہیر کو ذلیل و پست کر سکتے تھے جو ایک مساوات پسند آبادی میں غیر معمولی قوت حاصل کر لیں، کیونکہ

درحقیقت اس طریقے کا مطلب مجرموں کو سزا دینا نہ تھا بلکہ زیادہ تر اُن حاسدوں کے ارمان نکالنا تھا جو ممتاز و معزز افراد کی ذلت سے خوش ہوا کرتے ہیں اور جن کی غضب ناکی ایک حد تک ان معززین کو خوار دیکھ کر فرو ہو جاتی ہے۔

نمس طاکلس ایتھنز سے نکل کر ادگس ہی میں مقیم تھا کہ پاسے نیاس کا مشہور قضیہ پیش آیا اور اُس کے دشمنوں کو موقع ملا کہ اس پر وطن فروشی کا الزام لگائیں۔ اہل اسپارٹہ اس میں ان کے مددگار تھے۔

واضح رہے کہ پاسے نیاس نے اوّل اوّل دوستی کے باوجود اپنی سازش کا ذکر بھی نمس طاکلس سے نہیں کیا تھا۔ لیکن جب جلاوطنی کا معاملہ پیش آیا اور اس پر طاکلس کو اس نے نہایت مضطرب پایا تو یہ جسارت کی کہ اپنی سازش کا احوال اس سے کہے اور شاہ ایران کے خطوط دکھا کر اُسے یونانیوں کے خلاف، (جنھیں اس نے نہایت بدمعاش اور ناشکری قوم ثابت کیا) کارروائی کرنے پر آمادہ کرے، مگر طاکلس نے اس تجویز کو فوراً مسترد کر دیا اور اس کام میں شرکت سے قطعاً انکار کر دیا۔ اگرچہ اس نے یہ راز بھی کسی اور سے نہ کہا نہ کسی کو سازش کی کو اطلاع دی۔ جس کی وجہ یا تو یہ امید تھی کہ پاسے نیاس اپنے نالائق ارادے سے باز آجائے گا یا یہ گمان کہ ایسی بے تکی سازش کسی نہ کسی ذریعے سے ضرور کھُل جائے گی۔

تھوڑے دن بعد پاسے نیاس کے پاس سے خطوط وغیرہ سازش کے متعلق پکڑے گئے اور اسی جرم میں سزائے موت کا حکم صادر ہوا۔ نیز نمس طاکلس پر بھی وجہ اشتباہ پیدا ہوئی اور اہل اسپارٹہ نے اس کے

خلاف آسمان سر پر اٹھالیا ، خود ایتھنز میں اس کے دشمنوں نے اس پر
الزام لگانے شروع کیے ، چنانچہ ان تہمتوں کے جواب میں طاکلس نے
خطوط کے ذریعے اپنی براءت کی کوشش کی ، وہ ایتھنز میں موجود نہ تھا،
اس لیے تحریری صفائی پیش کی اور اپنے ہم وطنوں کو صرف اتنا یاد دلایا
کہ وہ جو ہمیشہ حکومت کرنے کا تشنہ تھا اور ننگ خدمت یا کسی کی حکومت
اٹھانے سے بالطبع متنفر تھا ، کبھی اپنے آپ کو یا اپنے ملک کو ناپاک اعدا
کے ہاتھ غلامی میں فروخت کردینا پسند نہ کرسکتا تھا ، باوجود اس کے لوگوں
نے اس کے مخالفین کے اُکسانے سے چند سرہنگوں کو بھیج دیا کہ سارے
یونان کی عدالت مشترکہ میں اس پر مقدمہ چلانے کے واسطے اُس کو لے آئیں۔
مگر طاکلس کو یہ خبر بروقت پہنچ گئی اور وہ جزیرۂ کسا کایرا کو چل دیا۔
جہاں کی ریاست اس کی زیر بار احسان تھی ، کیوں کہ کورنتھہ والوں سے
اُن کے تنازعے میں تمس طاکلس ہی حکم منتخب ہوا تھا اور اسی نے کورنتھہ
سے بیس ٹیلنٹ تاوان دلواکر جزیرۂ متنازعہ فیہ کو فریقین کی مشترک نوآبادی
قرار دیا تھا ۔ کسا کایرا سے وہ اپیرس بھاگ گیا اور جب یہاں بھی ایتھنز
اور اسپارٹہ کے لوگوں نے تعاقب نہ چھوڑا تو مایوسی کے عالم میں اُس
نے جان بچانے کے لیے ایک نہایت مخدوش راستہ اختیار کیا۔ یعنی اپیرس
سے بھاگ کر شاہ اڈمیٹس کے پاس پناہ لی ۔ وہ قوم مولاسی کا بادشاہ
تھا اور تمس طاکلس نے اپنے عہد حکومت ایتھنز میں اس کی کسی درخواست
کو نہایت حقارت و اہانت آمیز طریق پر مسترد کردیا تھا۔ جس پر شاہ موصوف
نے کبھی نہ کبھی بدلہ لینے کا علانیہ ارادہ کرلیا تھا۔ مگر اب وہ مجبور و مایوس
ہوکر اسی کی پناہ لینے کے لیے چلا۔ شاہ موصوف کی پرانی دشمنی سے

کہیں زیادہ خطرناک اُسے پرانے دوستوں کی خفگی نظر آئی، اور اُس نے رحم و کرم کی التجا کے ساتھ، ایک بےکس کی حیثیت سے اپنے کو اڈمیٹس کے حضور میں پہنچایا۔ استمداد کی صورت بھی اور ممالک سے بالکل مختلف اور عجیب تھی یعنی بادشاہ کے بچے کو گود میں لے کر وہ شاہی آتش دان کے سامنے زمین پر لیٹ گیا۔ یہ مولاسیون کے ہاں کا طریق فریاد تھا اور ایسے فریادی کبھی بادشاہی درگاہ سے مایوس نہ پھرتے تھے۔ بعضوں کا بیان ہے کہ یہ ترکیب خود بادشاہ کی بیوی ملکہ فیتہ نے طاکلس کو بتائی تھی اور خود ہی اس نے اپنے بچے کو آتش دان کے سامنے اس کے آگے بٹھا دیا تھا۔ ایک اور قول یہ ہے کہ خود شاہ موصوف کے اشارے سے طاکلس نے جھوٹ موٹ یہ طریقہ اختیار کیا تھا تاکہ اسے ایک قانونی اور شرعی عذر پناہ دینے کا مل جائے اور اسی کی بنا پر وہ طاکلس کو اُس کے تعاقب کرنے والوں کے حوالے کردینے سے انکار کردے۔ اسی زمانے میں ایپکراٹیس اکارنی نے طاکلس کے اہل و عیال کو ایتھنز سے نکال کے چپکے سے اُس کے پاس پہنچوا دیا اور اسی پر اس غریب کو کائمن نے مجرم بنا کے سزائے موت دی۔ یہ ٹیسیم برو ٹس کی روایت ہے مگر اس کے بعد ہی اس نے لکھا ہے کہ طاکلس سسلی پہنچا اور وہاں کے خود مختار بادشاہ ہائیرو سے بیٹی بیاہ میں مانگی اور وعدہ کیا کہ سارے یونان پر اُسے قابض کرا دے گا۔ مگر اُس نے انکار کردیا اور وہ ایشیا روانہ ہوگیا۔ یہ یا تو مصنف کی بھول ہے اور یا اُس نے طاکلس کو اپنے اہلِ و عیال سے بہت بےپروا ظاہر کیا ہے۔ بہر حال یہ آخری جزو روایت کچھ زیادہ قرینِ قیاس نہیں ہے۔ کیوں کہ سفر اسطس نے اپنی کتاب

"حکومت شخصی" میں تحریر کیا ہے کہ ایک دفعہ ہائیرو نے اپنے گھوڑے اولمپیہ کی نمائش میں گھڑ دوڑ کے لیے بھیجے اور وہاں شامیانے لگا کے ایک نہایت آراستہ پیراستہ تنبو چھایا تو تمس طاکلس نے ایک زبردست تقریر میں یونانیوں کو ابھارا تھا کہ اس جابر کے خیمے لوٹ لیں اور اس کے گھوڑوں کو بھی گھڑ دوڑ میں داخل نہ ہونے دیں۔

طوسی دیدیس راوی ہے کہ بحر ایجین کو پار کرتے وقت وہ بندرگاہ پڈنہ (واقع خلیج توم) سے بیٹھا تھا اور جہازیوں میں کسی کو اس کے نام سے آگہی نہ تھی۔ سوئے اتفاق سے اس جہاز کو باد مخالف نے جزیرہ نکسوس کی سمت بہا دیا جہاں ایتھنز والے اس جزیرے کو اُس زمانے میں گھیرے پڑے تھے۔ تمس طاکلس یہ دیکھ کر نہایت خوف زدہ ہوا اس نے ناخدا سے جا کے صاف صاف اپنا حال کہہ دیا اور کچھ منت خوشامد سے کچھ ڈرا دھمکا کے (کہ اگر جہاز کو ساحل پر لے گئے تو میں ایتھنز والوں سے کہہ دوں گا کہ یہ جہاز والے جان بوجھ کر اور مجھ سے رشوت لے کر فراری میں مدد دے رہے ہیں) اُس نے انھیں مجبور کر دیا کہ یہاں لنگر انداز ہونے کے بجائے سمندر ہی سمندر میں سیدھے ایشیا کی جانب ہولیں اور جزیرۂ مذکور پر ایک لمحے کے واسطے بھی قیام نہ کریں۔

طاکلس کی جائداد اور مال متاع کا حصۂ کثیر اس کے دوستوں نے خفیہ طور پر بیچ کر اس کا روپیہ اُسے ایشیا میں سمندر پار بھجوا دیا تھا۔ مگر اس کے علاوہ جو باقی رہ گیا اور ضبطی میں آیا اس کی مالیت سفراسطس کے لکھنے کے بموجب اسّی ٹیلنٹ تھی۔ مگر تھیوفمفس نے اس کو سَو ٹیلنٹ کا بتایا ہے۔ بہرکیف اس میں شبہ نہیں کہ یہ ساری کمائی بعد کی

تھی کیوں کہ معاملات ملکی میں قدم رکھنے سے پہلے اس کی جمع جتھا تین ٹیلنٹ سے کسی طرح زیادہ نہ تھی۔

جب طاکلس، کیم پہنچا اور اسے معلوم ہوا کہ سارے ساحل پہ لوگ اس کی تاک میں بیٹھے ہیں، خصوصاً ارگوٹی لس اور پی تھوڈورس کو بہت زیادہ فکر اس کے گرفتار کرنے کی ہے (کیوں کہ شاہ ایران نے اعلان کردیا تھا کہ طاکلس کو پکڑ کے لانے والے کو دو سو ٹیلنٹ انعام دیا جائے گا اور جو لوگ ہر ذریعے سے روپے کمانا چاہتے ہیں، اُن کے لیے یہ بہت معقول رقم تھی) تو وہ اولیہ کی چھوٹی سی بستی ایجی کو بھاگ گیا۔ جہاں اس کے میزبان نکوجینی کے سوا کوئی اسے نہ جانتا تھا۔ یہ شخص اولیہ کا سب سے بڑا دولت مند تھا۔ اور اندرون ایشیا میں تمام بڑے بڑے آدمی اس کو خوب جانتے تھے۔ کئی روز تک طاکلس اس کے گھر میں چھپا رہا مگر قربانی چڑھانے کے بعد جب سب لوگ شام کا کھانا کھا رہے تھے نکوجینی کے بچوں کے ملازم اول بی اس پہ ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی اور اسی جوش میں یہ الہامی الفاظ شعر بن کر بآواز بلند اس کے منہ سے نکلنے لگے :۔

"سُن کہ ہاتف کی صدا کہتی ہے کچھ ہنگام شب
اپنا تعویذ ہدایت جان وہ پیغام شب"

اُسی رات تمس طاکلس نے خواب دیکھا کہ ایک سانپ گنڈلی مارے اس کے پیٹ پہ بیٹھا ہے اور آہستہ آہستہ گردن کی طرف بڑھ رہا ہے پھر جونہیں کہ اُس نے طاکلس کے چہرے کو چھوا وہ ایک عقاب کی شکل بن گیا جس نے اپنے بازو اُس پہ پھیلا کر اس سمیت آسمان کی طرف

پرواز کی اور بڑی دور تک لیے چلا گیا۔ آخر کار ایک نقیب کا سنہری عصا سامنے آیا اور اُسے دیکھتے ہی عقاب نے اسے بحفاظت زمین پر رکھ دیا اور اس وقت طاکلس کو ایک ناقابل بیان دہشت و عقوبت سے نجات ملی"

اس کے بعد ہی طاکلس یہاں سے روانہ ہوگیا۔ نکوجنی نے اس کے بچ نکلنے کی ایک بڑی عمدہ تدبیر کی تھی، واضح رہے کہ غیر قومیں خصوصاً ایرانی اپنی عورتوں کے متعلق نہایت سخت اور شکی ہوتے ہیں۔ ان کا رشک صرف بیویوں تک محدود نہیں ہوتا بلکہ اپنی لونڈیوں اور حرموں کو بھی وہ ایسی شدید نگرانی میں رکھتے ہیں کہ کوئی غیر شخص ان کی صورت نہیں دیکھ سکتا۔ ان سب عورتوں کی عمریں، گھروں میں بند رہ کر گزرتی ہیں، اور جب سفر کا موقع آتا ہے تو ان کی گاڑیوں پر جھول داریاں یا سرکیاں کھڑی کر دی جاتی ہیں۔ تمس طاکلس کے واسطے بھی اس قسم کی پردہ دار سواری تیار کی گئی اور اس میں بیٹھ کر اُس نے سفر قطع کیا۔ راستے میں کوئی پوچھتا تو اس سے گاڑی والے کہہ دیتے کہ اس میں اونیہ کی ایک یونانی جاریہ ہے جسے کسی درباری امیر کے واسطے دارالحکومت کو لے جا رہے ہیں۔

طوسی دیدس اور چارن کا بیان ہے کہ اس وقت زرکسیز فوت ہوچکا تھا اور تمس طاکلس کی ملاقات اس کے بیٹے سے ہوئی تھی، مگر افورس، ڈی نن، کلی ٹارجس، ہراکلی دس وغیرہ بہت سے مورخین کا بیان ہے کہ وہ زرکسیز ہی کے عہد میں آیا، سنین کے لحاظ سے تو طوسی دیدس کا قول زیادہ ترین صحت نظر آتا ہے، پھر بھی کوئی قطعی اور یقینی نتیجہ اس مطابقت سے نہیں نکلتا۔

جب تھمس طاکلس خود شیر کے منہ تک (یعنی خاص دار الحکومت میں) پہنچ گیا تو وہ ارڈبان[1] یک ہزاری (یعنی ایک ہزار سپاہیوں کے سردار) کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے بیان کیا کہ میں یونانی باشندہ ہوں اور بادشاہ سے ایسے اہم معاملات کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں جن کا اُسے بہت زیادہ خیال ہو، اردبان نے جواب دیا :- " اے پردیسی ، دنیا کے قانون الگ الگ ہیں ، ہر ملکے و ہر رسمے ، ایک شخص جس شے کو معزز جانتا ہو اُسی کو دوسرا باعث ننگ سمجھتا ہو لیکن اپنے اپنے قانون کی پابندی ہر قوم پر فرض ہو - یونانیوں کی نسبت ہم نے سُنا ہو کہ وہ سب سے بڑھ کر آزادی اور مساوات کی قدر کرتے ہیں - مگر ہم اپنے اچھے قوانین میں سب سے اچھا قانون اس کو سمجھتے ہیں کہ اپنے بادشاہ کی تکریم و پرستش کی جائے کہ وہ خلاق عالم کا نائب اور خلیفہ ہوتا ہو - لہذا اگر تم بھی اُس کے سامنے زمین بوسی اور سجدہ کرنا منظور کرو تو اُس سے مل سکتے ہو - اور باتیں بھی کر سکتے ہو ، لیکن اگر اس بات پر تمھارا دل نہیں جمتا تو کسی اور پاس جاؤ کہ وہ تمھیں بادشاہ تک پہنچا دے - در اصل ہمارے ہاں یہ رسم نہیں ہو کہ بادشاہ کسی ایسے شخص کو جو اُسے سجدہ نہ کرے ، ملاقات کی عزت دے "، یہ سُن کر تھمس طاکلس نے کہا " اردبان! اسی خدا کی مرضی سے ، جس نے دولت عجم کو یہ شرف عظمت و بزرگی بخشا ہو - میں ، جو بادشاہ کی قوت و شوکت میں اضافہ کرنے آیا ہوں ، نہ صرف اس کے قوانین

---

[1] (ارتا بانس) یہ اور اسی قسم کے بیسویں ایرانی نام ہیں جنھیں یونانیوں نے توڑ مروڑ کے کچھ سے کچھ کر لیا ہو - واضح رہے کہ (اس) یا (ادس) اکثر یونانی اسماء کے آخر میں زاید بڑھا دیا جاتا ہو - مترجم

کا اپنے کو پابند کروں گا، بلکہ اور بہت سے عبادت گزارانِ شاہی کا
اضافہ کرادوں گا۔ پس یہ شرط میری ملاقات اور گفتگو میں سدِ راہ
نہیں ہونی چاہیے"
اردوبان :۔" مگر تمھارا نام ہم بادشاہ کو کیا بتائیں؟ تمھاری باتوں سے تو
بے شبہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تم معمولی آدمی نہیں ہو؟"
تمس طاکلس :۔" اس بات کی اے اردوبان! کسی متنفس کو بادشاہ سے
پہلے آگہی نہیں ہونی چاہیے"
یہ ہے فانیاس کی روایت اور اسی پر اراطوس تن نے اپنے
رسالے " تموّل" میں یہ اضافہ کیا ہے کہ اردوبان سے اس کی ملاقات
اور اس گفتگو کا ذریعہ امیر مذکور کی ایک داشتہ مسماۃ آرِدرہ ہوئی تھی۔
القصہ جب تمس طاکلس بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوا تو شرائط
عبودیت بجالانے کے بعد خاموش کھڑا ہو گیا، حتّےٰ کہ بادشاہ نے ترجمان
کو حکم دیا کہ اس سے نام ونشان دریافت کرے؟ تب تمس طاکلس
نے یہ جواب دیا :۔

" اے بادشاہ! میں مدینۃ الحکما ایتھنز کا رہنے والا
تمس طاکلس ہوں۔ مجھے یونانیوں نے اپنے وطن
سے نکال دیا ہے۔ میری ذات سے جو نقصان ایرانیوں
کو پہنچے ہیں وہ بے تعداد ہیں۔ لیکن فائدے اُس
سے بھی بڑھ کر ہیں۔ کیوں کہ میں نے ہی یونانیوں
کو ان کا تعاقب کرنے سے روکا۔ اور اس طرح جونہی
اپنے وطن کی حفاظت کی طرف سے اطمینان ہو گیا،

میں نے تمھارے حق میں بھی بھلائی کرنے سے پہلوتہی
نہ کی۔ آج جب کہ میں مصیبت زدہ تمھارے
سامنے کھڑا ہوں میرے دل کی حالت میرے
مناسب حال ہے یعنی تمھارے مہر و غضب دونو کے
واسطے میں یکساں تیار ہوں۔ لطف و عفو کرو تو
عنایت اور اپنا قہر نازل کرو تو افسوس۔ ان دونو
کے لیے میں پہلے سے آمادہ ہوکر آیا ہوں۔ اب تم
چاہو تو خود میرے ہم وطنوں کی گواہی لے لو کہ میں
نے ایران کی کیا کیا خیرخواہیاں کی ہیں، اور اس
موقع پر دنیا کو انتقام لینے کے لیے اپنی نیکی کا نمونہ
دکھا دو۔ کیوں کہ اس وقت اگر مجھے تم نے چھوڑ دیا
تو گویا ایک فریادی کو چھوڑا، اور نہ چھوڑا تو یونانیوں
کے ایک دشمن قوی کو ہلاک کیا۔

اس کے علاوہ اُس نے بعض ربانی اشاروں کا بھی ذکر کیا، جیسے
وہ خواب جو اس نے نکوجینی کے ہاں دیکھا تھا، یا ڈوڈونا کے مندر کا
الہام جس میں عطارد دیوتا نے اسے حکم دیا تھا کہ "اس کے پاس
جاؤ جو میرا جیسا نام رکھتا ہو" اور اس کا مطلب اس نے شاہ ایران
ہی کے پاس جانے کی ہدایت سمجھا کیوں کہ وہ دونو بزرگ اور عظمت والے
تھے اور دونو کے ناموں میں بادشاہ کا لفظ مشترک تھا۔

خسرو عجم یہ سب باتیں خاموش بیٹھا غور سے سنتا رہا۔ دل میں اُس
نے طاکلس کی ہمت اور طرز کی بہت تعریف کی مگر زبان سے اس وقت

کچھ نہ کہا ۔ البتہ خلوت میں اپنے ہم راز دوستوں کے آگے اس نے
اس واقعے پر اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا اور اپنی اقبال مندی پر نہایت
مسرور ہوا اور اپنے دیوتا اہرمن (ایری مانیس) سے دعائیں کرنے
لگا کہ وہ اس کے تمام دشمنوں کو یونانیوں کے مثل اس مزاج کا بنا دے
کہ وہ اپنے ہاں کے بڑے اور دلیر ترین آدمیوں کے ساتھ یہی سلوک کریں
جو تمس طاکلس کے ساتھ اس کے ہم وطنوں نے کیا ہو یعنی ان کو دیس
نکالے دیا کریں ۔ پھر اس نے دیوتاؤں کے نام کی قربانیاں چڑھائیں
اور اسی خوشی میں قدح کے قدح شراب کے لنڈھانے لگا۔ اس کے
انبساط کا یہ عالم تھا کہ رات کو سوتے میں بھی تین بار خوشی میں آ آ کے
چلّایا کہ "میں نے تمس طاکلس ایتھنزی کو پا لیا" "میں نے
تمس طاکلس ایتھنزی کو پا لیا"

صبح کو خاصان دربار کو جمع کر کے اس نے تمس طاکلس کو بلوا بھیجا
طاکلس کی حالت یہ تھی کہ اسے کسی بھلائی کی امید بادشاہ سے نہ رہی تھی
کیوں کہ اس نے دیکھا کہ اس کا نام سنتے ہی دربان یک دانت پیسنے لگے
تھے اور اسے گالیاں دے رہے تھے ۔ اسی طرح دربار میں جب پہنچا تو
روزن یک ہزاری کے قریب سے گزرتے وقت اس نے ایک نیچی غراہٹ
کے ساتھ اسے بغیر اپنی جاے سے ہلے یہ کہتے سنا کہ "او مکار یونانی ناگ
بادشاہ کا اقبال تجھے کشاں کشاں یہاں لے کر آیا ہو" لیکن جب وہ
بادشاہ کے قریب پہنچا جو بیچ میں بیٹھا تھا اور حسب معمول زمین بوس ہوا
تو بادشاہ نے اس کو سلام کیا اور نہایت ملاطفت کے ساتھ باتیں کیں ،
اور کہا کہ "حسب اعلان شاہی میں تمھارے دو سو ٹیلنٹ کا مقروض ہوں

کیوں کہ انصافاً یہ انعام اس کو ملنا چاہیے جو تھمس طاکلس کو لایا ہو۔ پھر اس نے اپنی عنایات مزید کا اُسے امیدوار بنایا اور حکم دیا کہ یونان کے متعلق جو کچھ کہنا چاہتے ہو آزادی کے ساتھ کہو، طاکلس نے جواب دیا "آدمی کی مکالمت ایک گران بہا ایرانی قالین کے مثل ہے جس کے خوبصورت بیل بوٹے اور کاری گری اُسی وقت نظر آسکتی ہے جب کہ وہ پوری طرح پھیلا کے بچھا دی جائے۔ اگر لپٹی اور سکڑی رہے گی تو اس کی خوبی، بخوبی ظاہر نہ ہوگی۔ اس لیے میں کچھ مہلت چاہتا ہوں"

یہ تشبیہ بادشاہ کو بہت بھائی۔ پوچھنے لگا کتنا وقت تمھیں درکار ہے۔ طاکلس نے کہا ایک سال، اور فی الواقع اس مدت میں وہ اتنی کافی ایرانی زبان سیکھ گیا کہ بادشاہ سے بغیر ترجمان کی مدد کے گفتگو کیا کرتا تھا۔ یہ گفتگو عام گمان تھا، کہ معاملات یونان ہی تک محدود رہتی ہوگی۔ مگر اتفاق سے اس زمانے میں دربار میں بہت سے عزل ونصب ہوئے اور بعض منھ چڑھے مصاحب دربار سے ہٹا دیے گئے جس سے امرا کو طاکلس پر یہ شبہ ہوگیا کہ وہ ہمارے متعلق بھی بادشاہ کو بہکانے سکھانے لگا ہے کیوں کہ اور پردیسیوں کے ساتھ جو مدارات ہوتی وہ ان اعزازات کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہ رکھتی تھی جو بادشاہ نے طاکلس کو عطا کیے تھے۔ گھر میں یا باہر وہ بادشاہ کی عیش ونشاط کی صحبتوں میں بلایا جاتا تھا۔ شکار میں ساتھ رہتا اور اس قدر ہم راز و دم ساز ہوگیا تھا کہ اُسے بادشاہ کی ماں کے سامنے جانے اور گفتگو کرنے کی اجازت تھی۔ بادشاہ کے حکم سے اس نے مذہب زرتشتی سے بھی واقفیت پیدا کرنی شروع کی تھی۔

جب دماراطوس اسپارٹی سے بادشاہ نے ایک موقع پر خوش

ہو کے کہا مانگ کیا مانگتا ہو ؟ تاکہ اس کی جو مراد ہو وہ فوراً پوری کردی
جائے ، اور اُس نے یہ خواہش کی کہ مجھے دار الحکومت میں سر پہ درفش
شاہی اور جلوس سلطنت کے ساتھ اپنا داخلہ کرنے کی اجازت دی جائے
تو بادشاہ کے چچیرے بھائی مدر بزطوس نے اس کی پیشانی کو ہاتھ لگا کے
کہا کہ بادشاہی چھتر سر پہ لگانے کے لیے تمھارے پاس دماغ نہیں ہو
اور اگر خود عطارد دیوتا تمھیں اپنی رعد و برق مانگے دے دے تب
بھی تم عطارد نہیں ہوجاؤ گے " خود بادشاہ کو بھی اس کی یہ فرمائش
بُری معلوم ہوئی اور اُس نے ارادہ کرلیا کہ اب عمر بھر اس شخص کو معاف
نہ کروں گا نہ کسی کی سفارش اس کے حق میں سنوں گا ، اس کے باوجود
ثمس طاکلس نے اس کو منالیا اور دمارا طوس کی خطا بخشوا دی اور
کہتے ہیں بعد میں بھی ایک عرصے تک جب کہ کورش کے جانشینوں کے
عہد میں ایرانیوں اور یونانیوں میں آمد و رفت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی
کبھی کوئی ایرانی بادشاہ کسی یونانی کو اپنے ہاں ملازم رکھنے کے لیے بلاتا
تو اس کی حوصلہ افزائی کے واسطے خود یہ وعدہ تحریر کرتا کہ تم ہمارے ہاں
اسی طرح اعزاز و احترام کے ساتھ رکھے جاؤ گے جس طرح ثمس طاکلس
پہلے رہ چکا ہو ، یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ جب طاکلس دولت مند اور
صاحب ثروت ہوگیا کہ بڑے بڑے امرا اس کی خوشی کے جویا رہنے لگے ،
تو اپنے دسترخوان پر امیرانہ تزک و احتشام دیکھ کر وہ اکثر اپنے بیٹوں
کی طرف مخاطب ہوتا اور کہتا : " بچّو ! اگر ہم پر وہ مصیبتیں نہ پڑتیں تو
ہم حقیقت میں گیے گزرے تھے ! "

اکثر مصنّفین کا بیان ہو کہ اس کو روٹی گوشت اور شراب کے

اخراجات کے نام سے تین شہر جاگیر میں عطا کیے تھے ؛ مگنیشیہ، میوس اور لمپاکوس ۔ فانیاس اور نیان تس نے ان میں دو شہروں کا اور اضافہ کیا ہے ۔ جن میں ایک تو مکان کے ساز و سامان کے لیے ملا تھا اور ایک مصارف پوشاک کے نام سے ۔

جب تمس طاکلس یونان کے خلاف کاروائی کرنے ساحل کی جانب روانہ ہوا تو راستے میں فریجیہ کے ایرانی صوبے دار ایکسٹوس نے اس کی جان لینے کا ارادہ کیا اور چند اہل فسیدیہ جنھیں بہت پہلے سے اس کام کے لیے رکھ چھوڑا تھا، گھات میں لگا دیے کہ جب طاکلس "سرِ ببر" نام بستی میں آئے تو وہ اچانک اس پر جا پڑیں، مگر اس دوپہر کو تمس طاکلس نے سوتے میں دیوتاؤں کی ماں کو خواب میں یہ کہتے سنا کہ "تمس طاکلس! خبردار سرِ ببر کے پاس نہ پھٹکنا مبادا تم شیر کے منہ میں چلے جاؤ ۔ اس نصیحت کے صلے میں مجھے امید ہے تم اپنی بیٹی نے سی لبطالمہ کو میری خدمت گزاری میں نذر کردو گے"۔ اس واقعے نے اُسے نہایت حیران کیا ۔ دیوی کے حسب ارشاد اس نے منت مانی اور شاہ راہ کو چھوڑ کر وہ چکر سے اس طرح گیا کہ مقام مذکور ایک طرف بچ گیا ۔ اور رات جنگل میں گزاری ۔ اتفاق سے ایک لدّو گھوڑا جس پر اس کا خیمے کا فرش لدا ہوا تھا اُس روز دریا میں گر پڑا تھا اور اس کے نوکروں نے اُسے سکھانے کے واسطے میدان میں لٹکا دیا تھا ۔ انھیں پہر رات کے وقت فسیدی ننگی تلواریں لیے حملہ آور ہوئے اور دھندلی دھندلی چاندنی میں یہ سمجھے کہ طاکلس کا خیمہ یہی ہے اور اسی میں خود وہ سو رہا ہوگا لیکن جب انھوں نے قریب آکے آویزاں فرش کو

اٹھایا تو وہاں کے چوکی دار یک بارگی اُن پر ٹوٹ پڑے اور اُنھیں
حراست میں لے لیا ' اس خطرہ عظیم سے بچ جانے کے بعد طاکلس
نے دیوی کے مہر و کرم کی شکر گزاری میں ایک مندر مگنیشیہ میں تعمیر
کیا اور دیوتاؤں کی ماں دندی مین ہی کے نام پر اس کو ارپن (یعنی
چڑھاوے کے طور پر پیش کش) کر دیا۔ اس کی خدمت کے لیے اس نے
اپنی بیٹی نے سی لبطالمہ کو بھی اسی مندر کی مجاور بنا دیا۔
شہر سارڈس میں تمس طاکلس نے تمام مندر اور دیویوں کی
سیر اور اطمینان کے ساتھ ان کی طرز عمارت، سامان زیبائش اور
چڑھاوے کی تعداد وغیرہ سے واقفیت پیدا کی۔ دیوتاؤں کی ماتن کے
مندر میں اُس نے دو ہاتھ اونچی وہ برنجی مورتی بھی دیکھی جسے پنہاری
کہتے تھے۔ یہ اتھنز کی لوٹ میں آئی تھی اور خود طاکلس نے جب وہ
شہر مذکور میں پانی کا نگراں کار تھا، اسے اس رُپے سے بنوایا تھا، جو
سرکاری پانی کا ناجائز اور خانگی استعمال کرنے والوں پر جرمانے سے
وصول ہُوا تھا۔ ایرانی دارالحکومت میں اس کو قید دیکھ کر خدا جانے اُسے
اس کی گرفتاری پر رنج ہوا یا اتھنز والوں پر ایران میں اپنا رسوخ
جتانے کا خیال آیا، کہ حاکم شہر سے ساز باز کر کے اس بت کو اتھنز
واپس بھجوانے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر اس بات سے وہ ایرانی
عہدہ دار اس قدر برافروختہ ہُوا کہ کہنے لگا میں بادشاہ کو اس کی شکایت
لکھوں گا۔ تب طاکلس بہت ڈرا اور اُس نے حاکم مذکور کی بیویوں
اور حرموں کو کچھ رُپے نذرانہ دے کر بمشکل اس کا غصّہ ٹھنڈا کرایا۔
اس کے بعد سے تمس طاکلس بہت احتیاط کرنے لگا اور ایرانیوں

کے رشک سے کمال خائف ہوگیا۔ اس نے جیسا کہ خود تحریر کیا ہو، ایشیا میں سیاحت کرنی بھی چھوڑ دی بلکہ خموشی کے ساتھ اپنے مکان مگنیسشیہ میں وقت گزارنے لگا۔

یہاں ایک عرصے تک اپنی زندگی اُس نے امن و اطمینان کے ساتھ گزاری۔ سب لوگ اس کی دربارداری کرتے اور قیمتی قیمتی تحائف اس کو لا لا کے دیتے تھے اور خود اراکین و عمائد دولت ایران بھی اس کی تکریم و تعظیم میں کمی نہ کرتے۔ ادھر بادشاہ کو بھی اس زمانے میں یونانی معاملات سے بے توجہی ہوگئی تھی اور صرف اندرون ایشیا کے کے جھگڑوں میں مصروف رہتا تھا۔

مگر جس وقت کہ ایتھنز کی اعانت سے مصر میں بغاوت ہوئی اور یونانی جہاز بڑھ بڑھ کے قبرس اور سلیشیہ کے ساحلوں تک آنے لگے اور سائمن سارے سمندروں پر حاوی ہوگیا، تو پھر بادشاہ کو اس طرف کی فکر پیدا ہوئی۔ اس نے یونانی قوت کو اپنے خلاف بڑھتے دیکھ کر، اُسے روکنے کا پختہ ارادہ کرلیا اور بڑی بڑی فوجیں بھرتی کرکے سپہ سالاروں کو بھیجنا شروع کیا۔ نیز تھمس طاکلس کے پاس مگنیلشیہ میں قاصد پہ قاصد بھیجے کہ یہ وقت وعدہ پورا کرنے کا ہو وہ آئے اور اب یونانیوں کی مخالفت میں حصہ لے۔ مگر طاکلس کی نفرت و بیزاری ایتھنز کے خلاف کچھ زیادہ نہ بڑھی نہ اس عزت و سپہ سالاری کی طمع ہوئی جو جنگ میں مل جانی متوقع تھی۔ بلکہ ایک طرف تو اس خیال سے کہ جو مقصد پیش نظر ہو اس میں کامیابی نہ ہوگی اور یونان کے امیرالبحروں کے مقابلے میں، خصوصاً سائمن کے مقابلے میں جو اس

زمانے میں حیرت انگیز جنگی فتوحات حاصل کر رہا تھا، ایرانیوں کی کچھ پیش نہ جائے گی دوسرے زیادہ تر اس وجہ سے کہ اگر اب وہ دشمن کی طرف سے لڑا تو پہلی قومی خدمات اور فتوحات سب خاک میں مل جائیں گی۔ تمس طاکلس نے خودکشی کا ارادہ کر لیا، تاکہ اپنی زندگی ہی کو، اپنی قدیم روش کے مطابق ختم کر دے۔ اس نے دیوتاؤں کے نام پر قربانیاں چڑھائیں اور اپنے تمام دوستوں کو جمع کیا، پھر ان کی خاطر مدارات کرنے کے بعد سب سے مصافحہ کر کے روایت عام کے بموجب بچار کا خون پی لیا جسے اکثر لوگ نہایت سریع التاثیر زہر بتاتے ہیں اس طرح پینسٹھ برس کی عمر میں جس کا بڑا حصہ جنگ و سپہ سالاری حکومت و معاملات ملک داری میں گزارا تھا، شہر مگنیشیہ میں اس نے اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کی اور جب بادشاہ کو اس خودکشی کی وجہ اور طریقہ معلوم ہوا تو پہلے سے زیادہ تمس طاکلس کا ثنا خواں ہوگیا اور اس کے احباب و اقارب کے ساتھ آیندہ بھی ہمیشہ مہربانی کے ساتھ پیش آتا رہا۔

تمس طاکلس کے ارشپ کی بیٹی سے تین بیٹے، ارشپطوس بلیوس طوس اور کلیو فنطوس ہوئے۔ آخرالذکر کو حکیم افلاطون نے شہسواری کا بہترین ماہر، مگر اور لحاظ سے بالکل معمولی شخص، بیان کیا ہے۔ ان تینوں سے دو بڑے بیٹے اور بھی تھے۔ ایک تو گھوڑے کے کاٹ لینے سے جوان مرگیا دوسرے کو اس کے نانا (طاکلس کے خسر) لای سنڈر نے گود لے لیا تھا، بیٹیاں کئی تھیں۔ ان میں نےسی بطالمہ کا جو دوسری بیوی سے تھی اپنے سوتیلے بھائی رشپطوس

سے بیاہ ہوا، اور اطالیہ جزیرہ سیبوس کے ایک شخص پان تھوائی ڈس سے بیاہی، اور سبارٹیس کی شادی نکومیا ایتھنزی سے ہوئی۔ طاکلس کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا فراس قلیس مگنیشیہ آیا اور اس کی ایک اور بیٹی نکوماش سے نکاح کرلیا۔ نیز ایشیا جو اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی تھی، اس کے بھائیوں کی رضامندی سے، اسے بھی پرورش اور تربیت کے لیے وہ اپنے ساتھ ہی لے گیا۔

مگنیشیہ کے چوک میں تمس طاکلس کا شان دار مقبرہ اب تک قائم ہے۔ اندوسی دس کی یہ روایت کہ ایتھنزیوں نے اس کو لوٹ کھسوٹ کے اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا دیا۔ ذرا بھی لحاظ کے لائق نہیں۔ یہ اس نے اپنی "خطاب بہ دوستاں" میں اس لیے گھڑ کے لگا دی ہے۔ کہ حکومت خواص کے طرف داروں کو جمہور الناس کے خلاف بھڑکاتے، اسی طرح ہر متنفس واقف ہے کہ فیلارجس نے اپنی تاریخ میں تمس طاکلس کے بیٹوں کا ذکر محض لوگوں کو رحم دلانے کی نیت سے تصنیف کر دیا ہے، گویا تاریخ کے بجائے کوئی المیہ ناٹک تصنیف کیا ہے۔

دیودورش ماہر علم الارض[۱]، نے اپنی تصنیف "مقابر" میں محض قیاسی طور پر لکھ دیا ہے کہ لنگر گاہ پائی رئیس کے پاس کی زمین اسکی مس راس سے شروع ہوکر ابرو کی شکل بناتی چلی جاتی ہے اور

---

[۱] کوس موگرافی، جغرافیے کے ہم اصل علم ہے۔ جس میں زمین کے اجزا اور ترکیب سے متعلق بحث ہوتی ہے۔ م

اندر کی سمت آگے بڑھو تو ایک جگہ آتی ہے جہاں سمندر ہمیشہ سکون کے عالم میں غیر متلاطم رہتا ہے، اسی مقام پر ایک بڑی وسیع عمارت بنی ہوئی ہے جس پر تمس طاکلس کا مقبرہ قربان گاہ کی صورت میں واقع ہے، اس بیان کی تصدیق میں وہ افلاطون ناٹک نویس کے اشعار ذیل بھی بطور سند پیش کرتا ہے:-

"سمندر کے کنارے جس جگہ ہے مقبرہ تیرا
وہ موقع ہے بہت موزوں بہت دلکش بہت اچھا
اُسے جب دیکھتے ہیں آنے والے ساتھ خشکی کے
تو تیری یاد تازہ کرتے ہیں اپنے سلاموں سے
تو اب تک دیکھتا رہتا ہے آنے جانے والوں کو
سمندر کو اور اس میں دوڑتے پھرتے جہازوں کو"

تمس طاکلس کے اہل خاندان کے ساتھ مگنیشیہ میں خاص خاص مراعات ملحوظ رکھی جاتی تھیں اور ان کی بڑی عزت و آبرو ہوتی تھی۔ چنانچہ یہ امتیاز اب تک قائم ہیں اور تمس طاکلس ثانی، جس کی ملاقات اور دوستی کا شرف راقم کو بھی امونیس فلسفی کے مکان میں حاصل ہوا، اب اپنے جدِ امجد کا جانشین اور اس کے تمام اعزازات سے سربلند ہے۔

کامی لس

فیوریس کامی لس کی سوانح عمری میں جہاں اور بہت سے قابلِ ذکر واقعات منقول ہیں، وہاں سب سے عجیب اور نئی بات یہ نظر آتی ہے کہ اگرچہ اس نے بارہا بڑے بڑے معرکے جیتے اور اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے حاصل کیے اور پانچ مرتبہ مختار السلطنت یا آمر منتخب کیا گیا اور چار دفعہ جلوس فتح نکالنے کی عزت ملی، نیز روما کا " دوسرا بانی" کہلایا بایں ہمہ ایک بار بھی اتنا نہ ہوا کہ وہ قنصل مقرر ہوتا۔ سبب اس کا وہ حالات خاص ہیں جو اُن دنوں جمہوریۂ روما میں پیدا ہو گئے تھے یعنی مجلس ملکی اور عوام کے تنازعات، جن کی وجہ سے لوگوں نے قنصل منتخب کرنے سے انکار کر دیا تھا اور ان کے بجائے دوسری قسم کے حکام بذریعۂ انتخاب مقرر کیے تھے، جنھیں فوجی ٹری بیون کہتے ہیں۔ ان عہدہ داروں کے مشترکہ اختیارات و فرائض قنصلوں ہی کے مانند تھے، لیکن فرق یہ تھا کہ ان کی تعداد زیادہ تھی اور لوگوں کے نزدیک ان کی حکومت اتنی ناگوار نہ ہو سکتی تھی جتنی کہ قنصلوں کی تھی۔ کیوں کہ معاملات سلطنت کا دو کی بہ نسبت چھ آدمیوں کے ہاتھ میں رہنا، حکومت خواص کے مخالفین کے واسطے زیادہ قابلِ برداشت تھا۔ کامی لس کے عروج اور کارہائے نمایاں کے وقت سلطنت کا یہ رنگ تھا اور اسی لیے اُس زمانے میں حکومت نے قنصلی انتخابات کی کوشش بھی کی تو کامی لس نے

اپنے تئیں بچایا اور اپنے ہم وطنوں کے عام میلان کے خلاف خود قنصل بننا پسند نہ کیا۔ لیکن اور مختلف اور متعدد عہدے جو اُس نے پائے ان میں ایسا طرز عمل رکھا کہ مختار مطلق ہونے کی صورت میں تو اس کے کاموں سے ہمیشہ جمہوریت مترشح ہوتی تھی، اور اگر کوئی عہدہ دوسروں کی شرکت میں اُسے دیا جاتا تو تمام کاموں کا سہرا اسی کے سر رہتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اختیارات کامل رکھنے کی صورت میں تو کامی لس کبھی اعتدال کو ہاتھ سے نہ جانے دیتا اور مل کر کام کرنے کی حالت میں خود اس کی دانائی اور اعلیٰ تدبر اس بات کا کفیل تھا کہ اُسے سب سے ممتاز کردے۔

اس کا خاندان فیوری اُس زمانے میں کوئی خاص شہرت نہ رکھتا تھا اور جب اکوی اور والشی قوموں سے رومیوں کی جنگ عظیم ہوئی تو اپنے آمر ٹیرٹس کی ماتحتی میں پہلی مرتبہ کامی لس نے درجۂ امتیاز پایا اور محض اپنی قوت بازو سے عزت و نام وری حاصل کی، لڑائی میں سب سے پہلے جس نے اپنا گھوڑا بڑھایا وہ کامی لس ہی تھا اور ہرچند حملہ کرتے وقت اس کی ران میں زخم کاری لگا، تاہم اُس نے میدان کو چھوڑنا گوارا نہیں کیا اور اس حال میں کہ تیر اس کی ران میں گھسا ہوا تھا وہ دشمن کے شجاع ترین دستے پر جا گرا اور انھیں مار کر بھگا دیا۔ اسی کارنمایاں کے صلے میں اور انعاموں کے علاوہ اُسے محتسب بنایا گیا جو اُن دنوں بڑی عزت اور اختیارات کا عہدہ تھا۔ محتسبی کے زمانے میں اُس کا نمایاں اور مفید کام یہ ہو کہ جنگ کی وجہ سے جو کثیر تعداد عورتوں کی بیوہ ہوگئی تھی ان کی شادیاں کرادیں اور اس میں جب کبھی فہمایش و

ترغیب سے کام نہ چلا تو اس نے یہ دھمکی دی کہ جو لوگ شادیاں نہ کریں گے اُن پر جرمانہ کیا جائے گا۔ اُس کا دوسرا کام یتیموں کو جو اب تک محصولات سے مستثنیٰ تھے، ٹیکس دینے والوں میں شامل کرنا تھا کیونکہ لڑائیوں کی وجہ سے مصارف بہت بڑھ گئے تھے اور ان کا پورا کرنا بسا ضروری تھا۔ لیکن ان لڑائیوں میں سب سے زیادہ جس چیز نے رومیوں کو عاجز کر رکھا تھا وہ قوم وی آئی کا محاصرہ تھا، جنھیں بعض لوگ وی ان تانی کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ انھیں کا شہر ٹسکنی کے علاقے بھر میں سب سے زیادہ آباد تھا اور خود روما کے کثرت اسلحہ یا تعداد افواج کسی بات میں کم نہ تھا اور وہاں کے لوگ اپنی دولت وثروت وعظمت کے بل پر بارہا اہل روما سے عزت اور سلطنت کی خاطر معرکہ آرائیاں کرتے رہے تھے مگر اب اپنی آخری ہزیمتوں سے کم زور ہوکر ان میں پہلی سی بلند پروازیاں اور حوصلے نہیں رہے تھے اور انھوں نے مضبوط اور بلند فصیلوں کے اندر قلعہ بند ہوکر لڑنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اس غرض کے لیے انھوں نے ہر قسم کے جارحانہ اور مدافعانہ اسباب جنگ فراہم کیے اور اسی افراط کے ساتھ غلہ اور دیگر اجناس خوردنی شہر میں جمع کی تھیں اور پورے اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ محاصرہ برداشت کرنے پر آمادہ تھے جو اگرچہ اُن کے لیے باعث زحمت وپریشانی تھا لیکن اُن سے زیادہ محاصرہ کرنے والوں کے لیے موجب تکلیف و مصیبت ثابت ہوا۔ کیوں کہ رومیوں کو وطن سے باہر سوائے گرمیوں کے (وہ بھی تھوڑے عرصے) ٹھیرنے کی عادت نہ تھی اور جاڑا وہ ہمیشہ اپنے گھروں پر آکر گزارا کرتے تھے مگر اب کے پہلی مرتبہ اُنھیں جنگی

حاکموں نے مجبور کیا کہ دشمن کے ملک میں قلعے بنائیں اور اپنے لشکر گاہوں کو مستحکم کر کے دونو موسم وہیں گزاریں ۔ اس حال میں بھی انھیں چھ سال گزر گئے اور ساتواں ختم ہونے کو آیا ۔ اس وقت سپہ سالاروں سے لوگوں کو سوءِ ظن پیدا ہؤا کہ وہ جس مستعدی سے چاہیے کام نہیں کر رہے اور محاصرے کو طول دیتے جاتے ہیں ۔ چنانچہ آخر میں ان سب کو علحدہ کر دیا گیا اور دوسرے سردار مقرر ہوئے جن میں کامی لس کا بھی ، کہ اُن دنوں دوبارہ ٹری بیون منتخب ہؤا تھا نام شامل تھا لیکن محاصرے سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا اور قرعہ اندازی کے رُو سے اس کے سپرد یہ کام ہؤا تھا کہ کپی ناٹ اور فلس کن توموں سے جنگ کرے جنھوں نے رومیوں کو اور طرف مصروف دیکھ کر ان کے علاقوں میں تاخت تاراج شروع کر دی تھی اور تمام محاربات میں جو وہ ٹسکنوں کے ساتھ لڑ رہے تھے ، طرح طرح سے انھیں پریشان کیا تھا ۔ کامی لس نے ان پر فوج کشی کی اور ہر طرف سے دبایا کہ بہت سے نقصانات اٹھانے کے بعد وہ اپنے اپنے شہروں میں محصور ہونے پر مجبور ہو گئے ۔

اور جب کہ وہ لڑائی پورے زور شور سے جاری تھی البن جھیل کا وہ حیرت انگیز وقوعہ پیش آیا جو اس لیے کہ اس کی کوئی عقلی توجیہ و تشریح نہ ہو سکی نہ اس کے قدرتی اسباب معلوم ہوئے ، دنیا کے اُن عجیب و غریب منقول خوارق میں شامل ہو جو کسی طرح آدمی کی سمجھ میں نہیں آتے ۔ اس کی تفصیل یہ ہو کہ موسم خزاں کا آغاز تھا ، گرمی ختم ہونے والی تھی اور کوئی علامت بارش کی موجود نہ تھی نہ جنوبی ہواؤں سے موسم میں کوئی خلل پڑا تھا ۔ بہت سے ندی نالے جھیلیں اور

چشمے جن کی اطالیہ میں اس قدر کثرت ہو یا بالکل سوکھ گئے تھے یا کسی کسی میں پانی باقی تھا تو بہت کم اور تمام دریا جیسا کہ گرمی میں قاعدہ ہو بہت نیچے اور تنگ دھار میں ہوکر بہ رہے تھے۔ اس حال میں البن جھیل جس میں سوائے اپنے پانی کے کہیں سے پانی نہیں آتا اور جو چاروں طرف سے زرخیز پہاڑیوں سے محصور ہو، بغیر کسی ظاہری سبب کے چڑھنی اور بلند ہونی شروع ہوئی اور پہاڑیوں کے دامن سے بڑھتے بڑھتے اس کا پانی بتدریج ان کی چوٹیوں تک آگیا اور اس تمام عرصے میں کوئی خاص تموج و تلاطم بھی اس میں پیدا نہیں ہوا۔ اول اول اس واقعے کا چرچا گلہ بانوں اور چرواہوں میں ہوتا رہا لیکن جب اردگرد کی مٹی جو پشتے کی طرح پانی کو نکلنے سے روکے ہوئے تھی اس کی ضخامت اور وزن کی تاب نہ لاسکی اور ٹوٹ گئی اور ساتھ ہی جھیل میں سے ایک زبردست رَو نیچے کے میدانوں اور کھیتوں کو پایاب کرتی ہوئی سمندر کی طرف گرنے چلی تو اس وقت نہ صرف اہل روما نہایت دہشت زدہ ہوئے بلکہ تمام اطالیہ والے کہنے لگے کہ یہ ضرور کسی غیر معمولی واقعے کا پیش خیمہ ہو۔ مگر اس کا سب سے زیادہ چرچا اُن لشکریوں میں ہوا جو وی آئی کو گھیرے پڑے تھے اور اُنھیں کے ذریعے یہ بات شدہ شدہ محصورین اہل شہر تک بھی پہنچ گئی۔ طویل محاصروں میں اکثر یہ اتفاق ہوتا ہو کہ فریقین کے بعض سپاہی ایک دوسرے سے واقف ہو جاتے ہیں اور آپس میں بات چیت کرنے لگتے ہیں، یہی صورت وی آئی کے محاصرین اور محصورین کی بھی ہوگئی تھی خصوصاً ایک رومی لشکری کا محصورین میں سے ایک شخص کے ساتھ، جو غیبی اسرار سمجھنے میں بڑی

شہرت اور قدیم پیشین گوئیوں کے علم میں مہارت رکھتا تھا، بہت کچھ ربط ضبط بڑھ گیا تھا۔ جب اُس نے البن جھیل کا قصہ سُنا تو خوشی سے پھولا نہ سمایا اور اپنے رومی دوست کے سامنے ان کے محاصرے پر ہنسی اڑانے لگا۔ یہ دیکھ کر رومی نے اُس سے کہا کہ صرف یہی غیر معمولی واردات نہیں ہو جس سے ہمیں ان دنوں سابقہ پڑا، فی الحقیقت ایسے ایسے کئی عجیب و غریب واقعے اور بھی گزرے ہیں اور اگر تم کہو تو وہ بھی تمھیں سُنا دوں تاکہ ان کا مطلب معلوم ہونے کے بعد ان ملکی جھگڑوں میں اگر ممکن ہو تو کم سے کم اپنے ذاتی آرام و عافیت کا پہلے سے کچھ انتظام کر سکوں" وی آئی والے نے اس اُمید میں کہ ضرور کچھ اور دلچسپ اور نئے بھید معلوم ہوں گے اس تجویز کو بخوشی منظور کیا لیکن جب وہ اپنے دوست کی باتوں میں محو ہو کر آہستہ آہستہ شہر پناہ کے دروازے سے کچھ دور تک چلا آیا تو یکایک رومی نے جو اُس سے زیادہ طاقت ور تھا اُس کی کولی بھر لی پھر دوسرے اہل لشکر کی مدد سے جو خیمہ گاہ سے دوڑ دوڑ کے آپہونچے تھے اس شخص کو پکڑ لایا اور اپنے افسروں کے سامنے پیش کر دیا۔ وی آئی کے آدمی نے اپنے تئیں اس طرح گرفتار اور مجبور پایا تو لاچار ہو کے وہ تمام مخفی پیغام بیان کر دیے جو اہل وی آئی کو دیوتاؤں سے پہنچے تھے جن میں ایک یہ بھی تھا کہ جب تک البن جھیل جو اس طرح بلند ہو کے اپنی حدوں میں سے نکل جائے گی، سمندر میں گرنے سے پہلے نہ روک دی جائے اور دوسری طرف اس کا پانی نہ پھیر دیا جائے اس وقت تک شہر کی تسخیر ناممکن ہو۔ اس معاملے کی خبر مجلس ملکی کو ہوئی اور جب انھوں نے

اپنا اطمینان کرلیا تو باتفاق آرا چند آدمیوں کو مقرر کیا کہ وہ ڈیلفی کے مندر جائیں اور دیوتا سے اس معاملہ میں استشارہ کریں ۔ جو لوگ وہاں جانے کے لیے منتخب کیے گئے تھے وہ رومہ کے نہایت مشہور و متدیّن اشخاص تھے اور ان کے نام یہ ہیں : لی نیس کاسس ، ولیرلیس پوٹی ٹس اور فلیرلیس امبس ٹس ۔ یہ لوگ سمندر کے راستے ڈیلفی پہنچے اور وہاں دیوتا سے مشورہ کرنے کے بعد بہت سے جواب لے کے لوٹے جن میں ایک ان کی مذہبی لاپروائی کے متعلق تھا کہ انھوں نے اپنے لاطینی تہواروں میں بہت سی قومی رسمیں چھوڑ دی تھیں ۔ البن جھیل کے بارے میں دیوتا کا یہ فرمان تھا کہ اُسے اپنی اصلی حدود میں بند کردیا جائے ۔ اور اس کا پانی سمندر میں نہ جانے پائے ۔ لیکن اگر پہلی بات ممکن نہ ہو تو کھائیوں کے ذریعے اس کی رَوْ کو وہیں نشیبی زمینوں میں منتشر کردیا جائے ۔ چنانچہ جب رومیوں کو یہ پیغام ملا تو انھوں نے فوراً کھائیاں کھود کھود کے اس کی تعمیل کردی اور قربانیوں کے متعلق جو احکام تھے انھیں وہاں کے پجاریوں نے پورا کیا ۔

اس اثنا میں جنگ کو دس سال گزر گئے تھے اور وہ کسی طرح ختم ہونے میں نہ آتی تھی لہذا مجلس ملکی نے تمام اور سرداروں کو ہٹاکر کامی لس کو مختارالسلطنت مقرر کیا اور اس نے اپنے سواروں کی سپہ سالاری کرنیلیس سیپیو کے سُپرد کی اور پھر دیوتاؤں سے منت مانی کہ اگر ان کی امداد سے لڑائی حسب دل خواہ اتمام کو پہنچی تو وہ ان کے نام پر عظیم الشان نمائش قائم کرے گا اور ایک مندر اُس

دیوی کے نام پر وقف بنائے گا جسے رومی منوتا یعنی ماتا کہتے تھے اگرچہ ان رسموں سے جو اس کے مندر میں ادا کی جاتی ہیں ایسا خیال ہوتا ہے کہ وہ لیوکوتھیا تھی۔ کیوں کہ آج کل وہ ایک نو عمر ماما کو مندر کے ایک مخفی حصّے میں لے جاتے ہیں اور وہاں اس کے ہاتھ باندھ کر پھر باہر نکالتے ہیں نیز اپنے بچّوں کے بجائے اپنے بھتیجوں کو گلے لگاتے ہیں، اسی طرح قربانی کی رسمیں بھی باکوس دیوتا کی ابتدائی پرورش کا قصّہ یاد دلاتی ہیں جو انیو نے کی تھی ساتھ ہی بعض اُن مصائب کو بھی تازہ کیا جاتا ہے جو انیو کے خاوند کی حرم کے سبب پیش آئی تھیں۔ بہرحال کامی لس یہ منّتیں مان کر فلسکن قوم کے علاقے میں فوج لے گیا اور اُنھیں اور ان کے حلیف کپی ناٹوں کو ایسی سخت شکست دی کہ وہ پھر سر نہ اٹھا سکے۔ اس کے بعد وہ وی آئی کے محاصرے کی طرف متوجہ ہوا اور یہ دیکھ کر کہ قلعے کو یورش کر کے لینا دشوار اور خطرناک ہے اُس نے اندر ہی اندر سرنگیں تیار کرنی شروع کیں شہر کے گرد کی زمین چونکہ نرم تھی اس لیے انھیں زیادہ دقت نہ پیش آئی اور سرنگیں اس قدر گہری بنائی گئیں کہ دشمن کو آخر تک ان کا علم نہ ہوسکا۔ ساتھ ہی کامی لس نے باہر کے رُخ سے حملے کرنے شروع کیے تاکہ دشمنوں کو فصیلوں پر مصروف رکھے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرنگ بنانے والے نیچے ہی نیچے خاص قلعے کے اندر جونو کے مندر تک آ پہنچے جو شہر کا سب سے بڑا اور مقدس معبد تھا۔ کہتے ہیں کہ عین اس وقت جب سرنگ اس مقام تک آ گئی، ٹسکنوں کا بادشاہ مندر میں قربانیاں چڑھا رہا تھا اور اُس کا پجاری قربانی کے جانور کی انتڑیاں دیکھ کر

بہ آواز بلند کہہ رہا تھا کہ دیوتاؤں کے ہاں فتح انھیں کے نام لکھی ہو جو اس نذرانہ کو اتمام کو پہنچائیں۔ یہ سنتے ہی رومیوں نے جو سرنگوں کے اندر موجود تھے فوراً فرش کو توڑ دیا اور اپنے اسلحہ کھڑکاتے ہوئے ایسے شور وغل کے ساتھ اوپر چڑھے کہ دشمن خوف زدہ ہوکے بھاگ گئے اور رومی سپاہی وہ انتڑیاں چھین کر کامی لس کے پاس لے آئے۔ لیکن یہ روایت افسانے کی شان لیے ہوئے ہو۔ بہرکیف جب شہر کو ہٹہ کرکے انھوں نے تسخیر کرلیا تو وہ لوٹ پر گرے اور ایک ایک سپاہی نے بے شمار مال و جواہر پر قبضہ کیا۔ اس لوٹ مار کو دیکھ کر کامی لس جو ایک بلند بُرج پر کھڑا تھا اوّل اوّل از راہ ترحم رو دیا پھر جب پاس والوں نے اس کو فتح کی مبارک باد دی تو اُس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور کمال خلوص کے ساتھ یہ دعا مانگی کہ "اے سب سے طاقت ور برھسپت اور اے نیک و بدکاموں کے پرکھا دیوتا، تم جانتے ہو کہ اپنے شریر اور بے انصاف ہمسایوں کے شہر سے جو انتقام ہم نے لیا وہ بے وجہ نہیں ہو اور نہ بے انصافی پر مبنی ہو بلکہ اشد مجبوری کا فعل ہو۔ بایں ہمہ اگر گردش روزگار کا اقتضا یہ ہو کہ اس عظیم الشان خوشی کے بدلے ہمیں کوئی مصیبت بعد میں اٹھانی پڑے تو میں بہ عجز التجا کرتا ہوں کہ وہ اس شہر پر یا رومی فوجوں پر نازل نہ ہو بلکہ جس قدر ممکن ہو خفیف سے خفیف رحیمانہ صورت میں خود میری ذات پر پڑے!" ان الفاظ کے کہنے کے بعد وہ داہنی طرف مڑنے ہی کو تھا (جیسا کہ رومیوں کا دستور ہو کہ وہ دعا یا عبادت کے بعد داہنی طرف کو مڑتے ہیں) کہ دفعتہً ٹھوکر کھائی اور گر پڑا، جس سے تمام حاضرین

حیران و سراسیمہ ہوگئے ۔ لیکن اس صدمے کے تھوڑے ہی دیر بعد وہ ہوش میں آگیا اور حاضرین سے کہنے لگا کہ میری دعا دیوتاؤں نے قبول کرلی اور اس مسرت کے معاوضے میں یہ معمولی صدمہ مجھے پہنچا دیا گیا ۔

شہر کی تاراجی کے بعد اس نے اپنی منّت پوری کرنے کے لیے جونوؔ دیوی کی مورتی رومہ لے جانی چاہی اور جب مزدور اور کاری گر اس کام کے لیے تیار ہوگئے تو دیوی کے نام بھینٹ چڑھائی اور بہ عاجزی یہ التجا کی کہ وہ ان کی عبودیت سے خوشنود ہو ، اور رضامندی کے ساتھ شہر رومہ کے سرپرست دیوتاؤں میں شریک ہوجائے ۔ اس موقع پر مشہور ہو کہ بُت نے نیچی آواز میں رومہ جانے کی رضامندی ظاہر کی ۔ لیکن لوِی لکھتا ہو کہ دعا مانگتے میں جب کامی لس نے مورتی پر ہاتھ رکھ کر یہ التجا کی تو اس وقت جو لوگ آس پاس کھڑے تھے وہ چلاّئے کہ ماتا رضامند ہو اور بخوشی رومہ میں آجائے گی ۔ جو لوگ اس معجزے کو مانتے اور منوانا چاہتے ہیں ان کی بڑی حجت یہ ہو کہ اگر دیوتاؤں کی ایسی غیر معمولی امدادیں شامل حال نہ ہوتیں تو رومۃ الکبریٰ اپنے حقیر و ضعیف آغاز کے بعد اس قدر مرفہ الحال اور صاحب عظمت و اقتدار نہ ہوسکتا تھا ، پس یہ بالکل قدرتی اور ضروری تھا کہ ایسی ربانی عنایت کا اظہار بھی اور خرق عادات واقعات سے ہو۔ اس قسم کے اور عجائبات بھی قدیم مؤرخوں نے نقل کیے ہیں مثلاً بتوں کا پسینے پسینے ہوجانا یا کراہنا یا رُخ بدل کر آنکھیں بند کرلینا اور خود ہمارے زمانے میں بہت سی عجیب و غریب باتیں لوگ بیان کرتے ہیں ، جنھیں

جھٹلا دینا آسان نہیں ہو لیکن جس طرح انھیں جھٹلا دینا دشوار ہو، اسی طرح اُن پر یقین لے آنا بھی مخدوش ہو کیوں کہ بشریت اور انسانی کمزوری، جو کبھی تو مافوق الفطرت امور سے آدمی کو منکر و بیزار کر دیتی ہو اور کبھی بڑھتے بڑھتے اُسے وہم پرستی اور ضعیف الاعتقادی تک لے جاتی ہو، اس بات کی قابلیت نہیں رکھتی کہ ہمیشہ حدودِ اعتدال کو نگاہ میں رکھے حالانکہ انتہا پسندی سے بچنا اور ان حدوں سے آگے نہ جانا ہی بہترین طریق عمل ہو۔

مگر اس فتح کے بعد جو طرز کامی لس نے اختیار کی وہ کسی طرح ایک قانونی عہدہ دار یا ملکی حاکم کو زیبا نہ تھی۔ جس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ ایک ایسے شہر کو، جو روما کا مدِّ مقابل سمجھا جاتا تھا اور دس سال تک قلعہ بندی کی حالت میں اس سے لڑتا رہا تھا، تسخیر کرنے سے اُسے اپنی شجاعت و قابلیت کا غرور ہوگیا تھا اور یا یہ کہ اس کے ہم نشینوں نے بڑھاوے دے دے کے اُسے پُھلا دیا تھا بہرحال اس تکبر اور خود پسندی کا اس وقت اظہار ہوا جب چار سفید گھوڑوں کی رتھ میں بیٹھ کر اس نے اپنا جلوس فتح نکالا جو نہ اس سے پہلے کسی رومی سپہ سالار نے جایز رکھا تھا اور نہ اس کے بعد کبھی دیکھنے میں آیا۔ کیوں کہ اس قسم کی سواری کو اہل روما مذہباً مقدس جانتے ہیں اور وہ دیوتاؤں کے بادشاہ یا باپ کے لیے مخصوص مانی گئی ہو۔ اسی بنا پر کامی لس کے اہل وطن جنھوں نے کبھی ایسا تجمل و احتشام نہ دیکھا تھا دل ہی دل میں اُس سے ناراض ہوگئے۔

عوام الناس میں اس کی غیر ہر دل عزیزی کی دوسری وجہ یہ ہوئی کہ

کہ جب لوگوں کے نائبین (ٹربی بیونوں) نے شہر کی آبادی کو تقسیم کر دینے کی تجویز پیش کی تو کامی لس نے ان کی مخالفت کی۔ مجوزین کا منشا یہ تھا کہ مجلس اور اہل شہر کے دو حصے کر دیئے جائیں جن میں سے بروے قرعہ اندازی ایک حصہ تو رومہ میں رہے اور دوسرا وی آئی میں بسا دیا جائے۔ اس میں علاوہ سکونت کی گنجایش نکل آنے کے ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ منقسم ہوکر وہ اپنے دونو بڑے اور شاندار شہروں کی بہتر حفاظت کر سکتے اور زیادہ فائدے میں رہ سکتے تھے۔ جمہور اہل رومہ جو کثرت آبادی اور کچھ تہی دستی کی بدولت ان دنوں پریشان تھے اس تجویز سے بہت خوش ہوئے اور انھوں نے ایوانِ عام میں جمع ہو ہوکر مجلس سے مطالبہ کرنا شروع کیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو اس تجویز پر رائیں لی جائیں اور اُسے منظور کیا جائے۔ لیکن اہلِ مجلس اور بڑے بڑے عمائد اس کارروائی کے بالکل خلاف تھے اور ان کے نزدیک آبادی کی تنصیف و تقسیم رومہ کے لیے مضرت رساں اور برباد کن تھی۔ پس جب انھوں نے عوام کی شورش دیکھی تو وہ کامی لس کے پاس گئے اور اس سے مدد چاہی۔ کامی لس کو اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر لوگوں کے مطالبات کو صریحاً رد کر دیا گیا تو ممکن ہو معاملہ بڑھے اور جھگڑا ہو جائے لہٰذا اُس نے یہ چال چلی کہ اور اور مسائل میں لوگوں کو الجھا لیا اور تجویز مذکورہ کو التوا میں ڈالتا رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جمہور کے دلوں سے اس کی محبت گھٹ گئی اور وہ غیر ہر دل عزیز ہوگیا۔ لیکن بہ احوال ظاہر ان سب باتوں سے بڑھ کر جو وجہ شکایت اس کے خلاف پیدا ہوئی وہ مال غنیمت کے دسویں حصے (عشر) کے متعلق تھی اس کی تفصیل

یہ ہے کہ وی آئی کے محاصرے پر جاتے وقت معلوم ہوتا ہے اُس نے اپالو دیوتا سے یہ منت بھی مانی تھی کہ اگر شہر فتح ہوگیا تو اس کی لوٹ کا دسواں حصّہ وہ دیوتا کی نذر چڑھائے گا۔ اب شہر تسخیر ہوا، تو یا سپاہیوں کو تکلیف دینا اور دسواں حصّہ اُن سے طلب کرنا اُسے نامناسب معلوم ہوا اور یا فی الحقیقت کثرت کاروبار میں یہ منّت ہی اُسے یاد نہ آئی، بہر حال اس وقت یہ بات یونہی رہی اور اُس نے سپاہیوں کو اُس حصّۂ غنیمت سے پورے مالِ غنیمت سے متمتع ہونے دیا۔ مگر جس وقت وہ اپنے عہدے سے دست کش ہوا تو اُس نے مجلس ملکی کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا، ساتھ ہی پجاریوں نے اطلاع دی کہ انھیں قربانیاں کرتے میں دیوتاؤں کی ناخوشی کی علامتیں نظر آئی ہیں جن کا نذر و نیاز کے ذریعے دفعیہ کرنا ضروری ہے، پس مجلس نے حکم دیا کہ کامی لس کی منت پوری کرنے کا انتظام کیا جائے۔

اس حکم کے نفاذ میں بڑی وقت یہ پیش آئی کہ اتنے دن کے بعد لوگوں کا بجنسہ وہ چیزیں تقسیم کے لیے حکّام کے پاس لانا جو انھوں نے لوٹ میں پائی تھیں، محال تھا۔ لہذا مجلس نے فرمان جاری کیا کہ ہر شخص حلف کے رُو سے اپنی غنیمت کا دسواں حصّہ بیت المال میں داخل کردے۔ غریب اور مفلس سپاہیوں پر یہ بار نہایت شاق گزرا اور اس رقم کا جو انھوں نے ہزارہا مصیبتیں اٹھا کے حاصل کی تھی اتنا معقول حصّہ ہاتھ سے نکل جانا بے حد ناگوار تھا خصوصاً اتنے عرصے بعد جب کہ وہ اس میں سے بہت کچھ اپنے صرف میں لا چکے تھے۔ جب ان کے اعتراض اور شکایات کی چاروں طرف سے بوچھار ہوئی تو کوئی اور بہانہ نہ ملنے کی صورت

میں کامی لس نے یہ عذر لنگ کیا کہ وہ اپنی منت کو بھول گیا تھا۔ جس کے جواب میں سپاہیوں نے فریاد کی کہ پہلے بھول گئے تھے تو اب اس کا پورا کرنا کسی طرح مناسب نہیں کیوں کہ اس کے معنے یہ ہیں، کہ دشمنوں کے بجائے اب اپنے ہم وطن شہریوں کی مقبوضہ املاک سے وہ رقم وصول کی جائے۔

بایں ہمہ ہر شخص نے اپنے اپنے حصّے کا روپیہ لا دیا اور مجلس نے تجویز کی کہ اس رقم سے اپالو کے نام پر ٹھوس سونے کا ایک مٹکا تیار کرا کے ڈلیفی کے مندر میں چڑھایا جائے۔ لیکن اس کام کے لئے جو مقدار سونے کی درکار تھی وہ شہر میں میسر نہ آئی اور جب رومی عمّال اس کے متعلق سوچ رہے تھے کہ باقی سونا کس طرح فراہم کیا جائے، وہاں کی خواتین نے جمع ہو کر باہم مشورہ کیا اور اپنے پہننے کے زیورات میں سے جتنی ضرورت تھی اتنا سونا پورا کر دیا، اور اس طرح وہ چڑھاوے کا مٹکا جس کا وزن آٹھ ٹیلنٹ[1] تھا تیار ہو گیا۔ اس ایثار کے صلے میں مجلس ملکی نے بہ اتفاق فیصلہ کیا کہ آئندہ سے رومی خواتین کے جنازوں پر بھی یادگاری تقریریں کی جایا کریں (یہ رسم صرف مردوں کے لیے مخصوص تھی اور اب تک کوئی عورت مرنے کے بعد اس عزّت کی مستحق نہ سمجھی جاتی تھی) اس کے بعد شہر کے تین معزز ترین شرفا کا ایک منتخب وفد اس نذرانے کو لے کر ڈلیفی روانہ ہوا۔ سفر کے لیے انھیں ایک جنگی کشتی بڑے تکلّف سے آراستہ کر کے دی گئی تھی اور اس پہ نہایت ہوشیار ملّاح متعین کیے گئے تھے۔ لیکن وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ سمندر کا تلاطم و سکون دونو خطرے

---

[1] ایک ٹیلنٹ وزن میں ہمارے ستائیس سیر کے برابر ہوتا ہے۔ مترجم

سے خالی نہیں تو واقعی اس وفد کا تجربہ اس کا گواہ ہی ، سمندر کے سکون ہی نے ان لوگوں کو مصیبت میں پھنسایا اور وہ بالکل خلاف توقع، تباہی سے بال بال بچے۔ ان کی کشتی جزایر ایلیوس کے پاس پہنچی تو بحری ہوائیں بالکل مدھم پڑگئیں اور اسی حال میں سپادیہ والوں کے کچھ جہازوں نے انھیں بحری قزاق سمجھ کر آگھیرا۔ اور جب ان لوگوں نے ہاتھ بلند کرکے امان مانگی تو ہر چند وہ تشدّد سے باز رہے تاہم ان کی کشتی کو اٹکا کے اپنے ساتھ بندرگاہ میں لے گئے اور وہاں نہ صرف ان کے مال و اسباب کو بلکہ خود اُنھیں بازار میں فروخت کرنا چاہا کیوں کہ اب تک اُن کے نزدیک یہ قیدی بحری قزاق تھے اور انھیں اس طرح بیچ دینا جایز تھا۔ اس جاں فرسا عذاب سے اُنھیں بہ مشکل رہائی ملی اور وہ صرف ایک شخص کی مہربانی اور کوشش سے جس کا نام ٹماسی تھیس تھا اور جو وہاں سپہ سالاری کا عہدہ رکھتا تھا۔ اس نے کوئی دقیقہ اپنے ہم وطنوں کو سمجھانے اور بہلانے کا باقی نہ رکھا اور بڑے شور وغل کے بعد رومیوں کو نجات دلوائی پھر ان کی کشتی کے ساتھ اپنے جہاز بھیجے کہ ڈیلفی تک ان کی معیت و حفاظت کریں اور چڑھاوے کی رسم میں بھی امداد دیں۔ انھیں عنایتوں کی وجہ سے روما میں اس کا بڑا اعزاز اور تعریفیں ہوئیں جن کا یقیناً وہ حق دار تھا۔

اسی زمانے میں ٹریبیونوں نے پھر شہر کی تقسیم کا مسئلہ چھیڑا تھا کہ حسن اتفاق سے فلسکن قوم کے ساتھ دوبارہ جنگ شروع ہوگئی اور عمائد شہر کو موقع مل گیا کہ اس موقعے کے لیے جن نئے عمّال کو چاہیں منتخب کریں اور کامی لس کو پانچ ساتھیوں کے ساتھ جنگی حاکم بنائیں۔

کیوں کہ حالات اسی کے مقتضی تھے کہ کسی کارداں اور مشہور سپہ سالار کے ہاتھوں میں زمام اختیارات دی جائے۔ اس انتخاب کو لوگوں نے منظور کیا۔ اور کامی لس اپنی فوجیں لے کے فلسکیون کے علاقے میں گھس گیا اور جاتے ہی شہر فلیری کو گھیر لیا۔ یہ شہر نہایت مستحکم تھا اور اس میں اجناس بھی بہ افراط موجود تھیں اور کامی لس خوب جانتا تھا کہ اس کی تسخیر چند روز کا کام نہیں ہے پھر بھی محاصرہ کرنے سے اس کا مقصد یہ تھا کہ رومی لوگ گھروں میں وقت ضائع کرنے اور آپس میں جھگڑنے کے بجائے بہتر ہے کہ باہر کچھ نہ کچھ مشقت میں لگے رہیں اور حکام کی پیروی میں فرقہ بندی اور شورش انگیزی نہ کرسکیں۔ یہی وہ علاج ہے جو عام طور پر رومی مدبر اپنے شورش پسندوں کا تجویز کرتے تھے اور عمدہ طبیبوں کے مانند اسی طریقے سے اپنی قوم کے مفاسد کی اصلاح کر دیتے تھے۔ ادھر محصورین کو محاصرے کا اس قدر کم خیال اور شہر کی مضبوطی پر جو ہر طرف سے نہایت مستحکم کر لیا گیا تھا، اتنا اعتماد تھا کہ سوائے فصیل کے پہرہ داروں کے سب لوگ اطمینان کے ساتھ اپنے کاروبار میں مصروف اور بحالت امن ہی کے لباس میں بازاروں میں گھومتے ہوئے نظر آتے تھے۔ ان کے بچے بھی حسب معمول مدرسے جاتے اور مدرسے کا استاد اپنے شاگردوں کو کھیل کود کے واسطے شہر پناہ کے باہر تک لے جاتا۔ واضح رہے کہ تعلیم کے معاملے میں اہل فلیری یونانیوں کے مقلد تھے اور سب طالب علموں کے لیے ایک ہی مدرس کا ہونا قابل ترجیح سمجھتے تھے۔ اس میں ان کے نزدیک یہ فائدہ تھا کہ بچوں کو ابتدا سے اپنے تمام ہم مکتبوں کے ساتھ رہنے بسنے کی عادت پڑ جاتی تھی۔

اب اسی مدرس نے غداری سے اپنے شاگردوں کے ذریعے شہر کو

فتح کرا دینے کا ارادہ کیا اور روز شہر پناہ سے باہر زیادہ دور تک لڑکوں کو لے جاتا اور شام کے وقت گھر لوٹ آتا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ وہ محاصرین کے قریب تک انھیں لگا لاتا جہاں چند روز کھیلنے کے بعد اُن کے دلوں سے بالکل خوف جاتا رہا اور وہ زیادہ بے باک ہوتے گئے اور آخرکار ایک روز اپنے استاد کے ساتھ ساتھ رومی چوکیوں تک آ گئے جہاں اس نے ان سب کو دشمن کے ہاتھوں میں گرفتار کرادیا اور کامی لس کے سامنے پہنچائے جانے کی درخواست کی۔ چنانچہ جب یہ سب اُس کے سامنے لائے گئے تو اُس نے وسط میں کھڑے ہو کے بیان کیا کہ "میں طالب علموں کا اتالیق اور معلّم ہوں اور اپنے تمام فرائض منصبی کو قربان کر کے صرف کامی لس کی خوشنودی کا خواہاں ہوا اور اسی لیے اپنے سب شاگردوں کو اس کے حوالے کرنے یہاں لے آیا جو ایک طرح تمام شہر حوالے کر دینے کا ہم معنیٰ ہے" جب کامی لس نے یہ گفتگو سنی تو وہ اس غدارانہ فعل پہ سناٹے میں آ گیا اور حاضرین کی طرف مڑ کے کہنے لگا کہ "ہر چند جنگ میں لازمی طور پر خوں ریزی اور اکثر ظلم و زیادتی ہوتی ہے، تاہم اس حال میں بھی شریف لوگ خاص خاص قوانین کی پابندی کرتے ہیں۔ اور فی الواقع فتح اتنا بڑا مقصد نہیں ہے کہ محض اس کے حصول کی خاطر ہم کمینہ پن اور ناپاک کام کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ ایک بڑے سپہ سالار کو ہمیشہ اپنی قوت بازو اور اوصاف پر بھروسہ ہونا چاہیے نہ کہ دوسروں کی کمزوری اور فرومائگی پر" یہ فرمانے کے بعد اُس نے اپنے افسروں کو حکم دیا کہ "اُس مدرس کے کپڑے پھاڑ کے مشکیں باندھ لیں اور لڑکوں کے ہاتھوں میں چابک اور ڈنڈے دے دیں کہ وہ اُس وطن فروش کمینے کو مارتے ہوئے واپس

شہر تک لے جائیں "۔ اس اثنا میں اہلِ فلیری کو اپنے ہاں کے مدرّس کی غداری کا حال معلوم ہوگیا تھا اور اس اندوہ ناک مصیبت پر سارے شہر میں رونا پڑگیا تھا۔ بڑے بڑے عزّت دار مرد و عورت سراسیمگی کے عالم میں دوڑ دوڑ کر فصیلوں اور شہر کے دروازوں تک آرہے تھے اور رنج و ہراس اُن کے دلوں پر چھایا ہُوا تھا کہ یکایک یکایک سامنے سے لڑکے آتے نظر آئے جو اپنے برہنہ اور بندھے ہوئے استاد کو چابک مارتے لا رہے تھے اور کامی لس کو اپنے محافظ اور دیوتا اور باپ کے پُر احترام خطابات سے پکارتے جاتے تھے۔ اس حیرت انگیز واقعے نے اہلِ فلیری پر بڑا اثر کیا اور نہ صرف اُن بچّوں کے والدین بلکہ تمام شہریوں کے دل کامی لس کی عدل گستری نے موہ لیے اور ان میں اس کی طرف سے ایسا ولولۂ سپاس و محبت پیدا ہُوا کہ اسی وقت جلسہ کرکے اُنھوں نے کامی لس کے پاس سفیر روانہ کئے کہ جن شرائط پر چاہے صلح پر آمادگی ظاہر کی۔ کامی لس نے ان سفیروں کو رومہ بھیج دیا جہاں مجلس کے سامنے انھوں نے ایک تقریر کی جس کا مفہوم یہ تھا کہ رومیوں نے انصاف کو فتح پر مقدم رکھ کر ہمیں یہ سبق دیا کہ اپنی آزادی کے بجائے اُن کی اطاعت کو ترجیح دیں۔ اور ہم قوت میں اپنی کمتری کے اتنے معترف نہیں ہیں جتنے کہ اُن کی اخلاقی برتری اور فوقیت کے "قائل ہوگئے ہیں "۔ رومی مجلس نے یہ باتیں سُن کر دوبارہ اس معاملے کا تمام و کمال فیصلہ کامی لس پر چھوڑ دیا۔ اور اب اس نے اہلِ فلیری سے رُپے کی ایک رقم لے کر تمام فلسکن قوم سے صلح کرلی اور وطن کو لوٹ گیا۔

لیکن سپاہی جنھیں شہر لوٹنے کی امیدیں لگی ہوئی تھیں اس کے

اس طرح خالی ہاتھ چلے آنے پر بہت ناراض تھے اور اپنے ہم وطنوں میں بیٹھ بیٹھ کے اس کی بُرائیاں کرتے تھے کہ وہ جمہور کا دشمن ہے اور غریبوں کا بھلا ہونا نہیں چاہتا بلکہ ان کے نفع سے حسد کرتا ہے۔ اس کے بعد ہی لوگوں کے نائبین نے دوبارہ آبادی کی تقسیم کا مسئلہ پیش کر دیا اور اس مرتبہ ہر دل عزیزی کی پروا کیے بغیر کامی لس نے علانیہ اس کی مخالفت کی، تجویز کے حامیوں پر بڑی بے باکی سے اعتراض کئے اور لوگوں کو اس خوبی کے ساتھ قابو میں لیا اور فہمایش کی کہ انھوں نے اپنے رُجحان کے خلاف یہ تجویز مسترد کر دی، مگر کامی لس کی طرف سے پھر بھی ان کے دل میں نفرت بیٹھ گئی۔ اور اگرچہ انھیں دنوں اس پر ایک خانگی غم کا بوجھ آپڑا تھا (یعنی اس کے دو بیٹوں میں سے ایک بیمار ہوکر مرگیا تھا) بایں ہمہ کوئی جذبۂ رحم و ہمدردی اُس بُغض کو نہ گھٹا سکا جو عوام الناس کو اس سے پیدا ہوگیا تھا۔ اُنھوں نے اسی زمانے میں اس پر تغلب کا الزام لگایا اور باضابطہ مقدمہ دایر کیا۔ کامی لس جو فطرۃً رقیق القلب اور نرم مزاج تھا اور جسے پہلے ہی بیٹے کی موت کا غیر معمولی صدمہ تھا، مقدمہ قائم ہونے کے وقت اپنے گھر سے نہ نکلا اور گھر کی عورتوں کے ساتھ سوگ میں بیٹھا رہا۔

الزام لگانے والا لوسیس اپولیس تھا اور الزام، شہر وی آئی کے مال غنیمت میں تغلب کرنے کے متعلق تھا جس میں سے بعض برنجی کواڑ، لوگ کہتے تھے کہ اب تک اس کے قبضے میں موجود ہیں۔ بہرحال یوں بھی اہل شہر اُس سے اتنے جھلائے ہوئے تھے کہ کوئی موقع ہاتھ آتے ہی اُن کا اُسے بے سزا دیے نہ چھوڑنا یقینی بات معلوم ہوتی تھی۔

پس کامی لس نے اپنے تمام احباب اور فوجی ساتھیوں کو جن کی تعداد معقول تھی جمع کیا اور اُن سے التجا کی کہ کسی طرح ان شرمناک اتہامات سے جو اس پر ناحق و ناروا لگائے گئے ہیں، اور دشمنوں کی طعن و تذلیل سے اُسے بچائیں۔ یہ سُن کر اُس کے دوستوں نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ جواب دیا کہ مقدمے کا فیصلہ تو کسی کے اختیار کی بات نہیں اور اس معاملے میں وہ سب بالکل بے بس ہیں، البتہ جو کچھ جرمانہ اس پر کیا جائے اُسے وہ مشترکہ طور پر ادا کرنے کے واسطے تیار ہیں۔ مگر جرمانہ کامی لس کی نگاہ میں بالکل ناقابل برداشت بے آبروئی تھی اور اس لیے اُس نے طیش و غضب کے عالم میں شہر سے نکل جانے اور ترک وطن کرنے کا فیصلہ کیا اور پھر اپنی بیوی اور بچے سے رخصت ہو کے خاموشی کے ساتھ شہر کے دروازے تک آیا اور وہاں ٹھہر کر اور قلعے کی طرف مڑکر اُس نے اپنے دونو ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا مانگی کہ اگر وہ فی الواقع بلاکسی تصور کے، محض اپنے ہم وطنوں کی عداوت کے باعث وطن چھوڑنے پر مجبور ہوا ہو تو خدا کرے کہ اہل رومہ کو اپنی اس ناانصافی پر جلد پشیمان ہونا پڑے اور تمام دنیا کو معلوم ہو جائے کہ وہ کامی لس کی اعانت کے کتنے محتاج اور اس کی واپسی کے کس قدر خواہاں ہیں۔

اس طرح، اکی لس کے مثل، اپنے ہم وطنوں کو سراپ دے کے وہ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ ادھر عدالت میں حاضر نہ ہونے اور صفائی نہ کرنے کی وجہ سے مقدمہ کا یک طرفہ فیصلہ کر دیا گیا اور اس پر پندرہ ہزار ایس (پیسے) یعنی پندرہ سو نقرئی درہم جرمانہ ہوا۔ معلوم رہے کہ ایس ان دنوں میں تانبے کا سکّہ تھا اور ایسے ایسے دس سکّوں کا

دینار الیس (یا دینار) ہوتا تھا جس کے معنی دس دمپیوں) والے کے ہیں۔ کامی لس کو یہ سزا ملنے کو تو مل گئی لیکن اس ناانصافی کا اس کے ہم وطنوں کو فوری مواخذہ بھی دینا پڑا اور کوئی رومی ایسا نہیں جو یہ عقیدہ نہ رکھتا ہو کہ اسی کی بدعاؤں نے رومہ پر وہ عذاب نازل کیا جو ہم سمجھتے ہیں کہ اگرچہ خود کامی لس کو بھی خوش گوار کے بجائے تکلیف دہ اور اندوہ ناک محسوس ہوا ہوگا تاہم جیسی کہ اُس نے دعا کی تھی، اس کے مطابق ایسا ہی سخت تھا کہ ساری دنیا میں اس کا غلغلہ پڑ گیا اور شہر رومہ پر بلا کا ایسا دور آیا جس میں اسے پے بہ پے نقصانات، خطرات اور ذلتوں سے دو چار ہونا پڑا، اب اس کا علم خدا کو ہے کہ آیا یہ سزائیں محض اتفاقی اور تقدیری تھیں یا یہ کسی دیوتا کا کام تھا جسے ایک ضرر رسیدہ بے گناہ کا بے انتقام رہنا گوارا نہ ہوا۔

غالباً آنے والی خرابیوں کی سب سے پہلی علامت جولئیس محتسب کی موت تھی۔ واضح ہو کہ اس عہدے کو اہل رومہ ہمیشہ سے مقدس سمجھتے تھے اور اس کے ساتھ ایک مذہبی عقیدت رکھتے تھے۔ پس اس عہدہ دار کا مرنا ان کے نزدیک نہایت بدشگونی کی بات تھی۔ دوسری علامت، جو کامی لس کی جلاوطنی سے کچھ ہی دن قبل واقع ہوئی وہ آواز غیبی تھی جسے مرقس سدیقیس نے سنا اور اپنے حکام سے بیان کیا یہ شخص کسی بڑے مرتبے کا آدمی نہ تھا نہ مجلس ملکی کا رکن تھا تاہم اپنے ہم عصروں میں ایک شریف اور عزت دار آدمی سمجھا جاتا ہے۔ اس کا بیان تھا کہ رات کے وقت اس بازار میں سے جاتے ہوئے، جسے نئی سڑک کہتے تھے، کسی نے اس کو زور سے آواز دی اور جب وہ

ادھر مڑا تو کوئی پکارنے والا نظر نہ آیا لیکن وہ آواز انسانی آواز سے بڑی تھی اور یہ الفاظ کہتی سنائی دی کہ "جاؤ مرقس سدیقیس اپنے جنگی حکام سے کہہ دو کہ عنقریب اہلِ غالیہ ان پر یورش کریں گے!"

سدیقیس نے یہ واردات اپنے حکام سے بیان کی تو انھوں نے اس کا مضحکہ اُڑایا مگر اس کے تھوڑے ہی دن بعد کامی لس کے وطن سے نکل جانے کا واقعہ پیش آیا۔

غال یا اہلِ غالیہ (مغربی یورپ کی قلطی نسل سے ہیں اور جب کثرتِ آبادی کے باعث اپنے ملک کی زمینیں کافی نہ ہوئیں تو وہ مجبور ہوئے کہ اپنا وطن چھوڑیں اور رہنے کے لیے مقامات کی تلاش کریں۔ پس وہ ایک بڑی تعداد میں نکل کھڑے ہوئے جس میں ہزارہا قابلِ جنگ نوجوان مرد شامل تھے اور بچّوں اور عورتوں کی تعداد ان سے بھی زیادہ تھی۔ سب سے اوّل وہ کوہ رفائی سے گزرتے ہوئے بحرِ شمال تک آئے اور یورپ کے انتہائی حصّوں پر قابض ہوگئے۔ ان کی ایک اور جماعت کوہ پائی رنیز اور الفس کے درمیان رک گئی اور عرصے تک شمالی اطالیہ کے ہمسایے میں رہتی سہتی رہی لیکن بعد میں اس شرابِ انگوری کا جو پہلی مرتبہ اطالیہ سے لائی گئی تھی، مزا چکھ کر وہ اُس کے ایسے والہ وشیدا ہوئے اور اس نئے سرور نے انھیں اس درجے بے خود کیا کہ فوراً اہل وعیال سمیت اپنے ہتھیار سنبھال وہ کوہ الفس کی جانب دوڑ پڑے تاکہ اس سرزمین کا پتا نکالیں جہاں ایسے میوے پیدا ہوتے ہیں اور جس کے مقابلے میں، وہ کہنے لگے کہ، ساری دنیا کے ملک ہیچ اور بنجر

ہیں۔ سب سے اول جس شخص نے انھیں یہ انگوری شراب پلائی اور اطالیہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی، مشہور ہی کہ وہ ٹسکنی کا باشندہ آرون ایک شریف النسب آدمی تھا جو اگرچہ بالطبع برا نہ تھا لیکن ایک افسوسناک مصیبت میں، جس کی تفصیل آگے آتی ہی پھنس گیا تھا :۔ آرون اپنے وطن میں ایک دولت مند یتیم لکمّو نام کا نگراں تھا جو ثروت کے علاوہ حسن میں بھی اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔ یہ لڑکا بچپن سے آرون کے گھر میں پلا اور جوان ہونے کے بعد بھی اپنے سرپرست کی صحبت سے مستفید ہونے کے بہانے اُسی کے پاس رہا کیا مگر دراصل اس کی آرون کی بیوی سے آشنائی ہوگئی تھی، اور لکمّو نے خود خراب ہوکر اس عورت کو بھی خراب کردیا تھا۔ اس کے بعد جب ان دونو کے جذبات نفس پرستی اس قدر زور پکڑ گئے کہ اُن سے بچنا یا اُنھیں چھپانا غیر ممکن ہوگیا تو نوجوان لکمّو نے عورت کو پکڑ لیا اور علانیہ گھر سے نکال لے جانے کی کوشش کی۔ اس زیادتی پر شوہر نے قانون کی دستگیری چاہی لیکن جب اپنے حریف کے اقتدار اور رُپے کے آگے اپنے تئیں بالکل مغلوب و مجبور پایا تو ناچار اپنے وطن کو خیرباد کہی اور غالوں کی کیفیت سن کر ان میں چلاگیا، اور اطالوی مہم میں اسی نے ان کی رہنمائی کی۔

اپنی پہلی یورش میں غالوں نے آتے ہی اس تمام علاقے پر قبضہ کرلیا جس میں قدیم ٹسکن لوگ آباد تھے اور جو سمندر سے سمندر تک پھیلا ہوا تھا۔ خود سمندروں کے نام ان کی قدیم آبادی کی گواہی دیتے ہیں۔ چنانچہ بحیرۂ اڈریاٹک کا نام ٹسکنوں کے شہر اڈریا

پر رکھا گیا اور جنوبی پانی، بحیرۂ ٹسکن کہلاتا تھا، یہ تمام علاقہ میوہ دار درختوں کی افراط سے زرخیز اور دریاؤں سے خوب سیراب ہو اور اس میں نہایت عمدہ چراگاہیں ہیں۔ غالوں کی آمد کے وقت اس میں اٹھارہ نہایت خوب صورت اور بڑے شہر آباد تھے جن میں صنعت و حرفت اور دولت کے تمام وسایل مہیا تھے اور اسباب آسایش و تعیش کی کچھ کمی نہ تھی۔ غالوں نے آتے ہی ٹسکنوں کو وہاں سے نکال دیا اور خود ان کی جگہ لے لی تھی۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ واقعات (کامی لس کے عہد سے) بہت پہلے کے ہیں۔

جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس وقت غالوں نے کلوسیئم کا محاصرہ شروع کیا تھا جو ایک ٹسکن آبادی ہو۔ اس حال میں اہل کلوسیئم نے رومیوں کی دست گیری چاہی اور اپنے سفیروں کے ذریعے درخواست کی کہ وہ ان کے بیچ میں پڑیں۔ چنانچہ یہاں سے خاندان فیبی کے تین آدمی بھیجے گئے جو مرتبے اور عزت میں رومہ کے نہایت ممتاز افراد تھے۔ غالوں نے بھی انھیں رومۃ الکبریٰ کا سفیر جان کر بڑی تکریم و مدارات کی اور اس حملے کو چھوڑ کر، جو وہ شہر پناہ پر اس وقت کر رہے تھے، گفتگو کرنے اُن کے پاس چلے آئے۔ تب رومی سفیروں میں سے ایک نے سوال کیا کہ "کلوسیئم کے لوگوں نے تمھیں کیا نقصان پہنچایا ہو جس کے بدلے تم اس طرح حملہ کر رہے ہو؟"

اس کے جواب میں غالوں کا بادشاہ برنّوس ہنسا اور کہنے لگا:

"کلوسیئم کے لوگوں نے ہمیں یہ نقصان پہنچایا ہو کہ حالانکہ وہ زمین کا صرف تھوڑا سا حصّہ کاشت کرنے کی قوت رکھتے ہیں مگر خواہش ان کی یہ ہو کہ ایک بڑے علاقے پر قابض و متصرف رہیں اور ہمیں جو غریب الوطن

کثیرالعیال اور مفلس لوگ ہیں ذرا سا بھی ٹکڑا نہ لینے دیں! اور اے رومہ کے لوگو! یہ اسی قسم کا نقصان ہے جو تمھیں اوّل اوّل البا، فدینہ اور ارڈیہ کے باشندوں نے پہنچایا تھا اور آج کل فلسکن، و السکن اور کپی ناٹ پہنچا رہے ہیں۔ تم بھی تو اسی لیے کہ وہ اپنے مقبوضات میں تمھیں شریک نہیں بناتے، اُن پر چڑھائیاں کرکے، اُن کے ملک کو تاخت تاراج، شہروں کو برباد کرتے ہو اور انھیں اپنا غلام بنا لیتے ہو۔ اور یہ کچھ ظلم یا بے انصافی نہیں بلکہ دنیا کے سب سے قدیم قانون کے مطابق ہے جو کم زوروں کی چیز کا طاقت وروں کو مالک بنا دیتا ہے۔ یہ وہ قانون ازلی ہے جو خدا سے شروع ہوکر حیوانات پر ختم ہوتا ہے کیوں کہ یہ سب، نطرتاً، زبردست کو کم زور پر غلبہ دلاتے ہیں۔ پس لوگو! ان پر جنھیں ہم نے محصور کر رکھا ہے ترس نہ کھاؤ کہ مبادا غال اُن کے ساتھ مہربانی اور ہمدردی کرنے کا سبق سیکھ جائیں جنھیں تم (رومیوں) نے ستایا اور برباد کیا ہے!"

یہ جواب سُن کر رومی سفیر سمجھ گئے کہ برّنوس صلح کرنے والا شخص نہیں ہے۔ لہٰذا وہاں سے رخصت ہوکے کلوسیئم میں گئے اور باشندوں کو جوش و اشتعال دلایا کہ آؤ ہمارے ساتھ نکل کے ان وحشیوں پر حملہ کرو۔ جس سے یا تو وہ محصورین کی قوت کا اندازہ دیکھنا چاہتے تھے اور یا شاید خود اپنی بہادری دکھانی مقصود تھی۔ بہر حال حملہ ہوا اور فصیلوں کے قریب نہایت زور شور سے لڑائی ہونے لگی۔ اس حال میں ایک رومی کوانٹس امبیس ٹس جو عمدہ شہ سوار تھا اپنے گھوڑے کو مہمیز مارکے سرپٹ دوڑاتا ہوا نکلا اور ایک عظیم الجثہ غال پر جا پڑا جو اُسے اوروں سے کسی قدر

علٰحدہ گھوڑے پر آتا نظر آ رہا تھا۔ اوّل اوّل زرہ بکتر کی چمک اور مقابلے میں کمال پھرتی کی وجہ سے کوئی اُسے نہ پہچان سکا لیکن اپنے حریف کو مار کے گرا دینے کے بعد جب وہ مالِ غنیمت سمیٹنے لگا تو بریوس نے اُسے شناخت کرلیا اور بے اختیار چلّایا کہ "اے دیوتاؤ! تم گواہ رہنا کہ اس مُسلّمہ قانونِ اقوام کے خلاف، جس کی تمام بنی نوع انسان حرمت کرتے رہے، اس شخص نے جو ایلچی بن کر آیا تھا ہمارے اوپر ہتھیار اٹھائے ہیں" ساتھ ہی اُس نے اپنے آدمیوں کو واپس ہونے کا حکم دیا اور کلوسیئم کو الوداع کہہ کے خاص رومہ کی جانب گھوڑے اٹھا دیے۔ پھر بھی اس خیال سے کہ لوگ اُسے الزام دیں گے کہ وہ جھگڑا مول لینے کی فکر میں تھا اور اس معمولی زیادتی کو حیلہ بنا کے فساد اٹھانا چاہتا ہے، اُس نے ایک ہرکارا بھیج کر اس خطاکار شخص کے حوالے کر دیے جانے کا مطالبہ کیا اور جواب آنے تک فوج کی رفتار آہستہ کر دی۔

جب رومہ میں یہ پیغام پہنچا اور مجلسِ ملکی منعقد ہوئی تو اس میں اور لوگوں کے علاوہ سب سے زیادہ جن لوگوں نے رومی سفیروں کو قصوروار ٹھیرایا وہ مذہبی علما کی جماعت تھی جسے فی کیال کہتے ہیں۔ ان کی رائے دو ٹوک تھی اور دینی دلائل کی بنیاد پر وہ مصر تھے کہ اس فعل کی تمام ذمہ داری اور سزا کا بار اُسی پر ڈالا جائے جو اس کا مرتکب ہُوا، تاکہ اُس کے ہم قوم اس گناہ کے وبال میں گرفتار ہونے سے بچ جائیں۔ اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ فی کیال وہ گروہ علما ہے جسے رومہ کے سب سے عادل اور کریم النفس بادشاہ نیوما نے امن کا نگراں مقرر کیا تھا اور ان کا کام تھا کہ تمام اسباب پر غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کریں کہ کن صورتوں

میں رومیوں کا لڑائی کا لڑنا جائز اور واجبی ہو۔ لیکن جب ارکان
مجلس نے اس مسئلہ کو عوام الناس کے سامنے پیش کیا اور وہاں بھی علما
نے اپنے ہم وطن فی بیون کے خلاف تقریر کی تو مجمع پر اس کا کچھ اثر نہ
ہوا اور ان کی رائے پر کوئی التفات نہ کی گئی بلکہ انھوں نے حقارت آمیز
ضد کے ساتھ اُلٹا اسی شخص کو جو اس کے بھائیوں کے جنگی حاکم منتخب
کیا جس سے یہ حرکت سرزد ہوئی تھی ۔ غالوں نے جب یہ واقعہ سنا تو
غصے سے بے تاب ہو گئے اور تاخیر کو بالائے طاق رکھ کے جس قدر جلد ہو سکا
رومہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں جن جن مقامات سے وہ گزرے
وہاں کے باشندے ان کی فوجی شان و شوکت اور تعداد سے اس قدر
ڈرے کہ انھیں اپنے علاقوں کے چھن جانے کا پورا یقین ہوگیا اور ان کی
زبردستی کے مقابلے میں اپنے شہر بچا سکنے کی بھی کوئی امید نہ رہی۔ لیکن
ان ہیبت زدوں کی توقع کے خلاف غالوں نے راستے میں کسی کو نہ چھیڑا اور
نہ ان کی کھیتیوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا۔ بلکہ جب وہ کسی آبادی کے
قریب سے گزرتے تو پکار پکار کے کہتے کہ ہم رومہ جا رہے ہیں، اہل
رومہ سے ہی ہماری لڑائی ہے اور باقی سب کو اپنا دوست سمجھتے ہیں۔

ادھر رومی بھی جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے اور وحشی
حملہ آوروں کے بہ سرعت آ پہنچنے سے پہلے مقابلے کا سامان کر رہے تھے
اور جو لشکر ان کے جنگی حکام نے مجتمع کر لیا تھا، اس کی تعداد غالوں
سے گھٹی ہوئی نہ تھی (چنانچہ چالیس ہزار پیادوں سے کم فوج نہ ہوگی)
لیکن اس میں بہت سے ایسے نو عمر سپاہی تھے کہ جنھوں نے پہلے کبھی
لڑائی میں ہتھیار نہ چلائے تھے، علاوہ ازیں اس مرتبہ انھوں نے تمام

مذہبی مراسم سے بے پروائی کی تھی اور نہ قربانیوں کے ذریعے اچھی فالیں حاصل کی تھیں نہ اپنے کاہنوں سے رجوع لائے تھے جو خطرے میں اور لڑائی سے پہلے لامحالہ ہوا کرتا ہے۔ مزید برآں ان کے فوجی سرداروں کا گروہ اپنے اختلافات سے تمام کارروائیوں میں بڑا خلل اور انتشار پیدا کر رہا تھا۔ حالانکہ اس سے قبل معمولی موقعوں کے لیے بھی وہ اکثر ایک شخص کو انتخاب کر لیا کرتے تھے جس کا لقب ڈکٹیٹر (آمر) ہوتا تھا، کیوں کہ وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ ایسے نازک وقت میں تمام سپاہیوں کا فرد واحد کے زیر حکم ہونا کس قدر ضروری اور مفید ہے۔ اس دفعہ یہ انتظام بھی انھوں نے نہیں کیا تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ سپاہیوں کو کامی لس کا طرز عمل یاد تھا اور اس وجہ سے اب اُن سے، اسی قدر خوش رکھے بغیر، کام لینا نہایت دشوار و مشکوک نظر آتا تھا۔ بہرکیف اسی حال میں وہ شہر سے نکلے اور روما سے دس میل پر ایلیا ندی کے کنارے خیمہ زن ہوئے (اس مقام سے تھوڑے ہی فاصلے پر یہ ندی دریائے ٹبر میں جاگرتی ہے) یہیں غالوں نے ان پر حملہ کیا اور یہیں بزدلانہ مدافعت کے بعد، جو ساری فوجی باقاعدگی اور ترتیب سے مُعرّا تھی، انھوں نے کامل شکست کھائی۔ چھوٹتے ہی تو رومیوں کا میسرہ دشمن سے ندی میں ریل دیا جہاں وہ بالکل فنا ہوگیا۔ میمنہ کو البتہ کم نقصان پہنچا کہ حملے کا دھچکا برداشت کرنے سے پیشتر ہی وہ پسپا ہوگیا۔ اس کے سپاہی میدان چھوڑ چھوڑ کے پہاڑیوں کے اوپر چڑھ گئے۔ اور وہاں سے بہت سے تو بعد میں گر پڑ کے روما پہنچ گئے اور

باقی ماندہ جو قتل ہونے سے بچے ، کیوں کہ دشمن انھیں مارتے مارتے تھک گئے تھے ، انھوں نے رات کے وقت دومہ کی طرف سے قطعی نا اُمید ہو کے ، دی آئی کا رستہ لیا۔

یہ لڑائی تقریباً وسط گرما میں واقع ہوئی تھی ، اس رات پورا چاند تھا ، اور دن خاص وہ تھا کہ جس دن پہلے بھی خاندان فیبی پر تباہی نازل ہوئی تھی اور اس نام کے تین سو آدمی ایک ہی وقت میں ٹسکنوں نے کاٹ دے تھے۔ لیکن اس دوسری ہزیمت کے باعث اس دن کا نام ایلیا ندی کے نام پر ایلی ان سس (یوم ایلیا) پڑ گیا اور آج تک برقرار ہے۔ دنوں کے منحوس ہونے کے متعلق خواہ ہم اُسے مانیں یا نہ مانیں اور خواہ ہراکلی ٹس کا ہیسیڈ کی خبر لینا بالکل واجبی ہو ، میں نے علحدہ مقام پر بحث کی ہے۔ پھر بھی میرا خیال ہے کہ بہ لحاظ مضمون اس جگہ دو چار مثالیں ایزاد کر دینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا :۔

واضح ہو کہ اہل بیوشیہ (یونان) ہپوڈرومس مہینے کی پانچویں تاریخ کو مبارک تصور کرتے ہیں۔ یہ مہینا ایتھنزیوں کے ماہ ہکاتوم بیاں سے تطابق رکھتا ہے ، اور اسی کی پانچویں کو بیوشیہ والوں نے دو جلیل الشان معرکے جیتے تھے۔ اور ان دونو فتوحات نے یونان کی آزادی بچا لی تھی۔ اسی طرح بودرومیان مہینے میں چھٹی

لہ مصنف کا بیان ہے کہ ہیسیڈ نے سعد و نحس دنوں میں امتیاز قائم کیا تھا اور اسی پر ہراکلی ٹس نے اس کی گرفت کی ہے اور لکھا ہے کہ دن تو سب قدرتی طور پر ایک سے ہوتے ہیں ان میں فرق کرنا ہیسیڈ کی اوہام پرستی اور جہالت ہے۔ م

تاریخ کو تو یونانیوں نے عجمی لشکر کو میوا تھان میں شکست دی اور تیسری کو پلاٹیہ اور میکالی میں اسی مہینے کی پچیسویں کو (سکندر کے زیر سالاری) وہ ادبیلا میں دارا پر غالب آئے۔ ایتھنز والوں نے اور بحری لڑائیاں بھی اسی مہینے کی تیرھویں اور بیسویں تاریخ جیتیں! ایک نکساس پہ جہاں شب ریاس ان کا سردار تھا اور دوسری سلامیس پر جس کا ذکر ہم اپنے رسالے متعلق بہ ایام میں کر چکے ہیں۔

ملکشوں (یعنی غیر یونانی لوگوں) کے لیے تھرگیلیاں کا مہینہ بھی بہت ناسازگار تھا کیوں کہ اسی میں گرانی کوس کی لڑائی ہوئی اور سکندر نے ایرانی سپاہ کو مغلوب و منکوب کیا۔ اسی مہینے کی چوبیسویں کو قرطاجنہ والوں نے جزیرۂ صقلیہ میں ٹمولین کے ہاتھوں شکست کھائی اور قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسی دن اور مہینے میں ٹروائے تسخیر ہوا، جیسا کہ افورس، کلیس تن، ڈماسٹس اور فیلارخس کا بیان ہے۔

اس کے برعکس مٹاگٹ نیان کا مہینہ ہے جسے بیوشیہ والے پانی مس کہتے ہیں یہ یونانیوں کے لیے کچھ مبارک نہ تھا۔ کیوں کہ اسی مہینے کی ساتویں کو جنگ کرانون واقع ہوئی۔ جس میں مقدونوی سپہ سالار انٹی پاٹر نے یونانیوں کو تباہ کر دیا۔ اس سے قبل شیرونیہ میں فیلقوس کے ہاتھوں بھی وہ اسی مہینے میں منہزم ہوئے اور خاص اسی روز اور اسی سال اطالیہ میں ملکشوں نے آرگی ڈاموس اور اس کے ساتھیوں کو کاٹ دیا۔ اس مہینے کی اکیسویں کو قرطاجنہ کے لوگ بھی اپنے لیے منحوس ترین بتاتے ہیں کہ اس دن جس قدر نقصانات انھوں نے بار بار

اٹھائے اور کسی دن نہیں اٹھائے تھے۔

میں اس بات سے ناواقف نہیں ہوں کہ سکندر نے تھیبیہ کو دوبارہ برباد کیا ہو تو وہ تھیبیہ والوں کا ایک مبارک اور تہوار کا دن تھا یا ایتھنز پر مقدونوی فوج نے قبضہ کیا تو بودرومیان مہینے کی بیسویں تھی اور اسی دن وہ اپنے اوتار ایاکوس کا جلوس نکالا کرتے ہیں۔ یا مثلاً رومیوں نے بھی ایک تاریخ میں تو سمبری قوم سے ہزیمت کھائی اور ان کا سردار سیپو اپنی فوج سمیت وہیں کام آیا، مگر دوسرے سال خاص اسی دن اُن کے جرنیل لوکلس نے آرمینیہ اور دجلستان کے لوگوں پر غلبۂ کامل حاصل کیا۔ یا پمپی اور شاہ اٹالس عین اسی دن مرے جس دن کہ وہ پیدا ہوئے تھے۔ اور اسی طرح بہت سے دن جن میں متضاد نوعیت کے واقعات ظہور میں آئے، گنائے جا سکتے ہیں لیکن بہرتقدیر یہ دن (یوم ایلیا) تو رومیوں کے ہاں ہمیشہ نامبارک شمار ہوا اور جب حسب دستور بزدلی اور توہم پرستی بڑھتی گئی تو ہر مہینے کے اور دو دن بھی منحوس سمجھے جانے لگے، مگر اس مضمون پر میں اپنی تصنیف رومی مسائل میں زیادہ شرح وبسط کے ساتھ بحث کر چکا ہوں۔

اب ہم پھر اصل قصّے کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ اگر دشمن لڑائی جیتنے کے بعد فوراً ہی مفرورین کا تعاقب کرتا تو رومۃ الکبریٰ کا تباہ ہوجانا ناگزیر تھا اور بے شبہ جو لوگ وہاں تھے ان میں سے کوئی زندہ نہ بچ سکتا۔ کیوں کہ میدانِ جنگ سے بھاگ کر آنے والوں نے شہر میں ایسا خوف و ہراس پیدا کر دیا تھا کہ ہر طرف ایک طوفان بے تمیزی برپا تھا اور ہر ایک کو بے حواسی میں بھاگنے کے سوائے کوئی تدبیر

جان بچانے کی نہ سوجھتی تھی۔ لیکن غالوں کو خبر نہ تھی کہ انھوں نے ایسی فتح کامل پائی ہے۔ وہ محض اُس وقتی کامیابی کی خوشی میں از خود رفتہ ہوئے جاتے تھے اور لوٹ کا مال جمع کرنے اور جشن منانے میں مصروف تھے۔ ان کی اس غفلت نے جو دوسری بھاگنا چاہتے تھے انھیں بھاگنے کا اور جو رہ گئے انھیں تیاریاں کرنے کا موقع دے دیا چنانچہ باقی شہر کو چھوڑ کر انھوں نے صرف قلعہ کو بچانے کا تہیہ کیا اور وہاں بعض نئے استحکامات بنا کے اور مدافعانہ اسلحہ جمع کر کے اُسے خوب مضبوط کر لیا۔ اپنی متبرک چیزوں کا انھیں سب سے زیادہ خیال تھا۔ لہذا ان میں سے اکثر قلعے میں پہنچا دیں مگر آتش کدہ کی آگ کو مقدس کنواریاں دوسرے تبرکات سمیت اپنے ساتھ لے کے فرار ہو گئیں یعضوں نے لکھا ہے کہ اور کوئی چیز ان کی تحویل میں سوائے اُس سدا روشن و زندہ آگ کے نہ تھی جس کی پرستش کو نیوما نے اصل شے ہونے کی حیثیت سے شعار دینی قرار دیا تھا۔ کیوں کہ کائنات میں سب سے زیادہ مستعد یعنی حرکت کرنے والی شے آگ ہے اور دنیا کی تمام تبدیلیاں اور پیداواریں یا خود حرکت ہیں یا وابستۂ حرکت۔ مادّے کے تمام عناصر جب تک ان میں گرمی نہ ہو بے حس اور بے جان پڑے رہتے ہیں، اور جوہر حرارت کی شکل میں ایک قسم کی روح یا توانائی ملنے کے محتاج ہوتے ہیں اور جونہیں اُنھیں یہ روح ملتی ہے ان میں فوراً فاعلی یا انفعالی قوت آجاتی ہے، غرض آگ کا احترام نیوما نے قائم کیا۔ اور اسے ہمیشہ روشن رکھنے کا حکم دیا تھا کہ اس میں قوّت ازلی کا جلوہ نظر آتا ہے جو ساری کائنات کو ترتیب و تحریک بخش

رہی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یونانی دستور کے مثل، یہاں بھی یہ آگ تطہیر کی غرض سے متبرک اشیا کے سامنے ہر وقت روشن رکھی جاتی تھی اور اصلی چیزیں مندر کے نہایت مخفی حصوں میں چھپی ہوئی تھیں تاکہ اُن کنواریوں کے سوائے جنھیں مرلیاں (وسٹیل) کہتے ہیں کسی کی نگاہ اُن پر نہ پڑسکے۔ ایک عام خیال تھا کہ اس مندر میں پیلاس کی مورتی گڑی ہوئی ہے جسے اینیاس اطالیہ میں لایا تھا مگر بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ پیلاس کی مورتی نہ تھی بلکہ ساموتھریسی بت تھے جنھیں شاہ دردانوس اپنے ساتھ ٹروائے لے گیا تھا اور جب وہاں اس نے شہر مذکور بسایا تو ان بتوں کو وہاں مندروں کی نذر کر دیا اور ان کی متعلقہ رسوم عبادات جاری کیں۔ اس کے بعد ٹروائے کو یونانیوں نے فتح کرلیا تو یہ بت اینیاس نے اُڑا لیے اور اطالیہ آنے تک اپنے پاس چھپائے رہا۔ جن لوگوں کو اس معاملے میں زیادہ واقفیت کا دعوےٰ ہے وہ ایک اور ہی روایت سناتے ہیں اور بہ وثوق بیان کرتے ہیں کہ وہ معمولی جسامت کے دو پیپے تھے جن میں ایک خالی منھ کھلا رکھا رہتا تھا اور دوسرے میں تبرکات بھرے ہوتے تھے اور اس کا منھ خام کر دیا گیا تھا اور ان دونو کو سوائے خاص خاص مقدس کنواریوں کے کوئی نہ دیکھ سکتا تھا۔ لیکن بعض اشخاص اس قول کو نادرست خیال کرتے ہیں اور مغالطے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ غالوی حملے کے وقت مرلیوں نے اپنے تبرکات دو پیپوں میں بند کر دیے تھے اور انھیں کورنیس کے مندر میں ایک مخفی جگہ دفن کر دیا تھا۔ چنانچہ وہی جگہ آج کے دن تک پیپوں کے نام سے موسوم ہے۔

مذکورہ بالا واقعے کی اصلیت جو کچھ بھی ہو، مرلیوں کے فرار ہونے میں شبہ نہیں۔ اور جب وہ اپنے منتخب اور نادر تبرکات لے کے دریا کے کنارے کنارے بھاگی جا رہی تھیں اس وقت لوسس البی نیس ان کے پاس سے گزرا یہ شخص رومہ کا ایک معمولی شہری تھا اور دوسرے مفرورین کے مثل اپنے اسباب اور بیوی بچوں سمیت ایک گاڑی میں شہر سے نکل کھڑا ہوا تھا۔ اُس نے جو دیکھا کہ غریب مرلیاں قطع مسافت اور تبرکات کے بوجھ سے جنھیں وہ گود میں لیے ہوئے تھیں، ایسی تھکی ماندی ہو رہی ہیں کہ اُن سے چلا تک نہیں جاتا، تو فوراً گاڑی روک کر بچوں اور اسباب کو اتار لیا اور مقدس کنواریوں کو سوار کرا دیا کہ وہ یونانیوں کے کسی شہر (نوآبادی) میں جا کر پناہ لے سکیں۔ ایسی سخت مصیبت کے وقت میں البی نس کا یہ فعل، دیوتاؤں سے سچی عقیدت اور دین داری کی بے نظیر مثال ہو اور اس بات کا مستحق نہ تھا کہ اُسے قلم انداز کر دیا جاتا۔

لیکن ان مرلیوں کے سوائے اور کسی مندر کے پجاری نے اپنے دیوتاؤں کے پاس سے جانا پسند نہ کیا اور بہت سے ضعیف العمر ارکان مجلس کو بھی، جن میں سے اکثر قنصل رہ چکے تھے اور بعضوں نے اسی شہر کی گلیوں میں فتح کے جلوس نکالے تھے، رومہ کو چھوڑنا گوارا نہ ہوا بلکہ اپنی قابل احترام اور شان دار عبائیں پہن پہن کے پہلے تو انھوں نے دیوتاؤں کے آگے سجدے کیے اور ان کے اعلیٰ پروہت فے بیس نے انھیں پوجا کرائی، پھر اپنے وطن پر سے گویا قربان ہو جانے کے ارادے سے، وہ ایوان عام میں اپنی اپنی جگہ ہاتھی دانت کی کرسیوں

پر آبیٹھے اور اس طرز نشست کے ساتھ آنے والے حادثے کا انتظار کرنے لگے!

جنگ کے تیسرے دن برنّوس اپنی فوج سمیت شہر کے قریب آیا اور یہ دیکھ کر کہ شہر کے پھاٹک کھُلے ہوئے ہیں اور فصیلوں پر کوئی محافظ یا چوکی دار نظر نہیں آتا، اُسے اوّل اوّل شبہ ہوا کہ اس میں کوئی دھوکا یا پیچ ہو، کیوں کہ فی الحقیقت اس کے وہم میں بھی نہ تھا کہ رومی ایسی پُر از یاس حالت میں ہیں۔ بہر حال جب اس پر اصلیت کھُل گئی تو وہ کولائن دروازے سے داخل ہوا اور بُنیاد پڑنے کے تین سو ساٹھ یا کچھ زیادہ سال کے بعد رومۃ الکبریٰ، اس کے قبضے میں آگیا، یہاں یہ لکھ دینا ضروری ہو کہ ان واقعات کی جو تاریخ بیان کی جاتی ہو اس سے دوسرے سنین کے متعلق سخت شکوک پیدا ہوتے ہیں، لہٰذا قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ تسخیر رومہ کا سال محفوظ ہو۔ لیکن اس حادثے اور غالوی فتح کی نسبت ایسا معلوم ہوتا ہو کہ بعض کم زور افواہیں اسی وقت یونان تک پہنچ گئی تھیں۔ ہریکلی ڈس پانٹی کس جو اس عہد کے تھوڑے ہی دن بعد کا آدمی ہو۔ اپنی کتاب روح میں بیان کرتا ہو کہ مغرب سے اطلاع ملی ہو کہ اقصائے شمال کی ایک فوج نے رومہ نام کسی یونانی شہر کو، جو بڑے سمندر کے ساحل پر کہیں واقع ہو، تسخیر کر لیا ہو۔ لیکن مجھے ہرکلی ڈس جیسے بلند پرواز اور افسانہ پسند مصنف سے یہ امر بعید نہیں معلوم ہوتا کہ اس نے اصل واقعے پر، اقصائے شمال اور بڑے سمندر کے فقرے خود اپنی طرف سے تزئین کے لیے اضافہ کر دیے ہوں۔ بہ احوال ظاہر متقدمین اہل یونان میں حکیم ارسطو

نے رومہ کی تسخیر کا حال سب سے زیادہ صحیح سنا تھا۔ لیکن غالون کے پنجے سے اُسے رہائی دلانے والے کا نام ارسطو نے بھی غلطی سے لوسیس لکھا ہی حالانکہ کامی لس کے نام کا جزو اول لوسیس نہ تھا مرقس تھا۔ مگر اب ہم ان قیاسی باتوں کو چھوڑ کر نفس واقعہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں :-

برنوس نے شہر پر قبضہ کرتے ہی ایک مضبوط دستہ قلعے کے گرد متعین کیا اور خود ایوان عام میں گیا جہاں دومۃ الکبریٰ کے سن رسیدہ بزرگ تہذیب و ترتیب کے ساتھ خاموش بیٹھے تھے۔ اور یہ دیکھ کر کہ نہ اس کے آنے پر انھوں نے تعظیم دی نہ ان کے چہرے کا رنگ بدلا بلکہ جس طرح بے خوفی اور شان استغنا سے وہ اپنے عصوں پر جھکے ہوئے تھے اسی طرح ساکت بیٹھے ہوئے آپس میں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ برنوس حیران و ششدر رہ گیا۔ اس کے اور ساتھی بھی دیر تک اس حیرت انگیز منظر کو مبہوت کھڑے دیکھتے رہے۔ انھیں جرات نہ ہوتی تھی کہ ان میں سے کسی کے پاس جائیں یا ہاتھ لگائیں کہ انھیں وہ جلسہ انسان سے برتر ہستیوں کا مجمع معلوم ہوتا تھا۔ لیکن آخر ایک شخص جو اوروں سے زیادہ جری تھا آگے بڑھا اور مرقس پپیریس کے قریب آ کے اپنا ہاتھ بڑھایا اور ٹھوڑی کو آہستہ سے چھو کر اس کی لمبی ڈاڑھی کو جنبش دی۔ اس پر پپیریس نے زور سے عصا اس کے سر پہ مارا جس کے جواب میں وحشی غال نے تلوار سونت کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ قتل و خوں ریزی کا گویا آغاز تھا کیوں کہ اس کی تقلید میں دوسرے بلیچھوں نے بھی تلواریں

کھینچ لیں اور نہ صرف ان رومی بزرگوں کو بلکہ ہر ایک کو جو انھیں ملا قتل کرڈالا - پھر ایک ایک گھر کو لوٹنا اور غارت کرنا شروع کیا اور کئی دن تک اس مشغلے میں لگے رہے - بعد میں جب قلعے کے لوگوں نے ان کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کیا اور جتنے حملے ان کے استحکامات پر کیے گئے انھیں نقصان کے ساتھ رد کردیا تو غالوں کے غصے کی انتہا نہ رہی انھوں نے سارے شہر کو تباہ کرنے کی ٹھان لی - وہ مکانات کو جلا جلا کے مسمار کرنے لگے اور بوڑھا بچہ عورت مرد جو ان کے ہاتھ پڑا اسے مار ڈالا -

قلعۂ رومہ (کیپی ٹال) کے محاصرے نے اتنا طول کھینچا کہ غالوں کو سامان خوراک کی کمی محسوس ہونے لگی - تب انھوں نے اپنی فوج کے دو حصے کیے جس میں سے ایک تو بادشاہ کے ساتھ محاصرے میں رہا - اور دوسرا دیہات کو تاراج کرنے باہر نکلا اور جو قصبہ یا گانو اسے ملا، لوٹ لیا - اس فوج کے بھی الگ الگ دستے تھے اور ان کو کامیابیوں نے اب ایسا بے پروا بنا دیا تھا کہ ان کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بھی ادھر ادھر جہاں چاہتیں بے خوف وخطر پڑی پھرتیں۔ مگر ان سب کی سب سے بڑی اور منتظم جمعیت وہ تھی جس نے شہر ارڈیہ کا رخ کیا، جہاں کامی لس رومہ چھوڑنے کے بعد سے آرہا تھا اور تمام سیاسی معاملات سے دست کش ہوکر خاموش زندگی گزار رہا تھا - لیکن ان واقعات نے اسے چونکا دیا اور دشمن کا ارڈیہ کی طرف آنا سن کر، بچنے اور لڑائی سے ٹل جانے کے بجائے اسے یہ فکر تھی کہ کوئی موقع ملے تو غالوں سے انتقام لے۔ اہل ارڈیہ، وہ جانتا تھا کہ تعداد میں کچھ

کم نہیں ہیں اور لڑنے سے ہچکچاتے ہیں تو اس کی وجہ محض اُن کے سرداروں کی ناتجربہ کاری اور پست ہمتی ہے۔ پس پہلے اس نے وہاں نوجوانوں سے سلسلہ جنبانی کی اور یہ امر اُن کے ذہن نشین کردیا کہ رومیوں کی پچھلی ہزیمت کا باعث غالوں کی شجاعت نہیں ہے اور نہ وہ نقصانات جو اہل روما کو محض اپنے حاکموں کی نالائقی سے برداشت کرنے پڑے، غالوں کی جنگی فوقیت کی دلیل ہیں، ان حادثات کو محض گردش تقدیر کا کرشمہ سمجھنا چاہیے۔ اور اگرچہ ان ملچھوں کو (جن کا مقصد، آگ کی طرح سوائے اس کے کچھ نہیں کہ جہاں جائیں تباہی اور بربادی پھیلادیں) نقصان اٹھاکے بھی اپنے ملک سے دفع کرنا عین شجاعت ہے تاہم میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ اگر اڈیہ کے لوگ ذرا بھی استقلال و ہمت سے کام لیں تو بغیر کسی جوکھوں کے فتح اُن کی ہے! کامی لس کی یہ باتیں سن کر نوجوان اس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے اور انھیں رضامند دیکھ کے وہ شہر کے حکام اور اہل مجلس کے پاس گیا اور جب انھوں نے بھی یہ تجویز مان لی تو اُس نے تمام قابلِ جنگ لوگوں کو مجتمع کیا۔ اور شہر پناہ کے اندر صف بندی کی تاکہ دشمن انھیں نہ دیکھ سکے۔ کیوں کہ اس وقت غال ساری نواح میں غارت گری کرنے کے بعد قریب ہی میدانوں میں خیمہ زن تھے۔ لوٹ کے مال سے ان کی گٹھڑیاں بھری ہوئی تھیں اور رات ہوگئی تو شراب خوری سے بدمست ہو ہو کے وہ نہایت بے پروائی کے ساتھ اِدھر اُدھر پڑے رہے تھے۔ کامی لس کے جاسوسوں نے یہ سب خبریں اس کو پہنچادیں اور یہ سُن کر کہ اب اُن کے لشکر میں بالکل سناٹا ہوگیا ہے، اس نے اپنی

فوج شہر کے باہر نکالی ۔ بیچ کا میدان خاموشی کے ساتھ طے کیا اور ٹھیک آدھی رات میں ، اُن کے پڑاؤ کی باڑوں پر پہنچ کر اُس نے اپنے لشکریوں کو قرنا بجانے اور خوب شور وغل کرنے کا حکم دیا ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں ہر طرف کمال دہشت اور سراسیمگی پھیل گئی ۔ اسی کے ساتھ شراب کے نشے نے بے قابو کر کے اور نیند نے سست بنا کے انھیں جلدی سے اٹھ بیٹھنے یا تیار ہو جانے کا موقع نہ دیا صرف چند آدمی جن کے نشے خوف نے ہرن کر دیے تھے کسی قدر ترتیب سے کچھ دیر مدافعت کر سکے اور اسلحہ بدست مرے ورنہ تعداد کثیر پر کہ پہلے ہی خواب وشراب کی بدولت نیم مردہ ہو رہی تھی بے خبری میں حملہ ہوا اور وہ بے ہتھیار اٹھائے قتل کر دیے گئے ۔ رات کی تاریکی نے جن کو بچا دیا تھا اور پڑاؤ سے زندہ نکل گئے تھے صبح ہوتے ہی وہ بھی اِدھر اُدھر کھیتوں میں بھٹکتے ہوئے پائے گئے اور تعاقب کرنے والے سواروں نے انھیں بآسانی گرفتار کر لیا ۔

اس شب خون کی شہرت بہت جلد قرب وجوار میں پھیل گئی اور جگہ جگہ نوجوانوں کے دل میں کامی لس کے زیر علم ہو کر لڑنے کا جوش پیدا ہو گیا ۔ مگر اس کا سب سے زیادہ اثر ان رومیوں پر ہوا جو جنگ ایلیا سے جان بچا کے شہر وی آئی میں آ رہے تھے اور وہ کف افسوس مل مل کے کہنے لگے کہ اے خدا یہ کیسی بدقسمتی ہے کہ ایسا بے عدیل سپہ سالار رومہ سے چھین کر ارڈیہ کو دے دیا جائے کہ اپنے کارناموں سے اس کی عزت دو بالا کرے بجالیکہ وہ شہر جس نے اس نام ور شخص کو جنا اور پرورش کیا دشمنوں کے قبضے میں جا چکا ہو اور مٹ گیا ہو اور ہم بغیر کسی سردار کے اجنبی فصیلوں میں بند ، ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیکار بیٹھے ہوں ،

اور اطالیہ ہماری آنکھوں کے سامنے تاراج و برباد ہو رہی ہو! پھر وہ آپس میں کہنے لگے کہ "جب وہ وطن اور شہر ہی دشمن کے قبضے میں چلا گیا تو نہ ہم وہاں کے شہری رہے نہ کامی لس جلا وطن رہا، پس آؤ اڈیہ والوں کے پاس پیغام بھیجیں کہ وہ ہمارے سپہ سالار کو ہمیں واپس دے دیں اور اگر یہ نہ ہو تو پھر ہم خود ہتھیار لے کے اس کے پاس پہنچ جائیں"

اس تجویز کو سب نے پسند کیا اور کامی لس کو سپہ سالاری کرنے کے واسطے بلوایا لیکن کامی لس نے جواب دیا کہ "میں اس وقت یہ منصب قبول نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ لوگ جو ہنوز قلعۂ روما میں موجود ہیں، مجھے باضابطہ نہ مقرر کر دیں۔ کیوں کہ جب تک وہ لوگ زندہ ہیں میں اُن کو اپنا مالک سمجھتا ہوں اور جو وہ حکم دیں اس کی تعمیل کو جان و دل سے حاضر ہوں، لیکن بے ان کی رضامندی کے میں کسی کام میں دخل نہ دوں گا"۔

رومی مفرورین کو یہ جواب پہنچا تو انھوں نے کامی لس کی منکسر مزاجی کو بہت سراہا مگر وہ حیران تھے کہ قلعے والوں کو یہ اطلاع کیوں کر پہنچائیں۔ دشمن کا شہر پہ کامل قبضہ تھا اور ایسی حالت میں قلعے کی بیرونی دیواروں تک پہنچنا بھی محال نظر آتا تھا۔ اس عالم تردد میں پونٹس کومی نیس نے ان کی دست گیری کی اور قلعے میں جانے کا بیڑا اٹھایا۔ یہ بخوشی جوکھوں میں پڑنے والا نوجوان روما کے کسی ممتاز خاندان سے تعلق نہ رکھتا تھا مگر نام وری حاصل کرنے کی اُسے بڑی تمنا تھی اور اب بغیر کوئی خط یا تحریر لیے وہ قلعے میں جانے پر آمادہ ہو گیا تاکہ گرفتار ہو جانے کی صورت میں بھی کامی لس کی تجویز کا حال دشمن پر منکشف نہ ہو۔

پھر اس نے غریبانہ کپڑے پہنے، اُن کے نیچے کچھ کارک رکھا اور کمال دلیری سے روزِ روشن ہی میں روانہ ہوگیا۔ شام ہوتے وہ دومہ پہنچا مگر پل پر دشمن کا پہرہ تھا اس لیے وہاں سے گزرنا محال تھا، پس کومی نس نے اپنے کپڑے اتارے، وہ نہ تعداد میں زیادہ تھے نہ وزن میں بھاری۔ انھیں اپنے سر پر باندھا اور کاک کو پھیلا کے بدن کے نیچے رکھا اور اس کی مدد سے شہر کی خندق کو تیر کے پار اُتر گیا۔ پھر اُن مقامات سے بچتا بچاتا، جہاں دشمن کے سپاہی جاگ رہے تھے (اور اس کا اندازہ روشنی یا ان کی آوازوں سے ہوسکتا تھا) وہ کارمنٹل دروازے تک چلا آیا۔ یہاں سب سے زیادہ خاموشی چھائی ہوئی تھی اور یہیں قلعے کی پہاڑی بالکل سیدھی اٹھی چلی گئی تھی اور اس کی ناہموار چٹانیں جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی اور دندانہ دار تھیں۔ انھیں دندانوں کے سہارے بہ ہزار دقّت و خرابی، کومی نس اوپر چڑھا اور قلعے کے چوکیداروں کے سامنے جا کے سلام کیا اور اپنا نام بتایا۔ اس پر وہ اندر لے لیا گیا اور افسروں کے سامنے پیش ہوا۔ اسی وقت مجلس منعقد کی گئی۔ اور کومی نس نے اُنھیں سرے سے کامی لس کی کوششوں اور فتح کا حال سنایا جس کی یہاں والوں کو کوئی خبر نہ ملی تھی پھر اُس نے رومی مفرورین کی استدعا سے انھیں مطلع کیا اور التجا کی کہ کامی لس کو سپہ سالار مقرر کردیا جائے کیوں کہ صرف وہی ایسا شخص ہے جس پر باہر والے رومی پورا اعتماد کرسکتے ہیں۔ ان تمام باتوں کو اہل مجلس نے سُنا اور پھر غور و مشورہ کے بعد بہ اتفاق کامی لس کو آمر مقرر کرنے کا اعلان کیا اور کومی نس کو اُسی راستے جس سے وہ آیا تھا، واپس بھیج دیا۔ وہ پھر اُسی کامیابی کے ساتھ، دشمن کے ہاتھ پڑے بغیر، شہر سے بخیر نکل گیا اور وی آئی پہنچ کر رومیوں کو مجلس کے فیصلے سے

اطلاع دی جسے انھوں نے کمال مسرت و شادمانی کے ساتھ سنا۔ کامی لس کو اسی وقت یہ خبر پہنچا دی گئی اور اُسے وی آئی آنے پر بیس ہزار مسلح سپاہی تیار ملے اور اب، اس فوج میں اپنے دوسرے رفقا کو شامل کر کے وہ غالوں پر حملہ کرنے کا سامان کرنے لگا۔

اس اثنا میں یہ تازہ واقعہ دومہ میں اور پیش آیا کہ کچھ ملیچھ اتفاقاً ادھر سے گزرے جہاں سے کومی نس رات کے وقت قلعے پر چڑھا تھا۔ اور ان کی نظر اُن نشانات پر پڑی جو کومی نس کے چڑھتے میں اس کے قدموں سے پڑ گئے تھے۔ کسی کسی جگہ وہ پودے جو چٹان میں سے اُگ آئے تھے کئے دلے معلوم ہوتے تھے اور مٹی بھی کھُرچی ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر وہ فوراً اپنے بادشاہ کے پاس گئے اور اس واقعے کی اطلاع دی۔ سنتے ہی برنوس بہ ذات خود وہاں آیا اور نشانات کو دیکھ کر اس وقت تو کچھ نہ بولا لیکن شام کو اُس نے اپنے چند سپاہیوں کو منتخب کیا جو کوہستان کے رہنے والے پہاڑوں پر چڑھنے کے عادی اور بدن کے نہایت پھرتیلے تھے اور اُن سے کہا کہ "دیکھو دشمن نے خود ہمیں حملے کا راستہ بتا دیا ہو جس سے پہلے ہم ناواقف تھے، اور یہ سبق دے دیا ہو کہ یہ کام نہ ایسا دشوار ہو نہ محال کہ آدمی اس پر قادر نہ آسکے۔ فی الحقیقت ہمارے لیے بڑی شرم کی بات ہوگی اگر ایسے اچھے آغاز کے بعد آخر میں ناکام رہ جائیں اور اس مقام کو ناقابل تسخیر سمجھ کے چھوڑ دیں جسے دشمن خود دکھا رہا ہو کہ کیوں کر فتح کیا جا سکتا ہو۔ اگر ایک آدمی بہ آسانی اوپر چڑھ سکتا ہو تو زیادہ تعداد کے واسطے چڑھ جانا یقیناً دشوار نہ ہوگا بلکہ وہ باہم ایک دوسرے کو بڑا سہارا اور تقویت پہنچائیں گے۔ اب تم میں سے ہر شخص کو جو اس

کام میں حصہ لے۔ اسے میں بڑے سے بڑا انعام و اعزاز دینے کا وعدہ کرتا ہوں"

برنوس تقریر کر چکا تو اس کے سپاہی آگے بڑھے اور انھوں نے خوشی خوشی اس کام کا بیڑا اٹھایا اور ٹھیک آدھی رات کو ان کی ایک جماعت نے پہاڑی پر چڑھائی شروع کی اور نہایت خاموشی اور احتیاط سے اسی خوفناک ڈھلان کو اپنا راستہ بنایا جس پر سے کومی نس چڑھا اترا تھا - اور تھوڑی دیر میں انھیں معلوم ہوگیا کہ وہاں خود بہ خود چڑھائی کی گنجایش ملتی چلی جاتی ہے اور ان قدرتی کھنڈوں کے باعث در اصل وہ مقام اتنا دشوار گزار نہیں جتنا کہ وہ سمجھ رہے تھے۔ غرض اسی طرح ان کے اگلے آدمی چوٹی پر پہنچ گئے تو انھوں نے باقاعدہ صف کی صورت میں بیرونی استحکامات پر حملہ کیا اور چوکی داروں کو آسانی سے مغلوب کرلیا جو کہ بے خبر پڑے سو رہے تھے، کیوں کہ غالوں کی آمد ایسے اخفا کے ساتھ ہوئی تھی کہ نہ انھیں کسی آدمی نے آتے دیکھا تھا نہ کسی کتے نے لیکن جونو کے مندر کے پاس ہی بطخیں پلی ہوئی تھیں جنھیں حالت امن میں تو بہت کچھ کھلایا پلایا جاتا تھا لیکن آج کل غلہ اور سامان خوراک میں کمی پڑ جانے کی وجہ سے ان کی حالت سقیم ہو رہی تھی۔ چونکہ یہ جانور بالطبع زود حس ہے اور ذرا سی آہٹ سے ہوشیار ہو جاتا ہے، اور ان دنوں بھوک کی وجہ سے وہ اور زیادہ بے چین اور چوکنی رہتی تھیں، لہٰذا انھوں نے اسی وقت غالوں کا آنا معلوم کرلیا اور ادھر سے ادھر دوڑ دوڑ کے اپنی قل قل قل قل کی آوازوں سے سارا قلعہ سر پہ اٹھا لیا۔ ادھر غالوں نے یہ سمجھ کر کہ لوگوں نے ہمیں دیکھ لیا ہوگا۔ اب اپنے تئیں چھپانے کی کوشش چھوڑ دی اور نعرے لگاتے ہوئے زور شور سے آگے بڑھے۔ اس وقت

رومیوں میں سے بھی ہر شخص نے جلدی میں جو ہتیار ہاتھ پڑا، اٹھالیا اور مدافعت کے لیے دوڑ پڑا۔ سب سے اوّل حملہ آوروں کے مقابلے میں مان لیس پہنچا۔ وہ قنصلی مرتبے کا نہایت قوی الجسم اور دلیر آدمی تھا اور آتے ہی اُس نے دو غالوں پر حملہ کیا اور پہلے کا، جو تلوار علم کر کے وار کیا ہی چاہتا تھا، اس نے دہنا ہاتھ اڑا دیا پھر اسی کرچ کی نوک دوسرے کے منہ میں بھونک دی، اور اسے ڈھکیل کے بلند پہاڑی پر سے نیچے لڑھکا دیا۔ اس کے بعد مان لیس گڑھگج پر چڑھ گیا اور دوسرے لوگوں کی مدد سے جو دوڑ دوڑ کے آپہنچے تھے اُس نے باقی ماندہ حملہ آوروں کو پسپا کر دیا جن کی، اوّل تو، جمعیت کچھ زیادہ نہ تھی اور دوسرے انھوں نے اس دلیرانہ جسارت کے مناسب بہادری بھی نہ دکھلائی غرض روما خطرۂ مذکور سے بچ گئے اور صبح ہوتے ہی انھوں نے چوکی داروں کے سردار کو سزائے موت دی یعنی قلعے کی بلندی سے اُسے اپنے دشمنوں کے اوپر پھنکوا دیا۔ اور مان لیس کو فتح کے صلے میں یہ انعام دینا تجویز کیا کہ ہر شخص نے اپنی ایک ایک دن کی خوراک اُسے لادی۔ اُن دنوں اُنھیں روزانہ خوراک میں پاؤ بھر روٹی اور تھوڑی سی شراب ملا کرتی تھی، لہذا یہ انعام کچھ مالی نفع کے واسطے نہ تھا بلکہ محض مان لیس کے اظہار اعزاز کے لیے۔

اس کے بعد سے غالوں کی حالت میں روز بروز بدتری آتی گئی۔ ان کے پاس رسد کم ہوگئی، ہزاروں لاشوں کے غیر مدفون پڑے رہنے کی وجہ سے ان کے آدمیوں میں وبا پھوٹ پڑی تھی اور یوں بھی جن کھنڈروں میں اور جلے ہوئے مکانات کے قرب میں وہ رہتے تھے وہاں کی خشک اور ناگوار ہوائیں سانس کے ساتھ پھیپھڑے میں گھستیں اور ان کی صحت پر بہت بُرا اثر ڈالتی تھیں۔ لیکن فتور صحت کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ وہ سایہ دار

پہاڑیوں کے رہنے والے تھے جہاں گرمی کے بہت بچاؤ ہوتے ہیں، حالانکہ یہاں وہ نشیبی زمینوں میں رہنے پر مجبور تھے جن کی آب و ہوا گرمی کے موسم میں نہایت خراب تھی اور طرّہ ان سب باتوں پر یہ تھا کہ محاصرے کی طوالت انھیں بالکل مضمحل کیے دیتی تھی کیونکہ قلعے کے سامنے پڑے پڑے اب انھیں پورے سات مہینے گزر گئے تھے۔ غرض ان کے آدمی بہ کثرت مرنے شروع ہوئے اور آخر میں یہ نوبت پہنچی کہ زندوں نے اپنے مردے دفن کرنے چھوڑ دیے، لیکن واضح رہے کہ اس محاصرے کی طوالت کے باعث محصورین کی حالت بھی ناگفتنی ہو گئی تھی۔ اجناس کا ان کے ہاں روز بہ روز قحط بڑھ رہا تھا اور باہر کی کوئی خبر نہ ملنے کی وجہ سے وہ کامی لس کی متوقع امداد سے مایوس ہوتے جاتے تھے اور شہر پر غالوں نے پہرے ایسے قائم کر دیے تھے کہ اب قلعے سے کسی کو کامی لس کے پاس بھیجنا بھی محال تھا، دونوں طرف ایسی نازک حالت ہو جانے پر، فریقین میں صلح کی کچھ سلسلہ جنبانی شروع ہوئی اور اس کا آغاز ان بیرونی چوکیوں سے ہوا جن کے پہرہ دار آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کر سکتے تھے۔ طرفین کے بڑے بڑے سرداروں نے جب اس تحریک کو پسند کر لیا تو اس کے بعد رومی ٹری بیون، سل پی سیس نے دورے سے کھڑے ہو کے برنوس کے ساتھ باضابطہ گفتگو کی اور اس میں یہ طے پایا کہ رومی ایک ہزار پاؤنڈ[1] سونا تاوان میں ادا کریں، جس کے لیتے ہی غال بلا تاخیر رومی علاقے کو خالی کر دیں گے۔ پھر فریقین نے بروے حلف اس قرار داد کی پختگی کی اور رومی، سونا

[1] غالباً انگریزی مترجم اصل لفظ کو نہیں سمجھ سکا اور اس نے ایک عام لفظ (Weight.) باریا بوجھے کے معنی میں لکھ دیا۔ مترجم

تولنے کے لیے لائے۔ لیکن تولتے میں غالوں نے بددیانتی کرنی شروع کی اور اوّل چھپے چوری بعدازاں علانیہ، ترازو کے پلڑے جھکا کے توازن بگاڑنے لگے۔ جب رومیوں نے ناراض ہوکر اس حرکت کا شکوہ کیا تو برنوس نے تضحیک آمیز حقارت کے ساتھ اپنی تلوار اور پیٹی کمر سے کھول کے پلڑے میں ڈال دی اور جب سل پی سیس نے دریافت کیا کہ اس کے کیا معنی ہیں؟ تو کہنے لگا "اس کے معنی ہیں کمزور کی موت!" جو بعد میں ضرب المثل کے طور پر استعمال ہونے لگا اس واقعے نے بعض رومیوں کو ایسا برآشفتہ کیا کہ وہ اپنا سونا واپس لے جانے اور محاصرہ برداشت کرنے پر آمادہ ہو گئے لیکن دوسروں نے اس معمولی نقصان کو گوارا کرلینا ہی مناسب سمجھا۔ وہ اس کو بڑی توہین نہ تصور کرتے تھے کہ جتنا ٹھیرا تھا اس سے زیادہ سونا دینا پڑے کیوں کہ خود تاوان کا ادا کرنا ہی ایک ذلّت تھا جو مجبوریوں کی وجہ سے انھیں اٹھانی پڑی تھی۔

عین اس وقت کہ غالوں کے ساتھ اور خود آپس میں وہ اس معاملے پر بحث کر رہے تھے اور کوئی تصفیہ نہ ہوا تھا، کامی لس اپنی فوج سمیت دروازۂ شہر پر آپہنچا اور جب اُسے اس مصالحت اور لین دین کا حال معلوم ہوا تو فوج کے بڑے حصّے کو تو اس نے ترتیب کے ساتھ پیچھے آنے کا حکم دیا اور خود چیدہ سپاہیوں کی ایک جمعیت لے کے بہ تعجیل وہاں آیا جہاں رومی تھے اور جہاں اُن سب نے حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے اس کی تعظیم کی اور خاموشی اور ادب کے ساتھ ایک طرف ہٹ ہٹ کے کھڑے ہو گئے۔ اس نے آتے ہی ترازو کے پلڑوں میں سے سونا نکال کے

اپنے افسروں کے حوالے کیا اور غالوں کو حکم دیا کہ اپنی ترازو اور باٹ لے کے فوراً رخصت ہو جائیں، کیوں کہ وہ کہنے لگا "رومیوں کا دستور ہے کہ وہ اپنے ملک کو لوہے کے وسیلے سے مخلصی دلاتے ہیں نہ کہ سونے سے!" پھر جب برنوس نے بگڑنا شروع کیا کہ یہ عہد شکنی دیانت کے خلاف ہے تو کامی لس نے جواب دیا کہ یہ قرار داد ہی قانونی نہیں ہے اور محض آپس کی رضامندی سے کر لی گئی تھی نہ کہ مجبوری سے اور اس کے خلاف قانون ہونے کی دلیل یہ ہے کہ میں جو باضابطہ حاکم بنایا گیا ہوں شریک معاہدہ نہ تھا اور بغیر میرے جن لوگوں نے معاہدہ کیا وہ قانوناً اس کا کوئی اختیار نہ رکھتے تھے۔ البتہ اب میرے سامنے جو کچھ آپ کو (یعنی غالوں کو) کہنا ہو وہ کہیں، میں پورے اختیارات کے ساتھ آگیا ہوں کہ جو معافی مانگیں انھیں معافی دوں اور جو خطاکار ایسا نہ کریں انھیں سزا دوں۔

ان باتوں نے برنوس کو بہت غضب ناک کیا اور ان میں سخت تنازعہ پیدا ہو گیا۔ طرفین سے تلواریں کھنچ گئیں اور وہ ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے اگرچہ نہایت بے ترتیبی کے ساتھ، کیوں کہ ایسی تنگ گلیوں میں مکانات کے درمیان جہاں باقاعدہ لڑائی ناممکن ہو بدنظمی اور گڑبڑ کے سوا ہو ہی کیا سکتا تھا؟ لیکن فوراً ہی برنوس نے اپنے تئیں قابو میں کیا اور غالوں کو جن میں سے چند ضائع ہوئے تھے پکار پکار کے اپنے ہمراہ خیمہ گاہ میں لے آیا اور رات کے وقت تمام اہل لشکر سمیت شہر سے نکل گیا اور آٹھ میل کے فاصلے سے گیبی کی سڑک پر خیمے ڈالے صبح ہوتے ہی کامی لس بھی شان و شوکت کے ساتھ فوج لے کے جو ہمت و جوش سے بھری ہوئی تھی، اسی مقام

پر آپہنچا اور ایک تیز وتند لڑائی میں کہ خاصی دیر تک ہوتی رہی دشمن کو شکست فاش دی اور ان کے ہزاروں آدمی قتل کرنے کے علاوہ خیمہ گاہ کو بھی چھین لیا۔ جو لوگ بچ کر بھاگے ان میں سے کچھ تو تعاقب کرنے والوں کے ہاتھ سے مارے گئے اور بہت سے اِدھر اُدھر تتر بتر ہو گئے جنھیں اہل دیہات نے ہر طرف سے نکل نکل کے کاٹ ڈالا۔

اس طرح روما نے کسی قدر عجیب طور پر مفتوح ہو کر اسی طرح عجیب طور پر دشمنوں سے رستگاری پائی۔ جولائی کی ماوس (یعنی پندرھویں) کے کچھ دن بعد، وہ وہاں سے نکالے گئے اور کہنا چاہیے کہ شہر نے دوبارہ زندگی پائی۔ اس احیائے وطن کے صلے میں کامی لس کا شان دار جلوس فتح نکلا، جس کا وہ فی الحقیقت مستحق تھا، اور جب وہ گھوڑے پر سوار شہر میں داخل ہوا تو سینکڑوں مفرورین اپنے بال بچوں سمیت اس کے جلو میں تھے اور اُدھر سے قلعے کے محصور (جو فاقہ کشی سے ہلاکت کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے) نکل نکل کے اس کے استقبال کو آرہے تھے اور آپس میں ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو ہو کر خوشی کا رونا رو تے تھے اور فرطِ مسرت سے ان تازہ اندوہ کشتوں کو اعتبار نہ آتا تھا کہ فی الحقیقت جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں وہ سچ ہے۔ پھر اُن کے پروہتوں اور پجاریوں نے آن آن کے وہ تبرکات نکالے، جنھیں بھاگتے وقت دفن کر گئے تھے یا اپنے ساتھ لے گئے تھے، اور کھول کھول کے محفوظ حالت میں دکھایا تو اُس وقت جن لوگوں نے یہ مبارک منظر دیکھا اُن کے دل جوشِ مسرت و عقیدت سے ایسے بے تاب ہو گئے کہ گویا ان تبرکات کے ساتھ خود دیوتا روما میں واپس لوٹ آئے ہیں بعد ازاں کامی لس نے دیوتاؤں پر قربانیاں چڑھائیں اور شہر کو علما کی ہدایت کے موافق پاک

کرکے پہلے مندر از سرنو قائم کیے اور اس مقام کو ڈھونڈھ کر جہاں اوّل مرتبہ مرقس ستدیقیس نے بچھوں کے آنے کی پیش گوئی ہاتف غیب سے سُنی تھی، اُس نے ایک نیا مندر آواز غیب کے نام سے تعمیر کیا۔

بے شبہ کھنڈروں میں اور خاک تودوں کے ڈھیر میں تمام مقدّس معابد کے مقامات ڈھونڈ نکالنا نہایت دشوار کام تھا لیکن کامی لس کی پرجوش سرگرمی اور پجاریوں کی لگاتار محنت سے آخرکار اس میں خاطرخواہ کامیابی ہوگئی۔ اس کے بعد شہر کی از سرنو تعمیر کا مسئلہ پیش آیا اور چونکہ وہ قریب قریب بالکل منہدم اور خراب ہوگیا تھا اور اس کی نئی تعمیر کے لیے مسالا جمع کرنا کمال دقت طلب نظر آتا تھا، لہذا شہریوں کی ہمتیں پست ہوگئیں۔ کیوں کہ اس قدر مصائب و آلام اٹھانے کے بعد ان کو قدرتی طور پر آرام لینے کی خواہش تھی اور ایسی خستہ حالی اور تہی دستی میں تعمیر کی مشقتیں اٹھانے سے وہ گریز کرتے تھے اور ان کے دلوں میں ردمہ کو چھوڑ کے شہر دی آئی چلے جانے کا خیال پھر عود کر آیا تھا، جہاں ہر قسم کا سامان زیست بافراط موجود تھا اور جہاں کسی مکان یا عمارت بنانے کی انھیں ضرورت نہ پڑسکتی تھی۔ خود غرض خوشامدیوں نے بھی ان کے اس خیال کو تقویت دی اور اسی ضمن میں اُن معاندانہ شبہات پر بھی پھر وہ کان ٹکانے لگے جو کامی لس کے خلاف اس کے دشمن پیدا کرتے تھے۔ مثلاً اس بات پر کہ کامی لس خود غرض ہو اور ایک بنے بنائے شہر میں جانے سے محض اپنی ذاتی نمود کے لیے انھیں روکتا ہو اور مجبور کرتا ہو کہ وہ اسی منہدم شہر کو جسے غالوں نے جلاکر خاک کا ڈھیر کر دیا ہو نئے سرے سے تعمیر کرے تاکہ اس کی نام وری ہو اور وہ نہ صرف

ایک سپہ سالار یا حاکم بلکہ رومیولس کی جگہ رومہ کا بانی بھی سمجھا جائے۔
مجلس نے یہ چرچے سنے تو بدامنی کا خوف ہوا اور اس کے ارکان نے
کامی لس کو عہدۂ آمری سے ایک سال تک دست کش نہ ہونے دیا
حالانکہ نہ تو پہلے کبھی یہ عہدہ چھ مہینے سے زیادہ کسی کے پاس رہا تھا
اور نہ خود کامی لس اپنی میعاد بڑھانے کا خواہاں تھا، ساتھ ہی انھوں
نے عوام الناس کی دلیری اور ہمت افزائی میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا،
اور طرح طرح سے انھیں رومہ کو دوبارہ بسانے کی ترغیبیں دیں مثلاً
کبھی ان کے بزرگوں کے مقابر اور درگاہوں کا واسطہ دیا کبھی ان مقدس
معابد کو یاد دلایا جن کی نگرانی رومیولس، نیوما اور شاہانِ قدیم نے اُن
کے سپرد کی تھی اور دلائل مذہبی میں سب سے بڑھ کر اس بُریدہ سر کی
دلیل پیش کی جو قلعۂ شہر کی بنیاد ڈالتے وقت پایا گیا تھا اور جو ایک ربانی
اشارہ تھا اس امر پر کہ یہی قلعۂ رومہ سارے ملک اطالیہ کا سر
یعنی سردار ہوگا۔ پھر انھوں نے وہ مقدس آگ جسے لڑائی کے بعد دوبارہ
مرلیوں نے روشن کیا تھا یاد دلائی اور جتایا کہ اب اس شہر کو چھوڑنا اور
یہاں کی آگ کو بجھنے دینا بڑی شرم کی بات ہوگی خصوصاً اس طرح پر کہ
ہم لوگ کہیں اور اٹھ جائیں اور اس مقام پر اجنبی آن بسیں یا ویران ہوتے
ہوتے وہ مویشیوں کی چراگاہ کا میدان بن جائے" اس قسم کی حجتیں
تھیں جو رومہ کے مقتدر باشندے کبھی ناصحانہ پیرائے میں، کبھی بگڑ بگڑ
کے اور کبھی عاجزی کے ساتھ اپنے ہم وطنوں کے سامنے پیش کرتے اور
کیا گھر میں اور کیا باہر جلسوں میں ہر جگہ انھیں دہراتے تھے۔ اُدھر سے
جواب میں اہل شہر اپنی بے کسی اور درماندگی کی فریاد بلند کرتے ، اور

ملتجی ہوتے کہ ہمیں، جو شکستہ جہاز کے مسافروں کی طرح پہلے ہی، مبتلائے آلام و پریشانی ہیں، ایک تاراج و برباد شہر کی پُرمشقت مرمت پر مجبور نہ کرو خصوصاً اس حالت میں کہ ایک پہلے سے بنا ہوا شہر آباد ہونے کے لیے موجود اور ہمارے سامنے ہے۔

انھیں اختلافات کے خیال سے کامی لس نے اس مسئلے کو جلسۂ عام میں پیش کرنا مناسب سمجھا اور خود اس میں ایک طویل تقریر کی اور نہ صرف اپنے وطن بلکہ بہت سے اہلِ وطن کی مخلصانہ وکالت و نیابت کا حق ادا کیا۔ اس کارروائی کے بعد آخر میں رائیں طلب کرنے کی نوبت آئی، اور لوسیس لشرنیشیس کی پکار ہوئی، جس کا نام سب سے اول تھا اور جس کے بعد کامی لس نے حکم دیا کہ، ہر شخص ترتیب سے اپنی اپنی رائے دے، جب خاموشی ہوگئی اور لوسیس نے سامنے آکے اپنا خیال بیان کرنا چاہا تو عین اسی وقت اتفاقاً ایک ایک صدی افسر ایوانِ جلسہ کے باہر برقن دازوں کی جمعیت لے کے گزرا اور علم بردار سے بہ آواز بلند کہنے لگا کہ "بس اسی مقام پر ٹھیر جاؤ اور اپنا جھنڈا گاڑ دو یہی جائے سب سے اچھی ہے!" اس برمحل آواز کا، اس تذبذب و انتشار کے عالم میں بہت اثر ہوا اور سب نے اسے مشورۂ غیبی تصور کیا اور لوسیس نے عقیدت مندانہ شان سے، بقول خود، دیوتاؤں کے حسب ایما فیصلہ دیا (یعنی دومہ ہی میں رہ جانے کی رائے دی) اور اسی کی اوروں نے تقلید کی۔ اس فال گوش نے عوام الناس کے خیالات میں بھی حیرت انگیز تبدیلی پیدا کردی۔ وہ ایک دوسرے کو حوصلہ دلانے لگے اور پوری سرگرمی سے کام پر لگ گئے۔ لیکن اس گرم جوشی میں انھوں نے گلی کوچوں کی

ترتیب و گنجایش کا مطلق خیال نہ رکھا اور ہر شخص نے جو جگہ ترتیب ہاتھ لگی یا پسند آئی وہیں مکان بنالیا اور چوں کہ مشہور ہے کہ پورا شہر ذاتی جائداد اور سرکاری فیصلوں سمیت ایک سال کے اندر اندر انھوں نے از سرنو تعمیر کرلیا تھا، لہٰذا اس جلدبازی کی وجہ سے گلیاں اور مکانات بہت تنگ، اور بے ڈھنگے رہ گئے۔ اس بدنظمی کی حالت میں بھی کامی لس کے مقرر کردہ لوگ مقدس مقامات کی سراغ رسانی میں مصروف تھے اور جب پلاٹیم کے گرد پھر کر انھیں مریخ دیوتا کے دیول کا پتا چل گیا تو ہرچند وہ غالوں کی تاراجی اور آتش زنی سے محفوظ نہ رہا تھا پھر بھی اس جگہ کو صاف کیا گیا اور آتش زدہ ملبا ہٹ گیا تو راکھ کے ڈھیر میں رومیولس کے فال دیکھنے کا عصا دبا ہوا ملا۔ اس قسم کے عصے ایک سرے پر سے مڑے ہوئے اور لی ٹوس کے نام سے موسوم ہوتے ہیں اور پرندوں کی اڑان سے جب فال دیکھی جاتی ہے تو بروج آسمانی کی تقسیم انھی عصوں کے ذریعے کرتے ہیں۔ رومیولس جو فال کھولنے میں بڑا ماہر تھا، اسی عصے سے کام لیتا تھا، اور جب وہ دنیا سے غائب ہوا تو پجاریوں نے یہ عصا دیگر تبرکات کے مانند، لوگوں کی دسترس سے بچا کے، مریخ کے دیول میں رکھ دیا تھا۔ اب جو انھوں نے دیکھا کہ اور سب چیزیں جل جانے کے باوجود یہ عصا آگ سے محفوظ اور جوں کا توں سلامت رہا تو انھیں بڑی خوشی ہوئی اور وہ اُسے روما کی خوش بختی اور دوامی سلامتی کی فال سمجھے، لیکن رومیوں کو بہ مشکل اپنی مشقتوں سے مہلت ملی تھی کہ ایک نئی جنگ چھڑ گئی اور ایک طرف تو ایکوی، وال سکی اور لاطینی قوموں نے ان کے علاقوں پر حملہ کیا اور دوسری طرف تسکنوں نے ان کے حلیف شہر سٹریم

کو گھیر لیا ، ابتدا میں رومی فوجوں کی سرداری حکّام کے ہاتھ میں تھی لیکن وہ چاروں طرف سے ایسے محصور ہوئے کہ خود خیمہ گاہ کی حالت مخدوش ہوگئی اور انھیں روما سے فوری امداد مانگنی پڑی اس وقت پھر کامی لس تیسری مرتبہ آمر منتخب ہُوا اور تمام جنگی انتظامات اس کی ماتحتی میں دے دیے گئے۔

اس محاربے کے متعلق دو بیان ہیں - میں پہلے اس کو نقل کرتا ہوں جو زیادہ تر افسانے کی شان لیے ہو :-

کہتے ہیں کہ لاطینیوں نے (خواہ محض حیلے خواہ واقعی دونو قوموں کی قدیم رشتہ داری تازہ کرنے کے خیال سے) اہل روما سے چند آزاد لڑکیاں (شادی میں) دینے کی درخواست کی رومی لوگ کمال متردد ہوئے کہ اس پیغام کا کیا جواب دیں (کیوں کہ ابھی پچھلی مصیبت و پریشانی سے انھیں پوری طرح نجات نہ ملی تھی اور وہ اس حال میں لڑائی مول لیتے ڈرتے تھے اور دوسری طرف اُنھیں شبہ تھا کہ لاطینیوں کا یہ مطالبہ اتحاد اور قرابت قائم کرنے کی آڑ میں اُن کے یرغمال حاصل کرنے کی چال نہ ہو) اس وقت ایک جوان ملازمہ نے جس کا نام ٹوٹولا ، یا دوسرے قول کے مطابق ، فلوطیس تھا ، حکام شہر کو آمادہ کرلیا کہ اس کے ہمراہ چند اور قبول صورت ماماؤں کو شریف خواتین کا سا لباس عروسی پہنا کر دشمنوں کے پاس پہنچا دیا جائے اور باقی سب انتظام وہ اُس پر چھوڑ دیں حکّام نے یہ بات منظور کرلی اور جتنی عورتیں اس نے اپنے مطلب کے لیے ضروری بتائیں ، انھیں بیش قیمت لباس اور زیورات سے آراستہ کرکے لاطینیوں میں بھجوا دیا جو کہ شہر سے قریب ہی خیمہ زن تھے۔

جب رات ہوئی تو باقی عورتوں نے تو لاطینی سپاہیوں کی تلواریں چھپا
دیں اور خود ٹوٹولا یا فلوطیس ایک جنگلی انجیر پر چڑھ گئی اور وہاں
سے ایک موٹا اونی کپڑا لٹکا کر مشعل دکھائی جو اس میں اور رومی
سپہ سالاروں میں حملہ کرنے کی ایک علامت قرار پاگئی تھی۔ ان
سپہ سالاروں کے سوائے کسی شہری کو اس سازش کا علم نہ تھا اور
اسی لیے جب وہ شہر کے باہر نکلے تو ان میں کوئی ترتیب و باقاعدگی
نہ تھی اور وہ بڑی دھکا پیل کرتے اور اپنے اپنے ساتھیوں کو پکارتے
جارہے تھے۔ وہ دشمن کے پڑاؤ پر پہنچے تو یا اس کے سپاہی سوئے
پڑے تھے یا بے خبری کی وجہ سے کچھ نہ کر سکتے تھے چنانچہ رومیوں کا
بہ آسانی ان کے خیمہ گاہ پر قبضہ ہوگیا اور بہت کم لاطینی زندہ بچ کر
بھاگ سکے۔ یہ واقعہ جولائی کی نویں تاریخ کو گزرا ہو جو پہلے کوان ٹلس
کہلاتی تھی۔ بعد ازاں اسی دن ایک تہوار منایا جانے لگا جس میں مذکورہ
بالا واقعے کی نقل کی جاتی ہو اور اوّل اوّل ایک ہجوم شہر سے دوڑتا
ہوا نکلتا ہو اور لوگ آپس میں بعض عام اور مشہور نام مثلاً کے اس،
مرقس، لوسیس وغیرہ پکارتے جاتے ہیں۔ پھر کچھ چھوکریاں، اچھے
اچھے لباسوں میں، کھیلتی کودتی چہلیں کرتی آتی ہیں اور آپس میں یا
جو لوگ آتے ہیں ان کے ساتھ نقلی لڑائی بھی لڑتی ہیں یہ دکھانے کو
کہ انھوں نے بھی لاطینیوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا۔ اس
کے علاوہ جنگلی انجیر کی ٹہنیوں کے سایے میں اس روز سب لوگ بیٹھ
کے کھاتے پیتے اور وقت گزارتے ہیں اور تہوار کو بھی نونی کپ رونٹی
کہتے ہیں جس کی اصل رومی لفظ کپ ری نی کس (بمعنی جنگلی انجیر)

سے بتائی جاتی ہو کہ جنگلی انجیر پر ہی چڑھ کر فلوطیس نے مشعل دکھلائی تھی ۔ ایک اور روایت یہ ہو کہ اس میلے کی اکثر باتیں شاہ رومیولس کے غائب ہونے کی یادگار ہیں کیوں کہ اسی تاریخ وہ ناگہانی طوفان ، اور تاریکی میں (بعض لوگ اسے سورج گہن خیال کرتے ہیں) شہر کے باہر " بکریوں کی منڈی " نام مقام سے غائب ہوگیا تھا ، بکری کو لاطینی زبان میں کپرا کہتے ہیں اور اسی سے تہوار کا نام کپ رونٹی پڑا ، جیسا کہ رومیولس کی سوانح عمری میں ہم بیان کر آئے ہیں ۔

لیکن لاطینی لڑائی کے بارے میں اکثر مصنفین دوسرے بیان کو ترجیح دیتے ہیں جو حسب ذیل ہو :-

جب کامی لس سہ بارہ مختار السلطنت منتخب ہوا اور خبر ملی کہ رومی فوج کو والسکی اور لاطینی لشکروں نے گھیر لیا ہو تو وہ نہ صرف کم سنوں کو بلکہ معمروں کو جن کی عمر سن جنگ سے تجاوز کر چکی تھی ، فوج میں بھرتی کرنے پر مجبور ہوا ۔ پھر کوہ مرسیس کے گرد ایک لمبا چکر کاٹ کے دشمن کی پشت پر اپنے سپاہی لے آیا اور اس مقام سے بہت سے الاؤ جلا کے اپنے آپہنچنے کی اطلاع دی ۔ یہ دیکھ کے رومی محصورین کی ہمت بندھ گئی اور وہ اپنے پڑاؤ سے نکل کے حملے کی تیاریاں کرنے لگے ۔ لیکن فریق مقابل نے دونو طرف سے رومیوں کی زد میں آجانا مخدوش سمجھا اور اپنے تئیں ہٹاکر عارضی استحکامات میں محفوظ کر لیا اور پڑاؤ کے چاروں طرف درخت کاٹ کاٹ کے نہایت مضبوط حصار بنالیا اور ارادہ کیا کہ مزید کمک آنے تک اسی مقام میں رہ کر جنگ کرتے رہیں ، نیز انھیں اپنے حلیف ٹسکنوں سے بھی اعانت کی توقع تھی ۔ کامی لس ان

کا مطلب سمجھ گیا اور اس اندیشے سے کہ دشمن گھیرے میں آگئے
تھے کہیں خود اس کی فوج دونو جانب سے زد میں نہ آجائے اس
نے ارادہ کیا کہ جو کچھ کرنا ہو دشمن کی کمک آنے سے پہلے فوراً کرلے۔
ان کے پڑاؤ کی گڑھچ شہتیروں سے بنی ہوئی تھی اور یہ دیکھ کر کہ سورج
نکلتے ہی پہاڑوں کی طرف سے برابر ایک تیز ہوا چلتی رہتی ہو اس نے
ان کے پڑاؤ میں آگ لگا دینے کی تجویز سوچی اور بہت سی آتش گیر اشیا
فراہم کرنے کے بعد، علی الصباح ایک حصۂ فوج کو دوسری طرف
بھیج دیا اور حکم دیا کہ حملے کے وقت جس قدر ممکن ہو سپاہی شور وغل مچائیں
اور دشمن کو اپنی طرف متوجہ رکھیں۔ پھر اس جماعت کو، جس کے پاس آگ
لگانے کا سامان تھا، دوسری سمت سے آیا اور موقع کا انتظار کرنے لگا۔
سورج بلند ہوتے ہی حملہ شروع ہوا اور ساتھ ہی پہاڑوں کی طرف سے
ہوا کے جھکڑ چلے، اس وقت کامی لس نے اپنے دستے کو حملے کا اشارہ
کیا اور سپاہیوں نے بڑھ بڑھ کر اس کثرت سے جلتی ہوئی چیزیں اور
آگ پھینکی کہ اس جانب تمام گڑگچوں میں شعلے بھر گئے اور شہتیروں اور
لکڑی کے کٹہروں نے آگ لیتے ہی سارے پڑاؤ کو دائرۂ آتش بنا دیا،
پھر تو ہر سمت آگ ہی آگ پھیل گئی اور لاطینی، جو اس بلائے
ناگہانی کے لیے مطلق تیار نہ تھے اور نہ آگ بجھانے کا کوئی سامان
رکھتے تھے خود بخود گھر کر ایک چھوٹے سے حلقے میں جمع ہوگئے اور آخر کار
مجبور ہوکر دشمنوں کے مقابلے میں نکلے جو ہر طرف ان کے استقبال
کے واسطے تلواریں کھینچے تیار کھڑے تھے۔ ان مقابلہ کرنے والوں میں
سے بہت کم اشخاص بچ کے نکل سکے باقی جو پڑاؤ میں ٹھیرے رہے

وہ آگ کا شکار ہوئے جو اس وقت تک کہ خود رومیوں نے لوٹ مار کے خیال سے نہ بجھایا، فرو نہ ہوئی۔

اس کارروائی کے بعد کامی لس نے قیدیوں اور مال غنیمت کی نگرانی پر تو اپنے بیٹے لوسیس کو چھوڑا اور خود دشمن کے علاقے میں گھس کر شہر ایکوی کو تسخیر اور وال سکن قوم کے باقی ماندوں لوگوں کو اطاعت پر مجبور کیا پھر بہ تعجیل شہر سٹریم کی طرف مڑا کہ اپنے حلیفوں کو امداد پہنچائے اُسے یہ خبر نہ تھی کہ وہ شہر اُسی زمانے میں مسخر ہو چکا ہو اور وہ ان کا محاصرہ اٹھانے کے خیال سے تیزی کے ساتھ فوج کو لیے جا رہا تھا کہ راستے میں اہل سٹریم ملے جو اپنے شہر کو دشمن کے حوالے کر آئے تھے اور تن کے کپڑوں کے سوائے کوئی شے ان کے پاس فاتحین نے نہ چھوڑی تھی۔ وہ خانماں خراب اپنی بیوی بچّوں کو لیے، تقدیر کو روتے جا رہے تھے۔ اس کا کامی لس پر بڑا اثر پڑا اور جب اُس نے اپنے سپاہیوں کو بھی اُن سے گلے مل مل کے روتے دیکھا تو ارادہ کر لیا کہ جو کچھ ہو آج ہی سٹریم پہنچے گا اور اپنے بدنصیب حلیفوں کا انتقام لینے میں تاخیر کو راہ نہ دے گا۔ اس کے علاوہ یہ بھی اُسے امید تھی کہ دشمن کو اس موقع پر بالکل غافل اور عیش و آرام کرتا ہوا پائے گا کیوں کہ ابھی اُس نے اتنا بڑا دولت مند شہر حاصل کیا تھا اور اندر باہر اُسے کسی حریف کا خطرہ نہ تھا۔ چنانچہ یہ قیاس درست نکلا اور کامی لس نہ صرف مضافات کو بے خبر ہوئے طے کر آیا بلکہ بلا دقت شہر پناہ اور دروازوں پر قابض ہو گیا کہ ان پر کوئی محافظ اور نگرانی کرنے والا نہ تھا اور تمام ٹسکن سپاہی فتح مندی کی خوشی میں بے غل و غش اِدھر اُدھر مکانوں میں بیٹھے،

جشن اُڑا رہے تھے - یہی نہیں بلکہ جب انھیں علم ہوگیا کہ دشمن شہر پر قبضہ کر چکا ہے (تو انھوں نے اس قدر کھایا اور شرابیں پی تھیں) کہ صرف چند آدمی ایسے تھے جنھوں نے بچ کر بھاگ جانے کی کوشش کی ورنہ باقی سب نے یا اپنے تئیں رومیوں کے حوالے کر دیا اور یا گھروں میں بیٹھے کمال بُزدلی کے ساتھ موت کا انتظار کرنے لگے ۔

اس طرح شہر سٹریم ایک ہی دن میں دو مرتبہ مسخر و مفتوح ہوا اور پہلے اگر کامی لس ہی کے بروقت نہ پہنچنے سے چھنا تھا تو اب چھیننے والوں سے بھی محض اسی کی شجاعت و مستعدی نے واپس لیا ۔ ان کارناموں کے صلے میں، جو اس کی پچھلی فتوحات سے کچھ کم باعث فخر و امتیاز نہ تھے، اسے پھر جلوس فتح نکالنے کی عزت حاصل ہوئی اور وہ شہری بھی کہ پہلے اس کو اچھا نہ جانتے تھے اور ازراہ تحقیر اس کی کامیابیوں کو ذاتی قابلیت کے بجائے، محض اتفاق اور خوش قسمتی سے منسوب کرتے تھے، اب مجبور ہو گئے کہ ان آخری کاموں کو اسی کی غیر معمولی محنت و کاردانی کا نتیجہ تسلیم کریں ۔

کامی لس کے مخالفین اور حاسدان شہرت میں سب سے نمایاں مرقس مان لیس تھا - یہ وہی شخص ہے جس نے غالوں کا شبخون قلعہ روما پر دفع کیا اور اس کے صلے میں "کیپی ٹلی نس" یا صاحب قلعہ کا خطاب پایا تھا - جمہوریہ روما میں اولیت حاصل کرلینے کی اُسے بڑی ہوس تھی اور جب وہ شریفانہ کاموں میں ناموری کامی لس سے بازی نہ لے جاسکا تو اُس نے مطلق العنانی حاصل کرنے کا پرانا طریقہ اختیار کیا (جس سے عوام الناس، خصوصاً مقروضین کو ملانا مراد ہے)

بہت سے قرض داروں کی عدالت میں، اس نے وکالت کی، بعضوں کو قانونی احکام کے علی الرّغم مواخذہ ہونے سے بچالیا اور اس طرح تھوڑے دن میں مفلس قلاشوں کے ایک گروہ کثیر کو اپنا طرف دار بنالیا جن کے ایوانِ عام میں، شورش اور ہنگامے بپا کرنے سے تمام معززین شہر خوف زدہ ہوگئے۔ انھیں بدعنوانیوں کے انسداد کے واسطے کوانٹیس کو آمر مقرر کیا گیا اور جب اُس نے مان لیس کو شورش انگیزی کے جرم میں گرفتار کیا تو اکثر عوام الناس نے اپنے لباس بدل دیئے اور یہ وہ اظہار الم کی صورت ہے جو صرف بڑی بڑی قومی مصیبتوں کے موقعوں پر جایز رکھی جاتی ہے۔ لہٰذا مجلس کو فساد کا اندیشہ ہوا اور اُس نے مان لیس کو رہا کرا دیا۔ لیکن رہائی پانے کے بعد اپنا طرزِ عمل بدلنے کے بجائے وہ اور سرکش ہوگیا اور سارے شہر میں فرقہ بندی اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دی۔ اسی بنا پر کامی لس کو پھر جنگی ٹربیون منتخب کیا گیا اور مان لیس کی طلبی عدالت میں ہوئی کہ الزاماتِ شورش کی جواب دہی کرے۔ مگر جس مقام پر تحقیقات کی جارہی تھی اُس نے مان لیس کے فریق مقابل کے راستے میں بڑی رکاوٹ پیدا کی، کیوں کہ اتفاقاً یہ جگہ عین قلعہ روما کے نیچے تھی، اور وہاں سے قلعے کا وہ حصّہ صاف نظر آتا تھا جہاں مان لیس نے غالوں کا مقابلہ کیا تھا، لہٰذا جونھی ملزم آب دیدہ ہوکر اپنے ہاتھ اُدھر بلند کرتا، تمام حاضرین کو اس کا پچھلا کارنامہ یاد آجاتا اور ترس کھانے لگتے۔ اس حال میں جج حیران تھے کہ کیا کریں اور بار بار اُس کے مقدمے کو ملتوی کر دیتے تھے کہ جرم بخوبی ثابت ہوگیا تھا اور اُسے چھوڑنا انھیں گوارا نہ تھا، لیکن

اس حال میں وہ سزا بھی تجویز نہ کر سکتے تھے۔ تب کامی لس نے مقام تحقیقات بدل دینا ہی مناسب سمجھا اور عدالت کو وہاں سے ہٹا کر شہر کے باہر پاٹلی کی بغیچی میں لے گیا جہاں سے قلعے کا کوئی حصّہ بھی نظر نہیں آ سکتا، یہاں اس کے مخالف (مستغیث) نے پوری طرح اپنا استغاثہ پیش کیا اور جج اس قابل ہوئے کہ اُس کے مجرمانہ افعال کو ذہن نشین رکھ سکیں آخر میں وہ مجرم ثابت ہؤا اور قلعہ پر لے جا کر سر کے بل پہاڑی کے اوپر سے گرا دیا گیا۔ گویا وہی جگہ کہ اس کے بہترین کارنامے کی گواہ تھی اُس کے افسوسناک ترین انجام کی یادگار بنی۔ علاوہ ازیں رومیوں نے اس کا مکان گرا کے زمین کے برابر کر دیا اور وہاں مونی ٹا دیوی کے نام پر ایک مندر بنایا۔ نیز آیندہ کے لیے یہ آئین وضع کیا کہ طبقۂ امرا کا کوئی فرد قلعہ پر آن کر آباد نہ ہو۔

اُس کے بعد کامی لس کو چھٹی مرتبہ ٹری بونی کا عہدہ پیش کیا گیا اور اُس نے بڑھاپے کی وجہ سے چاہا کہ معذور رکھا جائے۔ لیکن کچھ عجب نہیں جو وہ گردشِ روزگار سے اندیشہ مند ہوا ہو اور اُس زوال و ادبار سے ڈرتا ہو جو معلوم ہوتا ہی کہ اقبال مندی کے بعد ضرور آ جاتا ہی۔ بہرحال ظاہری عذر علالت ہی کا تھا کہ ان دنوں وہ اتفاق سے علیل بھی تھا اور کسی محنت طلب عہدے کی ذمّہ داریاں نہ اٹھا سکتا تھا۔ لیکن اُس کے ہم وطنوں نے کسی معذرت کو نہ سُنا اور شور مچایا کہ ہمیں کامی لس سے کوئی سواری یا پیادہ پائی کی مشقت لینی نہیں ہی بلکہ صرف اس کی مشورت اور ہدایت درکار ہی۔ چنانچہ آخر میں کامی لس کو ان کی بات ماننی پڑی اور فوجی قیادت لیتے ہی، دوسرے حکام کے ساتھ میدانِ جنگ

میں جانا پڑا - یہ میدان داری پری نس ٹی اور والسکی قوموں سے تھی جنھوں نے رومیوں کے حلیف شہروں میں سخت مصیبت پھیلا رکھی تھی - جب رومی فوجیں دشمن کے قریب پہنچیں تو کامی لس نے اُس وقت کہ اس کی قوت عود کر آئی ، وہی پڑاؤ ڈالے رکھنے کا ارادہ کیا ، اور چاہا کہ لڑائی زیادہ طول کھینچ جائے لیکن اُس کے ایک شریک عہدہ کو جنگ اور حصول نام وری کی بڑی بے تابی تھی اور یہی جوش اُس نے فوج کے اور سرداروں میں بھی پیدا کر دیا تھا ، یہاں تک کہ کامی لس انھیں لڑائی - کے ارادے سے باز نہ رکھ سکا اور اس ڈر سے کہ کہیں اُس کی مخالفت حسد پر مبنی سمجھی جائے ، بادلِ ناخواستہ رضامند ہو گیا کہ خود بہ سبب ناطاقتی چند آدمیوں کے ساتھ پڑاؤ میں ٹھہرا رہے اور اس کا ساتھی لوسیس میدان میں نکل کے مقابلہ کرے -

لوسیس نے فوج کو اندھا دھند لڑایا اور شکست کھائی ، لیکن جب کامی لس نے رومیوں کو پسپا ہو کے بھاگتے دیکھا تو اُس سے نہ رہا گیا وہ بے قرار ہو کے بچھونے پر سے اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنے باقی ماندہ رفقا کو لے کر دوڑا کہ بن پڑے تو لڑائی کو تھامے اور دشمن کو پڑاؤ میں نہ گھسنے نہ دے -

کامی لس کے آتے آتے رومی مفرورین پڑاؤ کے دروازوں تک پہنچ گئے تھے ، پھر بھی جب انھوں نے اپنے بڈھے سپہ سالار کو صف چیر کے دشمن کے مقابلے میں سینہ سپر ہوتے دیکھا تو جو خیمہ گاہ میں پہنچ گئے تھے مڑ کر اُس کے ساتھ ہوئے اور جو باہر سے بھاگے آ رہے تھے وہ بھی رُک کر اُس کے گرد جمع ہو گئے اور ایک دوسرے کو جوش

دلانے لگے کہ خبردار اپنے سپہ سالار کا ساتھ نہ چھوڑنا۔ اس طرح جم کر مقابلہ ہوا تو حملہ آور رُک گئے اور اُس دن لڑائی یہیں تک پہنچ کے ختم ہوگئی لیکن دوسرے دن کامی لس نے خود فوج کو لڑایا اور لڑکر غلبہ پایا اور دشمن کو ریلا دیتا ہوا ان کے پڑاؤ میں داخل ہوگیا۔ اس کے بعد یہ سن کر کہ شہر سٹریم کو ٹسکنون نے فتح کرلیا ہے اور وہاں کے تمام باشندوں کو مار ڈالا ہے، کامی لس اُدھر متوجہ ہوا اور اپنی فوج کے بہت سے سپاہیوں کو جو بھاری زرہ بکتر پہنے ہوئے تھے واپس رومہ بھیج دیا اور صرف نہایت چالاک اور طاقت ور جوانوں کو چن کر یلغار کرتا ہوا یکایک ٹسکنوں پر جا پڑا (جو شہر پر قابض تھے) اور بڑی بھاری فتح پائی، جس میں ہزاروں ٹسکن قتل ہوئے اور جو بچے انھوں نے بہ مشکل بھاگ کر جان بچائی، یہ کامیابیاں پا کے وہ بہت سے مال غنیمت کے ساتھ رومہ لوٹا اور ثابت کردیا کہ فی الحقیقت وہی لوگ زیادہ دانش مند تھے جنھوں نے اس کی ضعیفی اور علالت کا لحاظ نہ کیا تھا بلکہ شجاعت و کاردانی کی بنا پر اُسے اُن تمام جوشیلے نوجوانوں پر ترجیح دی تھی جو نام وری کی ہوس میں بڑھ بڑھ کے آتے تھے اور چاہتے تھے کہ فوج کی سپہ سالاری انھیں دے دی جائے۔

اسی اثناء میں ٹسکلانوں کی بغاوت کی خبر آئی اور انھیں مغلوب و مطیع کرنے کا اہم کام بھی کامی لس کے سپرد کیا گیا اور اُسے اجازت دی گئی کہ اپنے ہم عہدہ حکّام میں سے جس ایک شخص کو چاہے ہمراہی کے لیے منتخب کرے۔ ان میں سے ایک مشتاق تھا کہ یہ عزت مجھے مل جائے لیکن تمام امیدوں کے خلاف کامی لس نے

سب کو چھوڑ کر اُسی لوسیس فیوریس کا انتخاب کیا جس نے چند ہی روز پہلے کامی لس کی بات نہ سنی تھی اور جوش تہوّر میں لڑائی لڑ کر رومیوں کو قریب قریب مغلوب کرا دیا تھا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ وہ لوسیس کی غلطی پر پردہ ڈالنا چاہتا تھا تاکہ وہ اُس کے بارِ ندامت سے نجات پا جائے جب کامی لس کے فوج لے کر آنے کی اطلاع ہوئی تو سرکش ٹسکلا نوں کو سوائے اس کے کوئی تدبیر نہ سوجھی کہ اپنی بغاوت چھپانے کی کوشش کریں۔ چنانچہ رومی ان کے علاقے میں پہنچے تو کسان بالکل اطمینان کے ساتھ اپنے کھیتوں میں ہل چلا رہے تھے، شہر پناہ کے دروازے کھلے ہوئے تھے، مکتبوں میں بچّے پڑھ رہے تھے اور کیا تجارت پیشہ اور کیا کاریگر اہلِ حرفہ، سب اپنے اپنے کاروبار میں مصروف تھے اور معزز لوگ معمولی لباس پہنے اِدھر اُدھر پھر رہے تھے۔ گویا کوئی غیر معمولی واقعہ ہی نہیں پیش آیا ہو اور گویا ان کا کسی سے لڑائی جھگڑا ہی نہیں ہے! اور جونہی رومی شہر کے پاس آئے اُن کے حکام دوڑے ہوئے استقبال کو گئے اور اُن کے ٹھیرانے کا انتظام کرنے لگے۔ گویا نہ انھیں اپنے کسی قصور کا علم ہے نہ اس کی سزا کا کوئی خوف! یہ عیاریاں اگرچہ کامی لس کو دھوکے میں ڈالنے کے لیے کافی نہ تھیں پھر بھی ظاہر کرتی تھیں کہ وہ اپنے کیے پر پشیمان اور تلافی مافات پر آمادہ ہیں پس کامی لس کو اُن پہ ترس آیا۔ اُس نے انھیں ہدایت کی کہ مجلس رومہ سے اپنا قصور معاف کرائیں اور خود بھی اُن کے لیے سعی و سفارش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کے شہر کو معافی دے دی گئی اور دوبارہ رومی حقوق عطا ہوئے۔ کامی لس کی چھٹی ڈکٹیٹری کے مشہور مشہور واقعات یہ تھے

جو میں نے اوپر بیان کیے۔

اس کے بعد لسی نیس اُسٹولو نے شہر میں بڑا ہنگامہ اٹھایا اور عوام الناس کی طرف سے مطالبہ کیا کہ دو قنصلوں میں سے ایک کا عوام میں سے انتخاب کیا جائے۔ (اب تک دونو قنصل طبقۂ امرا میں سے منتخب کیے جاتے تھے) ارکان مجلس اس کے خلاف تھے اور اس وجہ سے ان میں اور لوگوں میں علانیہ مخالفت پیدا ہوگئی تھی، یہاں تک کہ جب عہدہ داروں کے انتخابات کا وقت آیا تو ٹری بیون لوگوں نے منتخب کرلیے لیکن قنصلوں کے تعین و انتخاب میں بڑی گڑبڑ مچائی اور کوئی کارروائی نہ ہونے دی، اب چونکہ کسی اعلیٰ حاکم کے نہ ہونے سے نہایت بدانتظامی پھیلی جاتی تھی لہذا مجلس نے پھر اپنا قانونی حق استعمال کیا اور کامی لس کو چوتھی مرتبہ آمر بنایا، حالانکہ اس انتظام سے نہ صرف عوام الناس نہایت ناراض تھے بلکہ خود کامی لس بھی نہ چاہتا تھا کہ امرا کی وجہ سے (جو محض اپنا مطلب نکالنے کے لیے اُسے بڑھا رہے تھے اور خدا سے چاہتے تھے کہ یا وہ لوگوں کو کچل دے یا لوگ اُسے ذلیل و برباد کردیں) طبقۂ عوام کی ناراضی مول لے، جس نے ہمیشہ لڑائیوں میں اُس کا ساتھ دیا تھا اور جس کی جاں بازی کی بدولت کامی لس کو وہ جلیل الشان کامیابیاں اور یہ تمام نام وری حاصل ہوئی تھی۔ بایں ہمہ آمر بننے کے بعد اس نے ارادہ کیا کہ بہترین طریقے سے اس شورش کا دفعیہ کرے اور اس غرض سے خاص اُس دن، جس دن کہ ٹری بیون مذکورہ مطالبہ قانونی طور پر پیش کرنے والے تھے، اُس نے ایک عام جلسہ قرار دیا اور ایوان شہر کے بجائے حکم دیا کہ سب لوگ شہر کے باہر کمیلیس (یعنی

پڑاؤ) کے میدان میں جمع ہوں، ساتھ ہی عدول حکمی کرنے والوں پر بھاری جرمانہ کرنے کی دھمکی دی، اِن دھمکیوں کے جواب میں ٹری بیونوں نے بالاتفاق یہ معاہدہ کیا کہ اگر کامی لس اسی طرح لوگوں کو قانون جدید کے واسطے رائے دینے سے روکتا اور ٹلاتا رہا تو وہ خود اس پر پچاس ہزار درہم جرمانہ کریں گے! اب نہ معلوم اس جرمانے کے خوف سے یا بہ صورت دیگر جلاوطنی اختیار کرنے کے اندیشے سے، جو پچھلے کارناموں کے بعد اس ضعیفی میں یقیناً سخت ناگوار ہوتی، اور یا اس وجہ سے کہ جمہور کی روزافزوں شورش روکنے کی قوت و استطاعت نہ دیکھی، وہ اس وقت تو اپنے گھر میں چلا گیا اور پھر کچھ دن علالت کے عذر سے خانہ نشین رہنے کے بعد آخرکار اُس نے اپنے عہدے سے استعفا دے دیا۔ اور اب مجلس نے اس کا ایک اور جانشین مقرر کیا، جس نے اہلِ شورش کے سرغنہ سٹولو کو اپنا سردار بنا کے اس قانون کی اجازت بھی دے دی جو طبقۂ امرا کے لیے سراسر نقصان رساں تھی اور جس کے رو سے کوئی شخص پانچ سو ایکڑ زمین سے زیادہ اپنے قبضے میں نہ رکھ سکتا۔ اس قانون نے اسٹولو کو بہت نام ور کر دیا لیکن چند روز بعد ثابت ہوا کہ اوروں کے لیے جتنی زمین رکھنی اُس نے جایز قرار دی تھی، خود اُس سے زیادہ پر قابض ہو لہذا اس پر مقدمہ قایم ہوا اور جو سزا اپنے قانون کی خلاف ورزی کے لیے اس نے مقرر کی تھی وہ سب سے پہلے خود اُسی کو بھگتنی پڑی۔

اس عرصے میں قنصلوں کے انتخاب کا زمانہ پھر قریب آیا اور اصلی بنائے فساد پھر تازہ ہونے لگی تھی کہ اتنے میں خبر ملی کہ غال بحیرۂ اڈریاٹک سے چل چکے ہیں اور ان کا ٹڈی دل دوبارہ روما پر یورش لا رہا ہے۔

اس خبر کے بعد ہی ان کی ترکتازیوں کی اور اطلاعیں بھی پہنچیں۔ یعنی یہ کہ تمام علاقہ، جس سے وہ گزر رہے ہیں، انھوں نے تاراج و تباہ کردیا ہے اور جو اطالوی اُن سے بھاگ کر روما نہ آسکے پریشان اور منتشر ہوکر پہاڑوں میں چھپ رہے ہیں۔ ان خبروں نے روما میں بڑا اثر کیا۔ آنے والی لڑائی کے خوف نے سارے اندرونی جھگڑے بھلا دیے اور عوام و خواص، اہل بازار و مجلس سب نے متفق ہوکر پانچویں مرتبہ کامی لس کو مختار السلطنت یا آمر منتخب کیا جو اگرچہ بہت سن رسیدہ اور اسّی کے پیٹے میں تھا، تاہم ملک و ملت کی نازک حالت کا خیال کرکے فوراً آمادہ ہوگیا اور اس موقع پر ضعیفی یا علالت کا عذر کیے بغیر فوج بھرتی کرنے کی کارروائی شروع کردی، اُسے علم تھا کہ لڑائی میں غالوں کا سارا انحصار تلوار پر ہوتا ہے جسے وہ غیر مصنوعی اور وحشیانہ طریق سے چاروں طرف چلاتے ہیں اور دشمن کا شانہ و سر کاٹ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ لہذا اس حربے کے دفعیے کے واسطے اُس نے لوہے کے خود تیار کرائے اور باہر کا رُخ چکنا رکھا کہ تلوار اُس پر پڑے تو پھسل جائے یا ٹوٹ جائے۔ ساتھ ہی ڈھالوں میں بھی پیتل کے کنارے جڑوا دیئے کیوں کہ محض چوبی ڈھالیں ضربوں کی سہار نہ لاسکتی تھیں اور اکثر ٹوٹ جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ کامی لس نے اپنے سپاہیوں کو دست بدست مقابلے میں برچھی سے کام لینا سکھایا اور اُسی کی چھڑ پر تلوار کا وار روکنے کی تعلیم دی۔

جس وقت غال غنایم سے لدے پھندے اور اپنا بھاری اٹالا لیے قریب پہنچے اور اینیو ندی پر پڑاؤ ڈالا تو کامی لس نے اپنی فوج باہر

نکالی اور ایک اونچی ٹیکری پر خیمے لگائے۔ یہ بلندی زیادہ دشوار گزار نہ
تھی لیکن اوپر جا بجا گڑھے پڑے ہوئے تھے جن میں کامی لس نے
بہت سے آدمیوں کو چھپا دیا تھا کہ دشمن ان کی تعداد کا صحیح اندازہ نہ
کرسکے اور یہ سمجھ کر کہ رومیوں نے ڈر کر اونچی جگہ پڑاؤ کیا ہو۔ پھر اُن
کے اسی قیاس کو تقویت دینے کے لیے اُس نے انھیں اپنی خندقوں کے
پاس تک بلا روک ٹوک لوٹ مچانے دی اور سپاہیوں کو اپنے مضبوط استحکامات
میں خاموش بٹھائے رکھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کا ایک حصّہ تو دانہ
چارا فراہم کرنے کی فکر میں اِدھر اُدھر پھیل گیا اور جو یہاں باقی رہے اُنھوں
نے بے غل وغش دن رات عیش و شراب خواری میں وقت گزارنا شروع کیا
یہ کیفیت دیکھ کر کامی لس نے رات کے اپنے سب سے ہلکے اسلحہ پوشوں کو
پہلے سے بھیج دیا کہ دشمن کے خیمہ گاہ سے نکلتے ہی اس پر جا پڑیں اور اُسے
اس طرح لڑائی میں الجھائے رکھیں کہ وہ باقاعدہ صف بندی نہ کرسکے۔ اس
کے بعد علی الصباح اپنی باقی اور بڑی جمعیت کو صفِ جنگ کی صورت میں
آراستہ کیا اور نیچے کے میدان میں اُتر کے لڑائی مانگی۔ اور سب سے پہلی
بات جس نے غالوں کی ہمت کو کسی قدر پست کیا یہی تھی کہ اُن کے
دشمن نے توقع کے خلاف جارحانہ روش اختیار کی اور پیش قدمی کا سہرا
اُسی کے سر رہا۔ اس کے علاوہ رومی فوج تعداد میں بہت معقول سامنے
آئی اور یہ بات بھی غالوں کے تمام قیاسات کے برعکس تھی کہ انھیں
میدان میں نکلتے نکلتے رومیوں کے ہلکے اسلحہ پوشوں نے آلیا اور قبل
اس کے کہ وہ کوئی ترتیب قایم کرسکیں، انھیں ایسا پریشان کیا کہ وہ
سراسیمہ ہو کے چاروں طرف لڑائی لڑنے لگے اور اُن میں کوئی نظم وضابطہ

نہ رہا۔ لیکن آخر میں جب کامی لس کے بھاری اسلحہ پوش آئے تو وحشیوں نے ان کا مقابلہ پوری قوت سے کیا اور تلواریں علم کرکے رومی صفوں پر جا پڑے۔ اس حملے کو رومیوں نے برچھوں پر روکا ادھر غالوی تلواریں ان کے آہنی خودوں کا کچھ نہ بگاڑ سکیں اور نہ صرف ان کی دھاریں چپٹی پڑگئیں بلکہ نرم اور بُرے پھل ہونے کی وجہ سے وہ اکثر مڑگئیں اور دُہری ہو ہوکے رہ گئیں۔ ساتھ ہی رومی برچھوں نے ان کی ڈھالوں کو چھلنی کردیا اور جن میں یہ برچھے اُلجھے رہ گئے وہ بھاری ہوکر بیکار ہوگئیں۔ اس وقت غالوں نے مجبوراً اپنی ڈھالیں اور تلواریں پھینک کے دشمن کے برچھے لینے کی کوشش کی اور ہاتھوں سے پکڑ پکڑ کے انھیں چھیننے لگے لیکن انھیں نہتا اور بے پناہ دیکھ کے اب رومیوں نے اپنی تلواریں سنبھالیں اور انھیں ایسی خوبی سے استعمال کیا کہ تھوڑی سی دیر میں غالوں کے سینکڑوں آگے بڑھے ہوئے سپاہی کام آئے اور باقی ماندہ ہموار میدان میں جدھر منھ اٹھا بھاگے کیوں کہ اونچے مقامات اور پہاڑیوں پر کامی لس نے پہلے سے قبضہ کررکھا تھا اور پڑاؤ پر وہ جانتے تھے کہ دشمن کا قبضہ بہ آسانی ہوجائے گا۔ جس کا سبب یہ تھا کہ اپنی فتح کے یقین پر اس کو انھوں نے بغیر کسی پہرے چوکی کے خالی چھوڑ دیا تھا، بیان کیا جاتا ہے کہ یہ لڑائی رومہ کی (پچھلی) تباہی کے تیرہ برس بعد وقوع میں آئی اور اس سے رومیوں کا حوصلہ بہت بڑھ گیا اور غالوں کا جو خوف اُن کے دلوں پر بیٹھا ہوا تھا زایل ہوگیا، کیوں کہ اس وقت تک وہ ان کی پہلی شکست کو اپنی شجاعت پر محمول نہ کرتے تھے بلکہ اُس کی وجہ یہ سمجھتے تھے کہ غالوں کو وبا اور دوسرے اتفاقات نے پریشان

کردیا تھا اسی لیے پہلے ان وحشیوں کی بڑی دہشت چھائی ہوئی تھی۔ حتّےٰ کہ انھوں نے ایک قانون وضع کیا تھا کہ مذہبی علما اور پجاری، فوجی خدمت سے مستثنٰی رہیں گے لیکن اگر غالوں نے حملہ کیا تو یہ استثنا ٹوٹ جائے گا اور اس وقت انھیں بھی فوج میں بھرتی کیا جا سکے گا!

کامی لس کا یہ آخری جنگی کارنامہ ہے، باقی شہر ویلی ٹرانی کا از خود اطاعت قبول کر لینا اسی فتح کا ایک نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ لیکن ملکی معاملات میں ابھی اس کو سب سے پیچیدہ اور خاردار مسئلہ سلجھانا باقی تھا، جس سے عوام کا مطالبۂ قنصلی مراد ہے کیوں کہ مظفر و منصور لوٹنے کے بعد اہل شہر پھر مصر تھے کہ قانون وقت کی ترمیم کی جائے اور ایک قنصل ان کے طبقے سے لیا جایا کرے۔ ارکان مجلس اس کے سخت مخالف تھے۔ اور یہی سوچ کر انھوں نے کامی لس کو عہدے سے علیحدہ نہ ہونے دیا کہ اس کی قوت و نام وری کی آڑ میں وہ اپنے حقوق کی خوب حفاظت کر سکتے تھے لیکن نائبینِ جمہور یعنی ٹری بیونوں نے کامی لس کی مطلق پروا نہ کی اور ایک دن جب وہ اپنے دفتر میں بیٹھا سرکاری معاملات طے کر رہا تھا ان کا ایک فرستادہ اس کے پاس پہنچا اور اسے حکم دیا کہ جس طرح بیٹھا ہے اٹھ کھڑا ہو اور اس کے ہمراہ (عدالت ٹری بیونی میں) چلے۔ ساتھ ہی اپنا ہاتھ کامی لس کی طرف بڑھایا گویا زبردستی لے جانے پر آمادہ ہے! اس حرکت پر سارے ایوان میں وہ شور و ہنگامہ مچا کہ پہلے کبھی سننے میں نہ آیا تھا، کامی لس کے گرد جتنے آدمی تھے وہ اس گستاخ شخص کو چبوترے سے نیچے دھکیل رہے تھے لیکن نیچے جو مجمع تھا وہ چلّا رہا تھا کہ "نیچے اتار لاؤ، کامی لس کو نیچے اتار لاؤ" اس کش مکش میں

کامی لس اگرچہ سخت پریشان تھا کہ کیا کرے تاہم اس نے اپنے عہدے سے دست کشی نہ کی بلکہ اہل مجلس کو ساتھ لے کے ایوان مجلس میں چلا گیا اور اندر داخل ہونے سے پہلے مراد مانگی کہ اگر یہ ہنگامہ فرو ہوگیا تو اتحاد کے نام پر ایک مندر تعمیر کراؤں گا۔ اب گو مجلس میں اول اول سخت اختلاف آرا تھا مگر آخر میں انھیں کی رائے غالب آئی جو سب سے زیادہ معتدل اور عوام الناس کے ہم خیال تھے اور اس بات کی منظوری دے دی گئی کہ آیندہ دو میں سے ایک قنصل طبقۂ عوام سے انتخاب کیا جایا کرے۔ جب اس فیصلے کا کامی لس نے لوگوں میں اعلان کیا تو ان کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی، مجلس کے ساتھ بھی انھیں جو کاوش تھی وہ حسب توقع زایل ہوگئی اور اپنے مختار السلطنت کو وہ بڑے شادیانے بجاتے اس کے گھر تک پہنچانے آئے۔ دوسرے دن جلسۂ عام میں انھوں نے کامی لس کی منّت کے موافق طے کیا کہ ایوان شہر اور چوک کے مقابل اتحاد کا مندر تعمیر کیا جائے۔ نیز اپنے خاص تہواروں میں، جو تعطیلات لاطینی کہلاتی ہیں ایک دن اور بڑھا کے ان کی تعداد چار کر دی اور بروقت اظہار شادمانی کے واسطے حکم دیا کہ ہر شخص آج کے دن سہرے باندھ باندھ کے قربانیاں کرے۔

اس کے بعد کامی لس ہی کی نگرانی میں قنصلوں کا انتخاب ہوا جس میں مرقس امی لیس طبقۂ خواص میں کامیاب ہوا اور لوسیس سکی ٹیس پہلی مرتبہ طبقۂ عوام سے منتخب ہوا۔ یہ کامی لیس کا سب سے آخری کام تھا۔ دوسرے ہی سال شہر میں ایسی وبا پھیلی کہ ہزاروں بندگان خدا اور بہت سے حکام اور ذی مرتبہ اشخاص فنا ہوگئے۔ انھیں میں کامی لس بھی تھا جس کی موت اگرچہ بڑی عمر اور اس سے بھی بڑے کارناموں کی وجہ سے بے وقت نہیں کہی جا سکتی، تاہم اس اکیلے کا رومیوں نے اس قدر سوگ کیا کہ باقی جو لوگ وبا میں مرے تھے ان سب کا مجموعی طور پر اتنا نہ کیا تھا؂

ہماری زبان

انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) کا پندرہ روزہ اخبار
ہر مہینے کی پہلی اور سولھویں تاریخ کو شائع ہوتا ہی
چندہ سالانہ ایک رُپیہ فی پرچہ پانچ پیسے

اُردو

انجمن ترقی اُردو (ہند) کا سہ ماہی رسالہ

جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شایع ہوتا ہی

اس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہی۔ تنقیدی اور محققانہ مضامین خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ اُردو میں جو کتابیں شایع ہوتی ہیں۔ ان پر تبصرہ اس رسالے کی ایک خصوصیت ہی۔ اس کا حجم ڈیڑھ سو صفحے یا اس سے زیادہ ہوتا ہی قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملا کر سات رُپے سکۂ انگریزی (آٹھ رُپے سکۂ عثمانیہ) نمونے کی قیمت ایک رُپیہ بارہ آنے (دو رُپے سکۂ عثمانیہ)

رسالۂ سائنس

انجمن ترقی اُردو (ہند) کا ماہانہ رسالہ

(ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد سے شائع ہوتا ہی)

اس کا مقصد یہ ہی کہ سائنس کے مسائل اور خیالات کو اُردو دانوں میں مقبول کیا جائے۔ دنیا میں سائنس کے متعلق جو جدید انکشافات وقتاً فوقتاً ہوتے ہیں یا بحثیں یا ایجادیں ہو رہی ہیں ان کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جاتا ہی اور ان تمام مسایل کو حتی الامکان صاف اور سلیس زبان میں ادا کرنے کی کوشش کی جاتی ہی۔ اس سے اُردو زبان کی ترقی اور اہلِ وطن کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہی۔ رسالے میں متعدد بلاک بھی شائع ہوتے ہیں۔ قیمت سالانہ صرف پانچ رُپے سکۂ انگریزی (چھ رُپے سکۂ عثمانیہ)

خط و کتابت کا پتا:۔ معتمد مجلس ادارت رسالۂ سائنس جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن

انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی

عام پسند سلسلہ

اُردو زبان کی اشاعت و ترقی کے لئے بہت دنوں سے یہ ضروری خیال کیا جا رہا تھا کہ سلیس عبارت میں مفید اور دلچسپ کتابیں مختصر حجم اور کم قیمت کی بڑی تعداد میں شایع کی جائیں۔ انجمن ترقی اُردو (ہند) نے اسی ضرورت کے تحت عام پسند سلسلہ شروع کیا ہے اور اس سلسلے کی پہلی کتاب ہماری قومی زبان ہے جو اُردو کے ایک بڑے محسن اور انجمن ترقی اُردو (ہند) کے صدر جناب ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو کی چند تقریروں اور تحریروں پر مشتمل ہے۔ اُمید ہے کہ یہ سلسلہ واقعی عام پسند ثابت ہوگا اور اُردو کی ایک بڑی ضرورت پوری ہو کر رہے گی۔ قیمت ۸؍

ہمارا رسم الخط

از جناب عبدالقدوس صاحب ہاشمی

رسم الخط پر علمی بحث کی گئی اور تحقیق و دلیل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ ہندستان کی مشترکہ تہذیب کے لئے اُردو رسم الخط مناسب ترین اور ضروری ہے۔

گیارہ پیسے کے ٹکٹ بھیج کر طلب کیجیے۔

منیجر انجمن ترقی اُردو (ہند) ۱۔ دریا گنج۔ دہلی